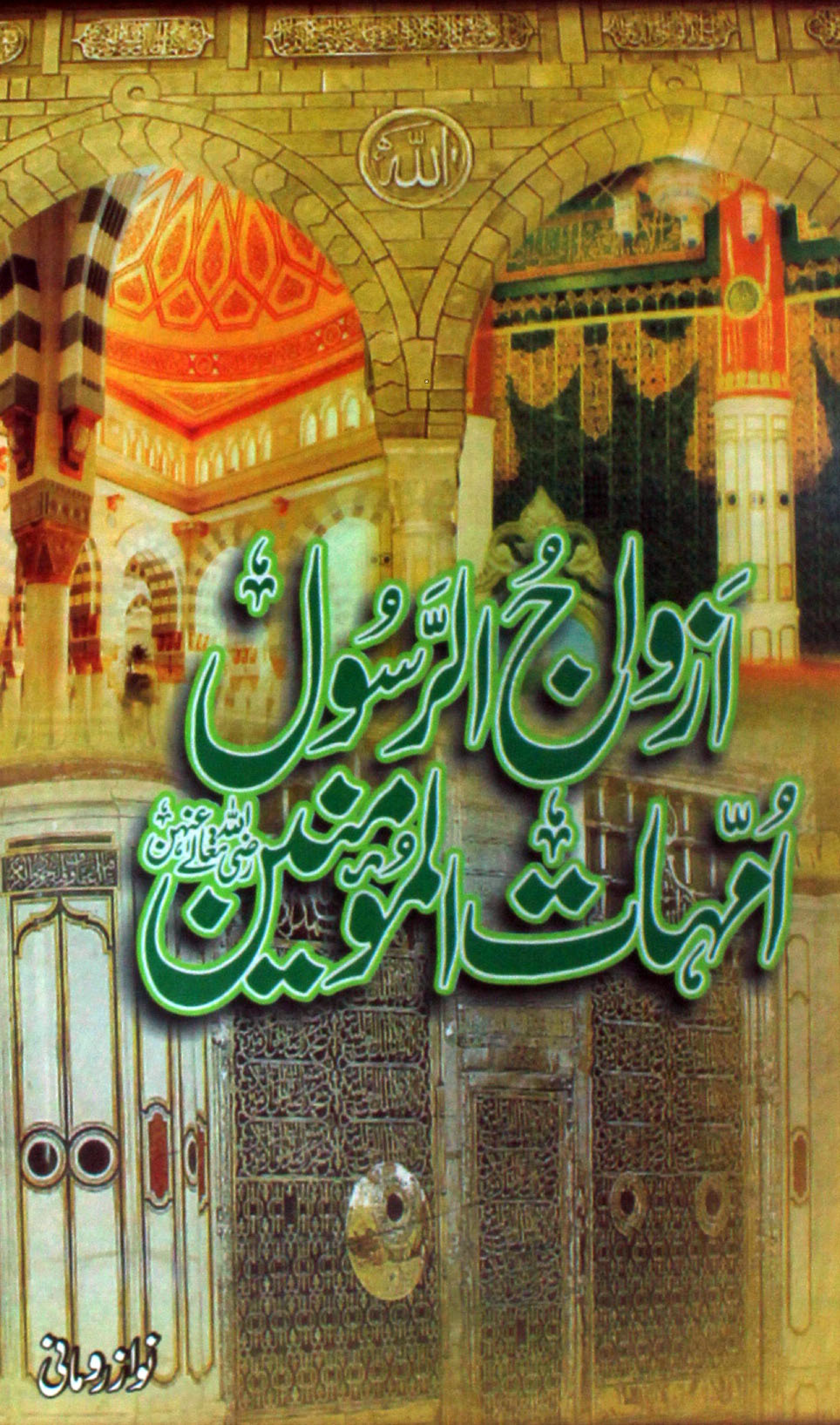

ازواج الرسول ﷺ

امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن

نواز رومانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ازواج الرسول ﷺ

امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن

marfat.com

ازواجُ الرسولؐ

اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن

نواز رومانی

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

۱۱۔ گنج بخش روڈ لاہور

042-7313885

marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	——	ازواج الرسول اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن
مصنف	——	نواز رومانی
تعداد صفحات	——	662
باردوم	——	فروری 2006ء
کمپوزنگ	——	ورڈز میکر
باہتمام	——	سیّد محمد شجاعت رسول شاہ قادری
ناشر	——	نوریہ رضویہ پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور
مطبع	——	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپیوٹر کوڈ	——	1N69
قیمت	——	250 روپے

ملنے کے پتے

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

37-الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

مکتبہ نوریہ رضویہ

گلبرگ اے فیصل آباد فون: 2626046

marfat.com

آئینہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	انتساب	۷
۲	امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن	۸
۳	عرض ناشر	۹
۴	ابتدائیہ کلمات	۱۱
۵	پیش لفظ از قاری الٰہی بخش نوری	۱۷
۶	اجمالی سوانحی خاکہ اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن	۲۱
۷	مسافرانِ راہِ حق و باطل	۲۳
۸	ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۸۷
۹	حکمتِ نکاح	۸۹
۱۰	حالاتِ زندگی	۹۱
۱۱	ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۱۲۹
۱۲	حکمتِ نکاح	۱۳۱
۱۳	حالاتِ زندگی	۱۳۳
۱۴	ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۱۸۱
۱۵	حکمتِ نکاح	۱۸۳
۱۶	حالاتِ زندگی	۱۸۵
۱۷	ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۲۷۱
۱۸	حکمتِ نکاح	۲۷۳
۱۹	حالاتِ زندگی	۲۷۵

marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۲۰	ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳۱۱
۲۱	حکمتِ نکاح	۳۱۳
۲۲	حالاتِ زندگی	۳۱۵
۲۳	ام المومنین حضرت اُم سلمہ ہند بنت ابی اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳۲۹
۲۴	حکمتِ نکاح	۳۳۱
۲۵	حالاتِ زندگی	۳۳۳
۲۶	ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳۹۳
۲۷	حکمتِ نکاح	۳۹۵
۲۸	حالاتِ زندگی	۳۹۷
۲۹	ام المومنین حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۴۴۹
۳۰	حکمتِ نکاح	۴۵۱
۳۱	حالاتِ زندگی	۴۵۳
۳۲	ام المومنین حضرت اُمِ حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۴۶۹
۳۳	حکمتِ نکاح	۴۷۱
۳۴	حالاتِ زندگی	۴۷۳
۳۵	ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۵۲۱
۳۶	حکمتِ نکاح	۵۲۳
۳۷	حالاتِ زندگی	۵۲۵
۳۸	ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۵۷۱
۳۹	حکمتِ نکاح	۵۷۳
۴۰	حالاتِ زندگی	۵۷۵
۴۱	ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ بنت شمعون المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۶۲۳
۴۲	حکمتِ نکاح	۶۲۵
۴۳	حالاتِ زندگی	۶۲۷
۴۴	کتابیات	۶۶۱

marfat.com

انتساب

اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کے نام
جن کی مقدس و مطہر زندگیوں کے حالات نہ صرف
خواتین بلکہ مردوں کے لیے بھی مشعلِ راہ ہیں، ان
کی عظمتوں کو ہزاروں سلام

marfat.com

امہات المؤمنین

(رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

خاتم دیں کا نگیں ہیں اُمہاتؓ المؤمنین
علم نبویؐ کی امیں ہیں اُمہاتؓ المؤمنین

ان کی خاک پا کا سرمہ دولت کونین ہے
حامل شاں بالیقیں ہیں اُمہاتؓ المؤمنین

بے ادب ان کا کبھی جنت میں جا سکتا نہیں
حرم نبویؐ کی مکیں ہیں اُمہاتؓ المؤمنین

نصف دیں ان کے توسط سے ملا ہے دوستو
چاندنی دین متیں ہیں اُمہاتؓ المؤمنین

کون ہو سکتا ہے ثانی دہر میں ان کا نوازؔ
نور و نکہت کی جبیں ہیں اُمہاتؓ المؤمنین

نواز رومانی

marfat.com

عرض ناشر

اسلام دینِ فطرت اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا پسندیدہ ہے اور جو مسلمان مرد ہو یا عورت اس سے جتنا دُور ہوتا ہے اتنا ہی وہ مصائب و آلام' بے سکونی و بے اطمینانی اور پریشانی و درماندگی کا شکار ہوتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس پر کلی یقین تھا کہ اللہ کریم کے جس فرمان اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی جس سنت پر عمل نہ کیا جائے تو دُکھ تکلیف اسی راستے سے انسان پر وارد ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رومیوں کے مقابل صف آرا تھے' کئی روز سے جنگ فتح نہیں ہو رہی تھی' غور کرنے لگے کہ شاید حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت پر عمل نہیں ہو رہا۔ معاً خیال آیا کہ کئی دنوں سے مجاہدین اسلام مسواک نہیں کر سکے۔ چنانچہ حکم دیا کہ صبح اُٹھ کر سب مسواک کریں۔ اگلے دن صبحدم جب رومیوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو کہنے لگے:

''مسلمان دانت تیز کر رہے ہیں' لگتا ہے کچا چبا جائیں گے''

لہٰذا اسی روز مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

فی زمانہ مسلمان جن طور طریقوں کو اختیار کر رہے ہیں اور مغربیت کے جس رنگ کو اپنے اوپر چڑھا رہے ہیں اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم کس قدر قرآن و سنت کے احکامات سے دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طرف افراتفری' نفسانفسی' لُوٹ کھسوٹ' دغا وفریب' زر پرستی' بغض وعناد' فحاشی وعریانی' منافقت وعصبیت' ریاکاری ولغوگوئی' مساجد کی ویرانی اور عیش وطرب کی محفلوں کی آبادی' اسلامی تعلیمات سے بیگانگی اور شیطانی وغیرنافع علوم وفنون سے وابستگی بڑھتی جا رہی ہے۔ آج اگر ہر گھر کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے اور ہر فرد کے دل و دماغ میں جھانک کر دیکھا جائے تو پریشان پریشان' اُجڑا اُجڑا اور ویران ویران سا نظر آتا ہے۔ میاں بیوی میں ذہنی ہم آہنگی وحسن سلوک نہیں ہے' اولاد کے تعمیر اخلاق وکردار کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی جا رہی

marfat.com

ہے' والدین کا ادب آداب دلوں سے اُٹھ گیا ہے' رشتہ داریوں میں صلہ رحمی نہیں رہا' ہمسایوں کے دُکھ درد سے لاتعلقی ہے' خواہشات کے نت نئے بت ہر کسی نے اپنے سینے میں سجا رکھے ہیں' من مانی کو وطیرہ بنا رکھا ہے' علمائے حق سے غیروں جیسا سلوک کیا جارہا ہے' جعلی نام نہاد پیروں سے اندھی عقیدت نے گمراہی کی راہیں کشادہ کر دی ہیں' سکون و اطمینان عنقا ہے' مادہ پرستی کی دوڑ نے آخرت سے غافل کر رکھا ہے لیکن کس کو اتنی فرصت ہے کہ غور کرے' آخر ایسا کیوں ہے؟

دراصل ہماری زندگی جس بھنور میں چکر کھا رہی ہے' ہمارے لیل و نہاد جس سولی پر چڑھے ہوئے ہیں' ہمارے حالات جس تباہی و بربادی کی نشاندہی کرتے ہیں' ہماری سوچیں جس منفی رُخ پر رواں دواں ہیں' ہمارے خیالات جس اُلجھاؤ کا شکار ہیں' ہمارے جذبات جس خلفشار میں مبتلا ہیں اور ہمارا گردوپیش جو بھیانک تصویر کشی کرتا ہے' یہ سب اسلام سے دُوری' قرآن سنت کی تعلیمات سے عدم واقفیت اور ہمارے رُخ کی غیر سمت پر ہونے کی دلیل اور منطقی نتیجہ ہے۔

زندگی کو سنوارنے اور اسے جنت بداماں بنانے کے لیے نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے اور گھر کی دنیا کو راحتوں' محبتوں اور سکون سے ہمکنار کرنے اور اسے مثالی بنانے کے لیے ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن جو مومنین کی مائیں ہیں' کی مقدس و مطہر زندگیوں کے حالات و واقعات کی روشنی میں شب و روز بسر کرنا ازبس ضروری ہے۔ لہٰذا ان سے متعلق آگہی نہ صرف عورتوں بلکہ مردوں کے لیے بھی وقت کا تقاضا ہے۔

''ازواج الرسول اُمہات المومنین'' جو نواز رومانی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے' کا نہ صرف مطالعہ کرنا بے حد افادیت کا حامل ہے بلکہ اس کا ہر گھر میں موجود ہونا کسی گنج گرانمایہ سے کم نہیں ہے اس میں آپ کو وہ سب کچھ ملے گا جس سے گھریلو زندگی میں بہاریں مسکرانے لگیں گی۔

سید شجاعت رسول قادری

marfat.com

ابتدائیہ کلمات

عورت کی اپنی حیثیت' انفرادیت اور مقام و مرتبہ ہے۔ یہ چراغ خانہ ہے' شمع محفل نہیں۔ اس نے زندگی کے مختلف مراحل میں منفرد و یگانہ کردار ادا کرنا ہوتا ہے' وہ پہلے بیٹی پھر بیوی اور بعدازاں ماں کا روپ اختیار کر لیتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت کا دوسرا نام حیا ہے اس کے اپنے مسائل اور اس کی خانگی زندگی کے اپنے تقاضے ہیں جن کا برملا اظہار وہ کسی غیر محرم کے روبرو نہیں کر سکتی۔ ان سے متعلق وہ کسی عورت سے ہی کھل کر بات کر سکتی ہے۔ اپنی عمر کے دوران میں وہ جن مراحل سے گزرتی ہے' ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ہر مرحلہ میں بھرپور مدد و رہنمائی حاصل ہو اور اس کے لیے کوئی ایسا مثالی نمونہ موجود ہونا چاہیے جس کی روشنی میں وہ بہترین اور قابلِ رشک زندگی بسر کر سکے اور یہ نمونہ صرف رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کی مقدس زندگیوں میں ہی ملتا ہے۔ لاریب جس طرح کوئی قطب عالم' غوث' ابدال اس ایک صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت کو نہیں پہنچ سکتا جس کو صرف ایک دن محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہو بلکہ وہ ان کے پاؤں کے نیچے آنے والی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ بعینہٖ کوئی رابعہ عصر اور ولیہ کامل خاتون حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ایک زوجہ محترمہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتی بلکہ وہ اسی میں اپنی سربلندی محسوس کرتی ہے اگر وہ ان کے قدموں کی دھول کو اپنی حیات کا سنگھار بنا لے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی عظمت کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے

marfat.com

قرآنِ حکیم کی سورہ الاحزاب، آیت ۳۲ میں بیان کیا گیا ہے جس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

ینسآء النبی لستن کاحد من النسآء.

یعنی اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مثل نہیں ہو اور یہ آیتِ مبارکہ صبح و شام چہار اکناف عالم میں تلاوت کی جاتی ہے جس کے ذریعے مسلمان عورتوں کو یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ:

''اے عورتو! اگر دنیا و آخرت میں بھلائی کی متمنی ہو تو ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کی حیاتِ مقدسہ کے نقش پا پر اپنے لیل و نہار استوار کرو۔ یہ پاکیزہ خواتین اُمتِ مسلمہ کی معلمات ہیں لٰہذا جینے اور زندہ رہنے کا ڈھنگ ان سے سیکھو اگر حیات مستعار میں کوئی کٹھن و دشوار مقام آ جائے تو رہنمائی صرف ان سے ہی حاصل کرو، وہ تمہیں بتائیں گی کہ زندگی کے ہر موڑ پر اسے جنت نشان کیسے بنایا جا سکتا ہے۔''

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن وہ خوش بخت اور عظیم ہستیاں ہیں جو آخرت میں بھی اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی۔ یہی تو وہ عالی مرتبت و واجب الاحترام خواتین ہیں جن کے توسط سے اُمتِ مسلمہ کو نصف دین ملا اور جب محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ صرف خواتین بلکہ جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین بھی بعض خانگی اور دیگر مسائل میں ان جنتی خواتین سے اکتساب فیض کیا کرتے تھے۔ ان ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کی زندگیوں کا ایک ایک لحہ قربِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے نور و نکہت میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ مومنین کی مائیں ہیں جن کا ادب و احترام سب پر واجب ہے اور اگر کوئی ان کی گستاخی و بے ادبی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد دُکھ ہوتا ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ دیتا ہے، وہ لاریب جہنم کا ایندھن ہے۔

نورِ مجسم، رحمۃ اللعالمین، راحت قلب و نظر، باعث کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن جن گوناگوں صفاتِ عالیہ اور اوصاف حمیدہ سے متصف

marfat.com

قرآنِ حکیم کی سورہ الاحزاب، آیت ۳۲ میں بیان کیا گیا ہے جس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

ینسآء النبی لستن کاحد من النسآء.

یعنی اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مثل نہیں ہو اور یہ آیتِ مبارکہ صبح و شام چہار اکناف عالم میں تلاوت کی جاتی ہے جس کے ذریعے مسلمان عورتوں کو یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ:

''اے عورتو! اگر دنیا و آخرت میں بھلائی کی متمنی ہو تو ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کی حیاتِ مقدسہ کے نقش پا پر اپنے لیل و نہار استوار کرو۔ یہ پاکیزہ خواتین اُمتِ مسلمہ کی معلمات ہیں لہٰذا جینے اور زندہ رہنے کا ڈھنگ ان سے سیکھو اگر حیات مستعار میں کوئی کٹھن و دشوار مقام آ جائے تو رہنمائی صرف ان سے ہی حاصل کرو، وہ تمہیں بتائیں گی کہ زندگی کے ہر موڑ پر اسے جنت نشان کیسے بنایا جا سکتا ہے۔''

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن وہ خوش بخت اور عظیم ہستیاں ہیں جو آخرت میں بھی اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی۔ یہی تو وہ عالی مرتبت و واجب الاحترام خواتین ہیں جن کے توسط سے اُمتِ مسلمہ کو نصف دین ملا اور جب محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ صرف خواتین بلکہ جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین بھی بعض خانگی اور دیگر مسائل میں ان جنتی خواتین سے اکتساب فیض کیا کرتے تھے۔ ان ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کی زندگیوں کا ایک ایک لمحہ قربِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے نور و نکہت میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ مومنین کی مائیں ہیں جن کا ادب و احترام سب پر واجب ہے اور اگر کوئی ان کی گستاخی و بے ادبی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد دُکھ ہوتا ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ دیتا ہے، وہ لاریب جہنم کا ایندھن ہے۔

نورِ مجسم، رحمۃ اللعالمین، راحت قلب و نظر، باعث کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن جن گوناگوں صفاتِ عالیہ اور اوصاف حمیدہ سے متصف

marfat.com

تھیں' ان سب کو اگر یکجا کر دیا جائے تو ایک بے مثل و بے مثال گلہائے رنگیں کا گلدستہ بنتا ہے جو کاشانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھا اس گلدستے میں جن رنگوں اور خوبیوں کے پھول لگے ہوئے تھے' وہ یہ ہیں:

ایثار و قربانی' فہم و فراست' تدبر' حکمت و اطاعت' شگفتگی طبع' فیاضانہ سخاوت' معلمہ اُمت' محسنہ خواتین' کشادہ دست' علم و عرفان' ماہر علم الانساب' محبوبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم' محدثہ' فقیہہ' صائب الرائے' اجتہاد و فکر' غرباء کی غمگساری' پابندیٔ احکام و فرامین دین متین' زہد و ریاضت' ایمان و ایقان' جذبہ محبت و عشق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشاری' مصائب و شدائد میں صابر' خدمت گزار' عمدہ اخلاق و اعمال' بلند حوصلہ' سیر چشم' جود و سخا' حق گوئی' بیدار مغز' بلند ہمت' عالی ظرف' عجز و انکساری' غیرت ایمانی' سلیقہ شعاری' سلیم الفطرت' بردبار' جذبات سوز و گداز' غریب پرور' پرہیزگار' فیاض' صلہ رحمی اور تسلیم و رضا۔

ان عالی مرتبت اُمہات المومنین رضوان اللہ عنہن کے معمولات لیل و نہار کی خنک و مسحور کن چاندنی ہنوز ہر سو پھیلی ہوئی ہے اور قیامت تک پھیلی رہے گی اور اس چاندنی کی ہر کرن مسلمان عورتوں کو مخاطب کر کے کہہ رہی ہے اور کہتی رہے گی:

......اے مغرب کے دام تزویر میں گرفتار عورتو!

......اے دنیائے دنی کی بے ثبات و عارضی چکا چوند کی متوالی عورتو!

......اے گھروں کو غیر آباد اور ہوٹلوں اور کلبوں کو آباد کرنے والی عورتو!

......اے رقص و سرود اور موسیقی و نغمات کی شیدائی عورتو!

......اے خاوند کی نافرمان عورتو!

......اے تعلیمات اسلامی سے بے بہرہ عورتو!

......اے لعل و گوہر اور سونے چاندی پر مر مٹنے والی عورتو!

......اے قرآن و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات و فرامین سے نابلد و ناواقف عورتو!

marfat.com

......اے عیش و عشرت پر فدا ہونے والی عورت تو!

......اے دینِ اسلام سے صرف نام کا تعلق رکھنے والی عورت تو!

......اے محبت و عشق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات سے تہی دامن عورت تو!

......اے گھریلو پُرسکون ماحول کو خود عذاب بنانے والی عورت تو!

......اے پابندی ارکانِ اسلام سے بیزار عورت تو!

......اے شمع محفل بننے والی عورت تو!

......اے بے پردگی و بے حجابی و بے حیائی کو فروغ دینے والی عورت تو!

......اے راضی برضا نہ رہنے والی عورت تو!

......اے حرص و آز کی شکار عورت تو!

......اے چغل خوری و بہتان طرازی کی خوگر عورت تو!

......اے حالات کی چکی میں پسی ہوئی عورت تو!

......اے قناعت پسندی سے گریزاں عورت تو!

......اے دامن عزت و ناموس کو داغ دار کرنے والی عورت تو!

......اے فیشن کے نام پر عریانی پسند عورت تو!

......اے اللہ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع سے دُور عورت تو!

......اے جہانِ آخرت کو فراموش کرنے والی عورت تو!

......اے لہو ولعب میں ملوث عورت تو!

......اے اصلاح احوال کی طرف سے غافل عورت تو!

......اے اعلیٰ اخلاق و کردار و کمال سے عاری عورت تو!

......اے آزادی نسواں کی آڑ میں گھریلو زندگی کو اجیرن بنانے والی عورت تو!

......اے جدیدیت کے نام پر گمراہی کی علمبردار عورت تو!

......اے خواہشاتِ نفسانی کی راہ پر گامزن عورت تو!

......اے مرورِ زمانہ کے ہاتھوں دل برداشتہ عورت تو!

marfat.com

...... اے ذہنی خلفشار، روحانی کرب اور حوادث لیل ونہار سے زخم زخم عورتو!

...... اے بے علمی کی آسیب زدہ عورتو!

...... اے گھریلو سکھ چین کی متلاشی عورتو!

...... اے تقدیر کی شاکی عورتو!

...... اے جنت بداماں زندگی بسر کرنے کی آرزومند عورتو!

...... اے گردوپیش کے ماحول کا رونا رونے والی عورتو!

...... اے نام نہاد پیروں، فقیروں اور قبر فروش گدی نشینوں کے قدموں میں عقیدت سے بیٹھنے اور ان کے پاؤں دبانے والی عورتو!

...... اے شرم وحیا کی اوڑھنی کو اپنے جسم سے اُتارنے والی عورتو!

...... اے نامحرموں کے ساتھ خوش گپیاں کرنے والی عورتو!

...... اے اطمینانِ قلب وطمانیت کی طلب گار عورتو!

...... اے روحانی عوارض میں مبتلا عورتو!

...... اے عورت کے نام پر دھبہ لگانے والی عورتو اور

...... اے نسوانیت کے بلند و بالا مقام سے پستیوں میں گرنے والی عورتو!

تم میں سے ہر عورت رابعہ عصر اور ولیہ کامل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن ذرا ہماری طرف رجوع تو کرو، ہمارے ساتھ ٹوٹا ہوا محبت کا رشتہ تو جوڑو اور ہمارے ساتھ روحانی ناطہ قائم کر کے دیکھو، تمہاری دنیاوی واُخروی حیات اس قدر حسین وجمیل اور مثالی و پُرکشش بن جائے گی کہ حورانِ خلد بھی تم پر رشک کریں گی۔

''ازواج الرسول اُمہات المومنین'' رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کے حالات و واقعات کے خوبصورت موتیوں کو جو مختلف کتب وغیرہ میں بکھرے پڑے تھے، انہیں یکجا کر دیا گیا ہے لیکن حق ادا نہیں کر سکا۔ حق یہ ہے کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر زوجۂ اطہر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیاتِ مقدسہ پر الگ سے کتاب تصنیف کی جاتی تا کہ ان کی مثالی خانگی زندگی کے ہر گوشے کو تفصیلاً اُجاگر کیا جاتا لیکن اس کے باوجود ان صفحات میں زندگی

marfat.com

کے راستوں کو ہموار کرنے، انہیں پُرنور بنانے اور رُخ کی درستگی کے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت کچھ ملے گا۔

زیرِنظر کتاب کے آغاز میں ''مسافرانِ راہ حق و باطل'' کے مضمون کا اضافہ کیا گیا ہے جس کی فی زمانہ بے حد افادیت، ضرورت اور اہمیت ہے اس کو رقم کرنے کا مقصد مستشرقین کی اس دریدہ دہنی اور خبث باطن کا جو وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدد ازواج کے بارے میں اظہار کرتے رہتے ہیں، سدباب کرنا ہے اور اس باب کو ضبط تحریر میں لانے کا محرک حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی معرکۃ الآرا تصنیف ''ضیاء النبی'' کی جلد (٦) اور (٧) بنی ہیں جس کے لیے میں ان کی مبارک روح کو سلام پیش کرتا ہوں اس کے علاوہ اور بھی کئی مصنفین کی نگارشات، کتب اور مضامین سے استفادہ کیا ہے لہٰذا میں ان کا بھی تہہ دل سے مشکور ہوں اسی دوران میں محترم عرفان صدیقی کا کالم ''صرف ایک سوال'' ٢٣ فروری ٢٠٠٣ء کے روزنامہ نوائے وقت لاہور میں نظر نواز ہوا، موضوع کی مناسبت سے اسے بڑا مفید مطلب اور موزوں پایا تو اسے بھی اس میں شامل کر لیا ہے لہٰذا میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ کتاب ہذا کے آخر میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالاتِ زندگی بھی شامل کر دیئے گئے ہیں جن کے بطن سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تولد ہوئے تھے۔

چند سال قبل راقم الحروف نے ''سیارہ ڈائجسٹ'' کا خصوصی نمبر ''ازواجِ مطہرات'' تحریر کیا تھا اس وقت سے متعدد احباب کا تقاضا تھا کہ اسے کتابی صورت میں شائع ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس کو عملی جامہ پہنانے کی سعادت محترم سید شجاعت رسول قادری مالک ادارہ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور کو مل رہی ہے۔ اب اشاعت کے حقوق ان کے پاس ہیں۔

مذکورہ خصوصی نمبر میں جناب محمد حفیظ نے چند اغلاط کی طرف نشاندہی کی تھی جنہیں اس میں درست کر دیا گیا ہے اس کے لیے میں ان کا ممنون ہوں۔

نواز رومانی

marfat.com

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی وسلم علیٰ سیدنا ورسولنا محمد الکریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ امہات المومنین وآلہ الطیبین الطاہرین وعلیٰ جمیع المومنین والمسلمین برحمتک یاارحم الراحمین.

وبعد محترم ومکرم جناب برادرم نواز رومانی صاحب جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے نواز کر حقیقی معنوں میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، عشق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور محبتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ اجمعین دے کر نواز رومانی بنا دیا ہے۔

یہ میرے فاضل دوست میدانِ تحریر میں اپنی کسی تالیف میں پیش لفظ کے محتاج نہیں اور نہ ہی یہ موصوف اس میدان میں کسی تعارف کے محتاج ہیں یہ تو بندۂ ناچیز کے ساتھ ان کی خصوصی محبت ہے کہ میرے چند الفاظ کو اپنی روحانی تصنیفات میں جگہ دے کر مجھے شرف بخشتے ہیں۔ بندہ تہہ دل سے ان کا شکرگزار ہے۔

تقاضائے محبت

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کی صورت، سیرت، خاندان، علم، عمل، شب و روز، زندگی، وفات، ابتدا، انتہا، جائے پیدائش اور وفات حتیٰ کہ وہ کوچہ، گلیاں اور خاندان کا ہر فرد پیارا لگتا ہے پھر جس کی صورت نرالی ہو، سیرت مثالی ہو، علم جمالی ہو اور بلکہ پورا خاندان ہی بے مثل و بے مثال ہو اس پر نواز رومانی جیسا عاشقِ

marfat.com

رسول ہی قلم اُٹھا سکتا ہے۔ ازواجِ مطہرات کے بارے میں قرآنِ کریم میں یہ اعلان موجود ہو کہ:

یانساء النبی لستن لأحد من النساء.

اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی (پاک دامن) بیویو! دنیا کی عورتوں میں تمہارے جیسا کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا تمہیں دنیا میں ایسا عمل کرنا ہے کہ وہ باقی تمام اُمتِ مسلمہ کی خواتین کے لیے عملی نمونہ بن جائے۔ چنانچہ تمام ازواجِ مطہرات کے بارے اگر ہمیں علم نہ بھی ہو تو صرف حضرت عائشہ صدیقہ بنت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی پر اگر ہم غور کریں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی زندگی کا ہر پہلو سامنے نظر آ جاتا ہے۔ شفقت اور محبت کا وہ کون سا حصہ ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواجِ مطہرات کو نہیں دیا بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ازواجِ مطہرات نے بھی اطاعت و فرماں برداری کا کما حقہ حق ادا فرمایا بالخصوص حضرت سیدہ صدیقہ طاہرہ نے تو کمال حق ادا فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں ... کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حق ادا کرنا اتنا آسان نہیں۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء.

رومانی صاحب کی اس کتاب کو اُمتِ مسلمہ کی تمام خواتین کو مطالعہ فرمانا چاہیے تاکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجی زندگی سے آگاہی ہو کہ وہ خواتین شہنشاہِ دوجہان کے حرم میں رہتے ہوئے فقر و فاقہ کے باوجود کس قدر صابرہ اور شاکرہ تھیں

کل جہاں ملک ہے اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے اور اپنی ازواجِ مطہرات کو بھی وہ تمام دنیا کی عیش و عشرت کا سامان مہیا فرما سکتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بأمر اضطراری نہیں بلکہ بصفت اختیاری علی الاعلان فرمایا۔ (الفقر فخری) کہ فقر میرا طرۂ امتیاز ہے اور یہ امتیازی شان ازواجِ مطہرات میں بھی تھی۔ وہ خود بھوک،

marfat.com

پیاس اور تکالیف برداشت فرماتیں لیکن فقیروں‘ غریبوں اور محتاجوں کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتیں۔ وہ اس بات کو یقین سے سمجھتی تھیں کہ ہم پر اس رحمۃ اللعالمین کی اتباع‘ اطاعت‘ محبت اور فرماں برداری فرض ہے کہ جن کی زبانِ اقدس پر کبھی (لا) نہیں آیا ۔

نہ رفت لا بزبانش مگربأ شہدان لا الہ

سوائے لا الہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ’’نہیں‘‘ کبھی نہیں آیا۔ یہی خصوصیت ازواجِ مطہرات میں بھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات آپ کی سیرت صورت‘ کردار‘ علم‘ عمل‘ تقویٰ‘ اخلاق اور خاندانی زندگی کے ہر پہلو کا پرتو تھیں۔

اس تصنیف اور کاوش کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہر مسلم خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی طرح اپنی اس چند روزہ زندگی میں حضرت عائشہ صدیقہ‘ حضرت حفصہ‘ حضرت جویریہ اور دیگر ازواجِ مطہرات کے دامن سے وابستہ ہو جائے۔

آج کے اس ظاہری حسن و جمال کے دور میں رومانی صاحب کی یہ محنت خواتین کے باطنی حسن و جمال میں انشاء اللہ ضرور مفید ثابت ہوگی۔ بندہ نے تقریباً آپ کی ہر تصنیف کو بغور پڑھا ہے‘ ہر لفظ اور جملہ خلوص پر مبنی ہوتا ہے۔ مصنف کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی کتاب کو صرف پڑھا ہی نہ جائے بلکہ سمجھا جائے اور اس پر عمل بھی کیا جائے۔

باقی جہاں تک مخالفت برائے مخالفت‘ عداوت برائے عداوت کا تعلق ہے وہ تو روزِ ازل سے یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ عوام سے لے کر خواص تک‘ اولیاء سے لے کر صحابہ اور پھر انبیاء کرام تک مخالفین اسلام اور اعداء الدین نے بھی کسی میدان میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ وہاں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو بھی معاف نہیں کیا۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پر اعتراض‘ کبھی ازواج پر اعتراض اور کبھی ازواجِ مطہرات کی تعداد پر اعتراض‘ کبھی ظاہری لبادہ میں اپنوں نے اور کبھی غیروں اور مستشرقین نے۔

marfat.com

نواز رومانی صاحب نے الحمدللہ اس موضوع پر بھی تسلی بخش اعداءِ اسلام کے اعتراضات کو رد فرمایا اور اصل حقائق کو بیان فرمایا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ بقول اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت اتنا کہنا ہی کافی ہوگا ؎

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین.

خادم العلم والعلماء

قاری الٰہی بخش نوری
خطیب جامع مسجد قباء گل فشاں ٹاؤن
وناظم اعلیٰ مدرسہ انوارِ مدینہ کلیۃ القرآن الکریم
ٹمبر مارکیٹ روڈ' لاہور

marfat.com

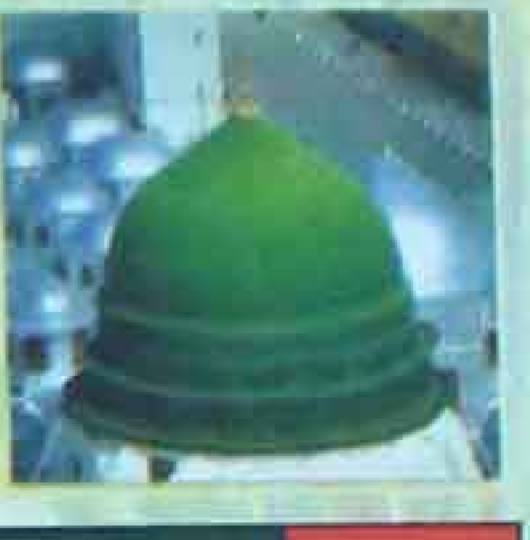

اجمالی سوانحی خاکہ اُمہات

نمبر شمار	اسم پاک اُم المؤمنین	قبیلہ	سن و جگہ ولادت	سن نکاح	عمر بوقت نکاح سال	کیفیت
۱	حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنی اسد قریش	۶۸ قبل ہجرت مکہ	۲۸ قبل ہجرت	۴۰	بیوہ
۲	حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	عامر قریش	۵۳ قبل ہجرت مکہ	۳ قبل ہجرت	۵۰	بیوہ
۳	حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنی تیم قریش	۱۸ قبل ہجرت مکہ	۳ قبل ہجرت رخصتی شوال ۲ ہجری	15 19	کنواری
۴	حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنی عدی قریش	۱۸ قبل ہجرت مکہ	شعبان ۳ ہجری	۲۲	بیوہ
۵	حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	عامر بن صعصعہ قریش	۲۶ قبل ہجرت	صفر المظفر ۴ ہجری	۳۰	بیوہ
۶	حضرت اُم سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنو مخزوم قریش	۳۱ قبل ہجرت مکہ	شوال ۶ ہجری	۲۵	بیوہ
۷	حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنی اسد بن خزیمہ قریش	۱۳ قبل ہجرت مکہ	ذیقعدہ ۵ ہجری	۳۶	مطلقہ
۸	حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنی المصلق خزائع	15 قبل ہجرت	۵ ہجری	۲۰	بیوہ
۹	حضرت اُم حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنی امیہ قریش	۳۰ قبل ہجرت	نکاح ۶ ہجری مدینہ آمد ۷ ہجری	۳۶	بیوہ
۱۰	حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنی نضیر یہود	۱۰ قبل ہجرت	جمادی الاول ۷ ہجری	۱۷	بیوہ
۱۱	حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا	عامر بن صعصعہ	۲۹ قبل ہجرت سرف مکہ	ذیقعد ۷ ہجری	۳۶	بیوہ
۱۲	حضرت ماریہ قبطیہ بنت شمعون المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا	قبطی نصاریٰ	۱۳ قبل ہجرت دفن مصر	۷ ہجری	۲۰	کنواری

...ت المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن

بوقت نکاح حضور ﷺ کی عمر مبارک	حرم نبوی میں مدت قیام سال	سن و ماہ وصال	کل عمر سال	مدفن	کل مرویات احادیث	حضور ﷺ سے اولاد
۲۵	۲۵	۳ قبل ہجرت رمضان المبارک	۶۵	مکہ معظمہ	–	۴ لڑکیاں ۲ لڑکے
۵۰	۱۴	۱۹ ہجری	۷۲	مدینہ منورہ	۵	–
۵۱ ۵۵	۹	۵۷ ہجری رمضان المبارک	۷۵	مدینہ منورہ	۲۲۱۰	–
۵۷	ساڑھے سات سال	۴۱ ہجری جمادی الاوّل	۵۹	مدینہ منورہ	۶۰	–
۵۷	۱/۴ سال	۴ ہجری ربیع الثانی	۳۰	مدینہ منورہ	–	–
۵۷	۷	۵۹ ہجری	۸۰	مدینہ منورہ	۳۷۸	–
۵۸	۶	۲۰ ہجری	۵۱	مدینہ منورہ	۱۱	–
۵۸	۶	۵۶ ہجری ربیع الاوّل	۷۱	مدینہ منورہ	۷	–
۵۹	۴	۴۴ ہجری	۷۴	مدینہ منورہ	۶۵	–
۶۰	۴	۵۰ ہجری رمضان المبارک	۶۰	مدینہ منورہ	۱۰	–
۶۰	سوا تین سال	۵۱ ہجری	۸۰	سرف نزد مکہ	۷۶	–
۶۰	۴	۱۶ ہجری	۲۹	مدینہ منورہ	–	ایک لڑکا

مسافرانِ راہِ حق و باطل

حق اور باطل دو راستے ہیں جو ازل سے ایک دوسرے کے بالکل ساتھ چل رہے ہیں' ان دونوں کا وجود لازم وملزوم ہے کیونکہ اس سے حق کے مقابل باطل اور باطل کے مقابل حق کی پہچان ہوتی ہے اب یہ انسان کی صوابدید پر ہے کہ وہ اپنے لیے کون سا راستہ انتخاب کرتا ہے۔

حق کے راستے کی اللہ تبارک و تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل' ان پر نازل ہونے والی آسمانی کتب وصحائف کی روشنی میں اُجاگر و روشن کرتے اور ان میں مندرج احکامات وفرامین الٰہیہ پر خود عمل کر کے بتاتے رہے ہیں کہ رب کریم کی خوشنودی و رضا کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے۔ باطل کا راستہ تاریک اور شیطان کا پسندیدہ ہے جسے وہ خوب صورت وخوش رنگ بنا کر لوگوں کو دِکھاتا ہے تاکہ بہلا پھسلا کر ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء ورسل کی تعلیمات سے دُور لے جا کر نفس وخواہشات کی روپہلی زنجیروں میں جکڑ کر اپنا غلام بے دام بنا لے۔ یہ دونوں راستے جب جہانِ آخرت میں داخل ہوں گے تو حق کے راستے پر گامزن لوگ اپنے مقام ومرتبہ کے مطابق مختلف جنتوں اور باطل کے راستے کے مسافر اپنے قبیح اعمال وافعال کی وجہ سے مختلف دوزخوں کے طبقات کی طرف چلے جائیں گے۔

باطل کے راستے کو دل فریب' جاذبِ نظر اور پُرکشش بنانے کے لیے شیطان اس میں اہل خواہشات' ہوس زر' نفسانی ترغیبات' ذاتی مفادات وترجیحات اور حرص وہوئی کے گل وگلزار کھلا کر اپنی پوری توجہ مسافرانِ راہِ حق پر مرکوز کر دیتا ہے تاکہ ان کو اغوا کر کے

marfat.com

باطل کے راستے پر ڈال دے جو صرف ایک گام کے فاصلے پر ہوتا ہے۔

باطل کے راستے پر چلنے والے معنوی لحاظ سے گھپ اندھیروں میں زندگی بسر کرتے ہیں' دنیاوی طور پر اگرچہ وہ بڑے زیرک و ہوشیار ہوں' اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں' ان کی نگارشات' تحریریں اور تقریریں دل موہ لینے والی اور پُرمغز ہوں' معاشرے میں ان کا مقام بہت بلند وارفع ہو' تحقیق و تدقیق میں ان کا بڑا نام ہو' سماجی و ثقافتی وفنی اجتماعات میں ان کی موجودگی باعثِ اعزاز وافتخار ہو' دانش وری کا تمغہ ان کے گلے میں لٹک رہا ہو لیکن حقیقتاً وہ جاہل اور اندھے ہوتے ہیں جنہیں سدا نصف النہار پر چمکنے والا حق کا سورج دکھائی نہیں دیتا ہے۔ ان کے برعکس راہِ حق پر گامزن لوگ اگرچہ بظاہر کمزور و ناتواں و ضعیف ہوں' پُرتعیش زندگی بسر نہ کر رہے ہوں' معاشی زبوں حالی ان کی ظاہری حالت سے عیاں ہو' معاشرے میں ان کا کوئی اونچا مقام نہ ہو' گمنامی کی دیواریں ان کے اردگرد کھڑی ہوں' قلیل المنام' قلیل الطعام' قلیل الکلام ان کا حال ہو' اونچے محل سراؤں میں قیام پذیر نہ ہوں' بظاہر غربت و مفلسی کے ماحول میں سانس لے رہے ہوں لیکن ان کے چہرے روحانی طمانیت وسکینہ سے دَمک رہے ہوتے ہیں' نور نے ان کے گرد ہالہ کر رکھا ہوتا ہے۔ حقیقتاً وہ روشنی کا بلند مینار ہوتے ہیں' ان کا ظاہر و باطن پاکیزہ ہوتا ہے' ان کی جلوت وخلوت اور قول وفعل میں تضاد نہیں ہوتا' ان کی گفتگو مختصر' اندازِ بیان عام فہم اور الفاظ کی نشست و برخاست نہایت سادہ ہوتی ہے لیکن اس میں حقانیت' جامعیت مقناطیسیت' جاذبیت اور معنویت ہوتی ہے جو سامع کے دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتی ہے' ان کا قرب باعثِ تازگی و شگفتگی ایمان ہوتا ہے۔ ان کی زیارت سے اللہ تعالیٰ یاد آ جاتا ہے' ان عباد مخلصین پر شیطان کا غوا ممکن نہیں ہوتا' وہ ان کو دیکھ کر کف افسوس ملتا رہتا ہے' ان کی سادہ و پاکیزہ زندگی بزبانِ حال کہہ رہی ہوتی ہے کہ وہ راہِ حق کے مسافر ہیں۔

حق و باطل کے راستوں کا تعین آسمانوں پر ہوا تھا جب تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ ان کی تعظیم میں سجدہ کریں۔ ابلیس نے ان سے افضل ہونے کے زعم وغرور کی بناء پر فرمانِ ربی کو ماننے سے انکار کر دیا لیکن

marfat.com

باقی سب فرشتے سجدہ تعظیمی بجالائے اور جب حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کو زمین پر اُتر جانے کا حکم ہوا تو حق و باطل کے دونوں راستوں کو بھی ان کے ساتھ ہی زمین پر اُتار دیا گیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے تک کا زمانہ سینکڑوں صدیوں پر محیط ہے۔ انسانوں کے رشد و ہدایت کے لیے رب تعالیٰ نے ہزاروں انبیاء و رسل بھیجے جن کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کم و بیش بتائی جاتی ہے اس دوران میں کئی نمرود، شداد، ہامان، فرعون اور بعل بادشاہ دقیانوس پیدا ہوئے جنہوں نے الٰہ ہونے کا دعویٰ کیا اور بالآخر اپنے انجام بد کو پہنچے۔ اَن گنت انقلابات زمانہ برپا ہوئے، کئی قوموں پر عذابِ الٰہی آیا اور صفحۂ ہستی سے نابود ہو گئیں، متعدد تہذیبوں نے جنم لیا، بام عروج تک پہنچیں اور فنا کے گھاٹ اُتر گئیں۔ بے شمار طوفان اُٹھے، لاتعداد زلزلے آئے اور شہروں کے شہر زمین بوس ہو گئے، متعدد طاغوتی قوتوں نے سر اُٹھایا اور ملیامیٹ ہو گئیں۔ بے حد و حساب شیطانی کھیل کھیلے گئے اور وقت کی قبروں میں دفن ہو گئے، بہت سی نامور اور نیک نام ہستیاں پیدا ہوئیں اور لازوال عظیم کارنامے سرانجام دے کر رخصت ہو گئیں، کئی انبیاء و رسل کو شیطان کے پیروکاروں نے اذیتیں دیں، تنگ کیا، ان کے خلاف دریدہ دہنی کی، نازیبا الفاظ استعمال کیے، دھمکیاں دیں، ان کی پاک و مطہر زندگیوں میں نقص تلاش کرنے کی جسارت کی، بعض کو قتل کیا اور کچھ قوموں نے اللہ کے رسولوں کو اللہ کا درجہ دے دیا۔ جیسے یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہنا شروع کر دیا اور آج تک اسی باطل و شیطانی عقیدے پر قائم ہیں۔ انہوں نے آسمانی کتب زبور و تورات و انجیل میں اپنے نفس و خواہشات کی تکمیل کے لیے من پسند تحریف کر دی اور ان کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا گیا۔

جب نبی آخر الزمان محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رحمت و نور کا آغاز ہوا تو چہار اکناف عالم میں شیطان اور اس کی ذریت کی حکمرانی کا پرچم لہرا رہا تھا، خال خال لوگ موحد و توحید پرست تھے، ہر سو الحاد و کفر و شرک کی سرخ و سیاہ آندھیاں زوروں سے

marfat.com

چل رہی تھیں، گمراہی اور ضلالت نے ہر طرف ڈیرے ڈال رکھے تھے، ہر نوع کے جرائم کا دُور دورہ تھا، بتوں، اجرامِ فلکی، آگ، سانپوں اور درندوں وغیرہ کو لوگوں نے اپنا معبود بنا رکھا تھا، ہر قسم کے گناہوں کا سرعام ارتکاب بڑے فخر سے کیا جاتا تھا۔ الغرض ہر طرف باطل کا اندھیرا چھایا ہوا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو ناحق کے ایوانوں اور باطل پرستوں کے اندر ہلچل مچ گئی۔ حق کے خلاف ہر طرف سے طوفان اُٹھ کھڑے ہوئے۔ گزشتہ تمام انبیاء و رسل کے مقابل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ ذہنی و جسمانی اذیتیں دی گئیں، قتل کے منصوبے بنائے گئے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر مقام پر فتح و کامرانی عطا فرمائی اور شمع توحید و رسالت کا اُجالا آہستہ آہستہ لوگوں کے اذہان وقلوب میں پھیلنے لگا اور باطل کو ہر محاذ پر پسپا ہونا پڑا۔

باطل کی فطرت ہے کہ وہ حالات و واقعات کے مطابق اپنا رُخ بدل کر نئے انداز سے حق پر غالب آنے کی جہد مسلسل کرتا رہتا ہے، راہِ حق پر گامزن لوگوں کو بہکانے کے لیے وہ بہروپیا بن کر کبھی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے، کبھی جھوٹا نبی بن بیٹھتا ہے، کبھی جعلی پیر کا روپ دھار لیتا ہے، کبھی علمائے سوء کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے، کبھی جاہل عالم کی شکل اختیار کر لیتا ہے، کبھی مصلح بن کر سامنے آتا ہے، کبھی نئے مذہب کا بانی بن جاتا ہے، کبھی قلم کار بن کر سلمان رشدی اور بنگلہ دیش کی نسرین کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی محقق کا رنگ اختیار کر لیتا ہے لیکن حق کے سامنے اس کی ایک نہیں چلتی، حق اس کا بھرکس نکال کر رکھ دیتا ہے لیکن یہ پھر بھی باز نہیں آتا اور اپنی چالیں چلتا رہتا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو ان دنوں یہود و نصاریٰ کی گڈی بڑی چڑھی ہوئی تھی، ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہودی معاشی و سماجی سطح پر بہت مضبوط تھے، بے شمار لفظی و معنوی تحریفات کے باوجود وحی الٰہی کی شکل میں ان کے پاس بے پناہ علمی سرمایہ موجود تھا، مشرکین عرب ان سے دینی و مذہبی اختلاف رکھنے کے باوجود انہیں علم کے میدان میں اپنے آپ سے بہتر سمجھتے تھے اس لیے تہذیبی طور پر ان کو عربوں میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ ان کے سماجی رعب کا اندازہ اس بات سے لگایا

marfat.com

جا سکتا ہے کہ عرب کی جن عورتوں کے ہاں بچے زندہ نہیں رہتے تھے تو وہ یہ نذر مانتی تھیں کہ اگر بچہ زندہ رہا تو وہ اس کو یہودی بنائیں گی۔ عیسائیوں کی سیاسی و سماجی و اقتصادی حیثیت رومی سلطنت کے زیرِ سایہ ہونے کی وجہ سے بہت ٹھوس تھی۔ ان کی تبلیغ سے بعض مشرکین عرب ان کے مذہب و تہذیب سے متاثر ہو کر ان کے دین کو قبول کر لیتے تھے کیونکہ وہ عیسائیوں کو اپنے سے بہتر سمجھتے تھے۔ (تاریخ عرب قبل الاسلام ج ۶ ص ۵۱۵)

یہود و نصاریٰ نے دین موسوی و عیسوی میں تحریفات کر کے اس کا حلیہ بگاڑ رکھا تھا لہٰذا دینِ اسلام جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے اس کی روشنی میں انہیں اپنے دین کا بگڑا ہوا چہرہ نظر آیا تو ان کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ چنانچہ انہوں نے مشرکین مکہ کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اور بذاتِ خود بھی مختلف طریقوں سے لوگوں کو اللہ واحد اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روکنے اور اہلِ ایمان کے اندر شک و شبہات کو جنم دینے کے لیے مختلف حربوں کو بروئے کار لانے لگے۔ بسا اوقات وہ ایسا کرتے کہ صبح کے وقت ایمان لے آتے اور رات کو منحرف ہو جاتے تھے تاکہ دوسروں کو یہ تاثر دیں کہ اگر دینِ اسلام واقعی حق ہوتا تو یہود و نصاریٰ جو اہلِ علم ہیں' اسے قبول کرنے کے بعد اس سے منہ نہ موڑتے لیکن ان کی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی۔

روز افزوں عاشقانِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا' اعلائے کلمۃ الحق کی دل نواز صدائیں بلند سے بلند تر ہوتی گئیں' محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سنت اور قرآنِ حکیم کا اُجالا دُور و نزدیک پھیلتا چلا گیا' اسلام کی حقانیت کا ڈنکا ہر سو بجنے لگا' اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت واحدیت کے نغمات لوگوں کے قلب و روح کی گہرائیوں میں اُترتے چلے گئے اور اس کی عبادت کے پُرکشش و روح پرور مناظر جگہ بہ جگہ دکھائی دینے لگے۔

ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی اور نویں صدی عیسوی کے وسط تک اسلامی سلطنت کی حدود شمال میں بحیرہ اسود' جنوب

marfat.com

میں ملتان، مشرق میں سمرقند اور مغرب میں فرانس اور ساحل اوقیانوس تک پھیل گئی تھیں۔ اس زمانے میں بغداد، ایران، مصر، سپین (اندلس) اور سسلی سے اسلامی علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کی نورانی لہریں اُٹھ کر ایک عالم کو منور کرنے لگی تھیں۔

باطل کو جب حق کے ساتھ عناد ہو جاتا ہے تو یہ حال اس کے اندر کی جلن کا غماز ہوتا ہے اور جب وہ حق کو ہرانے کی کوشش میں اپنا زور لگانے لگتا ہے تو یہ اس کی ظاہری جلن ہوتی ہے۔ (تفسیر فاضلی منزل ۴ ص ۲۶۶) لہٰذا جب حق کے چراغ قریہ بہ قریہ، شہر بہ شہر اور ملک بہ ملک تیزی سے روشن ہونے لگے تو باطل نے ان کو بجھانے اور راہِ حق کو دُھندلانے کے لیے اپنی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا لیکن عقل و دانش سے اندھے باطل پرستوں کو اس حقیقت کا ادراک نہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت اور سنت وشریعت قیام قیامت تک کے لیے ہے اور تمام جہان کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں شامل ہیں۔ اگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں ہوتے تو انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کیے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ لہٰذا اللہ عزوجل اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن وسنت پر ایمان لانا سب پر فرض عین ہے کیونکہ جو ان پر ایمان لاتا ہے، وہ مومن ہے جو ان کا منکر ہے، وہ کافر ہے اور جو ان کو مان کر نہیں مانتا، وہ منافق ہے۔ یومِ حشر ان سب لوگوں کے اعمال کی جزا وسزا کا فیصلہ اسی قرآن وسنت و شریعتِ محمدیہؐ کے مطابق ہوگا۔

جب اسلام اپنے علم وادب، تہذیب، اخلاق اور کردار کے نور سے پورے مشرق کو بقعہ نور بنا رہا تھا اور علم وثقافت کا یہ نور مسلمان فاتحین کے ذریعے سمندروں کی پہنائیوں اور فضاؤں کو عبور کر کے آٹھویں صدی عیسویں میں اسپین (اندلس) پہنچا تو عربوں نے ہر جگہ عظیم کتب خانے قائم کیے جن میں لاکھوں کی تعداد میں کتابیں تھیں، مدرسوں اور درس گاہوں کا جال پھیلا دیا، خوب صورت عمارتوں، رنگا رنگ پارکوں، سڑکوں، نہروں، باغات، پلوں اور تالابوں سے وہاں کے حسن کو دوبالا کر دیا، صنعتوں کو فروغ دیا اور دنیا بھر سے علمی

marfat.com

شہ پارے جمع کیے تو اسپین علمی لحاظ سے یورپ کا سرتاج بن گیا۔

انقلاب صرف علمی اور اقتصادی ہی نہیں بلکہ اخلاقی بھی تھا' مسلمان عربوں کا سلوک یہود و نصاریٰ سب کے ساتھ وہی تھا جو عام مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ مذہبی مجالس کی ان کو کھلی اجازت تھی اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر لاکھوں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے لیکن جو دامنِ اسلام سے وابستہ نہ ہوئے' وہ لوگ اسلامی تہذیب میں اس طرح رنگ گئے کہ اس کا لباس' تمدن' نظام تعلیم اور رہن سہن کے سب طریقے اختیار کر کے خود کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیا۔ (ضیاء النبی ج۶ ص ۹۸)

یورپ کے مؤرخین نے تاریخ کو تین ادوار میں تقسیم کر رکھا ہے' پہلا دورِ قدیم: یہ آٹھویں صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اور پانچویں صدی عیسوی پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا دور قرون وسطیٰ: یہ زوال رومہ ۴۷۶ء سے شروع ہوتا ہے اور یورپ کی نشاۃ ثانیہ پر ختم ہوتا ہے اور تیسرا دور دورِ حاضر: یہ سولہویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔

قرونِ وسطیٰ میں جب اسلام کا سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا تو وہی دور یورپ کی تاریخ کا تاریک ترین دور تھا' ہر سو جہالت کے اندھیروں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے' پسماندگی کی دلدل میں لوگ سرتا پا غرق تھے' بدبودار ماحول اور گندگی کے درمیان مویشیوں کے ساتھ ایک ہی کمرے میں سوتے تھے جن میں چمنیاں تھیں نہ روشن دان نہ کھڑکیاں' کہیں کہیں راہبوں کی خانقاہیں اور چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں' فقر و فاقہ کا ہر سو بسیرا تھا۔ چند امراء تھے جن کا کام بدکاری' شراب نوشی اور جوا کھیلنا تھا' جاگیرداروں کے قلعے ڈاکوؤں کے اڈے تھے جو مردم خور بھی تھے۔ ذرائع آمدورفت کے لیے بیل گاڑیاں' خچر اور گدھے تھے' پادری فریبی و جعل ساز اور پوپ جنت کی راہداریاں اور گناہ کے اجازت نامے فروخت کیا کرتا تھا۔ پاپائے روم نے سسلی اور جرمنی کے بادشاہ فریڈرک پر جب کفر کا فتویٰ لگایا تو الزامات کی فہرست میں یہ بھی درج تھا کہ وہ ہر روز مسلمانوں کی طرح نہاتا ہے۔ منافقت' جھوٹ' دھوکہ اور ریاکاری کو فن لطیف کا درجہ حاصل تھا۔ پوپ سلوسٹر دوم نے یورپ میں کچھ درس گاہیں کھولنا چاہیں تو مشہور کر دیا گیا کہ اس پر شیطان

marfat.com

مسلط ہو گیا ہے۔ قیصر زینو اور قیصر جٹینین اوّل نے تمام اہلِ علم کو اپنی سلطنت سے نکال دیا اور مدارس بند کر دیئے تھے۔ یونان کی ایک لڑکی ہائے پیشیا نے سکندریہ سے فلسفہ کا علم حاصل کر کے ممتاز فلسفی بن گئی۔ اسکندریہ کے بشپ سائرل نے اس لڑکی کو کافرہ قرار دے دیا۔ ایک روز جب وہ فرائض تدریس دینے کے لیے اپنی درس گاہ کی طرف جا رہی تھی تو اس کے بھیجے ہوئے چند سنگ دل راہبوں نے اسے پکڑ لیا' ننگا کر کے بازار میں گھسیٹا پھر گرجے میں لے جا کر وہاں تیز سیپیوں سے اس کی کھال کھرچی' پتھر سے اس کا سر توڑا' لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور پھر انہیں آگ میں پھینک دیا۔ فرانس کی حریت پسند خاتون جون آف آرک انگریزوں کے ہتھے چڑھ گئی تو اسے سر بازار زندہ جلا دیا گیا' آنکھیں نکالنا' زبان کاٹنا' کھال کھینچنا اور زندہ جلا دینا رومیوں کی عام سزائیں تھیں۔ غلاموں کی تجارت زوروں پر تھی' پانچ شلنگ کے عوض ایک غلام فروخت کر دیا جاتا تھا جن دنوں بغداد' قرطبہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیاں علم و معرفت کے موتی لٹا رہی تھیں تو یورپ مدرسے کے تصور سے ناآشنا تھے جب مسلمان علماء کے قلم سے ہزاروں علمی شاہکار نکل رہے تھے اس وقت یورپ نے کاغذ کی شکل بھی نہ دیکھی تھی۔ یہ تھے قرون وسطیٰ کے اہلِ یورپ جن کی گھٹی میں خباثتیں رچی بسی تھیں' دھوکہ' فریب' منافقت' ریاکاری اور گناہ کے کیچڑ میں لت پت رہنا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا' ظلم و جبر و استبداد ان کا وطیرہ و چلن تھا' ماضی کی انہیں بُرائیوں اور بدیوں کو نیا نام اور نیا رنگ و روپ دے کر اہلِ یورپ آج بھی ان پر کاربند ہیں۔ فی زمانہ مختلف النوع خرافات نے یورپ میں جس طرح مضبوطی سے قدم جما رکھے ہیں اس کے پیش نظر وہاں کا معاشرہ انتہائی غیر مہذب ہے۔ اہلِ یورپ خود کو مہذب کہتے ہیں لیکن مہذب کے لفظ کا ان پر اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے انسان کو جہاں روشنی نظر آتی ہے تو وہ بے اختیار اس کی طرف متوجہ ہوتا اور لپکتا ہے یہی وجہ اہلِ مغرب کے علومِ شرقیہ کی طرف متوجہ ہونے کا بنیادی سبب بنا۔ دوسرا سبب مسلمانوں کی فتوحات کا وہ سیلاب تھا جو ساری دنیا کو تنکوں کی طرح بہا کر لے گیا اور تیسرا سبب مشرق و مغرب کے درمیان وہ رابطہ تھا جو مسلمان

marfat.com

تاجروں کی بدولت قائم تھا جن کے اخلاق، کردار اور خوش حالی نے اہلِ مغرب کے دلوں میں اسلامی مشرق کے ساتھ رابطے کا شوق جنم دیا لہٰذا وہ مسلمانوں سے کچھ سیکھنے کے لیے اسپین (اندلس) کا رُخ کرتے تھے۔ ان میں تین طرح کے لوگ شامل تھے:

(۱) جو اسلامی علوم و تہذیب سے بے حد متاثر تھے اور اسے اپنی تہذیب پر ترجیح دیتے تھے۔

(۲) جو مسلمانوں کی قوت کا راز معلوم کرنا چاہتے تھے جنہوں نے قیصر و کسریٰ کے جھنڈے سرنگوں کر دیئے تھے، ان میں انہی کے ایسے عیسائی راہب اور پادری بھی شامل تھے جنہوں نے مسلمانوں کی جاسوسی کے لیے بھیس بدلا تھا اور

(۳) وہ پادری اور راہب جن کے سینوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغض و کینہ کا سمندر موجزن تھا تاکہ مسلمانوں کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے قرآن و حدیث و سیرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حاصل کرنے کے بعد ان میں خامیاں اور کمزوریاں تلاش کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکیں اور ان کے مقابلے میں انہیں ہتھیاروں سے مسلح ہوں جن کی بدولت انہوں نے دنیا کا نقشہ بدل دیا تھا۔

ان لوگوں میں سے جن کو حق کی تلاش تھی، حق نے ان کو اپنے اندر سمو لیا، وہ دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے لیکن جنہوں نے تعصب اور اسلام دشمنی کی عینک کو اُتارنا گوارا نہ کیا، وہ نامراد و بدبخت رہے اور گمراہی کی گہری دلدلوں میں دھنستے چلے گئے۔ ان کی مثال ایسے ہے کہ جب بارش پھولوں پر پڑتی ہے تو ہر سو خوشبو پھیل جاتی ہے اور جب یہی بارش گندگی پر برستی ہے تو اس کے تعفن میں دو چند اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق سے بعض کو ہدایت نصیب ہو جاتی ہے اور بہت سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔

اسلام کے نور کا تیزی سے پھیلاؤ روکنے کے لیے باطل نے منظم تحریک کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی میں ہی کر دیا تھا لیکن اس تحریک کو استشراق کا نام کئی صدیوں بعد

marfat.com

دیا گیا۔ فی زمانہ یہ اسی نام سے معروف ہے۔ آغاز میں اس تحریک میں اکثریت یہودی اور عیسائی راہبوں اور پادریوں کی تھی جن میں مشرق اور مغرب سے تعلق رکھنے والے سب شامل تھے۔ مشرقی اہلِ کتاب کا نمائندہ یوحنا دمشقی تھا' اس نے ۶۷۶ء تا ۷۴۹ء کے دوران میں فلسطین کے گرجے میں بیٹھ کر مسلمانوں کی تردید اور اسلام کے خلاف دو کتابیں لکھیں جس کے تحت مستشرقین نے تصنیفات کے انبار لگا دیئے۔ اس لحاظ سے یوحنا دمشقی کی مسلمان و اسلام دشمنی کو تحریک استشراق کا نقطہ آغاز کہا جا سکتا ہے۔

جہاں تک لفظ استشراق کی تعریف کا تعلق ہے تو اس ضمن میں ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب کہتا ہے:

''مغربی اہلِ کتاب' مسیحی مغرب کی اسلامی مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری کے زعم کی بنیاد پر مسلمانوں پر اہلِ مغرب کا تسلط قائم کرنے کے لیے مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہی اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے عقیدہ' ثقافت' شریعت' تاریخ' نظام اور وسائل و امکانات کا جو مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے دعویٰ کے ساتھ کرتے ہیں اسے استشراق کہتے ہیں اور مستشرقین کے بے شمار علمی کارناموں اور ان کے مختلف طبقات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مستشرقین کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے:

''اہلِ مغرب بالعموم اور یہود و نصاریٰ بالخصوص جو مشرقی اقوام خصوصاً ملتِ اسلامیہ کے مذاہب' زبانوں' تہذیب و تمدن' تاریخ' ادب' انسانی قدروں' ملی خصوصیات' وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں' ان کو ''مستشرقین'' کہتے ہیں اور جس تحریک سے یہ لوگ منسلک ہیں' وہ تحریک ''استشراق'' کہلاتی ہے۔
(ضیاء النبی ج ۶ ص ۹۸' ۱۰۰' ۱۲۲/ رویہ اسلامیہ لا اشراق ص ۹)

وقت کے بہتے دھارے کے ساتھ یہ تحریک اپنا رنگ ڈھنگ بدلتی رہی۔ پروفیسر

marfat.com

خلیق احمد نظامی نے اپنے ایک مقالے میں جو انہوں نے اعظم گڑھ میں ۱۹۸۲ء میں ایک سیمینار میں پڑھا تھا اس تحریک کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا دور

اس زمانے پر محیط ہے جب یورپ جہالت کی تاریکیوں میں سرتا پا ڈوبا ہوا تھا اور ادھر اندلس و سسلی میں مسلمانوں نے علم و حکمت اور تہذیب و تمدن کے چراغ روشن کر رکھے تھے' ان مراکز کی روشنی اندھیروں میں بھٹکنے والے اہلِ مغرب کو بھی دعوتِ نظارہ دینے لگی تھی اور وہ اس شمع علم سے اکتساب نور کرنے یا اس شمع کو بجھانے کے لیے جوق در جوق اندلس کا رُخ کرنے لگے تھے اس دور میں اہلِ مغرب مسلمانوں کے علوم کی طرف بالکل اسی انداز میں متوجہ ہوئے تھے جس طرح آج پسماندہ اور ترقی پذیر قوموں کے لوگ ترقی پذیر اقوام سے علم و تہذیب کا درس لینے کے لیے ان کے علمی مراکز کا رُخ کرتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی دیکھا دیکھی یورپ کے مختلف ممالک میں علمی مراکز بھی قائم ہوئے کیونکہ اہلِ یورپ نے جب مسلمانوں کی قوت و شوکت کا راز معلوم کرنا چاہا تو انہیں پتہ چلا کہ اس امت وسط کی شوکت کا راز علم میں مضمر ہے۔ چنانچہ کلیسا نے خصوصاً یورپ کو علم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے کارروائیاں شروع کر دیں جس کے نتیجے میں بڑے بڑے علماء سامنے آئے جنہوں نے یورپ کی ترقی میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

دوسرا دور

اس کا تعلق اس زمانے سے ہے جب صلیبی جنگوں میں پے در پے شکستوں نے دنیائے نصرانیت کو اسلام دشمنی میں پاگل پن کی حد تک پہنچا دیا تھا اس زمانے میں مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی علمی تحقیق کا نہیں بلکہ اپنی الزام تراشیوں کا ہدف بنایا اور تاریخی حقائق کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنے تخیل کی بلند پروازی کے ذریعے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔

اسلام کے خلاف کارروائیوں میں ان کا بنیادی شکار حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

marfat.com

ذات بابرکات رہی اس دور میں انہوں نے فرضی تصویری کہانیوں' افسانوں' ناولوں اور ڈراموں کے ذریعے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کی کردارکشی کی اور اس اسلام دشمنی میں غیر علمی اور متعصبانہ رویہ صرف اسی دور کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کی جھلک ہر دور کے مستشرقین کے کام میں نظر آتی ہے۔

تیسرا دور

اس کا تعلق اس زمانے سے ہے جب مغرب مضبوط اور عالمِ اسلام کمزور ہو چکا تھا اور مغربی طاقتیں استعماری اور استبدادی عزائم کے ساتھ دنیائے اسلام کو اپنے شکنجے میں کسنے کے خواب دیکھنے لگی تھیں۔ چنانچہ اس پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے انہوں نے بڑی محنت سے منصوبہ بندی کی۔ انہوں نے بروقت اس حقیقت کو محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں کے علاقوں پر تسلط قائم کرنے اور اس تسلط کو دوام بخشنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی' سماجی' دینی' اخلاقی اور معاشی حالات کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے' ان کی خوبیوں اور خامیوں سے مکمل آگاہی حاصل کی جائے تاکہ ان کی خامیوں سے فائدہ اُٹھا کر اور ان کی خوبیوں کو خامیوں سے بدل کر انہیں کمزور کیا جا سکے۔ انہوں نے مسلمانوں کی تاریخ اور ان کے ممالک کے جغرافیائی حالات کے مطالعہ کو بھی ضروری سمجھا۔ انہیں اس بات کا بھی احساس ہو چکا تھا کہ عالم اسلام کے کونے کونے میں علم و معرفت کے موتی بکھرے پڑے ہیں جن میں قوموں کی قسمت بدلنے کی صلاحیت موجود ہے۔ انہوں نے ان علمی خزائن کو تلاش کرنے' انہیں یورپ منتقل کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کو بھی ضروری سمجھا اس مقصد کے لیے انہوں نے متعدد اقدامات کیے جن میں سے چند ایک حسب ذیل تھے:

(۱) مسلمانوں کے علمی شاہپاروں کی نشر و اشاعت کا بندوبست

(۲) عالم اسلام سے مخطوطات اور کتابوں کو جمع کر کے انہیں یورپ منتقل کرنا

(۳) عربی علوم اور مشرقی تہذیب و تمدن کو سمجھنے کے لیے مراکز کا قیام

marfat.com

(۴) عالمِ اسلام میں علمی مہمیں بھیجنے کا بندوبست
(۵) یونیورسٹیوں میں عربی اور سامی زبانوں کی تدریس کے لیے (Chairs) کا قیام
(٦) السنہ شرقیہ کی تدریس کے لیے مختلف تعلیمی اداروں کا قیام
(۷) متعدد کانفرنسوں کے ذریعے تحریک کے کام کو منظّم کرنے کی کوششیں

اسی دور میں فرانس، ہالینڈ، جرمنی، انگلینڈ اور دوسرے یورپی ممالک میں بڑے مشہور مستشرق ظاہر ہوئے جنہوں نے عالمِ اسلام پر اہلِ مغرب کے استعماری تسلط کا راستہ ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

چوتھا دور

تحریک استشراق کی تاریخ کے اس دور کا تعلق اس زمانے سے ہے جب نوآبادیاتی نظام کے شکنجے کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی اور نوآبادیات کے باشندے غیرملکی تسلط کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے استعماری طاقتوں کو اپنے اپنے ممالک سے نکالنے کی جدوجہد شروع کر دی تھی۔

اہلِ مغرب نے مسلمانوں سے تلوار کے ذریعے معاملات طے کرنے کی کوششیں بار بار کی تھیں لیکن انہیں ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ مسلمانوں سے نبٹنے کے لیے تلوار کی کامیابی سے ناامید ہو کر ہی انہوں نے دوسرے راستے اختیار کیے تھے۔ نوآبادیاں قائم کرنے کے لیے بھی انہوں نے تلوار کا استعمال صرف اس مرحلے پر کیا تھا جب ان کی دوسری چالوں کے ذریعے مسلمان تلوار اُٹھانے کے قابل نہ رہے تھے اب جب طویل غلامی کے بعد مسلمانوں کے آزاد ضمیر نے انگڑائی لینا شروع کی، انہوں نے غلامی پر موت کو ترجیح دینے کے بارے میں سوچنا شروع کیا اور ان میں ایسے مردانِ حق پیدا ہوئے جنہوں نے سلطان ٹیپو شہید کی روح کو سلام کرتے ہوئے یہ نعرہ لگایا:

''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہوتی ہے''

تو استعماری طاقتیں ایک نئی صورتِ حال سے دوچار ہو گئیں اب ان کے لیے صرف دو راستے رہ گئے تھے، ایک راستہ تو یہ تھا کہ آزادی کی اُٹھتی ہوئی تحریکوں کو بزورِ شمشیر کچل

marfat.com

دیں اور دوسرا راستہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے علاقوں کو خالی کر کے اپنے ممالک میں واپس چلی جائیں۔

پہلے راستے کو اختیار کرنے کی ان میں جرأت نہ تھی' وہ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں آزما چکے تھے اور انہیں یقین تھا کہ یہ قوم موت کو خاطر میں نہیں لاتی۔ صلیبی جنگوں کی طویل تاریخ کے ہولناک مناظر انہیں اس راستے کو اختیار کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے اس لیے انہوں نے نوآبادیات کو آزادی دینے کا فیصلہ کرلیا لیکن جن علاقوں پر انہوں نے اتنا عرصہ حکومت کی تھی' انہیں یونہی چھوڑ کر چلے جانا آسان نہ تھا۔ وہ اب تک مسلمانوں کے حکمران تھے اور مسلمانوں کو دوسرے درجے کی مخلوق سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے لیکن اب انہوں نے مسلمانوں کی دوستی اور خیر خواہی کا لبادہ اوڑھ لیا' انہوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمان جسمانی طور پر ان کے غلبے سے آزاد ہو کر بھی ان کی ذہنی غلامی سے آزاد نہ ہونے پائیں اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے مختلف طریقے اختیار کیے۔ وہ یہ ہیں:

(۱) ایسی تمام چیزیں جو مسلمانوں کے دلوں میں اہلِ مغرب کے خلاف نفرت پیدا کرتی تھیں' ان کے اثرات کو کم کرنے کی کوشش کی۔ ان کے پیشروؤں نے کئی سو سال تک اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر اگلا تھا۔ عیسائیوں سے مسلمانوں کو متنفر کرنے کے لیے مستشرقین کی یہ کتابیں بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھیں اس لیے تحریک استشراق کے گرگٹوں نے ایک رنگ اور بدلا اب ایسے مصنفین منظر عام پر آنے لگے جنہوں نے اپنے پیشروؤں کی تحریروں پر شدید تنقید کی۔ انہوں نے اسلام کے بارے میں ایسی کتابیں لکھنا شروع کیں جن میں اسلام کے کچھ شعبوں کی تعریف کی گئی تھی۔

(۲) ان مصنفین کی تحریروں میں گو قدرے انصاف کی جھلک نظر آتی ہے لیکن نسلی اور دینی تعصب نے ان کو انصاف کے آئینے میں حقائق دیکھنے کی مہلت نہ دی اور نہ ہی ان کا مقصد حق کی جستجو تھا۔ ان کا مقصد تو مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنا تھا لہٰذا وہ اس

marfat.com

میں کامیاب رہے۔ منٹگمری واٹ اور تھامس کارلائل نے اسلام کے متعلق چند کلماتِ خیر لکھے تو مسلمانوں کے بڑے بڑے ادیبوں اور مصنفوں نے ان کی تعریف میں بڑھ چڑھ کر اپنا زورِ قلم صرف کیا۔ انہیں منصف مزاج عالم، بے لاگ مبصر اور غیر جانب دار محقق کے خطابات دیئے حالانکہ ان لوگوں نے بھی اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ یہ لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن خود گھڑا تھا اور تھامس کارلائل قرآنِ حکیم کو (نعوذ باللہ) دنیا کی سب سے زیادہ بور کتاب کہتا ہے اور منٹگمری واٹ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مختلف گوشوں پر بڑھ چڑھ کر حملے کیے ہیں۔

(۳) اس دور میں مستشرقین اپنی حکومتوں کے دست راست بن گئے، وہ اپنے اپنے ملک کی وزارتِ خارجہ کے مشیر بنے اور انہوں نے اپنے وسیع تجربے اور مطالعے سے فائدہ اُٹھا کر ایسی پالیسیاں وضع کیں کہ استعماری طاقتوں کے چلے جانے کے بعد بھی مسلمان ان کی ضرورت محسوس کریں۔

(۴) استعماری طاقتوں نے دَم واپسیں مستشرقین کے مشوروں کے مطابق مسلمانوں پر جو وار کیے، ان کے اثرات ہم آج بھی دیکھ سکتے ہیں۔ نصابِ تعلیم قوموں کی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، ہم اپنے مدارس میں آج تک وہ نصاب پڑھا رہے ہیں جو مستشرقین ہمیں دے گئے تھے اس نظامِ تعلیم نے دین کو دنیا سے اور علومِ جدیدہ کو مسلمانوں کے روایتی علوم سے علیحدہ کر دیا ہے۔ نصاب کی اس تقسیم نے ملت کو تقسیم کر دیا ہے اور اُمتِ مسلمہ جس کی بنیاد ہی علم پر قائم تھی، وہ علم کے میدان میں اقوامِ عالم سے بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ مستشرقین نے جو زہر پھیلایا تھا اسی کا اثر ہے کہ آج مسلمان عربی اور اسلامیات سیکھنے کے لیے یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں داخلہ لیتے ہیں اور دین کو سمجھنے کے لیے ان علمی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں جو مستشرقین نے اپنے مخصوص مقاصد کے لیے تیار کیے ہیں۔

marfat.com

مستشرقین کے ان مقاصد میں اسلام کی تصویر کو مسخ کر کے پیش کرنا سرفہرست ہے۔

(۵) استعماری طاقتوں کے چلے جانے کے بعد بھی مسلمان عملاً ان کے غلام ہیں' استعماری طاقتیں اب کمزور اقوام کو قرضے فراہم کر کے انہیں اپنے سودی شکنجوں میں کستی ہیں اور پھر ان ممالک کی داخلی اور خارجہ پالیسیاں انہی کے اشاروں پر بنتی ہیں۔ ووٹ اسلامی ممالک کے شہری دیتے ہیں لیکن اقتدار اس کو ملتا ہے جس کو امریکہ دینا چاہتا ہے۔

اگر ذرا وقت نظر سے دیکھا جائے تو انسان اس حقیقت کا فوراً ادراک کر لیتا ہے کہ اس دور کے مستشرقین کا پھیلایا ہوا زہر ہر دور کے مستشرقین کے پھیلائے ہوئے زہر سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔

پانچواں دور

اس کا تعلق اس زمانے سے ہے جب قدرت نے عالمِ اسلام کو زرسیال کی دولت سے مالا مال کیا اور اہلِ مغرب کی حریص نگاہیں اس دولتِ خداداد پر مرکوز ہوگئیں۔ قدرت نے ملتِ اسلامیہ کو یہ دولت اس دور میں عطا کی تھی جب اقتصادی تقاضوں نے انسانی زندگی کے دیگر تمام تقاضوں کی اہمیت کو کم کر دیا تھا۔ اقتصادی خوش حالی ہی عزت' شہرت اور تہذیب کا معیار بن چکی تھی۔

استعماری طاقتوں نے نو آبادیاتی نظام کے خاتمے کے بعد مسلمانوں پر اپنے اثر و نفوذ کو قائم رکھنے کے لیے اقتصادیات ہی کا سہارا لیا تھا' مسلمان ممالک نے گو آزادی حاصل کر لی تھی لیکن وہ اقتصادی شعبے میں مغرب کی طرف دیکھنے پر مجبور تھے۔ مستشرقین نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی جو طویل المعیاد منصوبہ بندی کی تھی اس کا نتیجہ تھا کہ مسلمان اس بات پر مجبور تھے کہ وہ اپنا خام مال کوڑیوں کے بھاؤ اہلِ مغرب کے ہاتھ فروخت کریں اور پھر اس خام مال سے تیار شدہ اشیاء مہنگے داموں خرید کر اپنی نالائقی کا ماتم کریں۔

ناقص نظام تعلیم کی وجہ سے مسلمانوں کی یونیورسٹیوں سے انجینئر' سائنس دان'

marfat.com

ٹیکنالوجی کے ماہرین اور ایسے لوگ فارغ نہیں ہو رہے تھے جو اپنے ممالک کے لیے بے پناہ قدرتی وسائل کو کام میں لا کر اقوامِ عالم کو اپنا دست نگر بنا سکتے بلکہ ان کے مدارس اور یونیورسٹیوں سے وہی لوگ فارغ ہو رہے تھے جو کلرکی کریں یا سیاست اور تعلیم کے میدانوں میں آ کر مسلمانوں کو تعلیم مغرب کا دلدادہ بنانے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں وقف کر دیں۔

مسلمان اپنے وسائل کو خود اپنے خلاف اور اہلِ مغرب کے حق میں استعمال کر رہے تھے اگر مسلمان اس قابل ہوتے کہ وہ اپنے خام مال کو خود مصنوعات کی شکل میں تبدیل کر سکتے تو یورپ کی فیکٹریاں بند ہو جاتیں۔ یورپ اقتصادی طور پر کمزور ہوتا تو اس کی سیاسی چودھراہٹ بھی اپنی موت آپ مر جاتی لیکن افسوس کہ مسلمان ایسا نہ کر سکے۔

جس زمانے میں اہلِ مغرب مسلمانوں کی نالائقی کی وجہ سے ان کی اقتصادی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھانے میں مصروف تھے اسی زمانے میں قدرت نے مسلمانوں کو زرسیال کی دولت عطا کر دی۔ یہ صورتِ حال اہلِ مغرب کے لیے بڑی تشویش ناک تھی اس دولت کے ذریعے مسلمانوں کا اقتصادی طور پر مضبوط ہونا یقینی تھا' مسلمان اسی اقتصادی طاقت کو سیاسی' سماجی اور مذہبی معاملات میں بھی استعمال کر سکتے تھے اور یہ بھی ممکن تھا کہ یہ نئی دولت مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر ایک زندہ اور غیور قوم بنا دے۔ اہلِ مغرب سوچ رہے تھے کہ اگر مسلمان جاگ اُٹھے تو مغرب کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے۔ وہ اپنے مذہب' اپنی تہذیب' اپنی زبان اور اپنے طرزِ حیات پر فخر کرنے لگیں گے اور مشرق کا یہ نخچیر زبوں ان کے شکنجے سے آزاد ہو جائے گا' ساری دنیا کو عیسائی بنانے کا خواب چکنا چور ہو جائے گا اور مشرقی اقوام کے مقابلے میں اقوام مغرب کی نسلی برتری کا تخیلاتی محل دھڑام سے زمین بوس ہو جائے گا۔

اس صورتِ حال کو خاموش تماشائی بن کر دیکھنا اہلِ مغرب کے لیے ممکن نہ تھا' انہوں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کیا اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مستشرقین ہی ان کے کام آئے۔ اس دور میں جو کام وہ کر رہے ہیں اگرچہ خفیہ ہے لیکن اس کے اثرات روزِ روشن

marfat.com

کی طرح ظاہر ہیں۔ وہ اسلامی ممالک جن میں زر سیال کی دولت موجود ہے' ان پر وہ حکمران ہیں جن کا مرکز قوت امریکہ ہے۔ اہلِ مغرب جمہوریت کے پرچارک شہنشاہیت اور آمریت کے دشمن ہیں لیکن تیل پیدا کرنے والے مسلمان ممالک کے لیے وہ جمہوریت کو نقصان دہ سمجھتے ہیں کیونکہ اگر وہاں جمہوریت ہوگی تو ان ممالک کی پالیسیوں پر مغرب کا کنٹرول کمزور پڑ جائے گا۔ ایران اور عراق کے درمیان جنگ کے جو شعلے بھڑکائے گئے اور عراق کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے امریکہ نے اقوامِ متحدہ کی نگرانی میں جو کردار ادا کیا' وہ تیل کے اسی خطرے سے نمٹنے کی ایک صورت تھی۔ مسلمانوں کو اس بات میں کسی قسم کی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اہلِ مغرب مسلمانوں کو آسانی سے کبھی یہ اجازت دیں گے کہ وہ تیل کی اس خداداد دولت کو اپنی مرضی سے اپنی ملت کی فلاح و بہبود اور ان کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لیے استعمال کریں۔ اہلِ مغرب کی یہ غنڈہ گردی اس وقت تک جاری رہے گی جب تک مسلمان اپنے دوست اور دشمن میں تمیز نہیں کرتے اور ایک آزاد قوم کی طرح دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ اپنے اندر پیدا نہیں کرتے۔ (مستشرقین کے افکار و نظریات کے مختلف دور مشمولہ اسلام اور مستشرقین اعظم گڑھ ۱۹۸۶ء ج ۲ ص ۱۱۔۱۷)

چھٹا دور

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے تحریکِ استقلال کے ان پانچ ادوار میں ایک دور کا مزید اضافہ کیا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق چھٹا دور وہ ہے جس میں سے اب ہم گزر رہے ہیں اس دور نے مستشرقین کے لیے ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ اسلام کے شجر طیبہ کو جڑوں سے اُکھیڑ پھینکنے اور ہدایت کی اس شمع کو گل کرنے کے لیے عالم کفر نے ہر دور میں زبردست کوششیں کیں' مسلمانوں کو تلوار اور قلم کے ساتھ گھائل کرنے کی کوششیں صدیوں تک جاری رہیں اور ایک وقت وہ آیا جب اسلام دشمن قوتوں کو یقین ہوگیا کہ اب مسلمانوں کا اپنے مرکز قوت سے رابطہ ٹوٹ چکا ہے جس کے بحال ہونے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ مستشرقین نے صدیوں اس مقصد کے لیے کوششیں کی تھیں' انہوں نے اسلام

marfat.com

کی تعلیمات کو اس بھونڈے انداز میں پیش کیا تھا کہ اس دور میں اسلامی تحریکیں زور پکڑنے لگیں۔ برصغیر میں ایک ایسی تحریک اُٹھی جس نے اسلام کے نام پر ایک نئی ریاست کے قیام کی کوششیں کیں اور اس میں کامیاب ہوگئی۔ وہ تحریک ''تحریکِ پاکستان'' کے نام سے مشہور ہے۔

جو اسلامی ممالک استعماری تسلط سے آزاد ہوئے' ان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے مطالبے ہونے لگے اس صورتِ حال نے اہلِ مغرب کا سکون برباد کردیا۔ ملتِ اسلامیہ کا یہ نیا رجحان یہودیوں کے لیے بھی بہت بڑا خطرہ تھا اور مسلمانوں کے سچا مسلمان بن جانے کی صورت میں اسرائیل کی ناجائز ریاست کی بقاء کی کوئی صورت نہ تھی۔ چنانچہ مستشرقین کو اہلِ مغرب اور یہودیوں کی آرزوؤں کے محلوں کے تحفظ کے لیے نیا لائحہ عمل وضع کرنے پر مامور کیا گیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے لیے دہشت گرد اور بنیاد پرست کی اصطلاحیں ایجاد کیں۔ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ان اصطلاحوں کی اتنی تشہیر کی کہ مسلمان زعماء کی زبانوں سے بھی بنیاد پرستی کی مذمت ہونے لگی۔ مسلمانوں کا طبقہ دہشت گردی کے الزام سے بچنے کے لیے اپنے مسلمان ہونے پر شرمندگی محسوس کرنے لگا۔ الجزائر میں انتخابات میں فتح حاصل کر لینے کے باوجود اسلام پسند عناصر کو اقتدار سے محروم رکھنے کی سازش کی گئی۔ مختلف اسلامی ممالک میں اسلام کے حق میں اُٹھنے والی آوازوں کو کچلا گیا' اسلام کا نام لینے کے جرم میں ایران کو سارے مغرب کا سب سے بڑا دشمن سمجھا گیا' مسلمانوں کی طرف سے ایٹم بم بنانے کی کوششوں کو اسلامی بم کا نام دیا گیا اور عراق کے ایٹمی پلانٹ پر حملہ کیا گیا۔

الغرض مستشرقین نے مسلمانوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ ان کی تہذیب کے مقابلے میں مغربی تہذیب کہیں بہتر ہے۔ انہیں یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی تھی کہ اگر وہ دنیا میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام سے رابطہ منقطع کریں۔ انہوں نے اسلام کو ایک ایسی افیون قرار دیا جو انسان کی قوتِ عمل کو مضمحل کر کے رکھ دیتی ہے۔ کمیونسٹوں نے اپنے زیرِ تسلط علاقوں میں مسلمانوں کے تشخص کو ختم

marfat.com

کرنے اور انہیں اپنے دین سے دُور رکھنے کے لیے ظلم وستم کا ہر تیر آزمایا۔

اسلام دشمن قوتوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے اس نخچیر زبوں میں زندگی کے آثار پھر سے نظر آنے لگے ہیں اور مسلمان ایک مرتبہ پھر صحیح معنوں میں مسلمان بننے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ یہ اسلام دشمن قوتوں کی بھول تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں اپنے دین کی محبت کے چراغ کو گل کر دیا تھا۔ یہ نشہ وہ نہیں جسے ترشی اُتار دے۔ دراصل مسلمانوں کے دلوں میں ہدایت کی شمع جو ٹمٹما رہی تھی اس میں ہر قسم کی ظلمتوں کے لیے پیغام موت تھا۔ چنانچہ اہلِ مغرب میں صلیبی روح انگڑائی لینے لگی۔ بوسنیا' چیچنیا' افغانستان' فلسطین اور کشمیر میں لوگوں کا خون صرف اس جرم میں بہہ رہا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔

امریکہ نے خلیج کی جنگ میں لاکھوں انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی اور عراق کو نشانہ بنانے کے لیے حیلے تلاش کر رہا ہے۔ (اب تو اسے تباہ کر دیا ہے) لیکن اتنی بڑی دہشت گردی کے باوجود امریکہ امن پسند ہے اور عراق و لیبیا بلکہ سارے مسلمان دہشت گرد ہیں۔ ایک مرتبہ نیٹو کے وزیر دفاع نے کہا تھا کہ اشتراکیت کے خاتمہ کے بعد یورپ اور امریکہ کا سب سے بڑا دشمن اسلام ہے۔ (ضیاء النبی ج ۶ ص ۱۷۰۔ ۱۷۳)

امریکہ کے صدر جارج ڈبلیو بش نے افغانستان پر حملے کے وقت صلیبی جنگوں کا ذکر کیا تھا۔ دراصل ان اعلانات کے پیچھے مستشرقین کا مکروفریب کارفرما ہے جنہوں نے قلم اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اسلام کو ختم کرنے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد ایک مرتبہ پھر تلوار اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ امریکہ جو اس وقت غرور و تکبر اور دنیا پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہا ہے اور اس کے حواری ممالک کی ہٹ لسٹ پر صرف اسلامی ممالک ہیں جن کے خلاف ہر سطح پر زہر اُگلا جاتا ہے تاکہ یکے بعد دیگرے ان کے خلاف جارحانہ کارروائی کی جا سکے۔

زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ مستشرقین اپنے طریقہ ہائے واردات میں تبدیلیاں لاتے رہے لیکن جس مقصد کے تحت اس تحریک کا آغاز ہوا تھا' وہ مقصد ان

marfat.com

جسموں پر صلیبیں سجائیں، کبھی تحقیق و جستجو کے نام پر اسلامی ممالک کے کونے کونے تک پہنچے، کبھی مسلمانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ بن کر منظر عام پر آئے اور کبھی پسماندہ اقوام کے لیے مشفق و مربی کا روپ دھارا لیکن ان کا مقصد ایک ہی تھا اور ہے کہ وہ اسلام کی بیخ کنی کر دیں۔

یہود و نصاریٰ نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف متعصّبانہ بلکہ غیر انسانی رویہ اس لیے اپنایا تھا کہ تحریف شدہ یہودیت و نصرانیت کی کھوکھلی تعلیمات اس قابل نہ تھیں کہ اسلام کی واضح اور عقلی تعلیمات کے سامنے ٹھہر سکیں۔ انہیں یقین تھا اور ہے کہ اگر اسلام کی تعلیمات اپنی اصل شکل میں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے پاکیزہ حالات اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ یہود و نصاریٰ تک پہنچ جائیں تو انہیں اسلام کے دامن میں پناہ لینے سے کوئی چیز روک نہیں سکے گی۔ لہٰذا انہوں نے اسلام کی تعلیمات کو بگاڑ کر پیش کرنا شروع کر دیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی کردار کشی کی اور اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو نورِ ہدایت سے محروم کرنے کے لیے اپنا سارا زور صرف کر دیا اور کر رہے ہیں۔

تحریکِ استشراق میں یہودی اسی طرح شامل اور متحرک ہیں جس طرح عیسائی اور کئی دوسرے ملحدین اس میں موجود ہیں۔ یہ تمام طبقے اپنے بے شمار باہمی اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے خلاف یک جان ہیں اب تو ان مستشرقین کے کئی مسلمان شاگرد بھی اپنے مستشرق اساتذہ اور مربیوں کے پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے بڑی شدومد سے کوشاں ہیں۔ مختصراً یہ کہ سب مستشرقین اسلام دشمن ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جس تحریک استشراق نے آٹھویں صدی عیسوی میں جنم لیا تھا، ہنوز بڑے زور وشور سے جاری و ساری ہے۔ مختلف زمانوں اور ادوار کے حالات کے مطابق اس میں نت نئی رنگ آمیزیاں کر دی جاتی ہیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے یا کمزور ترین کرنے کا مقصد حاصل کیا جا سکے اس تحریک سے منسلک افراد کے دلوں میں ساؤدرن کا یہ قول نقش رہتا ہے۔

marfat.com

''یورپ کے عیسائیوں کے لیے اسلام ہر سطح پر ایک بڑا خطرہ بن چکا ہے۔''
(الاستشراق والخلیفۃ الفکریہ للصراع الحضاری ص ۲۸)

تحریکِ استشراق کو اب تین منظم تحریکوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے تاکہ ہر تحریک اپنے دائرۂ کار میں تفویض کردہ ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکے۔ پہلی تحریک یا تنظیم تبشیر یا تنصیر: اس نے عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے' یہ لوگ دیگر ادیان کے مقابلے میں بالعموم اور اسلام کے مقابلے میں بالخصوص عیسائیت کی فوقیت ثابت کرنے کے لیے کوششیں کرتے ہیں۔ یہ کھل کر اسلام کی تعلیمات اور تاریخ اسلام کی مقتدر شخصیات کے کردار پر بحث کرتے ہیں۔

دوسری تحریک استعمار: اس سے منسلک افراد مستعمرین کہلاتے ہیں جو مغربی سیاست دان' سفارت کار اور فوجی ہیں جو مشرقی ممالک پر استعماری غلبے کی کوششوں کا حصہ بنے اور

تیسری تحریک استشراق: اس میں شامل لوگ علم کی خدمت کا لبادہ اوڑھ کر مصروفِ عمل ہیں۔ یہ مستشرقین کہلاتے ہیں۔ (ضیاء النبی ج ۶ ص ۱۷۳)

ایک تحریک کی تین تحریکیں بنا کر دراصل یہ لوگ مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان کو الگ الگ تنظیم سمجھ کر ان کے دام تزویر میں پھنس جائیں لیکن حقیقت میں یہ تینوں ایک ہیں اور ان کا مقصد صرف ایک ہی ہے کہ اسلام کو کمزور تر اور مسلمانوں کو گمراہ کر دو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے کئی ذیلی مقاصد تشکیل دے رکھے ہیں جو ان کے طریقہ واردات' خباثت اور مکروہ عزائم کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ وہ مقاصد یہ ہیں:

پہلا مقصد: ۔ خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ:

مسلمانوں میں خلافت مرکزی حیثیت رکھتی تھی' سب مسلمان اپنے خلیفہ سے ایک طرح کا روحانی لگاؤ محسوس کرتے تھے اور اس کے ہر حکم پر سب کچھ قربان کر دینے کے لیے آمادہ و تیار رہتے تھے۔ مسلمانوں میں خلافت کی آخری کڑی خلافتِ عثمانیہ تھی' یہ بھی اہلِ مغرب کے استعماری عزائم کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ یہ خلافت اگرچہ

marfat.com

اپنی گزشتہ سطوت و شوکت سے محروم ہو چکی تھی لیکن اس کی صورت میں ملتِ اسلامیہ کے پاس ایک مرکز تھا اس مرکز کے گرد وہ کسی بھی وقت اکٹھے ہو سکتے تھے۔ اہلِ مغرب ممالک اسلامیہ پر مغربی اور صلیبی پرچم لہرانے کی خاطر اس خلافت کا خاتمہ ضروری سمجھتے تھے اس کام کے لیے بھی انہیں مسلمانوں کی صفوں سے کارندے مل گئے جنھوں نے اپنے ذاتی اقتدار کے لالچ میں مسلمانوں کے اس آخری سہارے کو بھی ختم کر دیا۔

آج ترکی کا یہ حال ہے کہ وہاں کی عالی شان نوحہ کناں مساجد نمازیوں کے لیے چشم براہ ہیں۔ مسلمان عورت کا سر پر سکارف باندھنا ملک بدری کو دعوت دینا ہے' سیکولر ہونے کی بناء پر اسلامی ذہن و سوچ کی حکومت کو طاقت سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ ترکی معاشرے کی یورپ سے بے حد مماثلت ہے۔ عورتوں کا لباس بھی مغربی طرز کا ہے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب میں استنبول کے ہوٹل میں نماز ادا کرتا تھا تو سامنے کے مکان کی کھڑکی سے ایک نوجوان لڑکی بڑی حیرت و حیران کن نظروں سے میری طرف دیکھتی تھی کہ میں کیا کر رہا ہوں' لوگ اگر اسلامی طرزِ زندگی اختیار کرنا چاہیں تو زیرِ عتاب آ جاتے ہیں اس ملک میں میزبان رسول حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر بزرگانِ دین کے مزارات مقدسہ ہیں لیکن خال خال لوگ ان پر حاضر ہوتے اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ یہ سب تحریک استشراق اور اس کے وابستگان کی کرشمہ سازی ہے لیکن ہنوز وہ ترکی میں اپنے پنجے گاڑے ہوئے سرگرم عمل ہیں کہ مبادا لوگوں کے اندر شجر اسلام کی کونپلیں از سرِ نو پھوٹنے اور جذبۂ مسلمانی بیدار ہو جائے۔

دوسرا مقصد:۔ مسلمان' مسلمان نہ رہے:

مبشرین کے زعماء میں سے صموئیل زویمر کہتا ہے کہ ہم کسی قیمت پر مسلمان کو عیسائی نہیں بنا سکتے لیکن جو مسلمان بظاہر عیسائیت قبول کر لیتے ہیں' وہ بھی دل سے ایسا نہیں کرتے بلکہ مادی مفادات حاصل کرنے کی خاطر محض زبان سے عیسائی ہونے کا اعلان کرتے ہیں اس لیے انہوں نے پروگرام بنایا ہے کہ مسلمان کو عیسائی بنانے کے بجائے مسلمان کو مسلمان نہ رہنے دو۔ گو ان کے نام مسلمانوں والے ہوں' مردم شماری میں

marfat.com

ان کا شمار مسلمانوں میں شمار ہوتا ہو لیکن ان کے دل مسلمان نہ رہیں' ان کی سوچ مسلمانوں والی ہو نہ ان کا عمل مسلمانوں کے عمل سے کوئی مطابقت رکھتا ہو' ان کو ایسی مخلوق بنا دو جن کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہو۔

یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مبشرین مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوششوں میں جس بُری طرح ناکام ہوئے ہیں' مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کو نکالنے کی کوششوں میں وہ اتنے ہی کامیاب ہوئے ہیں۔ لہٰذا اسی کامیابی کی بناء پر انہوں نے ممالک اسلامیہ کو اپنے استعماری تسلط میں لیا اور طویل مدت تک ان کے سیاہ و سفید کے مالک بنے رہے اور آج بھی اسلامی ممالک کی داخلی و خارجی پالیسیاں انہی کے اشاروں پر بنتی ہیں۔ (ضیاء النبی ج ۶ ص ۲۶۳-۲۶۴)

حقیقت یہ ہے کہ مبشرین کی کوششوں سے مسلمان اہلِ مغرب کے ذہنی غلام بن چکے ہیں اب ان کی کوشش ہے کہ مسلمان اسی طرح دین سے بے گانہ رہیں تا کہ ان کے متعلق اہلِ مغرب کی سیاسی چالیں بدستور کامیاب ہوتی رہیں۔

ذرا اپنے گرد و پیش میں نگاہ دوڑائیں اور جائزہ لیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت صرف نام نہاد مسلمانوں کی ہے۔ اسلام سے لگاؤ اور محبت اور اس کی تعلیمات سے بے گانہ ہیں۔ زندگی سے متعلق عام فہم اسلامی مسائل سے عدم واقفیت ہے' حکمران ہوں یا امراء و وزراء' تاجر پیشہ حضرات ہوں یا سیاست دان' ارباب بست و کشاد ہوں یا اعلیٰ افسران' جبہ و دستار پہنے ہوئے گدی نشیں ہوں یا جادو بیاں خطباء' نامور دانش ور ہوں یا فن کار' اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں یا بلند پایہ اہلِ قلم' سماجی رہنما ہوں یا عام لوگ بجز الا ماشاء اللہ سب نام نہاد مسلمان ہیں۔ فی زمانہ حقیقی مسلمان کو تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے' علم و حکمت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق و محبت مسلمانوں کا دین و ایمان ہے' ان کی جنت ہے اپنی بے عقلی اور عصری جدید تقاضوں کے نام پر کھو چکے ہیں اس پر طرہ یہ کہ علماء سوء اور جاہل پیر جگہ بہ جگہ شرک و بدعات اور غیر شرعی امور کو فروغ دے رہے ہیں اور نا سمجھ اور بے علم لوگوں کو واصل بالشیطان کر کے ان کی دنیا و آخرت کو برباد کر رہے ہیں۔ اسلامی ممالک کے سربراہ مغرب کے دست بستہ غلام ہیں' یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام بے حسی اور ایک دوسرے سے لاتعلقی کے سکرات میں

marfat.com

مبتلا ہے لیکن مبشرین، مستعمرین اور مستشرقین کی آنکھوں میں مسلمان ہنوز مثل خار کھٹک رہے ہیں اور کوشاں ہیں کہ ان کے اندر کبھی کبھار جو اسلام کی سربلندی اور ایمان کی لَو بھڑک اُٹھتی ہے، اسے بھی ختم کر دیا جائے۔

تیسرا مقصد:- نا اتفاقی پیدا کرنا:

مستشرقین پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کی قوت کا راز کیا ہے اور قوموں کی قوت وشوکت کا راز ان کے باہمی اتفاق واتحاد میں مضمر ہے۔ (ضیاء النبی ج ۶ ص ۲۸۳)

اگر ان میں اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا جائے تو قوموں کی قوت وشوکت کا محل دھڑام سے زمین بوس ہو جاتا ہے، انہیں یہ بھی علم تھا کہ اسلام کی رو سے تمام مسلمان ایک جسم کی حیثیت رکھتے ہیں اگر دنیا کے کسی خطے میں مسلمان ابتلا ومصیبت کا شکار ہوں تو سب بے تاب ومضطرب ہو جاتے ہیں۔ ان کی مدد کے لیے دوڑ پڑتے ہیں۔ دیبل موجودہ کراچی کے قریب ہندو قزاقوں نے چند مسلمان مردوں اور عورتوں کو پکڑ لیا تو حجاج بن یوسف نے ان کی دادرسی کے لیے محمد بن قاسم کی سرکردگی میں لشکر روانہ کر دیا تھا لہٰذا اغیار نے مسلمانوں میں نا اتفاقی کے بیج بونا شروع کر دیئے۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ گھر گھر نا اتفاقی ہے، علماء میں نا اتفاقی ہے، بہن بھائیوں کے اندر نا اتفاقی ہے، مذہبی وسیاسی اور سماجی جماعتوں کے اندر نا اتفاقی ہے۔ نتیجتاً مسلمان ایک دوسرے کے دُکھ درد اور باہمی محبت ویگانگت سے لاپرواہ ہو گئے ہیں۔ اپنے اپنے حال میں مست ہیں۔ یہی حال مسلمان ممالک کا ہے، ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔

چوتھا مقصد:- اسلامی اقدار سے دُوری پیدا کرنا:

مسلمانوں کو اسلامی اقدار سے بے بہرہ کرنے کے لیے باقاعدہ مہم چلائی گئی تاکہ ان کو مغربی اقدار کا رسیا بنایا جا سکے۔ اس مقصد کے لیے مسلمان ممالک میں ایسی تعلیم کو فروغ دیا گیا جس سے اسلامی اقدار ازخود ان سے رخصت ہو جائیں۔ آج اگر کہیں اسلامی اقدار نظر آتی بھی ہیں تو رفتہ رفتہ مٹتی جا رہی ہیں جن کی موجودگی سے مسلمان

marfat.com

دوسری قوموں سے منفرد نظر آتا تھا۔

پانچواں مقصد:۔ دین کا تعلق صرف ذات تک محدود کرنا:

اس مقصد کے حصول کے لیے بڑی شدومد سے ڈھنڈورا پیٹا گیا اور پیٹا جارہا ہے کہ اسلام اپنے ابتدائی چند عشروں میں تو ممکن ہے مختلف امورحیات میں بہتر رہنمائی کی کرسکتا ہو لیکن آج کی ترقی یافتہ زندگی کے تقاضوں کا ساتھ دینے سے قاصر ہے اس لیے دین کو مسجد یا اپنی ذات تک محدود کر کے قومی و اجتماعی مسائل کے لیے مغرب کے کامیاب تجربات سے استفادہ کرنا چاہیے۔(ضیاء النبی ج ٦ ص ۲۸۴)

اس پراپیگنڈہ سے بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کئی دوسرے مسلمان بے حد متاثر ہوئے اور مغرب کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے برملا کہتے پھرتے ہیں کہ اگر اسلام کے اصولوں پر عمل شروع کر دیا تو آج کی ترقی یافتہ دنیا سے بہت پیچھے رہ جائیں گے اور مسلمانوں کی پسماندگی کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ مغرب کی تقلید میں ہم بہت متعصب ثابت ہوئے ہیں خواہ مخواہ ہم ہر بات میں اسلام کو لے آتے ہیں۔ ہر شخص اپنے عمل کا جوابدہ ہے لہٰذا اسلام کو اپنی ذات تک محدود رکھنا بہتر ہے۔

چھٹا مقصد:۔فروغِ فرقہ واریت:

مستشرقین نے مسلمانوں کو فرقہ واریت کے جہنم میں پھینکنا چاہا تو اس مقصد کے لیے انہیں مسلمانوں کی صفوں میں سے ہی کارکن میسر آ گئے۔انہوں نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ اسلام کی تعلیمات آج کل کے زمانے کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں لہٰذا اس کام کی ترویج کے لیے کئی مسلمانوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔(ضیاء النبی ج ٦ ص ۲۸۵)

آج اگر گردوپیش میں نظر دوڑا کر دیکھیں تو جگہ بہ جگہ فرقہ واریت کے تناور درخت کھڑے ہیں اور ہر درخت کے نیچے ہزاروں لوگ اس کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں اپنی توانیاں صرف کر رہے ہیں۔ حالت ایں جارسید کہ جس اینٹ کو اُٹھاؤ اس کے نیچے سے کوئی نہ کوئی فرقہ نکل آتا ہے اور اس نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ سے تعمیر کر

marfat.com

رکھی ہے اس پر طرہ یہ کہ ہر کوئی خود کو حق پر اور دوسرے کو ناحق پر خیال کرتا ہے اور اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس فرقہ واریت کے زہر ہلاہل نے اُمتِ مسلمہ کے نہ صرف سارے جسم کو بلکہ اس کی روح تک کو زہر آلود کر دیا ہے۔ دینی و سیاسی و سماجی جماعتوں کو لے لیں، پہلے ایک ہوتی ہے پھر تھوڑے عرصے بعد ان کے اندر سے کئی جماعتیں جنم لے لیتی ہیں اور باہمی سر پھٹول میں مشغول ہو جاتی ہیں۔ دشمن مغرب یہی تو چاہتا ہے کہ مسلمان آپس میں ہی سر بہ گریباں رہیں، ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہیں، اپنی توانائیاں ضائع کرتے رہیں۔

ساتواں مقصد:۔ ملک کو فوقیت دینا:

جذبہ مسلمانی کی اہمیت کو گھٹانے اور اسے ثانوی حیثیت دینے کے لیے مستشرقین و مبشرین نے مسلمانوں کو باور کرانے کی کوشش کی کہ اگر ملک ہے تو سب کچھ ہے لہٰذا ''پہلے ملک'' کے نعرہ کی بنیاد پر انہوں نے مسلمانوں کے اندر نسلی و لسانی و علاقائی تعصّبات کی آگ کو بھڑکانے اور انہیں یہ احساس دلانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا کہ وہ پہلے عرب، ترک، ایرانی اور افغانی ہیں اور بعد میں مسلمان ہیں۔ یہ سازشی جانتے تھے کہ اگر یہ آگ بھڑک اُٹھی تو پھر مسلمانوں کے لیے خود اس پر قابو پانا بہت مشکل ہو جائے گا اور وہ اس میں بھسم ہو کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ وہ اس مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں اب صورت ایں جا رسید کہ مسلمان اپنی شناخت ملک بلکہ صوبے کے حوالے سے پہلے اور بحیثیت مسلمان کے اپنا تعارف بعد میں کراتے ہیں۔

اہلِ دانش کہتے ہیں کہ جب ملک کو اوّلیت و فوقیت دی جائے تو اس سے مراد جان کو محفوظ رکھنا ہوتا ہے لیکن جب مسلمانی کو اوّلیت دی جاتی ہے تو اس سے ایمان کو بچایا جاتا ہے۔ ان دونوں جذبوں کے نتائج ایک دوسرے کے برعکس مرتب ہوتے ہیں جب زندگی کو مقدم رکھا جاتا ہے تو اس کو بچانے کے لیے دشمن کی غلامی اختیار کرنا پڑتی ہے اس کی ہر جائز و ناجائز بات کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے، عزت نفس مجروح ہوتی ہے، وقار و ناموس خاک میں مل جاتا ہے، ہر طرح کا جبر و زیادتی برداشت کرنا پڑتا ہے، گھر اور ملک

marfat.com

کے دروازے دشمن کی آمدورفت کے لیے کھلے رکھنے پڑتے ہیں' ذلت وخواری کا طوق گلے میں ڈالنا پڑتا ہے' دشمن کی خاطر اپنوں سے نہ صرف غداری بلکہ ان کے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں تو دریغ نہیں کیا جاتا' ایمان کا زندگی کے عوض سودا کرنا پڑتا ہے' ملک وقوم سے غداری کرنی پڑتی ہے اور اپنوں پرائیوں میں ذلیل ہونا پڑتا ہے لیکن جب مسلمانی و ایمان کو فوقیت دی جاتی ہے تو پھر نہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سرخروئی ہوتی ہے بلکہ ان کی مدد بھی مسلمانوں کے شاملِ حال ہو جاتی ہے' غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں' دشمن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے' ایمان کی خاطر زندگی قربان کرنا سہل ہو جاتا ہے۔ لاریب ایمان کے ساتھ موت عزت کی موت ہے' فخر کی موت ہے' سربلندی کی موت ہے' شہید کی موت ہے جو قوم کے لیے باعث حیات ہوتی ہے۔

۱۱ستمبر ۲۰۰۰ء کو جب امریکی ورلڈ ٹریڈ سنٹر زمین بوس ہوا تو امریکہ کے لیے یہ انہونی اور ناقابلِ یقین بات تھی اس کی عزت خاک میں مل گئی تھی' دنیا کی نگاہ میں اس کی برتری کا محل چکنا چور ہو گیا تھا' وہ پاگل ہو گیا اس نے افغانستان میں مقیم اسامہ بن لادن اور اس کی جماعت کو ذمہ دار ٹھہرایا' دہشت گرد قرار دیا اور افغانستان کے خلاف جنگی کارروائی کے لیے امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے ایٹمی ملک پاکستان کے فوجی صدر پرویز مشرف کو خواب سے بیدار کر کے افغانستان کے خلاف ساتھ دینے کے لیے تحکمانہ انداز میں ''ہاں یا ناں'' میں جواب طلب کیا۔ زندگی کو اوّلیت دی گئی' پتھر اور دھات کے زمانے میں جانے کے تصور سے لرزہ طاری ہو گیا لہٰذا مودبانہ انداز میں بش کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا گیا اور قوم کو مطمئن کرنے کے لیے مستشرقانہ قول ''پہلے ملک'' کا سہارا لیا گیا اور اس کو حکمت و دانائی سے تعبیر کیا گیا اس کے بے بہا ثمرات گنوائے گئے' قوم نے فردِ واحد کے اس فیصلے کی سخت مخالفت کی لیکن حکومتی گدی نشینوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور پھر کچھ عرصے کے بعد اس کے منفی اور بھیانک نتائج سامنے آنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم لیکن اگر جذبہ ایمانی سے کام لیا ہوتا' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھروسہ کیا ہوتا تو صورتِ حال بے حد مختلف ہوتی اور سرخروئی و سربلندی

marfat.com

قدم چوم رہی ہوتی۔

۲۳ فروری ۲۰۰۳ء کے نوائے وقت میں عرفان صدیقی نے اپنے کالم ''نقش خیال'' میں ''صرف ایک سوال'' کے عنوان کے تحت ملک کو اوّلیت دینے کے سلسلہ میں جو تجزیہ پیش کیا ہے اور جن خیالات کا اظہار کیا ہے' انہیں پڑھ کر سوائے رونے کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا' لکھا ہے:

''اگر نظریئے ''اصول'' آورش اور اقدار محض واہمے ہیں اور اگر عزت' خودی' حمیت' غیرت اور انا صرف شاعرانہ تخیل کے تراشے ہوئے بت ہیں اور اگر قومی وقار' عزت نفس' آزادی اور خودمختاری فرسودہ ہو جانے والی لغت کے بے معنی الفاظ ہیں تو پھر ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ نہایت جامع' مکمل اور بامعنی ہے اگر اپنی جان بچانا اور گھر کی کوٹھڑی میں رکھے سامان کے ساتھ ساتھ دلوں کے توشہ خانوں میں رکھے عقیدوں' جذبوں اور محبتوں کو بھی جنس بازار بنا دینا حکمت ہے تو فرار ہونے والا ہر جرنیل اور ہتھیار ڈالنے والا ہر سپاہی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہے اگر زندگی صبح و شام کے پیمانے سے جانچی جاتی ہے اور اس کا مرتبہ و مقام سانسوں کے طول و عرض سے متعین ہوتا ہے تو پھر لمبی عمریں پانے والے تمام غلام اور برس ہا برس قبروں کا منہ نہ دیکھنے والے' حشرات الارض کی سی زندگیاں گزارنے والے سارے لوگ بنی نوع انسان کے ہیرو ہیں اگر مجاہد کا بانکپن کسی نہ کسی بہانے اپنے آپ کو موت کے منہ سے بچا لینے میں ہے تو کیپٹن سرور شہید سے کیپٹن کرنل شیر اور حوالدار لالک جان جیسے شہدائے وطن کے سینوں سے ''نشانِ حیدر'' کے سارے تمغے اُتار کر جنرل (ر) امیر عبداللہ نیازی کی چھاتی پر ٹانک دینے چاہئیں اگر حکمت و دانش کی معراج صرف اس قدر ہے کہ آئی قیامت کو ٹالنے کے لیے اپنی خواب گاہوں کی عصمت تک کو نذر کر دیا جائے تو تاریخ انسان کے اوراق میں درخشاں سارے چہروں پر حماقت کی کالک ملنا ہو گی اور غیرت و حمیت کے سارے تقاضوں سے دستکش ہو کر خود فروشی کی منڈیاں لگانے والے ہر حقیقت شناس قبیلے کو عزت و عظمت کی اونچی مسندوں پر بٹھانا پڑے گا۔

marfat.com

''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ پہلے دن سے ہی محلِ نظر تھا جس سرزمین کے لیے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے جداگانہ اسلامی تشخص کو بنیاد بنایا اور جس کے لیے شہدائے آزادی نے عزم و ہمت کی تابندہ داستانیں لکھیں، اسے دینی، سیاسی اور قومی تشخص کے سارے قرینوں سے محروم کر کے محض زمین کا ایک ٹکڑا بنا دینا مصورِ پاکستان علامہ اقبال کی فکرِ بلند کی نفی بھی ہے اور بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے تصورِ پاکستان کا مضحکہ بھی۔ پاکستان کسی حادثے کی پیداوار ہے نہ اسے برصغیر کے جغرافیائی تقاضوں نے جنم دیا ہے۔ قائداعظمؒ نے کہا تھا:

''پاکستان اسی دن قائم ہو گیا تھا جس دن برصغیر کے پہلے شخص نے اسلام قبول کیا تھا۔''

یہ قول پاکستان کو قیامت تک اسلام کے توانا اور زندہ جاوید نظریئے سے وابستہ رکھے گا۔

۱۱ ستمبر کے بعد ہم نے جبر کے سامنے انتہا درجے کی جلد بازی سے ایک ایسا فیصلہ کیا جس میں عوامی مشاورت کا کوئی ادنیٰ سا اہتمام بھی شامل نہ تھا۔ یہ فیصلہ اہلِ وطن کی اُمنگوں سے متصادم تھا، یہ فیصلہ پاکستان کے نظریاتی تشخص کے بھی منافی تھا۔ یہ فیصلہ پاکستان کی قومی تاریخ کے سارے روشن حوالوں کے بھی خلاف تھا۔ یہ فیصلہ ایمان و یقین کے تقاضوں سے بھی ٹکراتا تھا۔ بات صرف اس قدر تھی کہ امریکہ کی دھمکی کے سامنے ہم کھڑے نہ ہو سکے۔ جمہوری نظام کی عدم موجودگی میں کوئی ایسی دیوار نہ تھی جس کی اوٹ میں بیٹھ کر قیامت کی وہ گھڑی ٹال دی جاتی اور پھر ایسا فیصلہ کیا جاتا جو قوم و ملک کے بہترین مفاد میں ہوتا۔

مجھے یہ بھولی بسری کہانی آج پھر یاد آ رہی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے پاکستان کے نظریاتی تشخص کو نظر انداز کرتے ہوئے قوم کے اجتماعی ضمیر کو کچلتے ہوئے اپنی بزدلی اور مجبوری کو معتبر بنانے کے لیے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا جو نعرہ تراشا تھا، وہ بے معنی ہو کر رہ گیا ہے اگر دولتِ خودی اور سرمایہ حمیت دے کر ہماری اچھی قیمت پڑتی، ہمارے ۳۷ ارب کے قرضے معاف ہو جاتے، ہماری اقتصادی ترقی کے لیے بنیادی

marfat.com

نوعیت کی دیر پا رعایتیں دی جاتیں، ہمارے ایٹمی اثاثوں کو شکوک وشبہات سے بَری کر دیا جاتا۔ مسئلہ کشمیر پر ہمارے منصفانہ مؤقف کی بھرپور تائید وحمایت کی جاتی۔ ہمارے ازلی و ابدی دشمن کو حدود کے اندر رکھنے کے لیے ہمارے ساتھ پائیدار دوستی کی بنیاد رکھی جاتی۔ خطے کی سیاست میں ہمیں محترم اور معتبر مقام دیا جاتا اور ہمیں ایک ذمہ دار، روشن خیال اور پختہ کار نظریاتی ریاست کے طور پر تسلیم کرلیا جاتا تو ۱۱ ستمبر کی شب ایک ٹیلی فون کے بطن سے پھوٹنے والا یہ خود فریب نعرہ کسی حد تک با مقصد اور قابلِ قبول ٹھہرتا۔

میرے دل میں آج پھر درد کی شدت بڑھنے لگی ہے اور اپنی بے ہنری پر رونا آ رہا ہے، ترکی ایک بار پھر میرے زخم کو کریدنے لگا ہے، جسٹس اور ڈویلپمنٹ پارٹی کے سربراہ طیب اردگان نے کیا خوب بات کہی ہے:

''جب کوئی ملک یہ کہنے لگے کہ میرے ہر مطالبے پر آنکھیں بند کر کے عمل کرو تو اس سے دوستی نہیں ہو سکتی۔''

ترکی نظریاتی، سیاسی اور جغرافیائی حوالے سے اپنے آپ کو یورپ کا حصہ خیال کرتا ہے، کمال اتاترک کے بعد سے وہاں کی فوج شدید قسم کے سیکولرزم پر کاربند ہے اور اسلامی شعائر اس کے مکتبِ فکر سے خارج ہو چکے ہیں۔ ''ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ'' جیسے نعرے اس کی چھاؤنیوں کے لیے اجنبی ہیں۔ ترکی نیٹو کا رُکن اور اس اعتبار سے امریکہ کا اتحادی ہے لیکن اس نے سب سے پہلے ترکی کا نعرہ اس لیے اپنایا کہ دنیا کہ سپر پاور کی ناک میں نکیل ڈال دی اور اسے بندر کی طرح کبھی سائیکل چلانے، کبھی آٹا گوندھنے اور کبھی سلام کرنے جیسے کرتبوں پر مجبور کر دیا اب تک معاملہ ۲۶ ارب ڈالر تک پہنچ چکا ہے لیکن ترکی کا کہنا ہے کہ امداد اور قرضوں کی مد میں کم از کم ۵۵ ارب ڈالر کی ضمانت دینا ہوگی، وہ بھی زبانی کلامی نہیں باضابطہ تحریری معاہدہ ہونا چاہیے جسے امریکی کانگریس کی حمایت حاصل ہو، طیب اردگان نے مزید کہا:

''ہم ماضی سے سبق سیکھ چکے ہیں اگر امریکہ نے مطلوبہ ضمانت نہ دی تو ہم اسے کوئی سہولت نہیں دیں گے۔''

marfat.com

اور ہمیں اتنا تو بتا دیا جائے کہ ہم نے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا اصول وضع کرتے وقت پاکستان اور اہلِ پاکستان کے لیے کیا مانگا تھا' کونسی ضمانتیں حاصل کی تھیں' اپنے ہوائی اڈوں سے لے کر خواجہ برادران جیسے عزت مآب پاکستانی ان کے حوالے کرنے کے عوض ہم نے کیا پایا ہے۔ اسلامی تشخص اور قومی حمیت کو تقاضائے وقت کے منافی خیال کرتے ہوئے ہم نے جس پاکستان کو اپنی بے ہمتی کی ڈھال کے طور پر پیش کیا تھا اس کی جھولی میں کیا آیا ہے۔

کوئی ہے جو صرف اسی ایک سوال کا جواب دے دے۔ یہ ایک سوال جسے ترکی نے ایک بار پھر ہمارے گلے کی پھانس بنا دیا ہے۔

آٹھواں مقصد:- اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ باور کرانا:

اہلِ مغرب کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا دین مجرموں کو جو سزائیں دینے کا حکم دیتا ہے' وہ ظالمانہ ہیں اس ترقی یافتہ اور مہذب دور میں اس قسم کی سزاؤں کی گنجائش نہیں ہے اس مقصد کے حصول کے لیے اسلامی سزاؤں کے خلاف مغربی میڈیا سے دل کھول کر تشہیر کی گئی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب بعض نام نہاد دانش ور اور اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ اہلِ علم مسلمان بھی ان سزاؤں کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں اور ان کو تبدیل کرنے پر زور دیتے ہیں۔ یہ لوگ دراصل مستشرقین اور مبشرین کی معنوی اولاد اور عقل کے اندھے ہیں جو اتنی بات بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ خالقِ کائنات اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جرم کی جو سزا مقرر فرمائی ہے اس سے بہتر' مؤثر اور مبنی بر حکمت کوئی اور سزا ہو ہی نہیں سکتی۔

اہلِ مغرب خود کو مہذب کہتے ہیں' یہ ذرا اپنے معاشرے کے مادر پدر آزاد ماحول' منشیات کے اندھادھند استعمال' جرائم' جنسی بے راہ روی اور عریانی و فحاشی پر طائرانہ نظر ڈال کر دیکھ لیں حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ وہ کس قدر مہذب ہیں اگر مہذب دنیا کا یہی چلن ہوتا ہے تو اس سے پناہ۔ جو خرافات ان کے معاشرے میں سرِعام دندناتی پھرتی ہیں' ان سے اَن گنت معاشرتی ناسوروں نے جنم لیا ہے۔ لاعلاج امراض نے ان کی نیندیں

marfat.com

حرام کر رکھی ہیں، حسب ونسب خلط ملط ہو کر رہ گیا ہے اور آزادی کے نام پر کیے جانے والے سب کرتوتوں نے انہیں جانوروں کی سطح سے بھی نیچے لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اسلامی سزائیں انسان کو وحشی اور جانور بننے سے روکتی ہیں لیکن اسلام دشمنی نے ان کی آنکھوں کو اندھا اور عقلوں کو مفلوج کر رکھا ہے۔

فقہاء اسلام نے پانچ جرائم کو قابلِ حد قرار دیا ہے، ان میں سے زنا، قذف یعنی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا، سرقہ یعنی چوری اور حرابہ یعنی ڈکیتی کی سزا صراحتاً قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ شراب پینے کی حد سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ ان کے علاوہ دیگر جرائم کی سزا بجز قتل کے تعزیراً دی جاتی ہے۔

اسلامی سزاؤں کو غیر انسانی اور وحشیانہ باور کرانے کے سلسلہ میں مغرب کے باطل اور متعصبانہ پروپیگنڈہ کے جواب میں ڈاکٹر نور احمد شاہتاز نے بڑی خوب صورت بات کہی ہے، لکھتے ہیں:

''اسلامی نظام حدود کے بارے میں بعض لوگ مغربی پروپیگنڈہ کی وجہ سے بدظن دکھائی دیتے ہیں اور وہ قرآن وسنت کی مقرر کردہ سزاؤں کو سنگین قرار دیتے ہیں لیکن جن لوگوں کی نظر ان سزاؤں کی سنگینی پر جاتی ہے اگر ان میں انسانیت کی کوئی رمق ہو تو انہیں اس پر بھی نظر ثانی کرنی چاہیے کہ جس فعل پر یہ سزائیں مقرر کی گئی ہیں، وہ فعل کس قدر گھناؤنا اور انسانیت سوز ہے۔ آج وہ لوگ جو اسلامی سزاؤں کو غیر مہذب، وحشیانہ اور ظالمانہ بتلا رہے ہیں، اپنی بیوی کو مشتبہ حالت میں غیر مرد کے پاس دیکھ لیں تو غیرت مند ہونے کی صورت میں دونوں کو موت کے گھاٹ اُتار دینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں گے اس لیے کہ یہ انسانی فطرت ہے مگر تعجب ہے کہ جب شریعت (شادی شدہ) زانی مرد اور زانی عورت کی وہی سزا (موت بطریق رجم) مقرر کرتی ہے تو کچھ لوگ ناک بھویں چڑھانے لگتے ہیں جبکہ اسلام نے سزا کے جاری کرنے میں انتہائی احتیاط کا حکم بھی صادر کیا ہے اور نفاذ حدود کے لیے سخت سے سخت شرائط مقرر کی ہیں بلکہ شک کا فائدہ پہنچنے کی صورت میں حد ساقط کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔

marfat.com

زنا جو کہ ایک بڑا گھناؤنا جرم ہونے کے علاوہ پوری انسانیت کے لیے تباہی کا باعث بھی ہے۔ نیز خاندانی شرافت اور نسب کے لیے باعث ذلت بھی تو اسلام اگر زانی مرد وعورت (غیر شادی شدہ) کو سو کوڑے مارنے اور شادی شدہ مرد وعورت کو رجم کرنے کی سزا مقرر کرتا ہے تو کیا یہ عین فطرت نہیں ہے تا کہ معاشرہ اور پوری انسانیت فساد سے بچ جائے۔ عجیب بات ہے کہ کوئی شخص خود تو اپنی بیوی کو مشتبہ حالت میں دیکھ کر اسے اور مشتبہ شخص کو قتل کرنے پر تل جائے اور اگر شریعت کسی زانی وزانیہ کو واضح شہادتوں کے بعد رجم کرنے کا حکم دے تو اسے یہ اقدام وحشیانہ نظر آنے لگے۔

یہی حال چوری کا ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ ایک چور سارے گھر کو لوٹ کر جا رہا ہو اور اسی اثناء میں مالک مکان آ جائے اور اس کے ہاتھ میں اسلحہ بھی ہو تو کیا وہ اس چور کو یونہی چھوڑ دے گا؟ اس کا فطری جواب تو ظاہر ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ یقیناً وہ شخص اس چور پر فائر کھول دے گا۔ جان سے نہ بھی مارے تب بھی کم از کم اسے اس قدر زخمی تو کرنا ہی چاہے گا کہ وہ اس کا مال لے کر فرار نہ ہو سکے۔ یہی کام اگر جرم ثابت ہونے پر شریعت کر دے کہ چور کو جان سے مارنے کی بجائے اس کا ہاتھ کاٹ دے تا کہ وہ چلتا پھرتا اشتہار ہو اور لوگ عبرت پکڑیں تو یہ سزا کچھ لوگوں کو وحشیانہ نظر آنے لگتی ہے۔

اسی طرح قذف کا معاملہ ہے اگر کوئی شخص کسی کی پاک دامن بیٹی پر زنا کی تہمت دھر دے تو کیا ایک غیرت مند شخص اپنی بیٹی کی عصمت وعفت کو داؤ پر لگا کر اس کی زندگی کو تلف کرنے پر آمادہ ہوگا۔ فطرت کا تقاضا ہے کہ ایسا آدمی قابلِ معافی نہیں تو پھر یہی جرم ثابت ہونے کے بعد اسلام تہمت لگانے والے پر اسی (۸۰) درے لگانے کا حکم صادر کرے تو کیا یہ وحشیانہ سزا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی شرعی حدود عین فطرت کے مطابق ہیں اور کسی مجرم سے سرزد ہونے والے جرم کی سختی کے مقابلہ میں وہ ضرر جو مجرم کو پہنچائی جاتی ہے، کسی صورت بھی سخت نہیں ہے۔

اسلامی سزاؤں کو سخت کہنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اعتراض کرنے والے مغرب

marfat.com

سے مرعوب ہیں اور مغرب میں زنا اور شراب نوشی کا رواج اب اس قدر عام ہے کہ یہ معمولات میں شامل ہیں اور انہیں بُرائی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ چند سال قبل برطانوی پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کیا تھا جس کی رو سے اگر کوئی اجنبی مرد اور عورت چار برس تک ایک ساتھ رہیں تو وہ قانونی شوہر اور بیوی متصور ہوں گے اس قسم کے معاشرہ کے لوگ جہاں غیر قانونی جنس پرستی کو قانونی تحفظ حاصل ہو جائے اور مرد و عورت کا بغیر نکاح بیاہ کے طویل مدت تک ایک ساتھ رہنا معیوب نہ ہو وہاں کے لوگ اگر اسلامی قوانین حدود کو سخت کہیں تو اس میں حیرت و استعجاب کی بات نہیں ہے۔

شرع اسلامی کی مقرر کردہ سزاؤں کو سخت' سنگین اور وحشیانہ بتانے والے دراصل یورپ (یہود و نصاریٰ) کے اسلام دشمن پروپیگنڈہ کا شکار ہوئے ہیں اور اسی لیے وہ نفاذ حدود کی راہ میں مسلسل رکاوٹ بنتے رہے ہیں حالانکہ اگر انہوں نے اہلِ مغرب (یہود و نصاریٰ) کے مذاہب ہی کا مطالعہ کیا ہوتا تو انہیں اندازہ ہوتا کہ اسلام نے سنگین نوعیت کے جرائم میں جو سزائیں مقرر کی ہیں اس سے کہیں زیادہ سخت سزائیں ایسے ہی بلکہ اس سے بھی کم تر درجہ کے جرائم میں اسلام سے قبل کے آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب میں درائج ہو چکی ہیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ اہلِ یورپ یہود و نصاریٰ نے تورات اور انجیل میں ہزار ہا تحریفات کیں اس کے باوجود ابھی تک بائبل کے صفحات ایسی سزاؤں کے ذکر سے بھرے پڑے ہیں جو اسلامی حدود سے یا تو مطابقت رکھتی ہیں یا ان سے بھی بڑھ کر سخت ہیں۔ مثلاً بائبل تورات کے مطابق:

......زنا اور لواطت کی سزا بھی موت ہی ہے۔

...جانور سے جماع کرنے والا بھی جان سے مارا جائے گا۔

...اگر کوئی شخص کاہن (یہودی مولوی) سے گستاخی سے پیش آئے یا قاضی کا کہا نہ مانا جائے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے۔

...جھگڑے کی صورت میں قاضی جس کو گناہگار ٹھہرائے اور وہ شریر پٹنے کے لائق ہو تو قاضی اسے زمین پر لٹوا کر اپنی آنکھوں کے سامنے اس کی شرارت کے مطابق گن گن

marfat.com

کرکوڑے لگوائے' وہ چالیس کوڑے لگائے اس سے زیادہ نہ مارے۔

......جو خاوند کے نام پر کفر بکے' ضرور جان سے مارا جائے اسے قطعی سنگسار کرے۔

......ماں باپ کے نافرمان بیٹے کو شہر کے سب لوگ سنگسار کریں کہ وہ مر جائے۔

......اگر کوئی شخص بیوی اور ساس دونوں کو رکھے تو تینوں جلائے جائیں۔

......اگر کاہن کی بیٹی فاحشہ بن کر اپنے آپ کو ناپاک کرے تو وہ عورت آگ میں جلائی جائے کیونکہ وہ اپنے باپ کو ناپاک ٹھہراتی ہے۔

بائیبل انجیل کے مطابق:

......حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں زنا کی سزا سنگساری تھی۔

......سٹیفن کو شریعت کی مخالفت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسموں کو بدلنے کے الزام میں سنگسار کیا گیا تھا۔

ہندومت کے مطابق:

...... زانیہ کو بھوکے کتوں کے آگے ڈال دیا جاتا تھا تاکہ وہ اسے پھاڑ ڈالیں اور زانی کو لوہے کا پلنگ آگ سے تپا کر اس پر ڈال دیا جاتا تھا۔

ہندو دھرم کے مطابق:

...... بڑی رقم کی چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا تھی۔

......ڈاکہ زنی (حرابہ) کے مرتکب مجرموں کے ہاتھ کاٹے جاتے تھے۔

...... جو لوگ ڈاکوؤں کو پناہ دیتے یا انہیں خوراک پہنچاتے تو ان کی سزا موت تھی۔

(تاریخ نفاذ حدود ص ۳۹ تا ۴۴)

نواں مقصد:- جذبۂ جہاد کو مٹانا:

اہل مغرب نے مسلمانوں کی زندگیوں سے جذبۂ جہاد کو خارج کرنے کے لیے ان تھک کوششیں کیں اور متواتر کر رہے ہیں تاکہ انہیں اپنے تشخص اور اپنی تہذیب سے بے گانہ کر کے مغربی تہذیب کا دلدادہ بنا دیا جائے اس منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے انہیں ایسے کارکن بھی میسر آ گئے جن کے نام مسلمان والے تھے۔ (ضیاء النبی ج ۶ ص ۲۸۴)

marfat.com

مستشرقین و مبشرین اور اہلِ مغرب بخوبی جانتے ہیں کہ جہاد مسلمانوں کی زندگی میں اتنی ہی اہمت رکھتا ہے جتنا زندہ رہنے کے لیے سانس لینا ہر مسلمان پر ہمہ وقت جہاد فرض ہے، کبھی وہ جہاد بالنفس میں مشغول ہوتا ہے اور کبھی جہاد بالسیف میں مصروف ہوتا ہے۔ الغرض مسلمان کی زندگی جہاد سے عبارت ہے اور یہ دونوں جہاد لازم وملزوم ہیں۔ غازی اور شہید ہونے کے جو اعزاز مسلمانوں کو حاصل ہے' کفار و مشرکین اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ شہید کی موت قوم کی حیات ہے' شہید زندہ ہوتا ہے اور ہر مسلمان کا مطلوب و مقصود ہی جامِ شہادت کو نوش کرنا ہے۔ یہی تو وہ جذبہ ہے جو موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے لیکن اس کے باوجود اہلِ یورپ شبانہ روز کوشاں ہیں کہ مسلمانوں کے قلوب و اذہان سے لفظ جہاد کو کھرچ کر نکال دیا جائے' ان کی کتب سے اس لفظ کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔ چنانچہ ان دشمنانِ اسلام کی کوششوں کا نتیجہ اس قدر تو ضرور نکلا ہے کہ فی زمانہ مسلمانوں میں ایسے مادہ پرست' ہوس زر کے دلدادہ' عیش پسند' خودغرض' اقتدار کے بھوکے اور منافق موجود ہیں' جنہیں زندگی سے بے حد پیار ہے اور جہاد کے نام سے ان کی ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں۔ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو مستشرقین کے کارندے اور آلہ کار ہیں اور جہاد کے خلاف مقدور بھر سرگرم عمل رہتے ہیں۔

ملت کفر کے خلاف جہاد اُمتِ مسلمہ کا ملی فریضہ ہے جب تک ملتِ اسلامیہ یہ فریضہ کماحقہ ادا کرتی رہی اس وقت تک نہ ان کے خلاف دشمنوں کی کوئی سازش کامیاب ہوئی اور نہ ہی کفر کے ٹڈی دل لشکر اس قوم کا کچھ بگاڑ سکے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس جذبۂ جہاد کو ازسرنو مسلمانوں میں زندہ و بیدار کیا جائے۔ بصورتِ دیگر کفر جینا حرام کر دے گا۔

دسواں مقصد: ۔عقیدہ متزلزل کرنا

اہلِ مغرب جانتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں سے عقیدے کی گرفت ختم ہو جائے یا کمزور پڑ جائے تو یہ قوم ازخود پارہ پارہ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسلامی عقیدے پر حملے شروع کر دیئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جو

marfat.com

ہر مسلمان کے عقیدے کا مرکز ہیں' اہلِ مغرب نے ان کی ذات بابرکات پر ایسی الزام تراشیاں کیں کہ شرافت ندامت کی وجہ سے منہ چھپانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ (ضیاء النبی ج۶ ص۲۸۳)

فرانسیسی مستشرق ''ھانوتو'' کہتا ہے کہ اس نے افریقہ کی اسلامی نوآبادیات میں فرانس کی سیاست کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے فکری مواد اختراع کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو عقیدے کے معاملے میں کمزور کر دیا جائے تاکہ ان پر آسانی سے حکمرانی کی جا سکے۔ (الاستشراق والخلیفۃ الفکریہ للصراع الخطاری ص۵۶)

دراصل مسلمانوں کی زندگی میں عقیدہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے اگر یہ خراب ہو جائے تو ایمان خراب ہو جاتا ہے جب ایمان خراب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق و محبت نہایت کمزور بلکہ ٹوٹ جاتا ہے اور آخرت برباد ہو جاتی ہے لہٰذا مستشرقین بڑے منظم طریقے سے مسلمانوں کے قصر عقیدہ پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں اور بہت سے مسلمانوں کے عقیدے کی عمارت میں دراڑیں پیدا کر چکے ہیں۔ نتیجتاً کئی بے دین اور گمراہ ٹولے اور فرقے معرضِ وجود میں آ چکے ہیں۔ بعض حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا اور بعض انہیں اپنے بڑے بھائی کا مرتبہ دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا مشن پورا کر کے تشریف لے گئے اب ہمارے لیے صرف قرآن ہی کافی ہے اس لیے حدیث پاک کی ضرورت نہیں ہے لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوادِ اعظم کا عقیدہ چٹانوں کی طرح ٹھوس' مستحکم' مضبوط اور غیر متزلزل ہے۔ لاریب شیطان اور اس کے چیلے چانٹوں کا کام لوگوں کو بہکانا ہے لیکن راسخ العقیدہ لوگ ان کے جال میں پھنسنے سے بفضلِ ایزدی محفوظ رہتے ہیں۔

گیارہواں مقصد: ۔ مغرب کی برتری ثابت کرنا

ایک انتہائی ظالمانہ وار جو اہل مغرب نے مسلمانوں پر کیا' وہ یہ کہ انہوں نے اہل مغرب کے نسلی تفوق کا نظریہ گھڑا اور اس کی اس ہوشیاری سے تشہیر کی کہ مسلمان اس کو حقیقت سمجھنے لگے اس نظریئے کی رو سے دنیا کے انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو

marfat.com

پیدائشی اور فطری طور پر اعلیٰ ہیں' علم و حکمت کے میدانوں میں ترقی کرنے اور دنیا پر حکمرانی کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں اس قسم کے اعلیٰ لوگ آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور اہلِ مغرب کا تعلق اسی نسل سے ہے جبکہ دوسری قسم کے لوگ پیدائشی طور پر تخلیقی صلاحیتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ نہ تو ایک بہتر تہذیب کو جنم دے سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے سیاسی امور کو چلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور مشرقی اقوام اسی نسل سے ہیں لہٰذا ان لوگوں کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی بجائے مغرب کی نقالی کریں' اپنے سیاسی مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے انہیں اپنے ممالک میں طلب کریں' تہذیب کا درس ان سے لیں اور ان کے ہر مشورے پر عمل کریں۔

اس نظریئے کی خوب تشہیر کی گئی' ممالک اسلامیہ کی پسماندگی کی بنیادی وجوہات دو قرار دی گئیں۔ ایک ان کی فطری نااہلی اور دوسری یہ کہ وہ ایک ایسے دین سے منسلک ہیں جس کی تعلیمات جدید تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔

اہلِ مغرب نے مسلمانوں کو یہ تاثر بھی دیا کہ وہ ان کے بہی خواہ ہیں' زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں' مسلمانوں کے مسائل کو وہ ان کی نسبت بہتر سمجھتے اور حل کر سکتے ہیں۔

ان تدابیر کی بدولت جب مسلمانوں کا اعتماد اپنی ذات' اپنی قوم اور اپنے دین سے اُٹھ گیا تو اہلِ مغرب کو عالمِ اسلام میں کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ اسے اپنے استبدادی پنجے میں کس لیا اور طویل مدت تک ان اسلامی ممالک کو جی بھر کو لوٹتے رہے۔

انہوں نے مشرق میں اپنے لیے جو اقتصادی' دینی اور سیاسی اہداف مقرر کیے تھے' انہیں حاصل کرنے میں کامیاب رہے اگرچہ آج سے کچھ عرصہ پہلے انہیں ان ممالک کی آزادی کو تسلیم کرنا پڑا لیکن انہوں نے مسلمانوں کی جو برین واشنگ کی تھی اس کے اثرات ابھی جوں کے توں قائم ہیں۔

دیگر مشرقی اقوام جو مسلمان نہیں تھیں' وہ آزادی کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑی ہو رہی

marfat.com

ہیں لیکن مسلمان ابھی تک اہلِ مغرب کی طرف دیکھ رہے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مستشرقین کی صدیوں پر محیط کوششوں نے مسلمانوں کو فکری، اخلاقی اور عملی طور پر کھوکھلا کر دیا ہے۔ (ضیاء النبی ج ۶ ص ۲۸۳-۲۸۵)

متذکرہ بالا مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے استعماری طاقتوں نے مستشرقین اور مبشرین پر پانی کی طرح روپیہ بہایا اور بہا رہے ہیں، ان تنظیموں نے اس دولت کے بل بوتے پر تعلیمی اداروں، ہسپتالوں، فلاحی اداروں، غیر سرکاری تنظیموں، غریبوں اور محتاجوں کے لیے امدادی منصوبوں، اخبارات و رسائل، کتابوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوشش کی اور کر رہے ہیں۔

ممالک اسلامیہ کا حکمران طبقہ بالخصوص اور عوام الناس بالعموم مغربی رنگ میں کس قدر رنگ چکے ہیں، سب پر الم نشرح ہے اور یہ روز افزوں گہرا ہوتا جا رہا ہے اب اسلامی ملکوں کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں اہلِ مغرب کی مداخلت نہ ہو۔ ان پر اندھے اعتماد، انحصار اور بھروسے کا منطقی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مسلمان اندر سے دینی، اخلاقی، سماجی، معاشرتی، نفسیاتی، طبی، سیاسی، تعلیمی، معاشی، عملی، فکری، علمی، تحقیقی، سائنسی اور تکنیکی لحاظ سے کھوکھلے ہو چکے ہیں۔ عالمِ اسلام ایک دوسرے کے معاملے، وجود اور مسائل کی طرف سے بے حس اور مردہ ہو چکا ہے بلکہ اہلِ مغرب کی خوشنودی کی خاطر اگر ان کے ساتھ مل کر کسی مسلمان ملک کو تباہ کرنا اور وہاں کے مسلمانوں کے خون سے ہاتھوں کو رنگنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا بلکہ اس پر فخر محسوس کیا جاتا ہے۔ افغانستان، عراق، کشمیر، فلسطین، چیچنیا، بوسنیا وغیرہ کی امثال سب کے سامنے ہیں۔

مستشرقین و مبشرین و مستعمرین اپنے مقاصد میں بہت حد تک کامیاب ہو چکے ہیں۔ بجز الا ماشاء اللہ مسلمانی نام کی رہ گئی ہے۔ ایمان بے حد لاغر و ضعیف و ناتواں ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود یہ لوگ ہر وقت خوف و خطرہ میں مبتلا رہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر کسی گوشے میں جو ایمان کی مدھم سی چنگاری موجود ہے، وہ کسی وقت بھی شعلہ بن سکتی ہے اور ان کا کیا دھرا سب خاک میں مل جائے گا لہٰذا وہ مختلف بھیس بدل کر مسلمانوں کو

marfat.com

گمراہ و بے دین بنانے اور ان کے سینوں میں جو ایمان کی رمق موجود ہے' اسے بھی ختم کرنے کے لیے متنوع سرگرمیوں میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ مثلاً

(۱) ایسے آدمی تیار کرنا جو مسلمانوں کی زبانوں' ان کے دین' ان کے تہذیب و تمدن' عقائد' تاریخ' اختلافات اور دیگر مظاہر حیات سے پوری طرح آگاہ ہوں اور ان کی زبانوں میں گفتگو کر سکیں' ان میں گھل مل سکیں' وہ مسلمانوں کے عقائد اور مذہبی اعمال کو اس انداز میں دیکھنے اور پیش کرنے کی مہارت رکھتے ہوں جو مستشرقین کے مؤقف کے مطابق ہو۔

(۲) ایسے تربیت یافتہ لوگوں کو اسلامی ممالک میں تبلیغی مشنوں پر بھیجنا جہاں وہ مختلف فلاحی اور خیراتی کاموں کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں کو عیسائیت کی طرف مائل کر سکیں۔

(۳) مغربی سیاست دانوں سے گٹھ جوڑ رکھنا تاکہ ان کی حمایت میں تبلیغی کوششیں بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رکھ سکیں۔

(۴) تبلیغی کاموں کی خاطر سرمائے کی فراہمی کے لیے حکومتوں کے علاوہ بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں کے ساتھ بھی روابط قائم کرنا۔

(۵) اپنے کام کو منظم کرنے' اس کی رفتار تیز کرنے اور تبلیغی کوششوں کا رُخ متعین کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً کانفرنسیں منعقد کرنا اور ایسی انجمنیں بنانا جو تشہیری کاموں کی نگرانی کریں۔ (ضیاء النبی ج ۶ ص ۲۴۵۔۲۴۶)

مستشرقین کا ملحد و بے دین و سیاہ باطن ٹولہ عیسائی اور یہودی دنیا کے لیے اسلام کو بہت بڑا خطرہ تصور کرتا ہے اس لیے مسلمان ان کی نظروں میں مثل خار کھٹکتے ہیں لہٰذا وہ درج ذیل پانچ جہتوں سے اسلام اور مسلمانوں پر مختلف انداز و اسلوب سے حملہ آور ہوتے رہتے ہیں:

(الف) قرآنِ حکیم کی مخالفت

(ب) احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت

(ج) سیرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت

marfat.com

(د) شریعتِ اسلامیہ کی مخالفت

(ر) تاریخ اسلام کی مخالفت

ضرورت اس امر کی ہے کہ سیاہ باطن مستشرقین جن متذکرہ اطراف سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے حملہ آور ہوتے رہتے ہیں، علم و دلائل سے نہ صرف ان کا رد کیا جائے بلکہ ان کو پسپائی پر مجبور کر کے مغرب زدہ ذہنوں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو جو ان کو اپنا آئیڈیل تصور کرتے اور ان کی تقریروں اور تحریروں سے بڑے متاثر ہوتے ہیں، گمراہی اور اسلام سے دُوری سے محفوظ رکھا جائے۔

آئندہ سطور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات جو مومنوں کی مائیں ہیں، کی مقدس و پاکیزہ زندگیوں کے حالات پر مشتمل ہیں لہٰذا یہاں مستشرقین جن کا پس منظر گزشتہ صفحات پر بیان کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدد ازدواج کے متعلق جو بدگوئی و دیدہ دہنی کرتے ہیں صرف اس کے رد میں بحث کی جائے گی اور ان نکات پر روشنی ڈالی جائے گی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ شادیاں کرنے کے مقاصد، حقائق، خصوصیات اور حکمتیں کیا تھیں تاکہ کوئی مسلمان کور باطن، مفلوج الذہن اور گمراہ مستشرقین کی کسی تحریر و تقریر سے متاثر نہ ہو جو مسلمانوں کے عقیدہ، عقیدت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عشق کے ایوانوں میں نقب لگانے میں شبانہ روز سرگرم عمل ہیں۔

لامحالہ ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل زیادہ شادیاں کرنے کا رواج تھا اور اسے جائز سمجھا جاتا تھا یا نہیں لہٰذا تاریخ کے اوراق سے پوچھتے ہیں کہ:

(۱) کیا محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل انبیاء و رسل نے زیادہ شادیاں کی تھیں یا نہیں؟

(۲) کیا الہامی مذاہب میں زیادہ شادیوں کی اجازت تھی یا نہیں؟

(۳) کیا مذاہب عالم میں زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت تھی یا نہیں؟ اور

(۴) کیا اقوام عالم میں زیادہ شادیاں کی جاتی تھیں یا نہیں؟

تمام انبیاء و رسل جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیے گئے تھے، سب

marfat.com

معصوم عن الخطا تھے۔ وہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا و حکم سے سرانجام دیتے تھے' اللہ کریم کے احکامات کو جو آسمانی کتب و صحائف کی صورت میں ان پر نازل ہوتے تھے' ان کی تبلیغ کرتے اور خود ان پر عمل کر کے طریقت روشن کرتے تھے' وہ اپنے اُمتیوں کو کفر و شرک و الحاد کے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتے تھے' خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیتے تھے اور جو ان کا حکم ماننے سے انکار کرتے اور کفر و شرک کے ساتھ چمٹے رہتے' انہیں عذابِ خداوندی سے ڈراتے تھے۔ یہ عظیم پاک و مطہر و مقرب و نورانی ہستیاں عام لوگوں کی مثل نہیں تھیں۔

مقصد نبوت و رسالت کی تکمیل کے لیے اللہ کریم اپنے انبیاء و رسل کو جن مراعات و معجزات و خصوصیات کی ضرورت ہوتی تھی' عطا فرما دیتا تھا۔ کسی کو اس پر اعتراض و تنقید کا حق تھا نہ ہے کیونکہ ایسا کرنا ان کی شان میں بے ادبی و گستاخی ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

دنیاوی لحاظ سے جو مراعات' سہولیات اور اختیارات ملک کے صدر' وزیر اعظم یا کسی اعلیٰ سرکاری آفیسر کو حاصل ہوتے ہیں' وہ ان کے ماتحت عملے کو نہیں ہوتے لیکن کوئی اس پر اعتراض نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنا چہ معنی وارد یہ انبیاء و رسل کی اپنی اُمت کو جو شریعت عطا کرتے تھے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تھی اس پر عمل نہ کرنے والے گناہگار و خطا کار اور اس کے منکر کافر و جہنمی ہوتے تھے۔ ان عظیم و عالی مرتبت ہستیوں کے ہر قول و فعل میں رضائے الٰہی اور اس کا حکم شامل ہوتا تھا لہٰذا اگر ان میں سے کسی نے ایک شادی کی یا کسی نے زیادہ شادیاں کیں یا کسی نے کوئی شادی نہیں کی تو یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اس میں ان کی اپنی خواہش کا قطعاً دخل نہ تھا۔

انبیاء سابقین کی عظمت و تقدس کے تمام الہامی مذاہب متفق ہیں۔ یہودیت' عیسائیت اور اسلام میں تعدد ازواج کے عدم جواز پر کسی پیغمبر یا نبی کی جانب سے اس کی مخالفت یا عدم جواز کی دلیل نہیں ملتی۔

''تاریخ یہود'' کا یہودی مصنف ابراہیم لیون لکھتا ہے کہ تعدد ازواج کی قانونی

marfat.com

مخالفت نہ تھی، عہد نامہ قدیم کے زمانہ میں تعدد ازواج کی اجازت تھی اور توریتی قانون نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔ (تاریخ یہود)

انجیل کے زمانۂ نزول میں بھی کثیر ازدواجی قبول عام کا درجہ رکھتی تھیں اور اسے مذہبی و معاشرتی و اخلاقی طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ انجیل نے نہ اسے ممنوع قرار دیا نہ اسے ضابطہ بند کیا اور نہ ان پر کوئی پابندی عائد کی گئی۔ (تجلیات سیرت ص ۱۷۱)

انبیائے سابقین کے حالاتِ زندگی بتاتے ہیں کہ انہوں نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں۔ مثلاً

حضرت ابراہیم علیہ السلام	تین بیویاں
حضرت یعقوب علیہ السلام	چار بیویاں
حضرت موسیٰ علیہ السلام	چار بیویاں
حضرت داؤد علیہ السلام	سو بیویاں
حضرت سلیمان علیہ السلام	سو بیویاں اور ایک دوسری روایت کے مطابق سات سو بیویاں اور ۳۰۰ حرمین

تعدد ازواج کی وجہ سے کسی نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ان مقدس ہستیوں پر اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی کسی کو حق حاصل ہے پھر نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ شادیاں کرنے کی وجہ سے تنقید و تبصرہ کرنا کس ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔ یہ دراصل مستشرقین ہی ہیں جن میں اکثریت یہود و نصاریٰ کی ہے جنہوں نے اپنے باطنی کوڑھ کے اظہار کے لیے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدد ازواج کے متعلق دریدہ دہنی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔

الہامی مذاہب کے علاوہ غیر الہامی مذاہب میں بھی زیادہ شادیوں کا رواج تھا۔ ہندومت اور ہندو دھرم میں زمانہ قدیم سے تعدد ازواج کی اجازت رہی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ:

رام چندر جی	کی	تین بیویاں
سری کرشنا جی	کی	سینکڑوں بیویاں

marfat.com

راجہ پانڈو کی دو بیویاں
راجہ شتن کی دو بیویاں اور
پچھتر ایرج کی تین بیویاں تھیں۔(تجلیات سیرت ص ۱۶۷۔۱۶۸)

معروف مسلمان مؤرخ و سائنس دان ابو ریحان البیرونی جو کئی سال ہندوستان میں رہا اور اس نے سنسکرت زبان بھی سیکھی تھی، کہتا ہے:

''اہلِ ہند میں سے بعض کی نظر میں طبقاتی اعتبار سے متعدد عورتیں ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ برہمن کے لیے چار، چھتری (کشتر) کے لیے تین، ویش کے لیے دو اور شودر کے لیے ایک بیوی ہوگی۔(کتاب الہند ص ۴۷۰)

مذاہب عالم کے مطالعہ سے بھی یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ تعدد ازواج تمام مذاہب میں ہمیشہ رائج اور جائز رہا ہے۔

مذاہب الہامی وغیر الہامی اور مذاہب عالم کے علاوہ متعدد اقوامِ عالم میں بھی زیادہ شادیوں کا رواج رہا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق مشہور ماہر انسانیات جارج مرڈاک کی رپورٹ ۱۹۴۹ء کے مطابق دنیا کی ۵۵۴ قوموں میں سے ۴۱۵ میں تعدد ازواج کا رواج پایا جاتا ہے اسی مصنف کی ایک اور رپورٹ کے مطابق ۲۵۰ کلچروں یا معاشروں میں سے ۱۹۳ میں تعدد ازواج (Polygamy) کا رواج پایا گیا ہے۔

مستشرقین کو اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد و دشمنی ہے۔ اسلام مسلمانوں کا دین اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ملجا و ماوا، آقا و مولا اور محبوب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ماں باپ، جان و مال اور عزت و ناموس سب کچھ قربان کر دینا باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع میں ہی دنیا و آخرت کی سربلندی اور عزت سمجھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عشق کو ہی سرمایۂ حیات و ایمان و دین اور اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کے حصول کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل پر تصدیق الٰہی کی مہر ثبت ہے اس لیے مستشرقین کی تمام تر توجہ دین اسلام میں کیڑے تلاش کرنے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ

marfat.com

وسلم کی ذات ستودہ صفات، سیرت و کردار، محاسن و خصائل اور مقام و مرتبہ پر حرف گیری پر مرکوز ہے اور یہ کام وہ کئی صدیوں سے کر رہے ہیں لیکن علمائے حق، مردانِ حر، بزرگانِ دین، اولیاء اللہ، عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محققین اسلام ان کے ہر وار کے آگے ڈھال بن جاتے ہیں اور مسلمانوں کو گمراہی و ضلالت کے غلیظ و متعفن جوہڑوں میں داخل ہونے سے روکتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی بعض ناعاقبت اندیش اسلام کی تعلیمات سے بے بہرہ، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار و عشق کے نور سے تہی دامن، مغربیت کے پرستار، ہوس زر کے دلدادہ اور دنیائے دنی کے شیدائی ان مستشرقین کی گمراہ کن باتوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔

جہاں تک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ شادیاں کرنے کا تعلق ہے تو جن خواتین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حبالہ عقد میں لیا، ان کو اپنی مرضی سے رشتۂ ازدواج میں منسلک نہیں کیا بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل تھی۔ مستشرقین کو اس پر بڑا اعتراض ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی شادیاں کیں، ان کے خیال میں زیادہ شادیاں کرنا زیادہ نفسانی خواہشوں پر مبنی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تزویج کی زیادہ سے زیادہ حد چار بیویاں مقرر کی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اپنے قول کے خلاف ہے اس ضمن میں علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد ازواج سے نکاح کرنا کسی نفسانی خواہش کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ نفسانی خواہشات کا غلبہ زیادہ سے زیادہ بیس سے پچاس سال کی عمر تک ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں ایک بال بچوں والی بیوہ خاتون سے نکاح کیا اور جب تک وہ زندہ رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس سال کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں کیا اگر تعدد ازواج کی وجہ حظ نفسانی ہوتا تو آپ جوانی میں کسی حسین، کم عمر، کنواری لڑکی سے نکاح کرتے بلکہ ایسی متعدد لڑکیوں سے نکاح کرتے اور جب آپ نے ایسا نہیں کیا اور مکہ کی زندگی میں ترپین (۵۳) سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں صرف ایک زوجہ تھیں، پہلے حضرت خدیجہ اور پھر حضرت سودہ رضی

marfat.com

اللہ تعالیٰ عنہا کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور مدینہ منورہ میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں متعدد ازواج آئیں۔ جن میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ باقی تمام ازواج معمر، بیوہ یا مطلقہ خواتین تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ازواج کا تعدد کسی حظِ نفسانی پر مبنی نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ خانگی اور عائلی زندگی میں اسلام کے احکام کی روایت اور تبلیغ تھی اور زیادہ سے زیادہ خاندانوں سے رشتہ قائم کرنا تھا تاکہ دینِ اسلام کی تبلیغ کے زیادہ مواقع میسر ہوں اور کئی مسلم خاندانوں کو رشتہ داری کا شرف عطا کرنا تھا اور کئی عیالدار خواتین سے نکاح کر کے سوتیلے بچوں کی پرورش اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اسوہ اور نمونہ مہیا کرنا تھا۔ نیز یہ بتانا تھا کہ عام مسلمان تو دو بیویوں کے درمیان بھی عدم اور انصاف قائم نہیں کر پاتے تو سلام ہو ان کی سیرت کی عظمت پر جنہوں نے بیک وقت نو ازواج مطہرات کے درمیان عدل و انصاف کو قائم رکھا اور یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہر شعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ چار بیویوں میں عدل کرنے کا حکم دیا اور خود نو بیویوں میں عدل کر کے دکھایا اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے میں عام افراد اُمت کے مساوی نہیں ہیں بلکہ احکامِ شرعیہ کے ہر شعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادیت اور خصوصیت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات طیب و طاہر ہیں، نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف منہ کرنے کے محتاج نہیں بلکہ قبلہ اپنے قبلہ ہونے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کا محتاج ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا اس لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے راضی ہوں۔ زکوٰۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض نہیں۔ صدقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق نہیں بلکہ قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے بھی لائق نہیں۔ نکاح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعدد کی شرط نہیں، مہر مقرر کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ضروری نہیں، ازواج میں باریوں کی تقسیم بھی آپ صلی اللہ

marfat.com

علیہ وسلم پر واجب نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بھی اپنے ترکہ کا وارث نہیں بناتے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا کسی اور سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ سو جس طرح دیگر احکامِ شرعیہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز رکھا ہے' تعدد ازواج کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ (تبیان القرآن ج ۲ ص ۵۵۹)

محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول و فعل علم و حکمت سے خالی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کی رہنمائی و رشد و ہدایت کے لیے ایسی شریعت عطا کرنی تھی جس پر تا قیامِ قیامت عمل ہونا تھا اور آخرت میں ثواب و عذاب کا پیمانہ بھی یہی ہے اس لیے ضروری تھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کا کوئی گوشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے مسلمان مردوں اور عورتوں کی نظروں سے اوجھل نہ ہو۔

انسانی زندگی ہمیشہ دو دائروں میں گھومتی رہتی ہے۔ ایک بیرونی دائرہ جس کا تعلق جلوت سے ہے' دوسرا اندرونی دائرہ جس کا تعلق خلوت سے ہے' عائلی زندگی سے ہے۔ جلوتی دائرہ سب کے سامنے آشکارا و عیاں ہوتا ہے جبکہ خلوتی دائرہ نہاں اور پوشیدہ ہوتا ہے اور اس کے بارے میں دوسروں کو بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو جو بھی مسئلہ درپیش ہوتا یا کوئی مشکل مقام آتا تو اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی حاصل کر لیتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم میں بیٹھ کر بہت کچھ سیکھتے رہتے تھے لیکن خواتین کو زیادہ مواقع میسر نہیں تھے۔ علاوہ ازیں عورتوں کے مخصوص مسائل و معاملات زندگی میں رہنمائی کے لیے ضروری تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک میں زیادہ خواتین موجود ہوں جو نسوانی امور میں عورتوں کی رہنمائی کا فریضہ بخوبی سرانجام دے سکیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اپنے رسالہ ''کثرت الازواج صاحب المعراج'' میں لکھتے ہیں:

''ہر انسان کی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں' کسی کی عملی حالت کا اندازہ کرنے کے

marfat.com

لیے ضروری ہے کہ ان دونوں رُخوں کو بے نقاب کیا جائے ورنہ اس کے متعلق کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی امید کرنا امر لا حاصل ہوا کرتا ہے۔

وہ دو پہلو یہ ہیں: بیرونی زندگی' یہ زندگی کا وہ حصہ ہے جو انسان لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے اس حصے کے متعلق ہر انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لیے بکثرت شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں۔ دوسرا پہلو انسانی زندگی کا وہ پہلو ہے جسے خانگی زندگی کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ یہ حیاتِ انسانی کا وہ حصہ ہے جس سے ایک انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے۔ ہر فرد اپنی چار دیواری کے حالات' خانہ داری کے نشیب و فراز' خانگی تعلقات اور دیگر راز و نیاز کی باتوں کو پردۂ راز میں رکھنا چاہتا ہے' کس وجہ سے؟

اس لیے کہ وہ انسانی کمزوریوں کا نقشہ پیش کرنے سے خائف ہے اور اس کی زندگی کا یہ پہلو افراط و تفریط کا ایک کمزور مجموعہ ہوا کرتا ہے۔ پس ایسی صورت میں دنیا کے ہر انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لیے جو سب سے بہتر کسوٹی ہو سکتی ہے' وہ یہی ہے کہ اس کے خانگی حالات بھی دنیا کے سامنے اسی آب و تاب کے ساتھ پیش ہو سکیں جس طرح اس کی عام زندگی عوام کے روبرو موجود ہو۔

بس یہی وجوہ تھیں کہ دنیا کے انسان کامل' اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول' نبیوں کے سردار اور کائنات عالم کے مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ بہ تمام و کمال دنیا کے روبرو پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام اور خانگی زندگی دنیا کو معلوم ہو جائے تاکہ عاشقانِ حق کے قلوب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و صداقت کا سکہ جم جائے۔ عاشقانِ صادق اپنی زندگی کے لمحوں کو اس الٰہی سانچے میں ڈھال سکیں اور آنے والی نسلیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کو اپنا دستور العمل بنا سکیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات من وعن اس زبردست تحقیق و صحت کے ساتھ دنیا کے سامنے آئے کہ جس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب' کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔

انبیائے سابقین میں سے بھی کسی کی زندگی کے حالات اس تفصیل و تدقیق کے ساتھ دنیا کے سامنے نہیں آئے کہ انسانی زندگی ہر اُلجھن اور شعبہ حیات کے ہر مسئلہ میں

marfat.com

ان سے سبق حاصل کر سکے۔

یہ صرف پیغمبر آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ ہی تھا جس نے مسلمانوں کو ہر انسانی فلسفہ سے مستغنی بنا دیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی و خانگی زندگی کے عمل کو سرانجام دینے کے لیے خداوند قدوس نے خاص خاص وسائل اور اسباب مہیا کر دیئے۔ چنانچہ ایسی دو جماعتیں پیدا ہوگئیں جنہوں نے اس ضروری امر اور فرض کو ایسی خوش اسلوبی اور احتیاط کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا کہ دنیا کے دانش ور دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پہلی جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تھی اور دوسری حضرات اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کی۔

حکیم الامت مزید لکھتے ہیں:

''حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی مقدس جماعت نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی زندگی کو بالتفصیل دنیا کے سامنے پیش کیا لیکن خانگی حالات کا ضروری حصہ دنیا کے روبرو پیش ہونا باقی رہ گیا تھا جس کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور ادھوری اور نامکمل رہنے کا اندیشہ تھا اور معترضین کے لیے اعتراضات کی گنجائش باقی رہتی اس کام کے لیے ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو تنہائی کے اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیق ہوتی اور راتوں کی تاریکیوں میں آپ کا ساتھ دیتی۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن نے اس سلسلہ میں وہ خدمات سرانجام دیں جو خداوند کریم کو اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شعبہ زندگی کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوئیں اس مبارک جماعت کی بدولت سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مخفی اور ضروری ذخیرہ دستیاب ہوا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور صداقت پر چار چاند لگا دیئے اور حقیقت میں تعدد ازواج کے لیے سب سے بڑا موجب یہی ضرورت تھی۔ کس کو کیا معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے سچے مرسل اور توحید کے علمبردار صلی اللہ علیہ وسلم اوقاتِ تنہائی کن مشاغل میں گزارتے ہیں، خلوت کی گھڑیاں کن کاموں میں بسر ہوتی ہیں۔'' (کثرت الازواج صاحب المعراج ص ۳ تا ۵

marfat.com

مطبوعہ دہلی)

ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن نے خاتم النبیین صی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے اہم حصہ خانگی یعنی گھریلو زندگی کو اُمت کے سامنے پیش کر کے درحقیقت دین کے نصف حصہ کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سے زائد نکاح نہ فرماتے تو دین نامکمل رہ جاتا۔ ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کے حجرے درحقیقت اُمت کی دینی تربیت گاہ اور ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن اُمت کی اُمہات اور معلمات تھیں جنہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار اور دینی تعلیمات کا وہ شعبہ جو خاص عورتوں سے متعلق تھا' بہ تمام وکمال محفوظ کر کے اُمت کے سامنے پیش کر کے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج واشاعت میں قابلِ ذکر اور اہم کردار ادا کیا۔

محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ شادیاں کرنے کے مقاصد کے سلسلے میں علامہ محمد علی صابونی نے اپنی کتاب ''شبہات واباطیل حول تعدد زوجات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' میں بڑے ہی خوبصورت انداز میں روشنی ڈالی ہے جس سے حقیقت حال اس طرح آشکارا اور روشن ہو جاتی ہے کہ اس معاملہ میں مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ انہوں نے ان مقاصد کو چار عنوانات کے تحت بیان کیا ہے' وہ یہ ہیں:

پہلا مقصد: تعلیمی

انسانی زندگی کے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق خصوصی طور پر عورتوں کے ساتھ ہے۔ صنف لطیف نصف اُمت ہے اور اسلام نصف اُمت کے مسائل کو نظر انداز نہ کر سکتا تھا جن مسائل کا تعلق عورتوں کی نسوانی زندگی کے ساتھ ہے' ان کے متعلق کوئی عورت کسی غیر محرم مرد کے ساتھ گفتگو کرنے سے شرماتی ہے۔ گو اہلِ مغرب ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں شرم وحیا کی انسانی اقدار معاشرے سے رخصت ہو گئی ہیں لیکن ان کی یہ ترقی انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں حیا کا مادہ رکھا ہے اور جو چیزیں انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہیں' ان میں

marfat.com

شرم و حیا کی صفت بہت اہم ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے متعلق جو تعلیمات لے کر مبعوث ہوئے تھے' ان تعلیمات کو اُمت کی عورتوں تک پہنچانے' عورتوں کو وہ مسائل سمجھانے اور ان پر عمل کر کے دکھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی خواتین کی ضرورت تھی جو انتہائی پاکباز' ذہین' فطین' دیانت دار اور متقی ہوتیں اور فریضہ رسالت کی تبلیغ کے لیے مخلص کارکنوں کی حیثیت سے کام کر سکتیں۔ ایسی عورتیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کی تفصیلات کو محفوظ کرتیں' انہیں امانت اور دیانت کے ساتھ اُمت کی عورتوں تک پہنچاتیں' ملت کی عورتیں اپنے جن مسائل کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے سے شرماتی تھیں' ان عورتوں سے وہ مسائل سنتیں۔ ان مسائل کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلے کا جو حل بتاتے' اسے عورتوں تک پہنچاتیں اور ان کو ان پر عمل کرنے کا طریقہ بھی سمجھاتیں۔

ان کاموں کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی خواتین کی ضرورت تھی جو مذہب یا معاشرے کی طرف سے کسی قدغن کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس میں رہ سکتیں۔ یہ کام صرف وہی خواتین کر سکتی تھیں جو حضورِ اکرم کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتیں۔

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہو گیا تھا اور بہت جلد ان نفوس قدسیہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی جن کی تعلیم کا فریضہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرانجام دینا تھا' صرف ایک بیوی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ان گوناگوں ذمہ داریوں سے تنہا عہدہ برا ہو سکتی۔

جب اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے اُمتیوں کو باکرہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کی ترغیب دیتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس پر عمل کیوں نہ کیا؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقاصد کے تحت شادیاں کی تھیں' ان مقاصد کے لیے آپ صلی اللہ

marfat.com

علیہ وسلم کو تجربہ کار اور جہان دیدہ خواتین کی ضرورت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی خواتین کا انتخاب فرمایا جو اس کام کے لیے معاون ثابت ہو سکتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے سوا تمام بیوہ خواتین کو اپنی زوجیت میں لیا۔ یہ خواتین بیوہ تو تھیں لیکن ذہانت، فطانت اور دیانت داری میں اپنی مثال آپ تھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ایک باکرہ خاتون کو شرف زوجیت بخشا، وہ بھی اپنی صغیرسنی کے باوجود مذکورہ بالا صفات میں کسی جہان دیدہ خاتون سے کم نہ تھیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا مقاصد کو جس حسن وخوبی کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پورا کیا، وہ انہی کا حصہ ہے۔

عورتوں کے مسائل مثلاً حیض، نفاس، جنابت اور امورِ زوجیت کے مسائل ایسے تھے جو نہ عورتیں کھل کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر سکتی تھیں اور نہ ہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھل کر ان کا جواب دے سکتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ شرم وحیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے ایک اہم صفت ہے اور حدیث کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے حیادار تھے جتنی حیادار دُلہن اپنے حجلۂ عروسی میں ہوتی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی زندگی میں بعض ایسی مثالیں موجود ہیں کہ کسی خاتون نے کوئی مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشارے اور کنائے کے ذریعے اسے مسئلے کا جواب سائلہ کو سمجھانا چاہا لیکن وہ اس مسئلے کو نہ سمجھ سکی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک انصاری عورت نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل حیض کے متعلق سوال کیا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طریقہ سمجھایا اور پھر فرمایا:

"ایک خوشبودار روئی کا گالا لو اور اس کے ذریعے طہارت حاصل کرو۔"

لیکن اس انصاری عورت کو سمجھ نہ آئی اور وضاحت کے لیے عرض کیا۔ حضرت عائشہ

marfat.com

صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو اس عورت کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور روئی کے گالے سے طہارت حاصل کرنے کی وضاحت کی۔

مسئلہ طہارت کا تھا جو اسلام کی اکثر عبادات کے لیے شرط ہے' اس عورت کے۔لیے اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ وہ اس مسئلے کے متعلق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کرے لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیا کی وجہ سے اس غیر محرم عورت کے سامنے اس مسئلے کو تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کر سکتے تھے اس صورت میں ایک ایسی خاتون کی ضرورت تھی جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم ہو اور اس مسئلے کی تفصیلات کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر اس عورت کو سمجھا سکے۔ یہی کام اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سرانجام دیا اور باقی اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہن نے بھی اسی انداز میں تعلیم اُمت کے فریضہ کی ادائیگی میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ مسلمان عورتوں کا معمول یہ تھا کہ جب ان کو اس قسم کا کوئی مسئلہ پیش آتا تو وہ اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہن میں سے کسی کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور اپنا مسئلہ عرض کرتیں' ان کو اگر اس مسئلے کا حل پہلے سے معلوم ہوتا تو ان عورتوں کو بتا دیتیں وگرنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر سائلہ کو اس مسئلے کا حل سمجھا دیتی تھیں۔

ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کی علمی خدمات صرف خواتین کے مسائل کے ساتھ ہی خاص نہیں تھیں بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار قولی اور فعلی سنتیں جن کا تعلق خانگی زندگی کے ساتھ تھا' ان سنتوں کو محفوظ کرنے اور امانت داری کے ساتھ ان کو اُمت تک منتقل کرنے کا مقدس فریضہ بھی ان خوش قسمت خواتین نے ہی ادا کیا ہے اس لیے اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہن عورتوں کے جملہ مسائل کی بھی معلمات تھیں اور مردوں کے خانگی مسائل خصوصاً جن کا تعلق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت فعلی کے ساتھ تھا' وہ بھی اُمت تک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کے ذریعے ہی پہنچے ہیں۔

ان حقائق کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ

marfat.com

علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن صرف اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہن نہیں بلکہ وہ ملت کی معلمات بھی ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدھا دین حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کی وساطت سے ہی ملا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اُمت پر ان کے احسانات کی وجہ سے انہیں ساری اُمت کی مائیں قرار دیا گیا ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کے ساتھ کسی دوسرے کے نکاح کو حرام قرار دے دیا گیا۔

تعلیم دین کے یہ مدرسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی علم کا نور پھیلاتے رہے۔ اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی مشکل ترین مسائل کا حل دریافت کرنے کے لیے کسی اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور وہاں سے انہیں مشکل ترین سوالات کے جوابات مل جاتے تھے اس طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعددِ زوجات کے قانون کو ایک ایسا تعلیمی ادارہ قائم کرنے کے لیے استعمال کیا جس میں ماہرین علوم اسلامیہ کی ایک جماعت علمی خدمات سرانجام دینے میں مصروف تھی جو شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے اس اہم ترین مقصد کو نظرانداز کر دیتا ہے، وہ اس مسئلے کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتا ہے؟

دوسرا مقصد: ۔تشریعی:

زمانۂ جاہلیت میں ایسی کئی رسمیں موجود تھیں جن سے انسانی معاشرے میں بڑے سنگین مسائل پیدا ہوتے تھے۔ تباہ کن نتائج کی حامل ہونے کے باوجود اس قسم کی رسمیں لوگوں کی زندگیوں میں اس طرح رس بس چکی تھیں کہ کسی انسان کے لیے ان رسموں کی مخالفت کا تصور کرنا بھی مشکل تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فریضۂ نبوت و رسالت میں جس طرح خدا کی زمین کو بتوں سے پاک کرنے کا کام شامل تھا اسی طرح انسانی معاشرے سے تمام غلط اور نقصان دہ رسموں کا قلع قمع کرنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

marfat.com

فرائضِ نبوت میں سے ایک تھا۔ ایسی رسمیں جو انسانوں کے رگ و پے میں سما چکی تھیں، ان کو ختم کرنا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان رسموں کے خلاف عمل کر کے لوگوں کے سامنے نمونہ پیش نہ کرتے۔

اس قسم کی رسموں میں سے ایک رسم کسی غیر کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانے کی بھی تھی۔ ایک شخص ایک اجنبی کے بیٹے کو کہہ دیتا کہ تو میرا بیٹا ہے اس کے اس قول سے وہ اس کا بیٹا قرار پاتا اور نسب، میراث، طلاق، شادی اور مصاہرات کے تمام مسائل میں اس کی حیثیت ایک حقیقی بیٹے جیسی ہو جاتی تھی اس طرح معاشرے میں بے شمار مسائل جنم لیتے تھے، مستحق لوگ میراث سے محروم ہو جاتے اور ایک غیر مستحق شخص ساری جائیداد کا وارث بن جاتا۔ محرمات کے سلسلہ میں یہ رسم انتہائی تباہ کن نتائج برآمد کر سکتی تھی اس رسم کو ختم کرنا ضروری تھا۔ لیکن جو شخص صدیوں پرانی رسم کو ختم کرنے کی کوشش کرتا اس پر ہر طرف سے طعن و تشنیع کے تیروں کی بارش برستی۔ یہ فریضہ اتنا کٹھن تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ادائیگی کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خادم کی بجائے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قدیم رسم توڑنے کا حکم دیا اس رسم کو توڑنے پر ہر طرف سے طعن و تشنیع کے تیر برسے لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت قدمی اور استقلال سے سب کچھ برداشت کیا اور تنقید کرنے والوں کی تنقید کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کریم نے خود دیا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی خاص طور پر اسی مقصد کے لیے ہوئی تھی اس شادی کے لیے احکام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ خداوندی سے وحی متلو یعنی قرآن حکیم کے ذریعے ملے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے دستور کے مطابق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متبنیٰ بنایا اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ان کا نکاح کیا۔ اللہ تعالیٰ نے لے پالک بیٹے کے متعلق غلط رسموں کو ختم کرنے کے لیے تدبیر یہ کی کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زینب بنت جحش رضی

marfat.com

اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دیں اور عدت گزرنے کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرلیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدشہ یہ تھا کہ اس نکاح کی صورت میں منافقین، یہودی اور دیگر دشمنانِ اسلام طوفانِ بدتمیزی برپا کریں گے اور کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اور صرف اللہ سے ڈریں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب آیت ۳۷ میں ارشاد فرماتا ہے:

''پھر جب پوری کرلی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش تو ہم نے اس کا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نکاح کردیا تاکہ (اس عملی سنت کے بعد) ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو۔ اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کرلیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم تو ہر حال میں ہوکر رہتا ہے۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے نکاح میں لے لیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ تھیں جب اُمتیوں کے سامنے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت آ گئی تو اب اس غلط رسم کے خلاف عمل کرنے میں ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہ گئی۔

اس شادی کے ذریعے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت بڑا سماجی مسئلہ حل کیا تھا اور ایک انتہائی اہم قانون عملاً نافذ کیا تھا لیکن مستشرقین حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ طرزِ عمل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو داغ دار کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اس شادی کو انتہائی ناروا انداز میں اُچھالا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد خواتین کے ساتھ نکاح کرنے کے کچھ مقاصد تشریعی نوعیت کے تھے اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی اس کی بہترین مثال ہے۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا دیگر اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کے سامنے اس بات پر فخر کا اظہار کرتی

marfat.com

تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمہاری شادیاں تو تمہارے اہلِ خانہ نے کی ہیں لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری شادی خود رب کریم نے سات آسمانوں کے اوپر کی ہے۔

تیسرا مقصد: سماجی

وفاداری اہم ترین انسانی خصوصیات میں سے ایک ہے۔ دوست کا حقِ دوستی ادا کرنے کی کوشش کرنا، محسن کے احسان کو یاد رکھنا، خادم کی خدمات کو فراموش نہ کرنا، یہ ایسی خصوصیات ہیں جو انسانیت کا زیور شمار ہوتی ہیں۔ اسلام وفا کا دین ہے اور اسلام کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وہ لجپال ہے جسے دنیا میں تو کیا قیامت کے روز بھی اپنے غلاموں کی فکر ہوگی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شرک کی ظلمتوں میں نعرۂ توحید بلند کیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ مشکل ترین حالات میں بھی کچھ نفوسِ قدسیہ ایسے تھے جنہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے میں ذرا بھر تاخیر نہیں کی اور پھر اس کٹھن ترین مشن کے ایک ایک مرحلے پر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بنے رہے اس راستے میں انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے لیے جو قربانیاں دیں، وہ تاریخ جاں نثاری کا ایک زریں باب ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فداکاروں کے اس مقدس قافلے کے سرخیل ہیں اور اس قافلے میں جو نفوسِ قدسیہ شامل تھے، ان میں حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسی مقدس ہستیوں کے نام آتے ہیں۔ ہجرت کے بعد انصارِ مدینہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے لیے جو قربانیاں دی تھیں، ان کی مثال بھی پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی ان جاں نثاریوں کا اصل صلہ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائے گا لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں بھی ان غلاموں کو نوازنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ انصار کے ساتھ حسن سلوک اور

marfat.com

ان کے حقوق کا خیال رکھنے کی جو تاکید اُمت کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمائی ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان لجپال کا اظہار ہے۔ اپنے خادموں کو نوازنے کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اسلوب یہ اپنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ رشتہ مصاہرت قائم کیا۔

جن لوگوں کے ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ عیہ وسلم نے رشتہ مصاہرت قائم کیا تھا، انہیں بھی اس بات کا علم تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ عا یہ وسلم نے ان کی دلجوئی کی خاطر یہ رشتہ قائم فرمایا ہے۔ وہ اس رشتے کے قیام پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ممنون احسان تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر ناز تھا، انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا اس کے باوجود ان کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا حق ادا کر دیا ہے لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ان قربانیوں کو فراموش نہ کیا تھا جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے لیے دی تھیں۔ چنانچہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جو سب سے بڑا معاوضہ ادا کر سکتے تھے، وہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ رشتہ مصاہرت قائم فرماتے۔ یہ اعزاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صدیقؓ کو عطا فرمایا اور ان کی صاحبزادی کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمات کو کون نہیں جانتا، ان کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں بہت بلند مقام حاصل تھا لیکن انہیں شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ وہ نیکیوں میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اپنے اس احساس کا انہوں نے کئی بار اظہار بھی فرمایا تھا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ رشتہ مصاہرت میں منسلک کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس دوسرے مخلص ترین صحابی کو بھی وہ اعزاز عطا فرمانا چاہا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحب زادی حضرت حفصہ رضی اللہ

marfat.com

تعالیٰ عنہا بیوہ ہوگئیں' اپنی بیٹی کے مستقبل کے لیے ان کا فکر مند ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوہ بیٹی کو اپنی زوجیت میں قبول فرما کر ایک طرف تو ان کی پریشانی دُور فرمائی اور دوسری طرف ان کو وہ اعزاز عطا فرمایا جو ان کے لیے حاصلِ حیات تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کے مقاصد میں سے ایک مقصد اپنے غلاموں کی دلجوئی تھا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر کئی شادیوں میں بھی سماجی مقاصد سرفہرست تھے۔

چوتھا مقصد: سیاسی

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کے متعدد مقاصد میں سے ایک مقصد دشمنوں کے دل جیتنا' اسلام کے ساتھ ان کی مخالفت کو کم کرنا' قبائل کو اس رشتے کے ذریعے اپنے قریب تر کرنا اور اس طرح نورِ حق پھیلانے کے لیے راستہ ہموار کرنا بھی تھا۔ درج ذیل مثالوں سے پتہ چلے گا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کے ذریعے کتنے سیاسی فوائد حاصل ہوئے۔

بنو مصطلق کا قبیلہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں پیش پیش تھا اس قبیلے کا سردار حارث اسلام کا کٹر دشمن تھا جب غزوۂ بنو مصطلق میں اس قبیلے کو شکست ہوئی تو اس قبیلے کے متعدد لوگ مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہوئے' ان قیدیوں میں قبیلہ کے سردار کی ایک بیٹی جویریہ بنت حارث بھی تھیں' انہوں نے اپنے اسیر کنندہ سے مکاتبت کا معاہدہ کیا اور زر مکاتبت ادا کرنے کی خاطر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پتہ چلا کہ یہ سردار قبیلہ کی بیٹی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر انہیں منظور ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا زر فدیہ ادا کر کے ان کے ساتھ نکاح کر لیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش کش کو قبول فرما لیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا زر مکاتبت ادا کر کے ان کے ساتھ نکاح کر لیا جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ حضور

marfat.com

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیا ہے تو انہوں نے بنو مصطلق قبیلہ کے تمام اسیروں کو یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ یہ لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں اس طرح حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برکت سے آزادی کی نعمت تقریباً سو گھرانوں کو حاصل ہوئی۔ بنو مصطلق نے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عالی ظرفی اور مسلمانوں کے دلوں میں موجزن حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبے کا مشاہدہ کیا تو وہ سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا اور یہ بات معمولی نہیں ہے کہ ایک شادی کی برکت سے اسلام کے ایک کٹر دشمن قبیلے نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کو چھوڑ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔

حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ بنت اخطب غزوۂ خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئیں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے دو صورتیں رکھیں۔ اوّل یہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت کا شرف بخشیں اور دوم یہ کہ اگر وہ یہودیت پر قائم رہنا چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں آزاد کر دیں اور وہ اپنی قوم کے پاس واپس چلی جائیں۔ انہوں نے اسلام قبول کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنا پسند کیا۔ (شبہات واباطیل) یہ نکاح اس لحاظ سے انتہائی مفید تھا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے پہلے یہودی مسلمانوں کے خلاف ہر جنگ میں کسی نہ کسی شکل میں نظر آتے ہیں لیکن اس نکاح کے بعد اسلام کی ابتدائی تاریخ میں یہودی کسی جنگ میں مسلمانوں کے مدمقابل نظر نہیں آتے۔

(رحمۃ اللعالمین ج ۲ ص ۱۳۲)

ابوسفیان کی اسلام دشمنی سے کون واقف نہیں، اسلام کے خلاف اکثر جنگوں میں ابوسفیان ہی نے لشکر قریش کی قیادت کی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے اس کٹر دشمن کی لختِ جگر اُم حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان کو اپنی زوجیت میں لے لیا اس رشتے کا اثر یہ ہوا کہ ابوسفیان کی اسلام دشمنی کا زور ٹوٹ گیا اور بہت جلد وہ اسلام کے جھنڈے تلے اپنی جان کی بازی لگانے کے لیے تیار کھڑا نظر آتا ہے۔

marfat.com

کیا یہ نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انتہائی کامیاب سیاسی تدبیر نہ تھی جس نے اسلام کے سب سے بڑے دشمن کو اسلام کی صفوں میں لا کھڑا کیا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام شادیوں کے پس منظر میں اسی قسم کے عظیم مقاصد کارفرما تھے۔ (ضیاء النبی ج ۷ ص ۴۷۹)

حق اور باطل کی راہیں روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہیں اب یہ انسان پر ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کس راہ کا انتخاب کرتا ہے۔ ان دونوں راہوں کے مسافر از خود پہچانے جاتے ہیں کہ وہ کون ہیں؟ راہِ حق پر گامزن افراد کی پیشانیاں نورِ حق سے دَمک رہی ہوتی ہے جبکہ راہِ باطل پر رواں لوگوں کے چہروں پر نحوست وادبار و بدبختی کے بادل منڈلا رہے ہوتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ باطل کے پاؤں نہیں ہوتے اس لیے وہ زیادہ دُور تک ایک ڈگر پر چل نہیں سکتا لہٰذا دوسروں کو دھوکا دینے کے لیے اسے اپنا طریقہ واردات بدلنا پڑتا ہے۔ باطل اندھا ہوتا ہے اسے حق اور حقیقت کی نظروں کو خیرہ کرنے والی روشنی بھی سیاہ نظر آتی ہے' باطل بہرہ ہوتا ہے اس لیے آوازۂ حق سننے سے قاصر ہوتا ہے' اپنی دانست میں جو کرتا ہے اسے ہی حق سمجھتا ہے۔ باطل کا دل سیاہ ہوتا ہے جہاں صرف ظلمتوں کا پہرہ ہوتا ہے لہٰذا اپنے دل کی سیاہی و کالک حق کے نورانی چہرے پر ملنے کے لیے مسلسل کوشاں رہتا ہے۔ باطل بے عقل ہوتا ہے اور حق کے خلاف ایسی بے عقلی وحماقت کی باتیں کرتا ہے کہ اہل عقل و دانش اس کا اثر قبول نہیں کرتے بجز جہلاء کے۔ باطل خود فریب ہوتا ہے اور اس زعم میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کا سورج نصف النہار پر چمک رہا ہے حالانکہ وہ پستیوں میں ڈوب رہا ہوتا ہے۔ باطل کا وجود بھربھری' دلدلی اور سیاہ کیچڑ والی زمین پر قائم ہوتا ہے لیکن اپنی مضبوطی کا لوہا منوانے میں مگن ہوتا ہے۔ باطل کی عمارت خس و خاشاک اور تنکوں پر استوار ہوتی ہے اس لیے حق کی ذرا سی آنچ سے خاکستر ہو جاتی ہے۔ باطل شیشے کا آشیانہ شجر خبیث کی شاخ نازک پر بناتا ہے جو کسی وقت بھی گر کر چکنا چور ہو جاتا ہے۔ باطل کفر و الحاد و شرک' ضلالت' تعصب' گمراہی' نفسانی خواہشات' من مانی' غرور' بوالہوسی'

marfat.com

خودفریبی، دھوکہ دہی، جہالت، ابلیسی سرشت، فرعونی صفت، نمرودی تفاخر، شدادی بے حیائی کا ملغوبہ ہوتا ہے اور اس کا راستہ جہنم کے مہیب و نہیب شعلوں کی طرف جاتا ہے۔

باطل کے مقابل حق ہے جو روشن و کامل، نورانی و جامع، شریعتِ محمدیہ، طریقت احمدیہ، حقیقت سرمدیہ، معرفتِ الٰہیہ کا مجموعہ ہے اور صدیقی ایثار، فاروقی عدل و انصاف، عثمانی شرم و حیا، حیدری شجاعت، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ کی فداکاریاں، اولیاء اللہ کے لیل و نہار، بزرگانِ دین کی نشست و برخاست، علماءِ حق کی علمی کاوشیں اور عاشقانِ رسول کی فداکاریاں حق آشناؤں کی زندہ جاوید مثالیں ہیں۔ حق کی بلند و بالا دیدہ زیب عمارت کی بنیاد قرآن و سنت کی مضبوط و سنگلاخ چٹانوں پر استوار ہے جس کو حوادث زمانہ اور دنیا کی کوئی طاقت اپنی جگہ سے ذرہ برابر ہلا نہیں سکتی۔ حق ایسا نور ہے جس کی وسعت و پھیلاؤ فرش تا عرش اور دنیا تا آخرت ہے۔ حق ایسی قوت ہے جسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا، حق ایسی جاذب نظر و درخشاں صبح ہے جس کی کوئی شام نہیں، حق ایسا چراغ ہے جسے باطل پھونکوں سے بجھا نہیں سکتا، حق ایسا سرمدی نغمۂ دلنواز ہے جو روح کی گہرائیوں میں اُتر کر اسے مست و بے خود اور متوالا بنا دیتا ہے، حق ایسا عروج ہے جو زوال ناآشنا ہے، حق صبغت اللہ ہے جس پر ایک بار چڑھ جاتا ہے پھر قیامت تک نہیں اُترتا اور اس کے مقابل دنیا کے سارے رنگ بے وقعت و بے معنی ہو جاتے ہیں، حق ایک ایسا کیف و سرور ہے جسے جامۂ الفاظ پہنایا نہیں جا سکتا۔ شجرِ حق کی روپہلی و سنہری اور سرسبز و شاداب شاخیں آسمانوں پر اور اس کا تنا زمین کی تہوں میں ہوتا ہے جس پر کبھی خزاں نہیں اور اس کی جس شاخ پر جو بھی آشیانہ بنایا جاتا ہے، وہ مضبوط اور پائیدار ہوتا ہے۔

اہلِ حق کے لیے حق کی خاطر تختہ دار پر چڑھ کر جھولنا رقص بسمل کی مانند ہے۔ اہلِ حق کے لیے کڑی آزمائشیں گل و گلزار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اہلِ حق وہ دیوانے لوگ ہیں جن کی نظر میں دنیا، اس کی رنگینیوں اور قارونی خزانوں کی پرکاہ جتنی بھی وقعت نہیں۔ اہلِ حق وہ عظیم لوگ ہیں جن کا سرمایہ زیست اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی و عبادت اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق و محبت و اطاعت و اتباع ہے۔ اس شان کے لوگوں کو اللہ

marfat.com

تعالیٰ کے ''ساتھ'' کا انعام مل جاتا ہے جو آخرت میں بھی نصیب ہوگا۔

حق کا صرف ایک رنگ ہے اور باطل کے کئی رنگ، روپ اور چہرے ہیں اور ان چہروں میں ایک چہرہ مستشرقین کا ہے۔ یہ اسلامی علوم و السنہ شرقیہ میں دسترس صرف اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ بے سروپا علمی موشگافیوں، تعصب و عناد سے بھرپور مجالس، کانفرنسوں، سیمیناروں، گمراہ کن مکالوں، تحقیقی رپورٹوں، کتب و رسائل اور مختلف تنظیموں کے ذریعے مسلمانوں کو مسلمانی سے دُور کر دیں، ان کی نظروں میں دینِ اسلام کی حقانیت کو دُھندلا دیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلمانوں کے قصرِ ایمان میں نقب زنی کریں اور اگر انہیں دولتِ ایمان سے کماحقہ محروم نہ کر سکیں تو کم از کم اس میں بہت حد تک کمی کر دیں۔

مستشرقین کئی صدیوں سے حق کے خلاف منظم طریقے سے سرگرم عمل ہیں۔ یہ لوگ علمی، تکنیکی اور سائنسی ہتھکنڈوں سے شمع حق کو بجھانے کے درپے ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے طوفان برپا کیے اور کرتے رہتے ہیں لیکن کٹھن سے کٹھن دور اور انقلابات زمانہ میں بھی حق پر آنچ نہ آئی اور باطل کو منہ کی کھانی پڑی۔ لاریب حق حق ہے اور باطل باطل ہے۔ یہ علمبرداران باطل مسلمانوں کی کوتاہیوں اور غفلتوں کی وجہ سے حق کو کمزور و لاغر اور ناتواں سمجھتے ہیں لیکن یہ ان کی سمجھ سے بالا ہے کہ حق کبھی ضعیف نہیں ہوتا، فتح ہمیشہ اسی کی ہوتی ہے اور جو اس پر گامزن ہیں، کامرانی و سرخروئی انہیں کا مقدر ہے اور راہِ باطل پر چلنے والے سدا ذلیل و خوار اور نامراد ہوتے ہیں۔ حق کے نور کو پھیلنے سے کون روک سکتا ہے، جہنم کے راستے کے مسافر مستشرقین لاکھ جتن کریں، حق کو باطل کے سانچے میں ڈھال نہیں سکتے اور نہ یہ ان کے بس کی بات ہے۔

مستشرقین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدد ازواج کے سلسلہ میں جس دروغ گوئی اور خبث باطن کا اظہار کیا ہے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن و تاباں اور بلند شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اس سے ان کا اپنا منہ کالا ہوتا ہے جو جہنم کا ایندھن ہیں۔

marfat.com

اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حکمتِ نکاح

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنے میں یہ حکمت تھی کہ ان کے بطن پاک سے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد نے جنم لینا تھا۔ مزید برآں بعثت سے قبل۔ بعثت کے وقت اور بعثت کے بعد ایسی ہی خاتون کی ضرورت تھی جس کو معاشرتی و خاندانی لحاظ سے بلند مقام حاصل ہو۔ گوناگوں اوصافِ حمیدہ سے متصف ہو۔ اور اسلام کی ترویج میں اپنی دولت اور ذہانت و فطانت سے نمایاں کردار ادا کر سکے۔ تاکہ فریضۂ نبوت و رسالت کی ادائیگی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف و مصائب میں اپنی محبت سے ہاتھ بٹا سکے۔

marfat.com

نصف دیں اُن کے توسط سے ملا ہے دوستو
چاندنی دین متیں ہیں اُمہات ؓ المؤمنین

marfat.com

حالاتِ زندگی

''میں شادی نہیں کروں گی''

یہ جواب عالی نسب' حسین وجمیل' بہت بڑی رئیسہ مکہ خدیجہ بنت خویلد جو تمام قریش میں بہ اعتبار خاندان سب سے زیادہ شریف' بہ اعتبار عزت سب سے بڑی اور بہ اعتبار مال و دولت سب سے بڑھ کر تھیں' قریش کے ان اکابرین واشراف اور اصحاب دولت و ثروت کو دیتی تھیں جو ان سے خواستگاری رکھتے تھے کہ نکاح کر لیں اگر ہو سکتا تو قوم کے جتنے لوگ تھے' سب ان کے ساتھ شادی کرنے کے خواہش مند تھے۔ یہ سب درخواست کر چکے تھے اور مال و زر بھی پیش کیے تھے مگر سب کے لیے ایک ہی جواب تھا اور اب انہوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ ساری توجہ تجارت اور کاروبار پر صرف کریں گی۔

سیدہ خدیجہ کی ولادت ارسٹھ (68) قبل ہجرت قبیلہ بنو اسد میں ہوئی تھی جو قریش کی ایک نہایت معزز و باوجاہت شاخ تھی۔ ان کے والد خویلد بن اسد کا خاندان قصیٰ پر پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ مکہ میں آ کر انہوں نے اقامت اختیار کی۔ عبدالدار ابن قصیٰ جوان کے ابن عم تھے' حلیف بنے اور یہیں فاطمہ بنت زائدہ سے شادی کی جن کا تعلق بنی عامر بن لوی سے تھا۔ خدیجہ نے انہیں کے بطن سے جنم لیا تھا۔

جس گھریلو ماحول میں انہوں نے آنکھ کھولی وہاں شرافت ونجابت' امانت و دیانت' راست گوئی وایفائے عہد اور احساس ذمہ داری کی حکمرانی تھی' مال و دولت کی بھی کمی نہ تھی لہٰذا سیدہ خدیجہ بنت خویلد کے اندر غریب پروری' صدقہ و خیرات' جود وسخا' فراخ دلی و

marfat.com

عالی حوصلگی، آداب و اخلاق، عفت و حیا، پاکیزگی خیال و افکار، حلم و بردباری اور مستقل مزاجی کے اوصاف جلوہ گری کرنے لگے لہٰذا ان وجوہ کی بناء پر وہ عہد جاہلیت میں ہی طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوگئیں۔

سیدہ خدیجہ جن صفاتِ عالیہ سے متصف تھیں، اس کی مناسبت سے ان کے والد نے چاہا کہ بیٹی کی شادی ورقہ بن نوفل سے ہو جائے جوان کا برادر زادہ تھا۔ علاوہ ازیں وہ تورات اور انجیل کا بہت بڑا عالم بھی تھا۔ شادی کی بات ہوئی بھی لیکن بوجوہ یہ نسبت نہ ہوسکی اس کا خویلد کو دُکھ بھی ہوا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اس کی نیک سیرت و پاک طینت بیٹی کے لیے ایسا ہی شوہر ہونا چاہیے جو نیک اور عالم فاضل ہو مگر تقدیر کے آگے بس نہیں چلتا لہٰذا انہوں نے پھر طاہرہ خدیجہ کے لیے کسی اچھے سے شوہر کی تلاش شروع کر دی۔

اسی دوران میں اس کی نظر ابوہالہ بن نباس بن زرارہ تمیمی پر پڑی اس کا اصل نام مالک تھا جب باپ نے دیکھا کہ رشتہ ہر لحاظ سے مناسب ہے تو بیٹی طاہرہ خدیجہ کی ان سے شادی کر دی اور دونوں میاں بیوی محبت بھری زندگی بسر کرنے لگے اسی دوران میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دو فرزند عطا کیے۔ ماں باپ نے ایک کا نام ہند اور دوسرے کا نام ہالہ رکھا۔ بعض روایات میں وارث بھی آیا ہے۔ ہالہ اس لیے درست ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ خدیجہ کے شوہر کا نام مالک تھا لیکن مشہور ابوہالہ کے نام سے تھا جو ان کی کنیت تھی۔ بہرکیف اب میاں بیوی کی محبت کا ان کے دونوں بیٹے بھی مرکز تھے، ان کی موجودگی میں زندگی اور نکھر گئی تھی لیکن وقت کے بہتے ہوئے دھارے سے کوئی شخص باہر نہیں نکل سکتا۔ لہٰذا سیدہ خدیجہ اور ابوہالہ بھی وقت کے اس دھارے میں بہہ رہے تھے کہ ابوہالہ کی زندگی کے دن پورے ہوگئے اور پھر ایک دن وہ سیدہ طاہرہ خدیجہ کو داغِ بیوگی دے کر اس جہان رنگ و بو سے رخصت ہوئے اب سیدہ کی ساری توجہ اور محبت کے مرکز ان کے دونوں بیٹے تھے اور ابوہالہ کی یاد جو فراغت کے لمحات میں ان کے دل و دماغ میں تازہ ہو جایا کرتی تھی۔

خویلد بن اسد کو بیٹی کی اُداس و ویران زندگی نے پھر پریشان کر دیا اس کی نگاہیں

marfat.com

پھر کسی ایسے شخص کو تلاش کرنے لگیں جو طاہرہ خدیجہ کا جیون ساتھی بن سکے' انہیں دنوں ان کی نظریں عتیق بن عائذ مخزومی پر جا کر رُکیں اور پرکھنے لگیں کہ وہ ان کی بیٹی کے معیار پر پورا اُترتا ہے یا نہیں جب ہر طرح سے تسلی ہوگئی تو شادی کی بات کا آغاز کر دیا گیا اور پھر سیدہ خدیجہ عتیق کے حبالہ عقد میں آ گئیں' زندگی میں پھر خوشیوں کے پھول مہکنے لگے' ان سے ایک بیٹی نے جنم لیا جس کا نام ہند رکھا گیا۔

عرب معاشرے میں دو نام ایسے ملتے ہیں جو مرد اور عورت دونوں کے رکھے جا سکتے تھے' ان میں سے ایک ہند اور دوسرا جویریہ ہے۔ کتب ہمیں بتاتی ہیں کہ سیدہ خدیجہ کی کنیت اُم ہند تھی' وقت گزرتا رہا جس پر تقدیر کے پہرے تھے اور جو تقدیر میں ہوتا ہے' وہ ہو کر رہتا ہے' اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ زندگی کے دن ہنسی خوشی گزر رہے تھے' ایک دن عتیق بیمار پڑ گیا۔ بظاہر پریشانی کی کوئی بات نہ تھی لیکن روز افزوں عتیق کی حالت بگڑتی گئی اور پھر ایک دن وہ سیدہ طاہرہ اُم ہند کو تنہا چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوا۔ زندگی پر پھر جمود طاری ہو گیا تھا' بیٹی کی کشت حیات کو ویران دیکھ کر باپ تڑپ اُٹھا لیکن بے بس تھا اور وقت ہزاروں خوشیاں اور غم اپنے پیچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھ گیا اور یہ وقت صرف اسی وقت رُکے گا جب صور اسرافیل پھونکا جائے گا اب سیدہ کی زندگی کا محور ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے اور کبھی کبھی ہوا کے جھونکے کی طرح ابوہالہ کے ساتھ اب عتیق کا بھی خیال آ جایا کرتا تھا۔

خویلد بن اسد ایک بار پھر بیٹی سے متعلق پریشانیوں کا شکار ہو گیا' وہ سیدہ خدیجہ کے لیے خوشیاں تلاش کر کے لاتا تھا لیکن تقدیر اسے پھر تنہائی و بیوگی کے اندھیروں میں دھکیل دیتی تھی لیکن وہ اس چیز سے قطعاً ناواقف تھا کہ آنے والے وقت میں اس کی بیٹی کی جھولی ابدی و ازلی راحتوں' مسرتوں' خوشبوؤں اور محبتوں سے بھر جائے گی اور ایسا مقام حاصل ہو گا جس سے بڑا کوئی مقام نہیں۔

الغرض وہ بیٹی کی خوشیوں کے لیے پھر سرگرداں ہو گیا' انہیں دنوں میں حرب الفجار کا آغاز ہو گیا جس میں اس کو شرکت کرنا پڑی اس جنگ کا پس منظر یہ تھا کہ نعمان بن منذر

marfat.com

ہر سال حیرہ سے ایک قافلہ مشک وخوشبویات دے کر عکاظ بھیجا کرتا تھا اور اسے یہ ہدایت ہوتی تھی کہ واپسی میں اس کے عوض عین سے پوست' رسیاں اور زربفت لے آئے۔ اس سال نعمان نے براض کنانی سے بات کی تو اس نے کہا:

''میں آپ کے قافلے کو اپنے قبیلے کی حمایت میں منزل مقصود تک پہنچا دوں گا۔''

دوسری طرف عروہ ہوازنی نے یہ وعدہ کیا:

''میں قافلہ کو نجد کی طرف سے حجاز لے جاؤں گا۔''

دونوں پیش کشوں میں سے نعمان بن منذر نے عروہ کی پیش کش کو قبول کر لیا۔ یہ بات براض کنانی کو بہت ناگوار گزری' شاطر آدمی تھا چنانچہ اس نے بدلے کی نیت سے عروہ ہوازنی کا تعاقب کیا اور ایک مقام پر اسے تہ تیغ کر کے قافلے کا مال واسباب لُوٹ لیا اور خیبر میں جا کر چھپ رہا اس واقعہ کے بعد ایک شخص بشر بن ابو حازم نے قریش کو اطلاع دی کہ قبیلہ ہوازن اپنے مقتول کا انتقام لینے کی فکر میں ہے اس سے پہلے کہ قریش حرم کی حدود میں داخل ہوں' ہوازنی ان پر ٹوٹ پڑے اور جنگ شروع ہوگئی۔ بہرحال قریش کسی نہ کسی طرح حرم کی حدود میں داخل ہوگئے اور ہوازنیوں کو مجبوراً جنگ بند کرنا پڑی لیکن قریش کو متنبہ کر دیا کہ اگلے سال عکاظ میں جنگ کے لیے تیار رہیں۔ یہ جنگ چار سال تک جاری رہی اس میں اللہ کے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت کی تھی اس وقت وہ ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے اور عمر مبارک بیس سال تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے منصب پر فائز ہوئے تھے تو چند سال گزرنے کے بعد ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''میں حرب الفجار میں اپنے چچاؤں کے دوش بدوش شریکِ جنگ تھا' میں نے تیر بھی چلائے تھے۔''

اسی جنگ میں سیدہ طاہرہ خدیجہ کے والد شریک ہوئے تھے اور داعی اجل کو لبیک کہا تھا اور وہ بیٹی کی خوشیوں کی حسرت دل میں لیے اس جہان سے رخصت ہوگئے تھے۔

خاندانی پیشہ تجارت تھا' دوسرے شوہر عتیق کے مرنے کے بعد سیدہ خدیجہ نے

marfat.com

کاروبار میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی لیکن باپ کی موجودگی میں کوئی فکر والی بات نہ تھی لیکن جب باپ بھی اس دنیا سے چل بسا تو سخت وقت کا سامنا کرنا پڑا۔ ذریعہ معاش چونکہ صرف تجارت تھی جس کا اب کوئی نگران نہ تھا لہٰذا اس طرف بھرپور توجہ مرکوز کر دی۔ آپ خود تو تجارت کا سامان لے کر دوسرے ملک نہیں جا سکتی تھیں لہٰذا کسی شخص سے منافع کی شرط پر بات طے کر کے تجارتی قافلے کے ساتھ اپنا مال بھیج دیتی تھیں اور قافلے کی واپسی پر اپنا مقررہ حصہ وصول کر لیتی تھیں۔ اکثر آپ کا تجارتی مال قافلے کے کل مال سے نصف ہوتا تھا۔

یہود کے علماء جانتے تھے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کہاں پیدا ہوں گے اور اعلانِ نبوت فرمائیں گے لیکن مشرکین و کفار مکہ اس سے ناواقف تھے۔ اللہ کے محبوب' رحمۃ اللعالمین' راحت انس و جاں اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے' ولادت کے وقت اور اس کے بعد ایسے بہت سے واقعات رونما ہوئے تھے جو محیر العقول بھی تھے اور دعوتِ فکر بھی دیتے تھے کہ قریش کے معزز ترین قبیلہ بنو ہاشم میں عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں پیدا ہونے والا نومولود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں وہی عظیم و اعظم ہستی تو نہیں جس کا تذکرہ تمام انبیاء علیہم السلام کرتے آئے ہیں اور اپنی اُمتوں کو ان کی اطاعت واتباع کا درس دیتے رہے ہیں۔

اہلِ مکہ نہیں جانتے تھے کہ وہ عظیم تر ہستی' اللہ کی نعمت عظمیٰ اور شاہکار ربوبیت ان کے مابین اپنا نور پھیلائے ہوئے ہیں' انہیں کے درمیان عرصہ پچیس سال سے شرافت' دیانت و امانت' صداقت شعاری' نیک نفسی' حسن اخلاق' متانت اور سنجیدگی' فراست و دانش مندی' ضبط نفسی' حلم و وقار' علائق دنیا سے بے نیاز' قائدانہ شان و شوکت کی خوبیوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں جن کی وجہ سے ہر عام و خاص ان کو امین اور صادق کے نام سے جانتا تھا جو بھی ان سے ملتا' عزت و احترام سے نظریں جھکا لیتا اور لوگ اپنے اوپر خاص قسم کا اثر محسوس کرتے۔

باطنی حسن کے ساتھ ساتھ ظاہری جمال میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ محمد بن عبداللہ

marfat.com

(صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے خوش منظر تھے کہ آپ کے چہرے سے وجاہت کے آثار نمایاں تھے‘ متوسط القامت تھے نہ دراز قد نہ کوتاہ قامت‘ سر مبارک بڑا تھا اور اس پر گھنے سیاہ بال‘ پیشانی کشادہ تھی اور بھنویں جڑی اور گتھی ہوئی تھیں‘ آنکھوں کی پتلیاں سیاہ اور ان کے اردگرد سفیدی میں تیرتے ہوئے سرخ ڈورے لمبی اور کالی پلکیں‘ ستواں ناک‘ ڈاڑھی کے بال گھنے‘ بلند اور خوش نما گردن‘ سینہ کشادہ‘ نکھرا ہوا رنگ‘ دست و بازو قوی اور مضبوط قدم جب آپ چلتے تو قدم تیزی سے اُٹھاتے‘ پیر جما کر زمین پر رکھتے تھے‘ آپ کے چہرۂ اقدس سے غور و فکر کی علامات ٹپکتی تھیں‘ آپ کی نگاہوں میں اس قیامت کی جاذبیت تھی کہ ہر شخص اطاعت پر آمادہ ہو جاتا تھا۔

ان دنوں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب جو عیال دار تھے‘ بڑی تنگی و عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ ان کے بھتیجے کے لیے کوئی ایسا کاروبار ہو جو زیادہ نفع بخش ہو۔ ایک دن انہیں پتہ چلا کہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد قریش کے چند اشخاص کو اپنا سامانِ تجارت دے کر بھیجنا چاہتی ہے‘ روشنی کی ایک کرن پیدا ہوئی لیکن اپنے بھتیجے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتے تھے لہٰذا ان کا شدت سے انتظار کرنے لگے‘ تھوڑی دیر کے بعد وہ گھر تشریف لائے تو چچا نے کہا:

’’پیارے بھتیجے! میں ایسا شخص ہوں کہ میرے پاس مال نہیں‘ زمانہ ہم پر سخت گزر رہا ہے‘ تمہاری قوم کے قافلے شام کے سفر پر جانے والے ہیں۔ خدیجہ بنت خویلد تمہاری قوم کے کچھ لوگ طے شدہ رقم پر مالِ تجارت دے کر بھیجا کرتی ہے‘ کہو تو اس سے بات کروں؟‘‘

’’ما اجبت (تو جیسے آپ چاہیں)‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو چچا کے چہرے پر رونق آ گئی پھر کہا:

’’مجھے اطلاع ملی ہے کہ فلاں شخص کو اس نے دو اونٹوں کے عوض مالِ تجارت دینا ہے لیکن میں اس معاوضہ پر تیرے لیے راضی نہیں ہوں گا۔‘‘

دوسرے دن وہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد کے ہاں گئے اور ان سے کہا:

marfat.com

''کیا تم میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مال دے کر ملک شام بھیجنے کے لیے آمادہ ہو؟''

اور پھر قدرے سکوت کے بعد بولے:

''میں نے سنا ہے کہ فلاں شخص کو دو اونٹوں کے عوض بھیج رہی ہو لیکن میرے بھتیجے کے لیے عوض دوگنا ہوگا۔''

ابوطالب کی بات سن کر سیدہ طاہرہ خدیجہ نے کہا:

''اے ابوطالب! اگر تم کسی دُور کے مبغوض شخص کے لیے بھی یہی کہتے تو مان لیتی تو نے تو ایک قریبی دوست کے لیے یہ خواہش کی ہے پھر کیسے نہیں مانوں گی؟''

یہ بات سن کر ابوطالب بڑے خوش ہوئے اور آکر اپنے بھتیجے کو بتایا اور کہا:

''یہ سلسلہ معاش ہے جس کا بندوبست اللہ نے تمہارے لیے گھر بیٹھے کیا ہے۔''

سیدہ خدیجہ بنت خویلد بھی مکے میں ہی رہتی تھیں، بڑی فہیم و دانش مند تھیں، معروف تاجر بھی تھیں اور مکے کے تقریباً تمام سرکردہ اور دوسرے افراد کے بارے میں جانتی تھیں۔ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بھی سن رکھا تھا جو اپنے اوصافِ حمیدہ اور مکارم اخلاق کی وجہ سے امین و صادق کے لقب سے مشہور تھے لیکن سیدہ خدیجہ بذاتِ خود یہ جرأت نہیں کر سکتی تھیں کہ انہیں براہِ راست کہیں جبکہ وہ ایک بہت ہی معزز و محترم خوش بختی و خوش نصیبی ہو سکتی تھی کہ ایک امین اور صادق ہستی ان کا مالِ تجارت لے جائے چنانچہ انہوں نے خود بھی ایک آدمی ان کی خدمت میں بھیجا۔

''کیسے آئے ہو؟''

محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دریافت فرمایا:

''خدیجہ بنت خویلد نے بھیجا ہے''

اس نے کہا:

''کیا کام ہے؟''

محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا:

marfat.com

''آپ کے چچا ابوطالب آئے تھے' سیدہ خدیجہ فرماتی ہیں یہ آپ کی مہربانی ہوگی اگر میرا سامانِ تجارت لے کر شام کی طرف تشریف لے جائیں۔''

اس شخص نے عرض کیا اور پھر بولا:

''انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ دوسروں کے مقابل عوضانہ دوگنا پیش کروں گی۔''

''ٹھیک ہے جب قافلہ جانے کے لیے تیار ہو تو اطلاع دینا۔''

آپ نے ارشاد فرمایا اور سیدہ خدیجہ کا آدمی واپس لوٹ گیا۔

سیدہ خدیجہ بنت خویلد ایک دن آرام فرما رہی تھیں کہ عالمِ خواب میں کیا دیکھتی ہیں کہ آسمانی آفتاب ان کے گھر اُتر آیا ہے اور اس کا نور ان کے گھر سے پھیل رہا ہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کا کوئی گھر ایسا نہیں جو اس نور سے روشن نہ ہوا ہو۔

جب وہ بیدار ہوئیں تو سوچنے لگیں' بڑا عجیب وغریب خواب تھا۔ اپنے طور پر اس کی تعبیر نکالنے کی کوشش کی مگر کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکیں۔ معاً انہیں اپنے چچازاد بھائی نوفل بن ورقہ کا خیال آیا جو آسمانی کتب کا بڑا عالم وفاضل تھا اور کسی زمانہ میں خویلد بن اسد ان کی شادی اپنے بھائی کے بیٹے سے کرنا چاہتا تھا مگر وہ بات کسی طرح بن نہ سکی۔ چنانچہ وہ اس کے ہاں گئیں' اس وقت وہ گھر پر ہی تھا' وہ چچازاد بہن کو دیکھ کر خوش ہوا اور کہا:

''کیسے آئی ہو خدیجہ؟''

''میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر معلوم کرنے آئی ہوں۔''

سیدہ خدیجہ نے کہا:

''بتاؤ''

ورقہ بن نوفل نے کہا اور توجہ سے ان کا خواب سننے لگا جب اپنا خواب بیان کر چکیں تو ورقہ بن نوفل کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا۔

''کیا تعبیر ہے؟''

خدیجہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''بہت ہی مبارک خواب ہے''

marfat.com

اس نے کہا اور پھر اس کی تعبیر بتائی۔

''خدیجہ! نبی آخرالزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے نکاح کریں گے۔''

انہیں اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا' بولیں:

''کیا کہا؟ نبی آخرالزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنی زوجیت میں لیں گے۔''

''ان کے ظہور کا زمانہ کونسا ہے؟''

خدیجہ بنت خویلد نے دریافت کیا۔

''آسمانی کتب کے مطابق ان کے ظہور کا یہی زمانہ ہے۔''

اور پھر وہ واپس لوٹ گئیں' ان کے اندر خوشی و انبساط کی لہریں اُٹھ رہی تھیں' وہ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

جب تجارتی قافلہ سوئے شام روانہ ہونے لگا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے چچا تھے' سب موجود تھے' سیدہ خدیجہ بنت خویلد نے اپنا ایک غلام میسرہ بھی ساتھ کر دیا تھا' آپ کے چچاؤں نے اہلِ قافلہ کو آپ کے متعلق وصیت کی۔ ابوطالب نے خاص طور پر میسرہ کو کہا:

''میرے بھتیجے کا خاص خیال رکھنا ہے۔''

''آپ مطمئن رہیں''

میسرہ نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا اور پھر قافلہ روانہ ہو گیا۔

قافلہ تجارت وادی القریٰ' مدین' دیار ثور اور ان مقامات سے جہاں سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ بارہ سال پیشتر گزرے تھے' شام کی جانب روانہ ہوا اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں وہ تمام دبے ہوئے نقوش اُبھر آئے جو پہلے سفر میں جاگزیں ہوئے تھے لہٰذا آپ کو ان حالات و واقعات پر جو پیش آئے تھے پھر غور کرنے کا موقع ملا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سفر میں اپنی امانت اور سابقہ تجربہ کی بناء پر دوسروں کی نسبت دو چند منافع ہوا۔ میسرہ پر بھی آپ کے اخلاق کا بہت اچھا اثر پڑا اس

marfat.com

کے دل میں آپ کے لیے بے حد عزت واحترام کے جذبات بیدار ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی محبت ڈال دی کہ گویا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بن گیا۔

قافلہ کی واپسی پر شام کے مالِ تجارت میں جو چیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کی‘ اسے خدیجہ بنت خویلد کے لیے خرید لیا۔

جب قافلہ مقام مرالظہران میں پہنچا تو میسرہ نے عرض کی

"یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میری مالکہ خدیجہ کے پاس تشریف لے جائیں اور آپ کے باعث اللہ تعالیٰ نے خدیجہ کو جو نفع پہنچایا ہے اس کی اطلاع دیں‘ وہ آپ کا یہ حق یاد رکھیں گی۔"

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی رائے کے مطابق پہلے چل پڑے۔

ظہر کا وقت تھا‘ سیدہ خدیجہ بنت خویلد دوسری عورتوں کے ہمراہ اپنے ایک بالاخانے میں بیٹھی ہوئی تھیں‘ دیکھا کہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اونٹ پر تشریف لا رہے ہیں اور دو فرشتے اِدھر اُدھر سے سایہ کیے آتے ہیں۔ نظارہ بے حد مسحور کن‘ عجیب اور روح پرور تھا۔

"سامنے دیکھو"

خدیجہ نے عورتوں سے مخاطب ہو کر کہا تو وہ سب اس طرف دیکھنے لگیں جدھر سے آپ تشریف لا رہے تھے اور ان پر سایہ تھا۔

"بہت حیران کن منظر ہے"

عورتیں بولیں:

"اس چلچلاتی دھوپ میں سوائے آپ کے اوپر سایہ کے اور کہیں نہیں تھا"۔

جب آپ تشریف لائے تو خدیجہ بنت خویلد نے دروازے پر خوش آمدید کہا‘ بڑی عزت و ادب کے ساتھ بٹھایا۔ آپ نے سفر شام اور تجارتی منافع سے متعلق دل پذیر پیرایہ بیان میں گفتگو کی۔ خدیجہ نے بڑے انہماک سے آپ کی باتیں سنیں اس تجارت

marfat.com

سے جتنا پہلے منافع ہوا کرتا تھا اس سے دو چند ہوا لہٰذا سیدہ خدیجہ نے جو معاوضہ طے کیا تھا اس کو بھی دو چند کر دیا اور چار کے بجائے آٹھ اونٹ خدمت میں پیش کیے۔

جب میسرہ آیا تو سیدہ خدیجہ بنت خویلد نے اس سے بڑی حیرانگی کے ساتھ کہا:

''ظہر کے وقت جب محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے تو ان پر سایہ تھا جبکہ اِردگرد سخت دھوپ تھی۔''

''میں نے شام کے سفر کے دوران بہت کچھ سنا اور دیکھا ہے''

میسرہ نے کہا۔

''کیا؟''

سیدہ خدیجہ نے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا:

''راستے میں جب دھوپ کی تمازت تیز ہوتی تو دو فرشتے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سایہ کیے رہتے تھے' چلتے چلتے ملک شام کے شہر بصریٰ میں پہنچے اور وہاں ایک درخت کے سائے میں فروکش ہوئے اس کے قریب ہی ایک صومعہ تھا جس میں نسطور نامی راہب رہتا تھا اس نے کھڑکی سے سر نکالا اور جھک کر مجھ سے پوچھا:

''درخت کے سائے میں کون صاحب آرام فرما ہیں؟''

''قریشی ہیں''

میں نے جواب دیا تو راہب بولا:

''اس درخت کے نیچے بجز پیغمبر کے اور کوئی نہیں اُترا۔''

پھر اس نے مجھ سے دریافت کیا:

''کیا اس شخص کی آنکھوں میں سرخی ہے؟''

''ہاں! اور یہ سرخی کبھی اس سے جدا نہیں ہوتی''

میں نے جب کہا تو نسطورا گویا ہوا:

''وہ پیغمبر ہے اور سب سے آخری پیغمبر ہے۔''

میں نے سنا تو محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توقیر و عظمت بے حد بڑھ گئی۔

marfat.com

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پیغمبر آخرالزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ سفر کرنے اور خدمت کا موقع ملے گا' میں ان کی خدمت میں اور بھی مستعد ہو گیا۔

جب تجارتی سامان فروخت ہو گیا تو ایک شخص سے مناقشہ ہوا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''آپ لات وعزیٰ کا حلف اُٹھائیں۔''

تو آپ نے فرمایا:

''میں نے کبھی ان کی قسم نہیں کھائی' میں تو گزرتے وقت ان سے منہ موڑ لیا کرتا ہوں۔''

یہ سنا تو اس شخص نے کہا:

''بات وہی ہے جو آپ نے فرمائی''

اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

''میسرہ! اللہ کی قسم یہ تو وہی پیغمبر ہے جس کی صفت ہمارے علماء کتابوں میں مذکور پاتے ہیں۔''

میسرہ نے دورانِ سفر جو مشاہدہ کیا تھا اس کا اپنی مالکہ کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد چلا گیا اور سیدہ خدیجہ بنت خویلد خیالات کے طربناک جزیروں میں کھو گئیں' انہیں اپنا وہ خواب یاد آ گیا جس کا ذکر انہوں نے اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل سے کیا تھا۔

''کیا محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی آخرالزماں ہیں؟''

عرب معاشرے میں عورت اپنے نکاح کا معاملہ طے کرنے کی مجاز تھی' خواہ وہ بالغہ ہو یا نابالغہ' بیوہ ہو یا باکرہ مزید برآں اس دور میں پردے کا رواج بھی نہیں تھا اور عورتوں کا مردوں کے ساتھ براہِ راست بات چیت کرنا کوئی اخلاقی اور معاشرتی بُرائی نہیں سمجھی جاتی تھی۔

اگرچہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد اکابرین قریش کے شادی کے پیام رد کر چکی تھیں لیکن پھر ایسے نوجوان سے عقد کی خواہش کی جس کی باتیں ان کے دل و دماغ میں گھر کر چکی

marfat.com

تھیں اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہی مشیتِ ایزدی تھی کیونکہ انہوں نے اُم المومنین کے زینہ عظمت پر تشریف فرما ہونا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی سہیلی نفیسہ بنت منیہ کو بُلا بھیجا' سہیلی کا پیغام ملتے ہی وہ آ گئی۔

''خیر تو ہے؟''

نفیسہ نے پوچھا۔

''بالکل خیر ہے''

خدیجہ بنت خویلد نے جواب دیا۔

''کہو''

نفیسہ بنت منیہ بولی۔

''تم محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ''

سیدہ نے کہا۔

''کس لیے؟''

''اس لیے کہ تم ان سے دریافت کرو کہ شادی کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟''

خدیجہ نے کہا تو نفیسہ بولی:

''یہ تم کہہ رہی ہو حالانکہ اس سے قبل بڑے بڑے اعلیٰ رشتے ٹھکرا چکی ہو''

''ہاں! یہ میں کہہ رہی ہوں لیکن تم نہیں سمجھو گی۔''

''جب وقت آئے گا سب بتادوں گی۔''

سیدہ خدیجہ نے کہا اور پھر نفیسہ کو جانے کے لیے کہا اور تاکید کی۔

''جو جواب بھی ملے ابھی آ کر بتانا۔''

نفیسہ بنت منیہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئیں اور پوچھا:

''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو نکاح کرنے سے کیا امر مانع ہے؟''

marfat.com

فرمایا:

''میرے ہاتھ میں وہ سامان نہیں جس سے نکاح کرسکوں۔''

نفیسہ نے عرض کیا:

''اگر سامان ہو جائے اور آپ کو حسن و جمال، زر و مال اور شرف و کفایت کی ضمانت دی جائے تو کیا آپ قبول فرمائیں گے؟''

''اچھا تو کون ہے؟''

آپ نے دریافت فرمایا۔

''خدیجہ بنت خویلد'' ۔

نفیسہ نے کہا تو ارشاد فرمایا:

''وہ میرے لیے کیونکر؟''

''یہ میرا ذمہ ہے''

نفیسہ بنت منیہ نے کہا تو فرمایا:

''تو میں کروں گا''

یہ گفتگو کرنے کے بعد نفیسہ بنت منیہ سیدھی اپنی سہیلی سیدہ خدیجہ کے ہاں گئی اور جو باتیں ہوئی تھیں، سب بتا دیں۔ انہوں نے نفیسہ سے پھر کہا:

''تم جا کر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں عرض کر دو کہ وہ اپنے چچاؤں کے ساتھ فلاں وقت تشریف لائیں۔''

نفیسہ بنت منیہ یہ پیغام لے کر چلی گئی اور پھر سیدہ خدیجہ نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو پیغام بھیجا۔

''آپ آ کر میرا نکاح کر دیں''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حسب پروگرام ابو طالب، حمزہ اور دیگر چچاؤں کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر رؤسائے شہر کے ساتھ سیدہ خدیجہ کے مکان پر تشریف لے گئے جہاں عقد و نکاح واقع ہوا۔ ابو طالب نے خطبہ پڑھا جس کا

marfat.com

ترجمہ ہے:

''حمد و ثنا اس اللہ بزرگ و برتر کی جس نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے گردانا اور ہمیں معد و مضر کی اصل سے پیدا کیا اور اپنے گھر کا محافظ و پیشوا بنایا اور گھر کو ہمارے لیے فراوانی بخشی کہ اطراف و جوانب سے اس کی زیارت کے لیے آئیں اور ہمیں توفیق مرحمت فرمائی کہ وہ اس گھر کی طرف آئے جو امان میں رہے اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا امابعد یعنی یہ حمد الٰہی کے بعد یقیناً میرا بھتیجا یعنی محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا جوان ہے کہ کوئی قریشی مرد اس کا ہم پلہ نہیں ہے، یہ سب پر بھاری ہیں اگرچہ مال میں یہ کم ہیں لیکن مال ڈھلتی چھاؤں ہے اور یہی ایک بات حائل ہے باوجود اس کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ہستی مقدس ہے جسے تم جیسے خویش و اقرباء خوب جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلاشبہ آپ خدیجہ بنت خویلد کی خواست گاری فرماتے ہیں اور میں اپنے مال میں سے ان کا مہر بیس اونٹ قرار دیتا ہوں اور میں اللہ کی قسم اُٹھا کر کہتا ہوں کہ اس کے بعد ان کی ایک عظیم الشان اور بلند مرتبت ہوگی۔''

جب یہ خطبہ مکمل ہوا تو ورقہ بن نوفل جو سیدہ خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے، انہوں نے بھی خطبہ پڑھا۔ اس کا مضمون یہ ہے:

''اس خدائے برتر کی حمد و ثنا ہے جس نے ہمیں ایسا بنایا جیسا کہ ابوطالب نے بیان کیا اور ہمیں وہ فضیلت بخشی جس کا انہوں نے ذکر کیا اس کے بعد اس بناء پر کہ ہم تمام عربوں میں سب سے بہتر اور ان کے پیشوا ہیں اور تم سب بھی ان تمام فضیلتوں کے اہل اور جامع ہو اور کوئی گروہ تمہاری فضیلت کا منکر نہیں ہو سکتا اور کوئی ایک شخص بھی تمہارے فخر و شرف کا انکار نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ ہم سب کی خواہش ہے کہ تمہارے ساتھ عقد و نکاح کے ذریعے اتصال و یگانگت ہو تو اے گروہ قریش! تم گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو حضور محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زوجیت میں چار سو مثقال عوض مہر پر دیا۔ (ان دنوں بیس اونٹوں کی قیمت پانچ سو درہم یا چار سو مثقال کے برابر تھی)''

marfat.com

اس کے بعد ابو طالب نے کہا:

''اے ورقہ بن نوفل! میں چاہتا ہوں کہ خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد بھی آپ کے ساتھ نکاح میں شریک ہوں۔''

اس پر عمرو بن اسد نے بھی کہا:

''اے گروہ قریش! گواہ ہو جاؤ کہ میں نے خدیجہ دختر خویلد کو محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زوجیت میں دیا۔''

پھر دونوں جانب سے ایجاب وقبول متحقق ہوا۔ عمرو بن اسد نے اس موقع پر کہا:

''یہ وہ نکاح ہے کہ اس کی ناک نہیں ٹکرائی جا سکتی یعنی اس پر کسی قسم کی نکتہ چینی و حرف گیری ممکن نہیں۔''

جب یہ نکاح ہوا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال اور سیدہ خدیجہ بنت خویلد کی عمر چالیس سال تھی۔

نکاح کے بعد سیدہ خدیجہ نے اپنی باندیوں کو حکم دیا کہ وہ دف بجا کر خوشی کا اظہار کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''آپ اپنے چچا سے فرمائیں کہ ان اونٹوں میں سے ایک کو ذبح کر کے لوگوں کو کھانا کھلائیں۔''

مفسرین اس ارشادِ باری تعالیٰ ''ووجدک عائلا فاغنی'' کی تفسیر یہی کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے بظاہر سیدہ خدیجہ کے مال سے بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تونگر کیا ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام اغنیاء سے زیادہ غنی ہیں اور دونوں جہاں آپ کی نظر ہمت میں مختصر وقلیل ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ بنت خویلد سے شادی کے بعد اقتصادی اعتبار سے مطمئن ہو گئے تھے۔ اہلِ مکہ اس امتیازی حیثیت کے پیش نظر آپ کو قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور آپ کا بے حد احترام کرتے تھے لیکن آپ کی نظر میں یہ باثروت زندگی درخور اعتنا نہ تھی۔ آپ بفضلِ ایزد متعال شان استغنا رکھتے

marfat.com

تھے، عوام سے میل جول میں آپ کو مطلق کوئی تامل نہ تھا جس سے بھی ملتے، خندہ پیشانی سے ملتے۔ اہلِ مکہ کی نظر میں آپ کا مقام روز بروز بلند ہوتا جاتا تھا لیکن آپ اس کے باوجود ہر ایک سے تواضع اور محبت سے پیش آتے تھے، کمال ذہانت اور بلند شخصیت کے باوصف لوگوں کی باتیں پورے انہماک سے سنتے اور ان پر غور بھی کرتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی سے بے رُخی نہیں برتی جب کوئی آپ سے مخاطب ہوتا تو خوش طبعی فرماتے اور ایسی باتیں بھی سنتے جن میں مزاح کی چاشنی ہوتی لیکن کبھی آپ کی زبان سے کوئی ایسی بات سننے میں نہیں آئی جو حقیقت کے منافی ہو اور خلافِ واقعہ ہو۔ کبھی آپ اس بے تکلفی کے ساتھ ہنستے کہ سامنے کے دانت مبارک نمودار ہو جاتے اور کبھی آپ خفا ہوتے تو پیشانی مقدس پر پسینے کے قطرے جھلکنے لگتے، غصہ پی جاتے اور خفگی کی حالت میں کوئی نازیبا لفظ آپ کی زبان پر نہ آتا۔ آپ کے اندر غضب کی حوصلہ مندی، بلا کی عالی ہمتی اور ستم کی نیکوکاری تھی۔ عزم راسخ اور حسن خلق دونوں آپ کی فطرت میں داخل تھے، ان تمام خصائل کا آپ کے ہمسائیوں، دوستوں، عزیزوں غرضیکہ سب کو اعتراف تھا، سبھی کو ان سے نوازا جاتا تھا، کوئی شخص ایسا نہ تھا جو آپ کی عزت اور آپ کا احترام نہ کرتا ہو جس کا بھی آپ سے سابقہ پڑتا تھا، وہ آپ کا مداح اور ثناخواں بن جاتا تھا۔ ان اخلاق و اوصاف اور ان عادات و خصائل سے آپ کی رفیقہ حیات سیدہ خدیجہ خصوصیت کے ساتھ بہت ہی زیادہ متاثر تھیں۔

شادی کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اقامت سیدہ کے مکان ہی پر اختیار کرلی اور یہ ایسا گہوارہ تھا جس پر جنت فردوس کی بہاریں رشک کرتی تھیں۔

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ طاہرہ خدیجہ بنت خویلد کے ہاں ایک غلام کو دیکھا جس کا نام زید بن حارثہ تھا اس وقت اس کی عمر پندرہ سال تھی اس کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا، سات سال قبل اسے ڈاکوؤں نے اُٹھالیا تھا اور عکاظ کے میلے میں لے جا کر فروخت کر دیا تھا، اتفاق سے وہیں سیدہ خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام موجود تھے، انہوں نے زید بن حارثہ کو خرید لیا اور اپنی پھوپھی کی خدمت میں پیش کر دیا اس وقت سے وہ اسی

marfat.com

گھر میں تھا اور خدمات بجا لا رہا تھا۔

زید بن حارثہ کے عادات و اطوار نہایت پسندیدہ تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے پسند فرماتے تھے۔ سیدہ نے وہ غلام آپ کے حوالے کر دیا' وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی قسمت کتنی یاور ہے۔ بظاہر زید بن حارثہ کے گھر والوں کو یہ بات بڑی ہی اذیت ناک اور اندوہگیں محسوس ہوتی تھی کہ ڈاکو اسے اُٹھا کر لے گئے ہیں لیکن درحقیقت اسے اپنی منزل پر پہنچانا مقصود تھا اور وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔ وہ اپنے آقا کی خدمت و محبت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتا تھا اور جب اس کا والد اور چچا اسے لینے کے لیے آئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صوابدید پر چھوڑ دیا اس کے والد اور چچا نے بہت زور لگایا کہ وہ ان کے ساتھ چلے لیکن زید نے صرف اس قدر کہا:

''میں اپنے آقا و مولا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا اور ان کی غلامی ہزار آزادیوں سے بہتر ہے۔''

جب یہ بات سنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے حد محظوظ و خوش ہوئے۔ زید بن حارثہ کو آزاد کر دیا اور حرم میں لے جا کر اعلان کر دیا:

''اے گروہ قریش! گواہ رہو آج سے زید بن حارثہ میرا بیٹا ہے''

اور یہی وہ زید تھے جن کی بعد میں حضرت زینب بنت جحشؓ سے اللہ کی ایماء پر شادی کر دی تھی اور ان کو طلاق ہونے کے بعد خود حبالہ عقد میں لے لیا تھا تاکہ متبنی بیٹوں کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں جو خلجان تھا' ہمیشہ کے لیے نکل جائے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی امن و سکون اور راحت و آرام سے بسر ہو رہی تھی۔ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک مطیع و فرماں بردار رفیقہ حیات کی حیثیت سے اپنے شوہر کی خدمت دل و جان سے کرتی تھیں اور ان کی انتہائی کوشش ہوتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کوئی کسر نہ رہنے پائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت جویائے حقیقت رہتے تھے اور انہیں وہ فرض ادا کرنے کی آٹھوں پہر فکر رہتی تھی جو قدرت نے ان پر عائد کیا تھا' یہ روحانی اور معنوی

marfat.com

زندگی کے ربط وضوابط کا نتیجہ ہی تھا کہ آپ کبھی کاہنوں اور ورقہ بن نوفل ایسے داناؤں کے پاس نہیں بیٹھتے تھے اور نہ ہی یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے تھے بلکہ خود ہی حقیقت کی تلاش میں رہتے اور اپنے افکار و خیالات سے دوسروں کو مطلع کرتے تھے۔

اس زمانے میں رواج تھا کہ مفکرین ہر سال لوگوں سے یکسو ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہوتے تھے اور اس طریق کو اللہ کی بارگاہ میں قرب کا وسیلہ سمجھتے تھے' آپ بھی خلوت کو فکر و تامل کا بہترین ذریعہ قرار دیتے تھے اور اس حالت میں آپ کی روح سکون پذیر ہوتی تھی' آپ کو ہمیشہ اللہ کی معرفت کی جستجو رہتی تھی اور یہ جستجو روز بروز ترقی پر تھی۔

مکہ سے دو فرسخ یا تین میل کے فاصلے پر غارِ حرا تھا' یہ ریاضت اور عبادت کے لیے بہترین جگہ تھی لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں وہاں تشریف لے جاتے تھے اور غور و فکر اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جایا کرتے تھے' تنہائی میں آپ پر یہ راز عیاں ہوا کہ حقیقت پر مجاز کے تاریک غلاف چڑھے ہوئے ہیں' غور و فکر کے بعد یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی کہ لوگوں نے اپنے اوہام و ظنون پر حق و صداقت کا خول چڑھایا ہوا ہے۔

دن اسی طرح گزر رہے تھے' سیدہ کے دوسرے شوہر عتیق بن عائذ مخزومی کی بیٹی ہند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ تھی جس کی آپ کے زیر سایہ پرورش و تربیت ہو رہی تھی۔

ایک دفعہ مکے اور اس کے گرد و نواح میں قحط سالی اور گرانی کا دور دورہ تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آیا کہ چچا ابو طالب کا کنبہ بہت بڑا اور مالی حالت بڑی کمزور ہے لہٰذا اس کا بوجھ ہلکا کرنا چاہیے۔ چنانچہ یہ سوچ کر آپ اپنے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور فرمایا:

''چچا! تمہارے بھائی پر بھاری بوجھ ہے' ایک بیٹے کی ذمہ داری تم قبول کر لو اور ایک کی میں کر لیتا ہوں۔''

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مال دار آدمی تھے' اس تجویز سے متفق ہو گئے اور

marfat.com

دونوں چچا بھتیجا ابو طالب کے پاس گئے اور اپنا مدعا بیان کیا۔
"عقیل کو میرے لیے چھوڑ دو اور باقی جس کو چاہو اپنے ساتھ لے جاؤ۔"
ابو طالب نے کہا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنی کفالت میں لے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنی کفالت میں لے لیا اس وقت ان کی عمر چار یا پانچ سال تھی۔

بعثت سے قبل رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سب سے پہلے بیٹا قاسم پیدا ہوا جس کے نام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم تھی' ان کے بعد آپ کے صلب سے زینب پھر رقیہ پھر اُم کلثوم اور پھر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تولد ہوئیں اور بعثت کے بعد بیٹا عبداللہ پیدا ہوا جس کا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے طیب اور سیدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے طاہر لقب تھا۔ قاسم جب دو برس کے تھے تو وفات پا گئے اور عبداللہ بھی بہت چھوٹے تھے کہ داغِ مفارقت دے گئے۔"

یہ دونوں حادثے مکے میں ہوئے۔ عاص بن وائل السہمی نے اس موقع پر کہا
"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد منقطع ہو گئی لہٰذا ابتر ہیں"۔
اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ **ان شانئک ھو الابتر**
(حقیقت میں ابتر وہ ہے جو تیری عیب جوئی کرتا ہے یا تجھ پر عیب لگاتا ہے)

سلمٰی صفیہ بنت عبدالمطلب کی آزاد کردہ لونڈی تھی' سیدہ خدیجہ کی زچگی میں دایہ کا کام کیا کرتی تھیں اگر لڑکا ہوتا تو سیدہ دو بکریاں اور لڑکی ہوتی تو ایک بکری کا عقیقہ کرتی تھیں' لڑکوں کے لیے دودھ پلانے والیاں مقرر کیا کرتیں اور ان کی پیدائش سے پہلے ہی انتظام کر لیتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں ان لوگوں میں کیں جو ان کے ہم کفو اور خاندانی نقطہ نظر سے صحیح النسب تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے بڑی تھیں' ان کی شادی ابوالعاص بن ربیع سے ہوئی جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

کی بہن ہالہ بنت خویلد کا لڑکا تھا۔ کامیاب تجارت اور دولت و ثروت کے اعتبار سے اپنے قبیلہ میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ یہ رشتہ ہر لحاظ سے درست اور مناسب تھا لیکن ظہور اسلام کے بعد جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مدینہ کو ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو نوبت جدائی تک پہنچی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی عتبہ اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیاہ عتیبہ سے ہوا' یہ دونوں ابولہب کے بیٹے تھے' اسلام کے بعد ابولہب نے بیٹوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ طلاق کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یکے بعد دیگرے حضرت رقیہ اور حضرت اُم کلثوم سے عقد کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کم عمر تھیں' ظہورِ اسلام کے بعد ان کی شادی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔

غارِ حرا میں غور و تعمق اور عبادت و ریاضت کے لیے رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ جاری تھا کہ سچے خوابوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور حقائق کا انکشاف ہونے لگا۔ یہ چیز آپ پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی تھی کہ لوگ گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور بت پرستی نے ان کی اخلاقی اور روحانی زندگی کی روح قبض کر لی ہے' یہ بھی پوشیدہ نہ تھا کہ یہود و نصاریٰ کی تعلیمات لوگوں کو راہِ راست پر لانے کا شرف کھو چکی ہیں۔

جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو حسب معمول غارِ حرا میں پہنچے جو عالم رویاء میں دیکھتے تھے اس کی تصدیق ہو گئی۔ خیالات پُرعزم و یقین کی مہر ثبت ہو گئی' اللہ کی طرف آپ کی عنان توجہ مڑ گئی' بے ساختہ آپ کے مبارک لبوں سے یہ دعا نکلی:

"اے اللہ! میری قوم کی رہنمائی کر"

اسی حالت میں آپ شب بیداری فرماتے' مسلسل روزے رکھتے' کبھی کبھی غار سے نکل کر صحرا میں چہل قدمی فرماتے اور پھر غار میں تشریف لے جاتے' انہیں معمولات میں چھ ماہ گزر گئے۔

ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم محو عبادت تھے کہ اُفق آسمان پر ایک فرشتے کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے پکار رہا ہے:

marfat.com

''یا محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میں جبرائیل علیہ السلام ہوں' یا محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میں جبرائیل علیہ السلام ہوں۔''

یہ نظارہ بڑا عجیب' حیران کن اور نا قابلِ فہم تھا' دل میں خدشہ بھی پیدا ہوا لیکن جب بھی آپ آسمان کی طرف اپنا سر مبارک اُٹھاتے تو برابر اس فرشتے کو دیکھتے تھے۔ چنانچہ آپ واپس گھر تشریف لے گئے اور اپنی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو دیکھا تھا' اس کا ذکر کیا تو انہوں نے عرض کیا:

''آپ امین ہیں' کوئی غیر چیز آپ کے پاس آنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔''

ایک دن آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں محوِ خواب تھے' اسی اثنا میں ایک فرشتہ آیا جس کے ہاتھ میں ایک ورق تھا' فرشتے نے آپ سے کہا:

''پڑھیے''

آپ نے عالم اضطراب میں جواب دیا:

''کیا پڑھوں؟''

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ فرشتے نے آپ سے معانقہ کیا اور پھر کہا:

''پڑھیے''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جواب دیا:

''کیا پڑھوں؟''

بعد ازاں فرشتہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغل گیر ہوا اور کہا:

''پڑھیے''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا فرشتہ پھر معانقہ کرے پھر فرمایا:

''کیا پڑھوں؟''

فرشتے نے سورۂ علق کی آیات تلاوت کیں جن کا ترجمہ ہے:

''اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے جہان کی تخلیق اور انسان کو جمے ہوئے

marfat.com

خون سے پیدا کیا' ہاں پڑھیے تمہارا رب صاحب کرم ہے جس نے قلم کے ذریعے انسان کو ایسی تعلیم دی جس سے وہ پہلے بے بہرہ تھا۔''

تھوڑی دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اضطراب کے عالم میں بیدار ہو گئے تو آپ نے دل ہی دل میں سوچا:

''میں نے یہ کیا دیکھا''

حیران تھے کہ جو کچھ دیکھا ہے اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے اور پھر اپنے دولت خانے کی طرف چل پڑے' بار بار ذہن میں سوال اُبھرتا تھا:

''وہ کون تھا جس نے مجھے پڑھنے کے لیے کہا''

اس سے قبل حقائق کا بے پردہ مشاہدہ کر چکے تھے اور ظلمت کے وہ پردے جو قریش کو بت پرستی پر مائل کیے ہوئے تھے' آپ کی نگاہوں سے اُٹھ چکے تھے' وہ نور اللہ ہی کا تھا اور وہی راستہ دکھاتا ہے۔ آپ پھر سوچنے لگے:

''وہ کون شخص تھا جس نے کہا اللہ کی یاد کا نقش تازہ رکھو اور جس نے یہ کہا کہ اللہ نے انسان کو قلم کے واسطے سے وہ باتیں سکھائیں جو اسے پہلے معلوم نہ تھیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی سوچ بچار میں چلے جا رہے تھے کہ ایک آواز کانوں میں آئی جیسے کوئی پکارتا ہو۔ آپ نے آسمان کی طرف دیکھا' ایک فرشتہ انسانی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دے رہا تھا' آپ وہیں کھڑے ہو گئے اور فرشتے کی جانب سے منہ موڑ لیا لیکن جس طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جاتی' فرشتہ موجود ہوتا۔ کبھی آگے قدم بڑھاتے' کبھی پیچھے ہٹتے لیکن فرشتہ کی شکل آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی تھی۔ دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کیفیت طاری رہی اسی اثناء میں سیدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیز آ گئی جسے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں پہاڑ پر بھیجا تھا چنانچہ فرشتے کی روپوشی کے بعد آپ گھر کی طرف چل پڑے۔

اس واقعہ نے آپ کی عجیب کیفیت کر دی تھی' گھر پہنچے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے لیے چشم براہ تھیں' خاوند کی حالت کا اندازہ لگایا اور وجہ پوچھی تو آپ صلی اللہ

marfat.com

علیہ وسلم نے جو دیکھا تھا اس کا ذکر کیا تو بولیں:

"آپ تادیر زندہ سلامت رہیں اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں خدیجہ کی جان ہے' مجھے امید ہے کہ آپ کو اس اُمت کی پیغمبری کے منصب پر فائز کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ آپ کے وقار میں فرق نہیں آنے دے گا' آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' صدق مقالی آپ کا شیوہ ہے دوسروں کے لیے تکالیف برداشت کرنا آپ کا خاصا ہے' مہمانوں کی خاطر مدارات کی راہ میں مصائب وآلام مردانہ وار برداشت کرتے ہیں۔"

بیوی کی باتیں سُن کر آپ کو سکون ملا اور پھر آرام کی غرض سے محوخواب ہو گئے۔

سیدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قریب بیٹھی اپنے آقا ومولا' شوہر نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو محوخواب محبت بھری نظروں سے دیکھتی رہیں' ان کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات کا ہجوم تھا:

"مستقبل میں ان کے لیے نبوت کا اعزاز مقدر ہے۔"

"گمراہ قوم کو ہدایت آپ ہی کی بدولت نصیب ہوگی۔"

"میری قوم کے لوگ کہیں میرے نیکوکار اور پاکباز شوہر کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔"

وہ بیٹھی سوچ رہی تھیں اور پھر اس فرشتے کا تصور باندھا اس سوچ اور تصور کے نتیجے میں کبھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرے پر تبسم رقص کرنے لگتا اور کبھی مستقبل کے خدشات سے چہرے پر خوف کے آثار نمایاں ہو جاتے۔

انہی سوچوں کے دوران ان کی نگاہ پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر پڑی' وہ محوخواب تھے اور ایک نور تھا جس نے چادر تان رکھی تھی۔

"مجھے اس ضمن میں کسی دانا سے مشورہ کرنا چاہیے۔"

معاً اس کے ذہن میں خیال آیا اور پھر وہ اُٹھ کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔

ورقہ بن نوفل نے مسیحیت قبول کرنے کے بعد انجیل کے بعض حصوں کا عربی میں ترجمہ بھی کیا تھا اس نے بہن کی باتیں غور سے سنیں اور پھر کہا:

marfat.com

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم سچ کہتی ہو تو یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ یہی ناموس (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے' وہ اس اُمت کے پیغمبر ہیں' ان سے کہہ دو کہ خوف و ہراس کی کوئی بات نہیں۔''

سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ روح پرور و امید افزا پیغام سُن کر واپس گھر آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک محوِ خواب تھے' وہ آپ کے قریب بیٹھ گئیں اور مہر و محبت سے دیکھنے لگیں۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر کپکپی سی طاری ہوئی' سانس کی رفتار کچھ مدہم سی ہوگئی' جبین مقدس پر پسینے کے قطرات جھلکنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکا یک اُٹھ بیٹھے اس دوران میں فرشتہ نے سورۂ مدثر کی ۱ تا ۷ آیات کی وحی کی جس کا ترجمہ ہے:

''اے چادر اوڑھنے والے! اُٹھ اور لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرا اور اپنے رب کی کبریائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک صاف رکھ اور آلودگی سے دُوری اختیار کر اور کسی پر احسان نہ جتا' بسیار طلب نہ بن اور اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر شیوہ صبر اختیار کر۔''

جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ پر یہ کیفیت طاری دیکھی تو جوشِ محبت میں ان کی زبان سے نکلا:

''آپ بستر پر لیٹ جائیں اور آرام فرمائیں''

رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''راحت و آرام کے دن گزر گئے' مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ میں لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈراؤں اور اللہ واحد کی پرستش کی دعوت دوں مگر کیسے؟''

اُم المومنین سیدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''آپ خاطر جمع رکھیں۔''

اور پھر ان کی گفتگو جو ورقہ بن نوفل سے ہوئی تھی' وہ دہرائی کہا:

''مجھے یقین ہے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں اور میرا ایمان ہے''

marfat.com

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر سیدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فوری ایمان لانا قدرتی بات اور فطری امر تھا' غارِ حرا سے واپسی اور آغازِ بعثت میں سیدہ کو یہ بھی اندازہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذمہ داری کے منصب نے کتنا مضطرب کیا ہوا ہے۔

ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طوافِ کعبہ کے لیے گئے تو کعبہ کے نزدیک ورقہ بن نوفل سے ملاقات ہوگئی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اللہ کی قسم! آپ اس اُمت کے پیغمبر ہیں اور ناموس جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا' وہی آپ پر نازل ہوا ہے' لوگ آپ کی تکذیب کریں گے' اذیتیں پہنچائیں گے' اپنے شہر سے جلاوطن کریں گے' آپ کے ساتھ ان کی لڑائیاں ہوں گی اگر میں اس وقت تک بقید حیات رہا تو حق کی حمایت کروں گا۔''

اور آگے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انتظار تھا کہ اس سلسلہ وحی سے میری دستگیری کی جائے گی لیکن نزولِ وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا اس سے آپ کے دل و دماغ میں خدشات جنم لینے لگے لیکن سورۃ الضحیٰ کے نزول کے ساتھ ہی وحی کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں پیدا ہونے والے خدشات کا قلع قمع ہوگیا' زبان پر اللہ کی حمد و ثنا کے کلمات جاری ہوگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں کو اطمینان و سکون نصیب ہوا۔

سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آغازِ بعثت پر صرف نبوت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغازِ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی معین و مددگار ثابت ہوئیں اس وقت تک نمازِ پنجگانہ فرض نہ تھی' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نوافل پڑھا کرتے تھے اور اُم المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آپ کے ساتھ نوافل میں شرکت کرتی تھیں اس طرح دونوں میاں بیوی ایک عرصہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھتے رہے۔

marfat.com

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عبادت میں مصروف تھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت ابھی بچے تھے' باہر سے آ گئے' انہوں نے ان دونوں ہستیوں کو رکوع و سجود کرتے اور آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرتے دیکھا تو پوچھا:

''آپ کس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں؟''

''اللہ کے آگے جس نے مجھے نبوت کے منصب پر فائز کیا ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور پھر اسے بتوں سے اجتناب اور اللہ کی عبادت کی دعوت دی' انہوں نے عرض کیا:

''مجھے والدین سے مشورہ کی اجازت دیجیے''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ رات اضطراب میں گزاری' صبح ہوئی تو وہ اپنے دل میں فیصلہ کر چکے تھے کہ اس معاملہ میں مجھے والدین سے مشورے کی ضرورت نہیں' میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ چنانچہ بچوں میں انہوں نے اسلام قبول کیا۔ زید بن حارثہ بھی اس گھر میں تھے لہٰذا غلاموں میں سے وہ اس نعمت سے سرفراز ہوئے اور مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین احباب میں شامل تھے' وہ اس نعمت سے بہرہ ور ہوئے اس وقت تک ساری دنیا میں صرف یہی چار اشخاص تھے جو اللہ کے دین پر تھے۔

شروع شروع میں اسلام کی دعوت خفیہ طور پر دی جاتی تھی اور یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا اس کے بعد دعوتِ عام تھی اس مہم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقہ حیات نے بڑی پُرجوش اعانت و مدد کی اس تین سالہ محنت کے نتیجہ میں چالیس اشخاص کو اس عہد ساز تحریک کا ہراوّل دستہ بننے کا شرف حاصل ہوا' ان میں ستائیس خواتین تھیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام بیٹیاں بھی اسلام لا چکی تھیں۔

جب تین سال گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو اللہ سے ڈراؤ تو اُم المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر

marfat.com

ہی ایک دعوت کا انتظام کیا گیا جس میں قبیلہ بنو ہاشم کے ۴۵ افراد شریک ہوئے' حاضرین کی خاطر مدارات گوشت اور دودھ سے کی گئی۔ بعدازاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے اولادِ عبدالمطلب! تم لوگ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ' کیونکہ میں اللہ کی پکڑ سے تم کو بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ میرے مال میں سے تم جو چاہو' مانگ سکتے ہو' میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کے لیے کافی ہے۔ یہ بھاری ذمہ داری اُٹھانے میں میرا کون ساتھ دے گا۔''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اگرچہ بچے تھے لیکن جذبہ جوان تھا' بولے:

''میں سب سے کم عمر ہوں تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔''

چچا ابوطالب بولا:

''میں اپنا آبائی مذہب چھوڑنے کو تیار نہیں مگر تمہیں جس کام کا حکم دیا گیا ہے' اسے انجام دو جب تک میری جان میں جان ہے' تمہاری اعانت کروں گا۔''

دوسرا چچا ابولہب بولا:

''اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اپنے خاندان والوں کے لیے اس سے زیادہ سخت آفت لایا ہو جو تم لے آئے ہو اگر تم اس پر قائم رہے جو تم کہہ رہے ہو تو تمہارے خاندان کے لوگوں کا یہ حق ہے کہ وہ تمہیں روکیں اور تمہارے ہاتھ پکڑیں اس سے پہلے کہ قریش کے دوسرے خاندان ٹوٹ پڑیں اور عرب ان کی مدد کریں۔''

اہل نظریات کے نظریات سامنے آگئے اور پھر آنے والے وقت نے اس کی تصدیق بھی کر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والے کس طرح ان تینوں نظریات پر قائم رہے۔

اہل خاندان کو اور عام دعوت اسلام دینے کے بعد جو مسلمان حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے' ان پر جبر واستبداد اور ظلم وستم کے دروازے آہستہ آہستہ کھلتے چلے گئے۔ کفار

marfat.com

قریش کی تکذیب سے رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم جو غم واندوہ اور تکلیفیں اُٹھاتے تھے' وہ سب سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھتے ہی جاتا رہتا تھا آپ خوش ہو جاتے تھے اور جب وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاس خاطر فرماتیں تو اس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی۔

ابولہب کا غیظ وغضب اور قریش کا عناد اسلام کی اشاعت کی رفتار نہ روک سکا' ہر روز ایک نہ ایک جماعت آتی اور مشرف بہ اسلام ہوتی۔ دوسرے وہ یہ بات بھی جانتے اور سمجھتے تھے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے اور اُم المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دولت کی بدولت دولت سے چنداں رغبت نہیں رکھتے' ان کا پیغام' پیغامِ محبت تھا اور یہی پیغام تھا جس کی بنیاد پر دعوتِ اسلام دیتے تھے۔ مزید برآں انہیں وحی کے ذریعے بھی تعلیم دی گئی کہ دولت کی کثرت روح کے لیے ایک قسم کی لعنت ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

''مال ومتاع کی کثرت (کی طلب) نے تمہیں غافل کر دیا (یادِالٰہی اور خیالِ آخرت سے) یہاں تک کہ قبروں میں پہنچ گئے۔''

گھر سے باہر مخالفتوں اور دشمنوں کا طوفان برپا تھا' مسلمان اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے آتے تو محبت بھری فضا سے راحت محسوس ہوتی۔

جس سے محبت کی جاتی ہے اس کی ہر چیز سے اس کے متعلقین سے محبت وشفقت کی جاتی ہے۔ یہی حال اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ نے محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں دودھ پلایا تھا' وہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور بتایا کہ قحط سالی نے انہیں بُری طرح تباہ وبرباد کر دیا ہے اور ان کے مویشی ہلاک ہو چکے ہیں لہٰذا اسے چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ عطا کیا گیا اسی طرح ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چند یوم دودھ پلایا تھا جب اس نے ابولہب کو یہ مژدہ سنایا کہ اس کے بھائی حضرت عبداللہ کے ہاں بیٹا

marfat.com

پیدا ہوا ہے تو اس نے خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا۔

اُم المومنین سیدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فطری طور پر شرافت و نجابت اور پاکیزگی و طہارت کا مجسمہ تھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و قربت نے ان کی سیرت و محاسن کو چار چاند لگا دیئے تھے' وہ تاحیات مہرواخلاق اور محبت و مروت سے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و اعانت کرتی رہیں۔ دراصل انہیں نے اپنی ذات کو رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں فنا کر لیا تھا' مکہ کی سب سے زیادہ دولت منداور باثروت خاتون تھیں لیکن وہ سب اپنے عظیم ترین شوہر کے قدموں پر نثار کر دی تھی کہ جس طرح چاہیں' تصرف کریں۔ بقول ابن ہشام آپ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی مشیر کار تھیں۔

باوجود گھر میں باندیاں اور غلام ہونے کے سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خود خدمت کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یا محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دسترخوان لا رہی ہیں جس میں کھانا پانی ہے جب وہ آئیں' ان سے ان کے رب کا سلام فرمانا اور میری طرف سے بھی انہیں بشارت دیں کہ ان کے لیے جنت میں موتیوں کا ایک ایسا گھر ہے جس میں نہ شوروغل ہوگا اور نہ رنج و مشقت۔''

نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے وقت سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چالیس سال تھی لیکن ان کی دل پسند عادات و اطوار' وفاکیش طرزِ عمل' حبِ رسول سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی ایسی انسیت و محبت پیدا ہوگئی تھی کہ کسی اور خاتون سے شادی کا خیال تک نہیں آیا حالانکہ اس معاشرے میں دوسری شادی کرنا نہ بیوی اور نہ اس کے خاندان والوں کے لیے وجہ شکایت تھی۔

جب کفار و مشرکین نے دیکھا کہ اسلام کا پھیلاؤ روز افزوں بڑھتا جا رہا ہے اور کوئی حربہ اور تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوئی تو سات نبوی میں قریش نے اسلام کے تباہ کرنے کا

marfat.com

منصوبہ بنایا اور تدبیر یہ سوچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان والوں کو ایک گھاٹی میں محصور کر دیا جائے اور جب تک بنی ہاشم اور بنی مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ان کے حوالے نہیں کرتے' اس وقت تک ان سے میل جول' بیاہ شادی' لین دین اور بول چال بند کر دی جائے۔ چنانچہ ایک دستاویز تیار کی گئی جس پر قریش کے تمام خاندانوں نے دستخط کر کے اس کی توثیق کر دی اور حرم شریف میں رکھ دی۔ یہ دستاویز منصور بن عکرمہ العبدوی نے لکھی تھی' بعد میں اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔

جب ابوطالب کو اس بات کا پتہ چلا تو مجبوراً تمام خاندان بنو ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہوئے۔ اُم المومنین سیدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ساتھ آئیں۔ مقاطعہ کا یہ فیصلہ بڑا شدید اور ظالمانہ تھا اس کی شدت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا' میں نے اسے پانی سے دھویا' آگ پر بھونا اور پھر پانی میں ملا کر کھایا۔''

تین سال تک بنو ہاشم اس حصار میں رہے' لوگ طلح کے پتے کھا کر گزر اوقات کرتے تھے۔ تاہم اس زمانہ میں سیدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اثر سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا۔

ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھتیجا تھا' تھوڑے سے گیہوں غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجے' راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا۔ اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آ گیا' وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آ گیا۔ ابوجہل سے کہا:

''ایک شخص اپنی پھوپھی کو کھانے کے لیے کچھ بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے؟''

آخرکار قریش کے وہ لوگ جن کے بنو ہاشم اور بنو مطلب سے رشتہ داری کے تعلقات تھے' ان میں سے کچھ رحم دل لوگ اس ظالمانہ معاہدے کے خاتمے کے بارے میں سوچنے لگے۔ چنانچہ ہشام بن عمرو العامری نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

marfat.com

بھائی زبیر بن ابی اُمیہ، مطعم بن عدی، بنواسد کے سردار عاص بن ہاشم اور زمعہ بن الاسود کو اپنا ہمنوا بنالیا اور قریش کی مجلس میں گئے اور زبیر بن ابی اُمیہ نے کہا:

''اللہ کی قسم! میں ہرگز نہ بیٹھوں گا جب تک اس ظالمانہ مقاطعے کی دستاویز پھاڑ نہ دی جائے۔''

ابوجہل چیخ کر بولا:

''وہ ہرگز نہیں پھاڑی جائے گی''

ابوجہل کی مخالفت میں آوازیں بلند ہونے لگیں اور بحث مباحثہ شروع ہوگیا۔

اِدھر شعب ابی طالب میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ قطع رحمی کا جو مضمون تھا، اسے دیمک نے چاٹ کھایا ہے اور صرف اللہ کا نام رہ گیا ہے۔ آپ نے چچا ابوطالب کو بتایا اور فرمایا:

''قریش کے پاس جائیں اور ان کو یہ بات بتائیں''

چنانچہ وہ چند ساتھیوں کے ہمراہ اس مجلس میں گئے جہاں پہلے سے مقاطعے کی دستاویز کو پھاڑنے کے بارے میں گفتگو ہورہی تھی۔

اہلِ مجلس انہیں دیکھ کر خوش ہوئے اور آنے کی وجہ دریافت کی تو کہا:

''تحریر دیمک چاٹ گئی ہے، صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے، دستاویز منگوا کر دیکھ لو اگر میرے بھتیجے کا بیان غلط نکلا تو تمہارے حوالے کردوں گا پھر تمہیں اختیار ہے۔''

ابوطالب کی بات سُن کر حاضرین نے کہا:

''تم نے انصاف کی بات کہی ہے۔''

چنانچہ دستاویز منگوا کر دیکھی گئی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سچی نکلی، سب کے منہ لٹک گئے اور ندامت سے آنکھیں جھک گئیں۔ یہ کہہ کر ابوطالب واپس لوٹ گئے، مجلس میں ابوجہل اور اس جیسے گھمنڈی افراد پر ملامت کی بوچھاڑ شروع ہوگئی اور مقاطعے کے حامی افراد اسلحے سے لیس ہوکر شعب ابی طالب کی طرف گئے اور محصورین سے کہا:

''آپ اپنے گھروں میں جاکر آباد ہوں۔''

marfat.com

چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ اپنے گھر آ گئے۔

ماہِ شوال اور نبوت کا دسواں سال تھا۔ شعب میں محصوری کے بعد جب بنو ہاشم اور بنو مطلب اپنے اپنے گھروں کو آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب جن کی عمر اس وقت اسی (۸۰) سال سے زیادہ تھی، بستر مرگ پر دراز ہوئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''چچا! لا الہ الا اللہ کہہ دیں، روزِ قیامت اس کلمہ کی بدولت شفاعت کر کے چھڑا لوں گا۔''

کہنے لگے:

''اے میرے بھتیجے! اگر مجھے قریش کا یہ ڈر نہ ہوتا کہ وہ میرے بارے میں یہ کہیں گے کہ یہ کلمہ موت کی بے صبری کے خوف کی بناء پر کہہ رہا ہے تو میں یہ کہہ کر آپ کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کر دیتا۔''

پھر ابو طالب نے چند اشعار کہے جن کا ترجمہ ہے:

''آپ نے مجھے دعوتِ اسلام دی اور میں جانتا ہوں کہ آپ ہمیشہ سے میرے ناصح اور خیر خواہ ہیں اور یقیناً آپ کا فرمانا سچ ہے اور آپ اس میں امین ہیں اور آپ نے ایسے دین کو ظاہر کیا جسے میں جانتا ہوں کہ وہ دین ساری مخلوق کے دینوں سے بہتر وافضل ہے اگر مجھے لوگوں کے بُرا بھلا اور ملامت کرنے کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً آپ مجھے قبول کرنے والا اور اسے ظاہر کرنے والا جواں مرد پاتے۔''

اس کے بعد قریش نے واویلا کرنا شروع کر دیا اور کہا:

''اے ابو طالب! کیا تم اپنے باپ دادا کی ملت اور اپنے بزرگوں عبدالمطلب اور عبد مناف کے دین سے برگشتہ ہو رہے ہو۔''

ابو طالب نے کہا:

''نہیں! میں اپنے بزرگوں کی ملت پر ہوں۔''

marfat.com

اور دَم توڑ دیا۔

شعب ابی طالب میں محصوری کے عرصہ میں اُم المومنین سیدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صحت خاصی متاثر ہوئی تھی جب واپس گھر آئیں تو شدید بیمار پڑ گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رفیقہ حیات کے علاج' خبر گری اور دلجوئی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی مگر وقت معین آ گیا تھا۔ ابوطالب چچا کی موت کے ایک ماہ پانچ دن بعد گیارہ رمضان دس سال نبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ نے اس دنیا سے منہ موڑ لیا اور اپنے رحیم و کریم' رؤف الرحیم' شوہر اور کملی والی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دَم توڑ دیا اور راہی ملک عدم ہوئیں اس وقت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر پینسٹھ (۶۵) سال تھی اور ربع صدی اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت اور خدمت گزاری میں بسر کی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو عام الحزن یعنی غمی کا سال فرمایا۔

ابن ابی رواد سے روایت ہے جو اسد الغابہ میں منقول ہے کہ جب حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مرض موت کے دوران میں جب انہیں بہت تکلیف تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''خدیجہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں ہی ان تکالیف کو بہ طیب خاطر برداشت کرنے کی ترغیب نہیں دے رہا ہوں بلکہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان تکالیف میں تمہارے لیے خیر کثیر رکھ دی ہے مجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی زندگی کے لیے تمہیں مریم دختر عمران' کلثوم' ہمشیرہ موسیٰ علیہ السلام اور آسیہ زوجہ فرعون کو میرے نکاح میں دے دیا ہے۔''

سنا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا سچ مچ؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! ایسا ہی ہے''

marfat.com

تو اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''بال بچوں سمیت''

اور پھر انہوں نے اَجل کو لبیک کہا۔

سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد ان کا جنازہ بمقام جحون کی طرف لے گئے' یہ جگہ مکے کا وہ بالائی مقام ہے جہاں اہلِ مکہ کا قبرستان ہے جسے ''معلیٰ'' کہتے ہیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اُترے اور اپنے ہاتھوں سے اپنی غم گسار بیوی کو سپردِ خاک کیا اس وقت تک نمازِ جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی اس لیے ان کی لاش کو اسی طرح دفن کر دیا گیا۔

اُم المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بہت سے عزیز و اقارب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں میں تھے۔ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحابیہ تھیں اور ان کے فرزند حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحب زادی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر تھے۔ دوسری ہمشیرہ رقیقہ یا رقعیہ تھیں' ان کی بیٹی اُمیہ بنت عبدؓ صحابیہ تھیں جن سے روایت حدیث ان کی بیٹی حکیمہؓ اور محمد بن المنکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے برادرِ حقیقی عوام تھے جن کے فرزند زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حواری رسول اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

اُم المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سے تاریخ اسلام میں ایک جدید دور شروع ہوا یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ تھا اب کفار و مشرکین مکہ نے دانت اور بھی تیز کر لیے تھے اور مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دینے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے میں انتہا کر دی۔

جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی' ایمان ظاہر ہو گیا اور اس کا چرچا ہونے لگا تو کفار و قریش کے بہت سے لوگوں نے اپنے قبیلے کے مومنین پر حملہ کر دیا' ان پر عذاب کیا' قید کر دیا اور انہیں دین سے برگشتہ کرنا چاہا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

marfat.com

''روئے زمین پر منتشر ہو جاؤ''

عرض کی:

''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کہاں جائیں؟''

فرمایا:

''حبشہ''

اور پھر مسلمانوں نے قافلوں کی صورت میں اور انفرادی حیثیت سے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ ہجرت ثانی کے بعد ہجرت مدینہ کا حکم دیا اور پھر تیرہ سال مکہ میں توحید و رسالت کا پیغام دینے کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ ہجرت فرما گئے جس کا قدیم نام یثرب تھا جہاں ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی لیکن ہجرت سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس نبوت میں ہی حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کر لی تاکہ وہ بچوں کی دیکھ بھال کر سکیں اور خود نبوت کی ذمہ داری کو بطریق احسن سرانجام دے سکیں اس وقت سیدہ سودہؓ کی عمر پچاس سال تھی اور بچیوں کی دیکھ بھال کے لیے یہی مناسب تھیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی کنواری سے بھی شادی ہو سکتی تھی۔

کسی تحریک کے احیاء کے موقع پر جبکہ وہ موجودہ تمام تحاریک سے جداگانہ ہو' بہت سی مشکلات اور طوفان کے سمندر عبور کرنے پڑتے ہیں جس تاریک معاشرے میں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے' وہاں صدیوں پرانے نظام اور اصنام پرستی کے خلاف ایک اللہ کے تصور کو اُجاگر کرنا بے حد کٹھن و دشوار کام تھا۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق اس بات پر شاہد ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو مصائب و آلام کے کن کن مراحل سے گزرنا پڑا اس وقت جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا' ان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کو راحت و سکون سے ہمکنار کرنے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانیوں کو بانٹنے' ترویج اسلام کے لیے مال و دولت کی فراہمی کی سعادت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نصیب میں

marfat.com

آ ئی تھی۔ آپ ہر مشکل سے مشکل مقام پر اپنے شوہر کے ساتھ تھیں اور ان کو راضی رکھنا مقصد حیات تھا۔ چنانچہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی زوجہ اطہر کا بے حد خیال رکھتے تھے' ان کی موجودگی میں دوسری شادی کا کبھی سوچا تک نہیں اور جب وہ اپنے اللہ کو پیاری ہوگئیں تو ساری عمران کا کسی نہ کسی طرح ذکر ہوتا رہا اور ان سے تعلقات رکھنے والوں کے ساتھ محبت وشفقت کے ساتھ پیش آتے رہے کیونکہ دوستی اور پاس عہد ایمان کی علامت ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لگاؤ اور محبت کی وجہ سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رشتہ داروں اور ان کی سہیلیوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ جب بھی قربانی کرتے تو سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کو گوشت بھجواتے اور بعد میں کسی اور کو دیتے۔

ایک مرتبہ کوئی بوڑھی عورت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اخلاق کے ساتھ بڑی نرمی سے پوچھا:

''ہمارے بعد تمہارا کیا حال رہا؟''

جب وہ چلی گئی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی:

''یہ بڑھیا کون تھی؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلی حسانہ تھی جسے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے محبت تھی۔''

بروایت بخاری ایک مرتبہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ ہالہ بنت خویلد آئیں اور انہوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز سن کر فوری متوجہ ہوگئے اور فرمایا:

یا اللہ! یہ ہالہ ہوں''

کیونکہ ان کی آواز سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آواز سے مشابہ محسوس ہوتی تھی۔

marfat.com

بدر کے قیدیوں میں رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بن ربیع بھی تھے جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے‘ قیدیوں کے دوسرے رشتہ داروں کی طرح سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے زرفدیہ میں وہ ہار بھیجا جو اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی بیٹی کی شادی کے موقع پر جہیز میں دیا تھا اس ہار کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہوگئی‘ آنکھیں نم آلود ہوگئیں۔ صحابہ کرام سے فرمایا:

’’بہتر ہے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قیدی فدیہ کے بغیر ہی چھوڑ دیا جائے۔‘‘

چنانچہ اسے فدیے کے بغیر اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ مکے جا کر سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔

سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کیا کرتے تھے‘ ایک بار خوب تعریف کی تو سیدہ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رشک آیا‘ عرض کیا:

’’یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! وہ ایک بڑھیا بیوہ خاتون تھیں‘ اللہ نے ان کے بعد بہتر بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی ہیں۔‘‘

سنا تو چہرۂ مبارک پر ناگواری کے اثرات نمایاں ہوئے‘ فرمایا:

’’اللہ کی قسم! انہوں نے میری تصدیق کی جب سب نے مجھے جھٹلایا‘ انہوں نے اپنا زر و مال مجھ پر قربان کیا جب دوسروں نے مجھے محروم کیا۔ اللہ نے ان کے بطن سے مجھے اولاد دی۔‘‘

یہ سُن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

’’یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! آئندہ ایسی بات نہیں کہوں گی۔‘‘

اُم المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ صحیحین میں ہے:

’’عالم میں افضل ترین عورت مریم علیہا السلام اور خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔‘‘

marfat.com

اُم المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حکمتِ نکاح

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے وقت گھر میں دو چھوٹی بچیاں حضرت اُمِ کلثوم اور حضرت فاطمہ تھیں۔ ان کی دیکھ بھال، نگہداشت اور تربیت کے لئے ایسی عورت سے شادی کی ضرورت تھی جو صالح، متقی، سمجھ دار، سلیقہ شعار، روحانی و اخلاقی لحاظ سے بلند مقام، تجربہ کار اور عمر رسیدہ ہو۔ یہ تمام اوصاف حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں موجود تھے۔ ترویج دین میں جو انہوں نے کردار ادا کیا مثالی تھا۔ اور اسلام کی خاطر جو تکالیف برداشت کیں الم نشرح تھیں۔ جب وہ بیوہ ہوئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے حبالہ عقد میں لے کر ان کی اسلامی خدمات کی جزا دی۔

marfat.com

نصف دیں اُن کے توسط سے ملا ہے دوستو
چاندنی دین متیں ہیں اُمہات المؤمنین

marfat.com

حالاتِ زندگی

دورِ جاہلیت کے گھٹاٹوپ اندھیرے ہر سو محیط تھے' عصبیت' نفرت' قتل و غارت' معاشی ناہمواریوں' سماجی برائیوں اور اخلاقی انحطاط نے ہر سو ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ قبائلی نظام کے اندر زندگی اور قبائلی نظام کے باہر موت نظر آتی تھی' شیطان کی ہر سو حکمرانی تھی' انہیں تاریک و سیاہ فضاؤں میں سکران بن عمرو اور اس کی بیوی سودہ بنت زمعہ اپنی ازدواجی زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے رشتہ دار بھی تھے۔ سودہ کا شوہران کے چچا کا لڑکا تھا۔

سودہ بنت زمعہ کا تعلق قریش کے ایک معزز خاندان عامر بن لوی سے تھا اور والدہ کا نام شموس بنت قیس تھا۔ سودہ کے نانا ''قیس'' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کی بیوی سلمٰی کے بھائی تھے جن کا تعلق یثرب کے قبیلہ بنونجار سے تھا اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور (حضرت) سودہ کی ننھیال ایک ہی بنتی ہے۔

خاندانی شرافت ونجابت انسانی فطرتوں اور طبیعتوں پر اثر انداز ہوتی ہے لہٰذا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خاندانی تعلق و واسطہ ہی کا نتیجہ تھا کہ سودہ طبعاً ایک صالح' حق پسند اور دُور اندیش خاتون تھیں۔ زندگی میں درپیش مسائل جب بھی سر اُٹھاتے تو وہ ان سے بڑی دانش مندی و دُور اندیشی سے نبرد آزما ہوتی تھیں۔

''یہ بھی کیا زندگی ہے''

کبھی کبھی ایک خیال ان کے ذہن کے پاتال پر اُبھرتا' وہ قدرے اس پر غور و فکر کرتیں جب کوئی جواب نہ ملتا تو خالی نظروں سے خلاؤں میں گھورنے لگتیں جیسے کسی روشنی

marfat.com

کی تلاش ہو لیکن کفرو الحاد کے اندھیرے راستے میں حائل ہو جاتے۔ سوچیں ان اندھیروں میں حق کا راستہ تلاش کرنے سے قاصر رہتی تھیں۔

''اس زندگی کا کوئی مقصد تو ہوگا' انسان مر کر کہاں چلا جاتا ہے' کیا یہ لات وہبل بھی کسی کو زندگی اور موت دے سکتے ہیں جو خود بے جان اور انسانی ہاتھوں کے تراشے ہوئے ہیں۔''

بعض دفعہ سوچوں کا دھارا اس طرف بہنے لگتا اور کافی دیر تک اور کافی دُور تک بہتا رہتا تھا اور پھر نہ جانے کہاں گم ہو جاتا تھا۔ شاید یہ روح کی تشنگی تھی جو حق کے پانیوں سے اپنی پیاس بجھانا چاہتی تھی اور وہ دماغ کو مجبور کر رہی تھی کہ سوچو۔

''یہ زندگی بے مصرف و بے مقصد نہیں ہے اس کے ایک ایک لمحے کی باز پرس ہوگی۔''

ایک دن میاں بیوی بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ معاً سودہ کے ذہن میں پھر خیالات کا ہجوم ہونے لگا۔

''سکران! جس ماحول میں ہم سانس لے رہے ہیں' کیا تم اس سے مطمئن ہو؟''

سودہ نے دریافت کیا تو وہ اجنبی نظروں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب؟''

اس نے وضاحت طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:

''کیا تمہیں ایسے ماحول میں گھٹن محسوس نہیں ہوتی جہاں خون کی ارزانی' گناہ و عصیاں کی فراوانی اور نفرتوں کی حکمرانی ہو؟''

سودہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''اسی ماحول میں ہمارے باپ دادا بھی سانس لیتے رہے ہیں جب سے ہوش سنبھالا ہے اسی ماحول کو دیکھا ہے۔''

سکران نے کہا اور پھر قدرے توقف سے بولا:

''تمہارے ذہن میں اگر کوئی بہتر صورت موجود ہے تو بتاؤ۔''

marfat.com

''یہی تو مشکل ہے کہ جو سوالات میرے دل و دماغ میں جنم لیتے ہیں' میں ان کا کوئی حل نہیں بتا سکتی لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ جو زندگی ہم گزار رہے ہیں اس کا انجام بڑا بھیانک ہے۔''

وقت کا دریا بہتا رہا' سودہ بنت زمعہ اور سکران بن عمرو پُر سکون اور محبت بھری زندگی گزارتے رہے' کبھی کبھی سکران کے ذہن میں بھی اب سودہ جیسے خیالات و افکار وارد ہو کر اسے سوچنے پر مجبور کر دیتے اور بسا اوقات میاں بیوی آپس میں تبادلہ خیالات بھی کرتے اور دل کا بخار نکال کر پھر اپنی روزمرہ کی زندگی میں مگن ہو جاتے تھے۔

سودہ جس اندھیرے ماحول میں زندگی کے دن گزار رہی تھیں اس کا تو انہیں ادراک تھا لیکن انہیں اس بات کی خبر نہ تھی کہ وہ روشنی اور نور جس نے نہ صرف اس خطہ عرب کو بقعہ نور بنانا ہے بلکہ ساری دنیا کو روشن و منور کرنا ہے' وہ مکہ مکرمہ میں موجود ہے۔ ممکن ہے اس روشنی اور نور کو مکہ کے گلی کوچوں میں چلتے پھرتے کئی بار دیکھا ہو۔ وہ حضرت عبدالمطلب کے پوتے اور حضرت عبداللہ کے لختِ جگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے' اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب' سید الانبیاء' رحمۃ اللعالمین' حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جن کی صداقت و امانت کی شہرت سے کوئی کان نا آشنا نہ تھا اس شہرت یافتہ ہستی کے متعلق سودہ اور ان کے خاوند سکران بن عمرو نے بھی سنا تھا۔ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانے سے پہلے اس کی صفاتِ عالیہ کو گھر گھر میں پہنچا دیا تھا تاکہ وہ اعلانِ نبوت فرمائیں تو لوگ ان کی صداقت و امانت کی گواہی دیں اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں:

''کیا ایسی صادق و امین ہستی جھوٹ بول سکتی ہے؟''

اور جو حقیقت پسند طبیعتیں تھیں ان کا قدرتی رجحان اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا جنہوں نے ابھی اعلانِ نبوت تو نہیں کیا تھا البتہ ان لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب اگر کبھی چند ثانیوں کے لیے میسر آ جاتا تھا تو لازوال سکون و راحت محسوس کرتے تھے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس برس کی ہوئی تو بحکم الٰہی آپ

marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو اسی وقت تین گروہ معرضِ وجود میں آ گئے۔

اوّل مومنین کا گروہ: یہ وہ سلیم الفطرت، حق پسند لوگ تھے جو ایثار و قربانی، عشق و محبت اور صبر و شکر کے اوصاف سے متصف تھے اور جلد یا بدیر انہوں نے خود کو دینِ اسلام سے وابستہ کر لیا اور دامانِ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم میں دنیا و آخرت کے انعامات و اکرام سے جھولیاں بھرنے لگے۔

دوسرا کفار کا گروہ: انہوں نے انکار و کفر کا راستہ اختیار کیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں اور دینِ اسلام کو گلے لگانے والوں پر ایذاء رسانیوں اور مصائب و آلام کے دروازے کھول دیئے اور ان پر ظلم و بربریت کے ایسے پہاڑ توڑے کہ سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ لوگ اپنی کفر و مخالفت کی روش پر قائم رہے اور جہنم کے خریدار بنے رہے یہاں تک کہ اپنے انجام بد کو پہنچے۔

تیسرا منافقین کا گروہ: ان لوگوں نے حق کو سنا لیکن ذاتی مفادات و خواہشات کے تحت اپنے ظاہر و باطن پر دو چہرے سجا لیے اور مکر و فریب، دھوکہ و جھوٹ اور تضاد و اختلاف کو اپنا شعار بنایا اور اسفل السافلین کے درجے پر پہنچے اور دنیا و آخرت میں راندہ درگاہِ ربی و مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے اور دنیا و دین کو ہاتھ سے کھو کر ابدی خسران کو گلے لگایا۔

اب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا گھر گھر چرچا ہونے لگا۔ حضرت محمد بن عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق اہلِ مکہ کے سامنے کھلا ہوا تھا، دشمن سے دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت و نجابت، امانت و دیانت کا قائل تھا۔

سودہ بنت زمعہ کے اندر جس روشنی و نور کی تلاش کے پاکیزہ جذبات اُبھرتے رہتے تھے اور جس میں انہوں نے اپنے خاوند سکران بن عمرو کو بھی شامل کر رکھا تھا، ان پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت نے بڑا مثبت اثر ڈالا۔

''سکران! مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جس روشنی کا میں تم سے ذکر کیا کرتی تھی، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت فرمانے کے ساتھ ہی جیسے وہ میرے وجود کے

marfat.com

اندر رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہو۔"

سودہ نے ایک دن اپنے خاوند سے کہا:

"میں بھی ایسا محسوس کرتا ہوں۔ لگتا ہے جیسے مستقبل قریب میں دنیا جہان میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوگا اور ہر گھر اللہ کی توحید اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے نور سے جگمگا اُٹھے گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی سلیم الفطرت اور حق شناس لوگ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ سودہ بنت زمعہ کا دل جو پہلے ہی سے نورانی شعاعوں کا متلاشی تھا' اوائل بعثت میں ہی بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور بصد ادب و نیاز عرض کی:

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی اپنے غلاموں اور کنیزوں کی صف میں شامل فرمائیں۔"

اور پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت لے لی۔

ان دنوں جبکہ ابتدائے اسلام کا دور تھا' اسے قبول کرنے کا واضح و صریح مطلب یہ تھا کہ ہم نے نظامِ حیات بدل لیا ہے' کئی خداؤں کی بہ نسبت ایک اللہ کو مان لیا ہے' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو تسلیم کر لیا ہے' مکہ کی سماجی و قبائلی زندگی کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے مترادف تھا لہٰذا جو لوگ ایسا کرتے تھے' ان پر شدائد و مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے جاتے تھے لیکن ان لوگوں کی جرأت' استقلال' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت' اللہ کی وحدانیت کو حرز جان بنانے اور مصائب شدائد کے باوجود دین متین سے انحراف نہ کرنے والوں کو سلام جنہوں نے حق کا بول بولا کیا اور اپنے قول و فعل سے تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی۔ انہیں مبارک و مسعود ہستیوں میں حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شمار ہوتا ہے لہٰذا تاریخ کے اوراق اس بات پر شاہد ہیں کہ اسلام کے ابتدائی تین سالوں میں جن اشخاص و ہستیوں نے اپنی جرأت کا برملا اظہار کیا' ان کی تعداد ۴۰ ہے ان میں حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسم پاک نمایاں ہے۔

marfat.com

قبیلہ عامر بن لوی کی آپ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ ایمان لانے کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے میکے اور سسرال میں تبلیغ حق کرنا شروع کر دی اس کا ان کے خاندان والوں پر خاطر خواہ اثر ہوا لہٰذا ان کے مساعی جمیلہ سے خاندان کے کئی لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے' ان کے اسماء مبارک یہ ہیں:

(۱) حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شوہر)

(۲) حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ (دیور کے بیٹے)

(۳) حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ (دیور)

(۴) حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ (دیور)

(۵) حضرت فاطمہ بنت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (دیورانی اور حضرت سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ)

(۶) حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بھائی)

(۷) حضرت ابو برہ بن ابی ارہم رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ کے صاحبزادے)

مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہونے کی وجہ سے ان پر کفار و مشرکین سختیوں اور اذیتوں کے نت نئے دروازے کھول رہے تھے اور ان سے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر مستثنیٰ نہ تھے۔ منکرین حق ان کے خاندان و عزت کا بھی خیال نہ کرتے تھے لیکن ان ہر دو حضرات کی جبیں مقدس پر شکن تک نمودار نہیں ہوئی کیونکہ وہ اب غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے اور غلام اپنے آقا پر جانیں قربان کر دیا کرتے ہیں۔

مظلوم مسلمان کفار کی سختیاں سہتے سہتے عاجز آ گئے تھے' نہ کفار کے خوف سے کہیں چل پھر سکتے تھے اور نہ عبادت کر سکتے تھے اس لیے ان کو ایسی جائے پناہ کی تلاش تھی جہاں وہ کچھ اطمینان و سکون حاصل کر سکیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم لوگ فی الحال حبشہ کو ہجرت کر جاؤ' وہاں کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے'

marfat.com

وہ تم کو آرام سے رکھے گا۔"

حکم پاتے ہی ایک خاص تعداد ہجرت کے لیے آمادہ ہوگئی اور مسلمانوں کا یہ پہلا مصیبت زدہ قافلہ اللہ کی راہ میں غریب الوطن ہوا اس قافلے میں ۱۱ مرد اور ۴ خواتین تھیں لیکن اس میں حضرت سودہ بنت زمعہ اور ان کے شوہر حضرت سکران بن عمرو شامل نہ ہوئے' وہ بدستور کفارِ مکہ کی سختیاں جھیلتے رہے مگر انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بدستور تبلیغ حق میں مصروف رہیں اس وقت ان کی عمر تقریباً ۴۵ سال تھی۔

حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صلب سے ایک لڑکا بھی تھا اس کا نام عبدالرحمٰن تھا اگرچہ بچہ دونوں میاں بیوی کی محبت و شفقت کا مرکز تھا لیکن دینِ اسلام کی خاطر جو خدمات حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرانجام دے رہی تھیں' ان میں بچے کی موجودگی سے رَتی بھر فرق نہیں پڑا تھا اور نہ ہی اولاد کو اسلام کے آڑے آنا چاہیے یہی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین سے محبت کا ثبوت ہے۔

پہلی ہجرت کے بعد لوگ مسلسل بطرف حبشہ ہجرت کرتے رہے' کفا مکہ نے شاہ حبشہ کے پاس ایک سفارت بھیجی کہ وہ اپنے ملک میں مقیم مسلمانوں کو واپس کر دے مگر سفارت ناکام ہوگئی جس نے کفار و مشرکین مکہ کو اور سیخ پا کر دیا اب وہ پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں کو ایذا و اذیت دینے لگے' وہ کب برداشت کر سکتے تھے کہ مسلمان حبشہ میں امن و سکون سے زندگی بسر کریں اب انہوں نے مسلمانوں کی راہ میں طرح طرح کے روڑے اٹکانے شروع کر دیئے۔

اندریں حالات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پھر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی مگر اس مرتبہ پہلے کی طرح آسانی سے قافلے کا جانا دشوار تھا۔ کفار نے سخت مزاحمت کی' طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا شروع کیں تاہم ۸۳ مردوں اور ۲۰ عورتوں پر مشتمل قافلہ پھر حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ طبقات ابن سعد دوسری ہجرت کے وقت مہاجرین کی تعداد ایک سو تین بتاتی ہے جس میں ۸۳ مرد اور

marfat.com

۲۰عورتیں تھیں اور یہی درست ہے۔

دوسری ہجرت میں جانے والوں کی فہرست میں حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر بھی شامل تھے' ان کے قبیلے نے سخت مزاحمت و مخالفت کی کہ وہ حبشہ ہجرت نہ کریں اور اس امر کی کوشش کی کہ اگر چلی بھی جائیں تو عزیز و اقرباء میں سے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ اور کوئی نہ جائے لیکن جس طرح اولوالعزم اور عالی ہمت حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام کی تبلیغ و تعلیم کے ذریعے چند ایک افراد کو دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہونے پر قائل کر لیا تھا اور وہ مسلمان ہو گئے تھے اسی طرح ان کی مساعی جمیلہ سے اہلِ قبیلہ و خاندان کے بعض لوگ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سوئے حبشہ ہجرت کر گئے' ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حضرت سکران بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر نامدار)

(۲) حضرت ابوبرہ بن ابی ارہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی)

(۳) حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دیور سہیل بن عمرو کی بیٹی)

(۴) حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ (سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دیور کا بیٹا)

(۵) حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دیور)

(۶) حضرت ابوحاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دیور)

(۷) حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی)

(۸) حضرت عمیرہ بنت السعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھابی)

marfat.com

باوجود قبیلے اور خاندان کی سخت مخالفت کے مذکورہ حضرات کو اپنے ساتھ حبشہ لے جانے کا واقعہ اس امر کا غماز ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے قبیلے اور خاندان میں کس قدر معزز' مؤثر اور قابلِ اعتماد تھیں اور وہ لوگ ان کا کتنا احترام کرتے تھے۔

زندگی میں پیش آنے والا ہر چھوٹا بڑا واقعہ اپنا اثر ضرور رکھتا ہے۔ مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا اس نے مکی نظامِ حیات کو تلپٹ کر کے رکھ دیا تھا' ایک گھر کے اندر رہنے کے باوجود نظریہ حیات میں تبدیلی کی وجہ سے ان میں بعد المشر قین پیدا ہو گیا تھا۔

دعوتِ توحید و رسالت رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں اپنا رنگ جما رہی تھی' اسلام ایک ضابطہ حیات تھا جو اپنے اندر بنی نوع انسان کو دعوتِ فکر و انقلاب دے رہا تھا اور جن لوگوں نے اسے قبول کیا تھا' ان کی زندگیوں سے لوگ بخوبی اندازہ لگا رہے تھے کہ مسلمانوں کے اندر کفر کے اندھیروں کی جگہ اسلام کا نور' ناانصافیوں کی جگہ انصاف پسندی' عدم مساوات نے مساوات کا رنگ قبول کر لیا تھا اور مشرکانہ گندگیوں اور نجاستوں سے وہ پاک و منزہ ہو گئے تھے۔ نتیجتاً اس انقلاب آفریں آواز کو دبانے کے لیے مشرکین اور مکہ کے سرکردہ افراد نے کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اسلام کو قبول کر لینے سے ان کا وقار و عزت برقرار نہیں رہے گا جو کہ ان کی غلط سوچ کی غمازی کرتا تھا۔

قرآن پاک میں ہے کہ جب حق آتا ہے تو باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے۔ یہی حال مخالفین دین متین کا تھا جو نفسیاتی و اخلاقی شکست سے دوچار تھے اور اللہ کے دین کے پھیلتے ہوئے اثرات کو دُور کرنا ان کے بس کی بات نہ رہی تھی۔

قریش کا کوئی سردار و معزز ایسا نہ تھا جس کی بیٹی یا بیٹا' بھائی یا بہن یا کوئی اور قریب ترین عزیز رشتہ دار اسے داغِ مفارقت نہ دے گیا ہو' وہ انہیں اسلام قبول کرنے اور ہجرت سے باز نہ رکھ سکے' ان کی سختیاں' ان کی تدبیریں سب بے وقعت ثابت ہوئیں اور ان کی غرور و تکبر سے اکڑی ہوئی گردنیں جھک گئیں۔

marfat.com

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبیلے قیس بنی لوی میں سہیل بن عمرو ایک بااثر اور ممتاز سردار تھا' کوئی اس کی بات کو رد کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا' اسلام دشمنی میں بڑا پیش پیش تھا' شخصیت بھی بڑی رعب و دبدبہ والی تھی' زبردست شعلہ بیان تھا اور اس کی زبان اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خوب چلتی تھی لیکن طرفہ تماشا دیکھیں کہ ہجرت میں اس کی بیٹی بھی گئی اور بیٹا بھی' بھائی بھی گیا اور بھاوج بھی۔ یہی حال دوسرے سردارانِ قریش کا تھا اور ان کا غرور و گھمنڈ خاک میں مل کر رہ گیا تھا' وہ اپنی سوچوں کی آگ میں جل کر بھسم ہو رہے تھے کہ نہ صرف اہلِ وطن بلکہ دوسرے ملک کے لوگ بھی ان کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہوں گے کہ کتنے ظالم اور قطع رحم کرنے والے ہیں کہ اپنے ہی بیٹوں اور بیٹیوں کو دیس بدر ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

وطن سے دُور مسلمان حبشہ میں بڑے سکون و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے' وہ اذیت ناک ماحول نہیں تھا جہاں سانس لینا بھی دشوار تھا۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کا شوہر سکران بن عمرو بھی اطمینان سے زندگی کے دن پورے کر رہے تھے لیکن اکثر و بیشتر انہیں مکہ کے گلی کوچے یاد آتے تھے جہاں انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ گزارا تھا' سب سے زیادہ دُکھ اور قلق حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تھا کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے محروم تھیں۔

''ہمیں مکہ میں ہی رہنا چاہیے تھا''

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کئی بار اپنے خاوند سے اس بات کا اظہار کیا تھا۔

''حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں تکلیف میں ہیں' وہ تکالیف برداشت کریں اور ہم یہاں آرام سے رہیں' یہ کیسی محبت ہے؟''

ایک دن انہوں نے اپنے خاوند سے کہا:

''یہ بات تو ہے''

حضرت سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا اور پھر بولے:

marfat.com

''آخر اور بھی تو مسلمان وہاں رہ رہے ہیں''

''کافی عرصہ ہوا کہ ہم یہاں آئے تھے لیکن دل کو جو سکون ہونا چاہیے' وہ مفقود ہے۔ شاید حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دُوری کی وجہ سے ہے۔''

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اور کسی سوچ میں مستغرق ہو گئیں پھر فیصلہ کن انداز میں بولیں:

''ہمیں واپس چلے جانا چاہیے۔''

دوسرے مسلمان بھی کچھ انہیں خطوط پر سوچ رہے تھے جن پر حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کا شوہر سوچ رہے تھے لہٰذا مہاجرین کی کثیر تعداد مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی' ان واپس لوٹ آنے والوں میں حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے سب خاندان والے بھی شامل تھے۔

۱۰ رمضان المبارک ۱۰ نبوت میں یعنی ہجرت مدینہ سے تین سال قبل حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اطہر حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا اور پچیس سالہ رفاقت ٹوٹ گئی' ان سے چند روز قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اس دنیا سے کوچ کر گئے لہٰذا اس سال کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام الحزن یعنی سال غم کا نام دیا۔

بیوی کے وصال کے وقت گھر میں دو چھوٹی بچیاں حضرت اُم کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جن کی دیکھ بھال کرنے والا گھر میں کوئی نہ تھا' گھر کے نظام میں یکا یک تبدیلی آ گئی تھی جس سے کسی حد تک تبلیغی سرگرمیاں بھی متاثر ہوئیں۔

اب کفار و مشرکین اور بھی دلیر ہو گئے تھے' انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ ایک دن قریش کے ایک اوباش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر مٹی پھینک دی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں گھر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچیوں نے دیکھا تو انتہائی صدمہ ہوا اور

marfat.com

رونے لگیں۔ ایک بچی اپنے ننھے منے ہاتھوں سے اپنے ابا جان صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھونے لگی اور ساتھ ساتھ روتی بھی جاتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حوصلہ و تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

''بیٹی رو نہیں' اللہ تعالیٰ تیرے باپ کا حامی و ناصر ہے۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں نماز پڑھ رہے تھے قریش کے سردار وہاں بیٹھے دیکھ رہے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے کی نئی نئی ترکیبیں سوچ رہے تھے۔ اسی اثناء میں جہنمی ابو جہل بولا:

''کون ہے جو فلاں کے گھر سے ایک دن پہلے کی ذبح کی ہوئی اونٹنی کی اوجھ اُٹھا لائے اور اس شخص کی پیٹھ پر سجدے کی حالت میں رکھ دے۔''

ابو جہل نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارے کرتے ہوئے کہا۔

''یہ کام میں کرتا ہوں''

عقبہ بن ابی معیط نے کہا اور اُٹھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اوجھ اُٹھائے ہوئے آ گیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اس بدبخت نے اوجھ ان کی پشت پر رکھ دی جس کے بوجھ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے سے سر نہ اُٹھا سکے۔ یہ حالت دیکھ کر قریش کے یہ غلیظ و بدبخت لوگ قہقہے مارنے لگے' اتنے میں کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جا کر بتایا تو بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھاگی بھاگی تشریف لائیں' رو رہی تھیں اور اپنے چھوٹے ہاتھوں سے گندگی کا یہ بوجھ اپنے ابا جان کی پشت سے اُتار پھینکا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں ابو جہل' ابولہب' ولید بن مغیرہ' نضر بن حارث' عاص بن سعد' عقبہ بن ابی معیط وغیرہ لوگ رہتے تھے' یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز رشتہ دار بھی تھے۔ وہ اکثر و بیشتر اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ اور ذبح شدہ بکریوں اور بھیڑوں کے اوجھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پھینک دیا کرتے تھے اور یہ حرکت وہ

marfat.com

خاص طور پر اس وقت کرتے تھے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یادِ حق میں مشغول ہوتے یا گھر میں کھانا تیار کیا جا رہا ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گندگی کو کسی چھڑی یا سوٹی وغیرہ پر اُٹھا کر باہر لاتے اور اونچی آواز سے فرماتے:

''اے بنی عبدمناف! کیا پڑوس کا یہی حق ہے جو تم ادا کر رہے ہو؟''

اور پھر اس نجاست کو باہر پھینک دیتے تھے۔

شر و فساد کے علمبرداروں نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا کہ اللہ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح تبلیغ حق سے رُک جائے' ان کم بختوں کو یہ علم نہیں تھا کہ جس عظیم ہستی کے وہ درپے آزار ہیں' ان کی خاطر تو کائنات وجود میں آئی ہے۔ پیغمبروں نے اپنی نبوت و رسالت کے عوض حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی بننے کی دعائیں کی تھیں' انھیں کی اطاعت اللہ کی اطاعت تھی اور ان کا دشمن اللہ کا دشمن تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے تبلیغ حق کا جو فریضہ اپنے محبوب و حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپا تھا اس کو شر پسندوں' امامین گمراہان کی چیرہ دستیاں کیسے ختم کر سکتی تھیں۔

اندریں حالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے باہر قبائل کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خادم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ طائف پہنچے تاکہ وہاں کے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں لیکن انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف شہر سے نکل جانے کا حکم دیا بلکہ اوباش و آوارہ لڑکوں کو پیچھے لگا دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر اور روڑے پھینکتے تھے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک لہولہان ہو گئے۔ عہد رسالت کا یہ سب سے مشکل اور کٹھن دن تھا' آپ شہر سے باہر عتبہ و شیبہ کے انگوروں کے باغ میں جا کر بیٹھ گئے اور بارگاہِ رب العزت میں یوں دعا کی:

''اے بار الٰہ! تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے تو ہی درماندہ اور عاجزوں کا حامی و ناصر ہے' میرا مالک بھی تو ہے اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں کیونکہ تیری حفاظت و عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے' مجھے تیری ہی رضامندی اور

marfat.com

خوشنودی مقصود ہے۔"

ابھی دعا ختم ہی ہوئی تھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مع حضرت میکائیل علیہ السلام کے حاضر ہوئے اور عرض کی:

"اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فریاد سُن لی' میرے ساتھ حضرت میکائیل ہیں۔" حضرت میکائیل علیہ السلام نے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سلام عرض کیا اور پھر کہا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر حکم ہو تو دو پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور اہلِ طائف کو ان میں پیس کے رکھ دوں۔"

سماعت فرمایا تو ارشاد فرمایا:

"نہیں! یہ لوگ نہیں جانتے کہ میرا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے اگر یہ نہیں تو ان کی اولاد مجھے تسلیم کرلے گی۔"

مسلمانوں کو سب علم تھا کہ ان کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کو کس کس طرح تکالیف پہنچائی جارہی ہیں لیکن بے بس تھے اور کچھ کرنے سے قاصر تھے اس کے علاوہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک رکھا تھا کہ جب تک اللہ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہیں ہوتا' وہ صبر وتحمل سے کام لیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کا شوہر بھی ان واقعات کو سُن کر دل ہی دل میں کڑھتے تھے' رنجیدہ ہوتے تھے' آنکھوں میں آنسو آتے تھے مگر خاموش تھے' کچھ کرنے سے قاصر تھے۔

ایک دن حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خواب سے بیدار ہوئیں تو انہوں نے اپنے شوہر حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

"سکران! رات میں نے خواب دیکھا ہے"

"کیا؟"

وہ ہمہ تن گوش ہوگئے۔

"میں نے دیکھا کہ ہادیٔ برحق نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور آپ

marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں مبارک میری گردن پر رکھ دیئے ہیں۔''

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب سنایا تو ان کے شوہر گویا ہوئے:

''کیا واقعی تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟''

''ہاں!''

بیوی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

''اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں اس دار فانی کو چھوڑ جاؤں گا اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آ جاؤ گی۔'' خواب کی تعبیر سُن کر حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاموش ہو گئیں۔

چند دنوں کے بعد انہوں نے پھر ایک خواب دیکھا تو اپنے شوہر سے کہا:

''سکران! آج رات میں نے پھر خواب دیکھا ہے۔''

''کیا؟''

سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا۔

''کیا دیکھتی ہوں کہ لیٹی ہوئی ہوں، آسمان پر چاند چمک رہا ہے، اچانک وہ ٹوٹا اور مجھ پر آ پڑا۔''

خواب سننے کے بعد حضرت سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے:

''سودہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیا تم نے ایسا ہی دیکھا ہے؟''

''بالکل ایسے ہی جیسے سنایا ہے۔''

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا تو بولے:

''اس کا مطلب ہے کہ میں بہت جلد دار فنا سے دار بقا کو سدھاروں گا اور رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم تم سے نکاح کر لیں گے۔''

اسی دن سے حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار پڑ گئے اور پھر چند دنوں کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کوہِ غم گر پڑا اور بیوہ ہو گئیں اس وقت ان کی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔

marfat.com

حضرت خولہ بنت حکم ان خواتین میں سے تھیں جنہوں نے اپنا نفس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف کر دیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں توقف اختیار کیا اور کوئی فیصلہ صادر نہیں فرمایا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتی تھیں۔

ان کے شوہر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' قدیم الاسلام تھے۔ تیرہ آدمیوں کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی زنجیر کو زیب گردن کیا تھا' پہلی ہجرت میں یہ اور ان کے بیٹے سالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ حبش کی طرف ہجرت کی تھی۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبش میں ہی تھے کہ ان کو خبر پہنچی کہ قریش اسلام لے آئے ہیں پس یہ واپس چلے آئے اور ولید بن مغیرہ کی امان حاصل کی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں ایک مشرک کی امان میں چین سے زندگی بسر کر رہا ہوں اور میرے دوستوں اور اہلِ بیت کو اللہ کی راہ میں تکلیف اور اذیت پہنچ رہی ہے لہٰذا سوچنے لگے۔

''مجھ میں کوئی سخت نقص ہے''

لہٰذا ولید بن مغیرہ کے پاس گئے اور کہا:

''تمہارا ذمہ پورا ہو گیا کیونکہ میں تمہاری امان میں تھا اب یہ چاہتا ہوں کہ یہاں سے نکل کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں' مجھ کو ان کی اور ان کے اصحاب کی پیروی لازم ہے۔''

ولید بن مغیرہ نے سنا تو بولا:

''اے بھتیجے! تم کو کوئی تکلیف پہنچی یا تمہاری بے حرمتی کی گئی؟''

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''نہیں میں اللہ کی امان سے راضی ہوں اور نہیں چاہتا کہ اس کے سوا دوسروں سے امن چاہوں۔''

marfat.com

ولید نے کہا:

''تم مسجد چلو اور وہیں میری امان مجھ پر علانیہ پھیر دو۔''

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''چلو!''

پس دونوں گھر سے نکل کر مسجد کی طرف چلے اور وہاں پہنچ کر ولید نے کہا:

''یہ عثمان بن مظعون ہیں کہ مجھ پر امان کو پھیر دیں۔''

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''سچ ہے میں نے ولید کو وعدہ کے بعد سچا نیک سلوک کرنے والا پایا مگر میں نہیں چاہتا کہ اللہ جل جلالہ کے سوا اور کسی کی امان میں رہوں اور میں نے ولید کی امان کو ولید پر واپس کیا۔''

پھر وہ لبید بن ربیعہ کی مجلس میں آ گئے اور ان کے ساتھ حضرت عثمان بن مظعون بیٹھے۔ لبید نے ایک شعر پڑھ کر سنایا جس کا مطلب تھا:

''خبردار ہو جاؤ اللہ کے سوا سب چیزیں باطل ہیں۔''

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''تم سچے ہو''

پھر لبید نے شعر کا دوسرا مصرع پڑھا جس کا معنی تھا:

''ہر نعمت کو ضروری زوال ہے''

تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''تم جھوٹے ہو۔''

لوگوں نے ان کی طرف پھر کر دیکھا اور لبید سے کہا:

''تم یہ شعر پھر پڑھو۔''

اس نے پڑھا تو حضرت ابن مظعون رضی اللہ عنہ نے ایک مصرع کی تصدیق اور ایک کی تکذیب کی اور فرمایا:

marfat.com

''جنت کی نعمت کو زوال نہیں''

لبید نے کہا:

''اے گروہ قریش! تمہاری محفلیں تو ایسی خراب طریقہ سے نہ تھیں، آج کیا ہو گیا؟''

پس ان میں سے ایک خبیث و احمق نے کھڑے ہو کر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک طمانچہ مارا جس کی وجہ سے ان کی آنکھ نیلی ہو گئی، وہاں جو لوگ بیٹھے تھے، انہوں نے کہا:

''اے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ! بے شک تم ایک مضبوط پناہ میں تھے اور تمہاری آنکھ اس سے محفوظ تھی جو اس وقت مصیبت تم کو پہنچی ہے۔''

یہ سنا تو حضرت ابن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ گویا ہوئے:

''اللہ تعالیٰ کی امان زیادہ مضبوط اور باعزت ہے اور میری دوسری آنکھ بھی اس مصیبت کی آرزو مند ہے جو اس آنکھ کو پہنچتی ہے۔ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور جو ایمان لا کر ان کے ساتھ ہیں، ان کی پیروی لازم ہے۔''

یہ سُن کر ولید بولا:

''میری امان میں کیا حرج ہے؟''

''اللہ کی امان کے سوا کسی کی امان کی حاجت نہیں۔''

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اور وہاں سے تشریف لے گئے

حضرت خولہ بنت حکیم اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہ مبارک ہستیاں تھیں جنہوں نے خود کو اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ایک دن وہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بڑے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔''

''میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کروں گی۔''

marfat.com

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا' میاں بیوی دونوں نہیں چاہتے تھے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچے۔

''تمہاری نظر میں کوئی ایسی خاتون ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بچیوں کی بہتر طور پر دیکھ بھال کر سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام و راحت کا بھی دل و جان سے دھیان رکھے۔''

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیوی سے دریافت کیا تو وہ بولیں:

''سودہ بنت زمعہ جو ہے۔''

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے' حضرت خولہ بنت حکیم جب کام سے فارغ ہوئیں تو بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور ادب سے بیٹھ کر عرض گزار ہوئیں:

''اے حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جب سے اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی الہل تعالیٰ عنہا داغِ مفارقت دے گئی ہیں' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر مغموم واداس پاتی ہوں۔''

''خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! تم ٹھیک کہتی ہو' خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک غم گسار اور وفا شعار بیوی تھی' گھر کا انتظام و انصرام' بچوں کی نگہداشت و دیکھ بھال اور ان کی تربیت کے فرائض اسی کے سپرد تھے۔''

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اسلام کی بھی تو انہوں نے بڑی خدمت کی تھی''

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک کو جنبش دی اور فرمایا:

''بے شک اس کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد رسالت کے فرائض کی ادائیگی میں بھی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔''

''یہ تو بہت اہم فریضہ ہے یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! پھر تو یقیناً آپ کو ایک

marfat.com

ایسی رفیقہ حیات کی ضرورت ہے جو سمجھ دار وسلیقہ شعار ہونے کے ساتھ ساتھ عالی حوصلہ و غم خوار بھی ہو بچوں کی تربیت اچھی طرح کر سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام و راحت کا بھی خیال رکھ سکے۔''

حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم ٹھیک کہتی ہو ایک عورت ہی ایسے معاملات کو بطریق احسن سرانجام دے سکتی ہے۔''

''اگر اجازت ہو تو میں اس معاملے میں پیش رفت کروں۔''

حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''کون ہے وہ؟''

''سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہتر اور فی الحال کوئی نہیں ہو سکتی، عالی نسب بھی ہے اور عالی حوصلہ بھی، ترویج دین کے سلسلہ میں بھی اس کی مساعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیاں ہیں کہ اس نے اپنے خاندان اور قبیلے کے اندر لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام ہونے پر آمادہ و تیار کیا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت فرمانے پر حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا اور پھر بولیں:

''جونہی اس کی عدت پوری ہو گی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر ان کے گھر جاؤں گی۔''

خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کا شوہر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت خوش تھے کہ اس طرح ان کے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم گھریلو حالات کی طرف سے مطمئن ہونے پر پھر سے توحید و رسالت کے مشن میں لگ جائیں گے۔

marfat.com

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا انگلیوں پر حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہونے کے دن گن رہی تھیں اور پھر ایک دن ان کی عدت کی مدت پوری ہوگئی اس دن حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے حد مسرور وخوش تھیں لہٰذا وہ سیدھی حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد زمعہ بن قیس کے پاس ان کے گھر تشریف لے گئیں اس وقت وہ گھر پر ہی موجود تھے۔

''آپ پر سلامتی ہو۔''

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہا:

''آؤ! آؤ بیٹھو تم پر بھی سلامتی و خیر و برکت ہو۔''

زمعہ بن قیس نے حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر پوچھا:

''آج کیسے آنا ہوا؟''

''آپ کے لیے بہت بڑی خوش خبری لے کر آئی ہوں۔''

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرے سے بشاشت ٹپک رہی تھی۔

''کہو! کیا خوش خبری ہے؟''

زمعہ بن قیس نے پوچھا تو انہوں نے کہا:

''میں آپ کے پاس آپ کی لختِ جگر حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام لے کر آئی ہوں۔''

''محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ذاتی و خاندانی لحاظ سے نجیب و شریف ہیں اور ہر عیب سے پاک ہیں۔''

زمعہ بن قیس نے کہا تو حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا گویا ہوئیں:

''پھر کیا خیال ہے؟''

''مجھے ذاتی طور پر کوئی اعتراض نہیں لیکن سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرضی اور رائے بھی معلوم کرلیں۔''

وہ زمعہ بن قیس سے اُٹھ کر حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئیں، اس

marfat.com

وقت وہ بیوہ تھیں لیکن اس کے باوجود ان کو سسرال اور میکے دونوں خاندانوں میں ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل تھا اور زندگی کی ہر طرح کی آسائش و آرام میسر تھا۔ ان کا بیٹا عبدالرحمٰن بن سکران اب جوان تھا لہٰذا پیغام نکاح پر انہیں غور و خوض کی مکمل آزادی حاصل تھی۔

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتی تھیں لہٰذا ان کا خندہ پیشانی اور محبت سے استقبال کیا اور پاس بٹھایا۔

''کیسے آئی ہو؟ تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی جاتی رہی ہو' کیسے ہیں وہ؟''

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت کیا۔

''میں تمہارے باپ کے پاس گئی تھی' انہوں نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔''

حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوش کن انداز میں کہا:

''کس سلسلے میں؟''

''تمہاری شادی کے سلسلے میں''

''میری شادی کے سلسلے میں؟''

''ہاں!''

''کس سے؟''

''محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر آئی ہوں۔''

حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا تو بولیں:

''میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی ہوں' وہ میرے ہادی بھی ہیں اور رہنما بھی' میرے آقا بھی ہیں اور مولا بھی' میری ذات کے متعلق انہیں کلی اختیار ہے' وہ جو چاہیں' فیصلہ فرمائیں۔''

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات سنے

marfat.com

بغیر ہی توقف کے فوراً جواب دیا حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ دنیاوی نکتہ نظر سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تنگی وعسرت ہوگی مگر وہاں دنیا کی آسائشوں اور سروسامانیوں کی پرواہ کسے تھی، یہ تو وہ مبارک ہستی تھیں جنہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اس وقت لبیک کہا تھا جب اسلام کو قبول کرنا موت کو دعوت دینا تھا' معاشرے سے مقاطعہ تھا' عزیز واقرباء سے جدائی کا پیغام تھا' اذیتیں' مصائب اور شدائد تھے' قدیم الاسلام تھیں لہٰذا عرصہ دراز سے وہ دینِ اسلام کی خاطر ہر نوع کی قربانیاں دے رہی تھیں اور روحانی و اخلاقی لحاظ سے بلند و بالا مقام پر فائز تھیں' وہ تو دین کی سربلندی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ لگاؤ اور ان کے مشن کی تکمیل کے لیے جان کا نذرانہ بھی پیش کر سکتی تھیں لہٰذا اپنا اختیار رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ علاوہ ازیں ان کے پیش نظر ایک یہ بھی بات تھی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کام آ گئے تو ان کے زن و فرزند سرپرستی سے محروم نہیں رہیں گے۔

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوش وخرم حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے روانہ ہوئیں اور رُخ سیدھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس کی طرف کیا تاکہ انہیں جا کر بتائیں۔

''حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے جانے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خیالات کے طربناک وحسین جزیروں میں کھو گئیں' انہیں اپنے وہ خواب یاد آ گئے جو انہوں نے اپنے خاوند حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنائے تھے جس کی تعبیر میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ بہت جلد اس سرائے فانی سے کوچ کر جائیں گے اور میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آ جاؤں گی۔

اُم المومنین کا جو اعزاز وشرف انہیں ملنے والا تھا اس کے مقابل تمام دنیا کی دولت و اعزازات ہیچ تھے' یہ عام عورتوں کا مقام نہیں تھا کیونکہ رب تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں ارشاد فرمایا ہے:

''نبی کی بیبیاں عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔''

marfat.com

رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو اختیار دے دیا ہے کہ ان کے بارے میں جو چاہیں' فیصلہ فرمائیں۔''

شوال کا مہینہ اور سن ۱۰ نبوی تھا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہونا قرار پائی تھی لہٰذا تاریخ مقررہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند اصحاب کے ہمراہ زمعہ بن قیس کے گھر تشریف لے گئے۔

شادی کی اس تقریب میں حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے شوہر کے دو بھائی حضرت سلیط اور حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل ہوئے۔ سگا بھائی مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھا جو قدیم الاسلام تھا البتہ دوسرا بھائی عبداللہ جو ہنوز مسلمان نہیں ہوا تھا' مکہ سے باہر تھا۔

زمعہ بن قیس نے اپنی لختِ جگر کا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح خود پڑھایا اور حق مہر ۴۰۰ درہم مقرر ہوا۔ چنانچہ نکاح کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باپ کے گھر سے رخصت ہو کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک میں شامل ہوگئیں اور اُم المومنین کے خطاب سے نوازی گئیں۔ آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد پہلی خاتون تھیں جو محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئی تھیں۔

شادی کے کچھ دنوں بعد اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھائی عبداللہ واپس مکہ آیا تو اسے پتہ چلا کہ بہن (حضرت) سودہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شادی ہوگئی ہے۔

''کس سے نکاح ہوا ہے؟''

اس نے باپ سے دریافت کیا۔

''محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے''

marfat.com

زمعہ بن قیس نے جواب دیا اور پھر بولا:

''اس ضمن میں' میں نے سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اختیار دے دیا تھا۔''

عبداللہ بن زمعہ نے سنا تو اپنا سر پیٹ کر رہ گیا' وہ اس شادی سے قطعاً ناخوش تھا۔ کفر نے ابھی اس کے ذہن وقلب پر تالے لگا رکھے تھے جو حق کی روشنی دیکھنے سے قاصر تھا' اظہارِ ناپسندیدگی کے لیے اس نے اپنے سر پر خاک ڈال لی۔

اور پھر وقت نے پلٹا کھایا۔ عبداللہ بن زمعہ جو اسلام کا شدید مخالف اور کفر و الحاد سے چمٹا ہوا تھا' ایک دن حق اس پر روشن ہو گیا' کفر کے تالے ٹوٹ گئے' دل و دماغ کے کواڑ کھل گئے جن سے اسلام کا نور ان کے اندر داخل ہو گیا اور بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں اپنا ہاتھ دے دیا اور بیعت کر لی اب وہ غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھا اور جس قدر وہ اسلام کا کبھی مخالف و دشمن ہوا کرتا تھا اس سے بڑھ کر اسلام کا فدائی و جانثار بن گیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد جب کبھی اسے اپنی حرکت یاد آتی کہ اس نے بہن حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کا سُن کر اپنے سر کو خاک آلود کر لیا تھا تو خجل و شرمندگی اور احساس ندامت سے جھک جاتا اور ان لمحات پر افسوس کرنے لگتا کہ اس نے کیوں ایسی حرکت کی اور یہ پچھتاوا اسے سدا کچوکے لگاتا رہا۔

اُم المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سن رسیدہ خاتون تھیں' ان سے شادی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر کی طرف سے اطمینان ہوا تو یکسو ہو کر تبلیغ اسلام میں مشغول ہو گئے۔

تبلیغ اسلام میں اضافے کے ساتھ ساتھ کفارِ مکہ نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء رسانیوں میں بھی اضافہ کر دیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا پیغام دوسروں تک پہنچاتے رہے اور تمام تکالیف کو خندہ پیشانی اور صبر وتحمل سے برداشت کرتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت پر ایک دفعہ ابولہب کو قرابت داری کی غیرت نے بیدار کیا اور

marfat.com

اس نے اپنے بھتیجے کی حمایت و سرپرستی کا اعلان بھی کیا جس سے چند دن آرام سے گزرے لیکن دوسرے معاندین ومخالفین اسلام نے اسے پھر بھڑکایا اور اس کی رشتہ داری پر اس کی جاہلانہ عصبیت غالب آ گئی اس نے اپنی حمایت کا اعلان لوٹا لیا اور اس سے دست بردار ہو گیا جس سے کفار ومشرکین پھر اپنی دشمنیوں میں تیز ہو گئے اور اس دشمنی نے ایسی صورت اختیار کی کہ انہوں نے اللہ کے برگزیدہ و آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔

یہ نبوت کا تیرہواں سال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمراہی میں ہجرت فرمائی جس کی انہوں نے پہلے سے ہی تیاری کر رکھی تھی کہ جب ان کے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں' وہ سوئے مدینہ چل پڑیں۔

ہجرت خفیہ طور پر اختیار کی گئی تھی لہٰذا ان حالات میں ممکن نہ تھا کہ اپنی زوجہ محترمہ سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دو بچیوں کو ساتھ لے جاتے لہٰذا انہیں مکہ میں ہی رہنے دیا۔

شادی سے لے کر ہجرت تک اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس پامردی و جرأت و استقلال اور عالی ہمتی سے حالات کا مقابلہ کیا اس میں کوئی اور زوجہ محترمہ شامل نہیں۔ یہ صرف انہیں کا حصہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد سات ماہ تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شہزادیوں حضرت اُم کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سرپرستی و دیکھ بھال کی اور ان کی حفاظت کی عظیم ذمہ داری جس محبت' جانفشانی اور خوش اسلوبی سے پوری کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی کوئی اولاد نہ تھی لیکن انہوں نے ان دو بچیوں کو اپنے جگر گوشوں سے زیادہ محبت اور توجہ دی اور انہیں اس امر کا احساس نہیں ہونے دیا کہ ان کی ماں نہیں ہے۔

جب رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو امر ربی کے تحت

marfat.com

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ یہ عرصہ قیام سات مہینوں پر پھیلا ہوا ہے اسی دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کرائی اور دو حجرے بھی بنوانے شروع کیے۔ ایک حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے اور دوسرا حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے جن سے نکاح تو ہو چکا تھا لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

طبقات کی تفصیل کے مطابق حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کی دیواریں کچی اور چھت کھجور کی شاخوں کی تھی' اس کی لمبائی پندرہ فٹ اور چوڑائی دس فٹ تھی' اونچائی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر اپنے ہاتھ سے چھو سکتا تھا اس کے دروازے پر کواڑ کی بجائے کالے بالوں والے کپڑے کا پردہ تھا۔ یہ مقدس گھر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ بھی تھا اور نوعِ انسانی کی تعلیم و تربیت کا مرکز بھی۔

رمضان ایک ہجری میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ وہاں سے ان کے اہلِ بیت کو لے آئیں اور اپنے اہل و عیال کو بھی۔ یہ پانچ سو درہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیے تھے۔

جب یہ ہر دو حضرات مکہ روانہ ہونے لگے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن اریقط کو بھی دو یا تین اونٹ دے کر روانہ کر دیا اور اپنے بیٹے عبداللہ کو لکھا:

''میرے بیوی بچوں کو سوار کر کے مدینہ منورہ لے آئیں۔''

کئی دنوں کی مسافت کے بعد یہ تینوں حضرات مکہ مکرمہ وارد ہوئے' حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو کاشانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑے تا کہ اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ تشریف لے جانے کے لیے عرض کریں اور حضرت عبداللہ بن اریقط رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

marfat.com

تعالیٰ عنہ کے اہلِ خانہ کی طرف چل پڑے۔

اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی بیٹیاں منتظر تھیں کہ کب مدینہ سے پیغام آئے' دروازے پر دستک ہوئی تو اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا:

''کون؟''

''زید بن حارثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)''

جواب میں ایک آواز فضا میں اُبھری۔ حضرت زید بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے' یہ آواز کانوں سے مانوس تھی' خوشی کی انتہا نہ رہی' بچیوں کے نورانی و معصوم چہرے خوشی وانبساط سے تمتما اُٹھے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل وعیال بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال کے ساتھ ہی مقیم تھے۔

''کیسے آئے ہو؟''

اُم المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت فرمایا تو عرض کی:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ اور بچیوں کو مدینے لے جانے کے لیے بھیجا ہے۔''

''کب روانہ ہونا ہے؟''

اُم المومنین نے پوچھا۔

''انشاء اللہ ایک دو روز میں چل دیں گے' آپ تیار رہیں کیونکہ اور لوگوں نے بھی ساتھ چلنا ہے لہٰذا میں ان سے بھی مل لوں۔''

''اور کون؟''

''حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر والے بھی ساتھ ہوں گے۔''

اور پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو رافع کے ساتھ ابوالعاص بن ربیع کی طرف چلے گئے' وہ گھر پر ہی تھے۔

marfat.com

''ہمیں سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد گرامی رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔''

''کس لیے؟''

ابوالعاص نے پوچھا۔

''آپ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہمارے ساتھ مدینے بھیج دیں۔''

''میں اپنی بیوی کو جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

ابوالعاص نے کہا۔

''تو کیا آپ واقعی انہیں ہمارے ساتھ روانہ نہیں کریں گے اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دوں؟''

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

''ہاں! میری طرف سے انکار ہے۔''

ابوالعاص بن ربیع اس وقت ایمان کی دولت سے مالا مال نہیں ہوئے تھے لہٰذا انہوں نے اپنے سسر حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور سیدہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے ساتھ نہ بھیجا۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحب زادی سیدہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق تھا تو وہ پہلے ہی اپنے شوہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ ہجرت فرما گئیں تھیں۔

دوسرے ہی دن ایک چھوٹا سا قافلہ مکہ مدینہ سے مدینہ منورہ کی طرف جا رہا تھا اس میں درج ذیل ہستیاں شامل تھیں:

(۱) اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(۲) حضرت اُم کلثوم بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) حضرت فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۴) حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ)

marfat.com

(۵) حضرت ایمن بن زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶) حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷) حضرت اُم رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا (زوجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۸) عبداللہ بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۹) حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(۱۰) حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت زید بن حارثہ' حضرت ابورافع اور حضرت عبداللہ بن اریقط رضی اللہ عنہما ان سب کو لے کر چند دنوں میں مدینہ منورہ پہنچ گئے اس وقت تک مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِردگرد گھر تعمیر نہیں ہوئے تھے بلکہ تعمیر کے مراحل طے کر رہے تھے لہٰذا وقتی طور پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کو حضرت حارثہ بن نعمان کے ہاں ٹھہرا دیا گیا اور جب حجرہ مکمل ہوگیا تو حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مع دونوں شہزادیوں کے اپنے گھر منتقل ہوگئیں۔

مکہ اور مدینہ کی فضا میں زمین و آسمان کا فرق تھا' کہاں مکہ کا گھر جو کفار و مشرکینِ مکہ کے غیض و غضب کا نشانہ تھا اور کہاں مدینہ منورہ کا گھر جو اہلِ مدینہ کے لیے مرکز عقیدت و وجہت تھا' ادب گاہ تھا جس کے قریب اونچی آواز سے بولنا منع تھا' یہ گھر منبع فیض و ہدایت تھا اور لوگ اس بات پر یقین و ایمان رکھتے تھے کہ اس گھر کے فیض سے ہی دنیا و آخرت میں سرخروئی و کامیابی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاشانۂ اقدس عاشقان اور جانثاروں کی نظروں میں ملجا و ماوا تھا کیونکہ یہاں نورِ مجسم' سرورِ کونین' اللہ کے محبوب' سید الانبیاء اور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم رہتے تھے اسی گھر سے رشد و ہدایت کے سوتے پھوٹتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع اور مخالفت و دشمنی کی وجہ سے جنتی اور دوزخی بنتے تھے' یہاں انوار و تجلیات الٰہیہ کی فراوانی تھی' رحمتوں کا نزول تھا لیکن یہاں اس پاک گھر میں دنیا کی

marfat.com

گنجائش اور گزر نہ تھی اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر پر فخر تھا اور گھر میں تنگی و عسرت کا دور دورہ تھا' کئی کئی دن گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ تبلیغی' تربیتی اور انتظامی ذمہ داریاں عظیم تھیں۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے نخلستان میں کچھ درخت' دودھ دینے والی اونٹنیاں اور بکریاں بطور ہدیہ پیش کر دی تھیں لہٰذا اہلِ بیت کا زیادہ تر گزارا کھجوروں اور دودھ پر تھا اس سب کے باوجود اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان پر ہمیشہ شکر کے الفاظ تھے اور انہوں نے باہمی محبت و اُلفت اور باہمی تعاون و خیر خواہی سے گھر کے ماحول کو روح پرور اور پُر امن بنا رکھا تھا۔

۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری کو حق و باطل کے مابین پہلا معرکہ بدر کے میدان میں ہوا اس غزوہ کو غزوۂ بدر کبریٰ اور غزوۂ بدر عظمیٰ بھی کہتے ہیں۔ بدر ایک بستی کا نام ہے جو بدر بن مخلد بن نفر بن کنانہ سے منسوب و مشہور ہے جس نے یہاں کنواں کھودا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہاں ایک بوڑھا شخص مدتوں سے رہتا تھا جس کا نام بدر تھا اس بناء پر اس بستی کو اسی کے نام سے منسوب کر دیا یا اس کا نام اس بناء پر ہے کہ اس کا دائرہ وسیع تھا اور اس کا پانی اتنا صاف و شفاف تھا کہ اس میں بدر کامل نظر آتا تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں یہ بہت عظیم غزوہ تھا کیونکہ اس کے ذریعے دین کی عزت و شوکت روشن ہوئی اور اسلام کا ناموس تاباں ہوا اس کو یوم الفرقان سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس سے حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز رونما ہوا تھا' فرمایا:

"یوم التقی الجمعان"

مطلب یہ کہ مسلمان اور کافر اس دن جمع ہوئے حق تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو غالب فرمایا اور کفر کی بنیادوں کو شکست خوردہ و پامال کر کے ذلیل و خوار کیا حالانکہ مسلمانوں کی تعداد کم اور دشمنانِ دین کی تعداد زیادہ تھی کفار جنگ کے پورے ساز و سامان سے لیس ہو کر اتراتے اور تکبر کرتے ہوئے آئے تھے مگر حق تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی اور دین کو مضبوط و قوی فرمایا اس کے جاہ و جلال کے

marfat.com

چہرے کو منور و روشن بنایا اور شیاطین کو ذلیل و خوار کر کے ان کو روسیاہ کیا اور اپنے مسلمان بندوں پر اس کا احسان ظاہر کرتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

لقد نصر کم اللہ ببدرو انتم اذلۃ.

یعنی یقیناً اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی درآنحالیکہ تم بے سروسامان تھے تاکہ جان لیں کہ مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے نہ کثرت و قلت کی بناء پر' لاریب کوئی مدد نہیں کرتا مگر عزت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

چشم فلک نے اس سے قبل یہ نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ بیٹا باپ کے اور بھائی بھائی کے مقابل صف آرا ہے۔ اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبیلے کو بھی اسی صورتِ حال کا سامنا تھا اس قبیلے کے کچھ لوگ تو شوقِ شہادت کے جذبے میں سرشار شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کر رہے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے ہبل ولات کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے نبرد آزما تھے جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیے سینہ سپر تھے' ان میں یہ لوگ تھے:

(۱) حضرت ابوسیرہ بن ابی رہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قدیم الاسلام اور ہجرتِ حبشہ ثانیہ میں شامل تھے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مخزومہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳) حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ حبشہ کی ہجرت میں شامل تھے' واپسی پر باپ نے ان پر اس قدر ظلم و تعدی کی کہ بظاہر اسلام پر قائم رہنا دشوار ہو گیا لہٰذا ظاہراً تو ان کی بات مان لی لیکن باطناً مسلمان رہے اور جب مکہ سے کفار و مشرکین کے ساتھ بدر پہنچے تو آ کر مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گئے۔

(۴) حضرت عمیر بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سہیل کے آزاد کردہ غلام تھے۔

اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبیلے کے لوگ جو کفار و مشرکین کی جانب سے لڑنے آئے تھے' وہ یہ تھے:

marfat.com

(۱) معاویہ بن عامر

(۲) معبد بن وہب

(۳) سہیل بن عمرو۔ یہ قریش کا خطیب اور حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چچازاد اور قبیلے کا سردار تھا۔

(۴) عبد بن زمعہ۔ یہ حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے۔

(۵) عبدالرحمٰن بن مشنور

ان میں سے اوّل الذکر دو اشخاص تو جنگ میں واصل جہنم ہوئے اور بقیہ تین گرفتار ہوئے۔

جب اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عم زاد سہیل بن عمرو کو حجرے کے ایک کونے میں کھڑے دیکھا تو اس کے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے وہ اسلام اور داعی اسلام ﷺ کے خلاف جو زبان وہ درازی کیا کرتا تھا اور اپنے ہی بیٹوں اور عزیزوں پر قبولیت حق کی پاداش میں جیسے ظلم واستبداد کے کوڑے برساتا تھا' وہ تمام یادیں اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذہن میں تازہ ہوگئیں اور تمام واقعات تصویر کی طرح نظروں کے سامنے گھومنے لگے۔

واقعہ یوں ہے کہ اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت عفرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید بچوں کے تعزیت کے لیے تشریف لے گئی ہوئی تھیں کہ ہر سو خبر پھیل گئی کہ غزوۂ بدر کے قیدی آ گئے ہیں' انہیں دیکھنے کے لیے لوگ گھروں سے نکل پڑے لہٰذا جب اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے عم زاد کو دیکھا تو اس کے ظلم کی پرانی داستانیں تازہ ہو گئی تھیں لہٰذا بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا:

''اے ابویزید! قیدی ہونے کی ذلت برداشت کرنے کے بجائے اپنی جھوٹی عزت کی خاطر مر کیوں نہ گئے؟''

ابھی یہ فقرہ پورا ہی ہوا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نے انہیں چونکا دیا' فرما رہے تھے:

marfat.com

''سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! کیا اسے اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر اُبھار رہی ہو؟''

''میں معافی چاہتی ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا یہ منشا و مقصود ہرگز نہ تھا' مجھے اس کی چیرہ دستیاں یاد آئیں تو میں نے اسے یہ الفاظ کہے تھے۔''

سوائے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے باقی تمام ازواجِ مطہرات اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موجودگی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک میں داخل ہوئیں۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شوال ۲ ہجری

(۲) حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا شعبان ۴ ہجری

(۳) حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صفر ۴ ہجری

(۴) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۴ ہجری

(۵) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۵ ہجری

(۶) حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شعبان ۵ ہجری

(۷) حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۶ ہجری

(۸) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جمادی الثانی ۷ ہجری

(۹) حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذیقعد ۷ ہجری

(۱۰) حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذیقعد ۷ ہجری

لیکن ان سب کے ساتھ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تعلقات و سلوک بڑا مثالی تھا' اپنی محبت سب پر نچھاور کرتی تھیں اور اس کی تصدیق میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ فرمانا کافی ہے۔

''میں نے سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا کسی اور عورت کو جذبہ رقابت سے خالی نہیں دیکھا۔ نیز ان کے سوا کسی اور عورت کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوئی کہ اس کے جسم میں میری روح ہو۔''

marfat.com

اُم المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اَن گنت صفات و خواص اور خوبیوں کی مالک تھیں۔ خاص طور پر ایمان کی حلاوت نے ان کے مزاج اور طبیعت کے اندر بشاشت و شگفتگی، سرخوشی و خندہ لبی کی ایک ایسی خوب صورت کیفیت پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے نہ صرف وہ ہر اس محفل کو جہاں وہ تشریف لے جاتی تھیں، کشت زعفران بنا دیتی تھیں بلکہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی تفریح طبع کی خاطر اپنے انداز و گفتار میں ایسا طرز اختیار کرتی تھیں جس سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جاتے تھے اور تبسم فرماتے تھے، ان کی یہی تمنا اور آرزو تھی کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سدا خوش و خرم رہیں اور اس کا اہتمام فرماتی تھیں تاکہ نبوت کا کام جو بہت عظیم وارفع تھا، وہ خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکیں۔

ایک دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! اجازت ہو تو ایک بات عرض کروں؟"

"کہو!"

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور اپنی اہلیہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصے میں بارگاہِ خداوندی میں نماز کے لیے کھڑے تھے۔ میں نے دیکھا تو آپ کی پیروی و اتباع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑی ہو گئی جب آپ رکوع میں گئے تو میں بھی چلی گئی لیکن آپ نے رکوع اتنا طویل کیا کہ مجھے اپنی ناک سے خون بہنے کا خطرہ محسوس ہوا۔ چنانچہ میں بار بار اپنی ناک کو سہلاتی رہی۔ ایسے"

اور پھر وہ اپنی ناک مبارک کو سہلانے لگیں۔ یہ دیکھا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر تبسم نمودار ہوا اور انہیں متبسم دیکھ کر سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بڑی راحت محسوس ہوئی، ان کی طبیعت میں مزاح کی بھی حس موجود تھی، کبھی کبھی وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس انداز سے چلتی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑتے

marfat.com

تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ تمام ازواجِ مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں' وہ بات کرتے وقت بڑی احتیاط وحزم سے کام لیتی تھیں تا کہ ان کی کوئی بات آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک پر گراں نہ گزرے۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سب سے پہلے اس جہان رنگ و بو سے کون سفرِ آخرت پر رواں ہوگا؟''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہروں کی طرف دیکھا اور پھر ارشاد فرمایا:

''جس کا ہاتھ سب سے بڑا ہے۔''

سب ازواجِ مطہرات اپنے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھنے اور ناپنے لگیں۔ اللہ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا' تھوڑی دیر کے بعد وہ بولیں:

''سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمہارا ہاتھ سب سے لمبا ہے۔''

''یہ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں کہ ہاتھ لمبے ہونے سے کیا مراد ہے۔''

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا۔

اور جب ربیع الثانی ۴ ہجری میں اُم المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بعمر ۳۰ سال وصال ہوا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات یاد آئی کہ ہاتھ لمبا ہونے سے مراد سخاوت و فیاضی تھی وہ اُم المساکین کے نام سے مشہور تھیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی بڑی سخی و فیاض تھیں اور یہ صفت ان میں بہت نمایاں تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا وہ اس وصف میں سب سے ممتاز تھیں۔

ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن بڑی محبت اور سلوک کے ساتھ رہتی تھیں' کبھی کبھی وہ انہی پاکیزہ اور محبت آمیز تعلقات کی بناء پر ایک دوسری سے ہنسی مزاح بھی کر لیتی تھیں۔ اصابہ میں ایک واقعہ درج ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دجال کے

marfat.com

بارے میں سوچنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف فرما تھیں' دونوں محترم و معظم خواتین نے مزاح کے لہجے میں کہا:

''سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! کچھ سنا ہے؟''

''کیا؟''

انہوں نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''کہتے ہیں دجال نے خروج کیا ہے۔''

یہ سننے کی دیر تھی کہ گھبرا گئیں اور قریب ہی ایک خیمے میں گھس گئیں۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہنستی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور اس مزاح کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں عرض کیا لہٰذا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے اور اس خیمے کی طرف تشریف لے گئے جہاں حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں' خیمے سے باہر کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! باہر آ جاؤ' ابھی دجال نہیں نکلا۔''

یہ سُن کر وہ باہر تشریف لائیں تو مکڑی کا جالا کپڑوں میں لگا ہوا تھا جسے اُنھوں نے باہر آ کر صاف کیا۔

اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت اُم الاسود تھی' طویل القامت اور فربہ وجسیم تھیں۔ بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جوان کو دیکھ لیتا تھا اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں' محاسن واخلاق اور مکارم افعال میں شروع ہی سے معروف و مشہور تھیں۔

پردے کا حکم آنے سے قبل حاجت ضروریہ کے لیے ازواجِ مطہرات باہر میدانوں میں تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کر چکے تھے کہ ازواجِ مطہرات کو باہر نکلنا نہیں چاہیے لیکن آنحضرت

marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ ایک دن حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسری مسلم خواتین کے ہمراہ باہر جنگل کی طرف تشریف لے جا رہی تھیں کہ راستے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مل گئے' انہوں نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے قد کاٹھ کی وجہ سے پہچان لیا تو کہنے لگے:

''ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے۔''

اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بات ناگوار گزری اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کی۔

اس واقعہ کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوئے جس میں یہ حکم نازل ہوا تھا:

''اے نبی کی بی بیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اللہ سے ڈرو اور بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے۔ ہاں اچھی بات کہو اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔'' (احزاب آیت ۳۲۔۳۳)

اُم المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ واحد زوجہ محترمہ تھیں جنہوں نے اپنی محبت و وفا اور خدمت گزاری وغم گساری کی شمع روشن رکھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ کا مرکز بنی رہیں اس دوران میں اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کی وجہ سے ان کے اندر ایسا نکھار اور حسن پیدا ہوا جس کی بدولت ۲ ہجری کے بعد حرم نبوی میں داخل ہونے والی خواتین کے لیے اپنی محبت اور بہترین سلوک کی بانہیں وا کر دیں اور کسی نوع کی قربانی وایثار سے دریغ نہ کیا۔

marfat.com

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہراتؓ کے لیے باری مقرر کر رکھی تھی اور یہ باری ایک دن اور رات پر محیط ہوتی تھی، وقت انسان کو بوڑھا کر دیتا ہے۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب معدن جودوکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں تو اس وقت ان کی عمر پچاس سال تھی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بھی پچاس سال تھی۔ ۵ ہجری میں اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کافی سن رسیدہ ہوگئی تھیں، ان کے ذہن میں یہ ازخود خیال پیدا ہوگیا تھا کہ بوڑھی ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں انہیں طلاق نہ دے دیں۔ ان کی تمنا تھی کہ آخر دَم تک ان کا شمار اُمہات المومنین میں ہو۔

بعض کتب میں مذکور ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق کہلا بھیجی۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس راہ پر بیٹھ گئیں جس طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا جایا کرتے تھے پھر جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو عرض کی:

"میں آپ کو اس کا واسطہ دیتی ہوں جس نے آپ پر کتاب اُتاری اور اپنی مخلوق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برگزیدہ بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کیوں طلاق دی؟ کیا آپ نے مجھ میں کوئی ایسا عیب پایا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوگئے ہیں؟"

"نہیں!"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"للہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رجوع فرمالیں، میں بوڑھی ہوں، مجھے مرد کی چنداں ضرورت نہیں لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ میرا حشر ازواجِ مطہرات میں ہو۔"

آخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رجوع فرمالیا اس پر حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"میں نے اپنی باری کا دن رات حضرت عائشہ صدیقہ محبوبۂ رسول صلی اللہ علیہ

marfat.com

وسلم کو دے دیا۔"

لیکن یہ بات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے بعید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد ایک عمر رسیدہ عورت سے شادی کر لیں جو گھر کی حفاظت اور نگرانی کے لیے موزوں ہو اور جو ماں کی طرح نو عمر بچیوں کی دیکھ بھال کرے اور پھر چند سال بعد جب گھر میں دوسری نو عمر بیویاں آ جائیں تو اس کو صرف اس لیے طلاق دینے پر آمادہ ہو جائیں کہ وہ بوڑھی ہو گئی ہیں مزید اس پر یہ کہ جب وہ اپنی باری کا دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی کو ہبہ کر دے تو پھر اسی بوڑھی عورت کو اپنی زوجیت میں رکھیں۔ بالخصوص جب کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پہلے جس وقت آپ کا عالم شباب تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زائد العمر، شوہر دیدہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ زندگی کے پچیس سال گزار دیئے اور اس دوران میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی دوسری عورت سے نکاح کرنے کا خیال تک نہ فرمایا حالانکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آپ کے لیے نوجوان باکرہ عورتوں کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ کیا بلکہ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وفات پا گئیں تو عمر بھر ان کو یاد فرماتے رہے حتیٰ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی ان پر رشک آتا تھا۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو طلاق کا کلی اختیار دیا ہے لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے کہ بغیر ناگزیر وجوہات کے بیوی کو طلاق دے دی جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالیہ ہے:

"تمام حلال چیزوں میں سے جو چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے، وہ طلاق ہے۔"

اسی لیے جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا:

marfat.com

''اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔''

یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے نزدیک طلاق ایک ناپسندیدہ فعل تھا' خود اپنی بیوی حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو محض بڑھاپے کی وجہ سے طلاق دے دی ہوگی یا طلاق دینے کا خیال فرمایا ہوگا۔

دراصل صحیح بات یہ ہے کہ جب اُم المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بوڑھی ہوگئیں تو ان کو خیال پیدا ہوا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو طلاق دے دیں اور وہ شرفِ محبت سے محروم ہو جائیں اس بناء پر انہوں نے اپنی مرضی سے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کر لی۔ یعنی حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی التجا محض ان کے اپنے وہم وگمان کی بناء پر تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بوڑھی ہوگئیں اور انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان میری طرف زیادہ ہے تو ان کو یہ خدشہ پیدا ہوگیا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں طلاق دے دیں گے اس لیے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی:

''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ میری باری کا دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دینا چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اختیار ہے۔''

چنانچہ ان کی یہ پیش کش قبول فرمالی گئی۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سیدہ اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بوڑھی ہوگئیں تو ان کو یہ خوف پیدا ہوا کہ شاید حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دے دیں گے اس لیے انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بخش دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ خدشہ لاحق ہوگیا تھا کہ شاید حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں طلاق دے دیں گے

marfat.com

اس لیے انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے طلاق نہ دیں اور میری باری کا دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیں۔''

چنانچہ آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کا دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا۔

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق نہیں دی تھی بلکہ اپنے بڑھاپے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف زیادہ میلان کی وجہ سے انہیں خوف لاحق ہوا کہ شاید ان کو طلاق دے دی جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے محض اپنے اسی گمان اور خیال کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی تھی:

''آپ مجھے طلاق نہ دیں اور میری باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیں۔''

جب حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا تو اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دخل نہ تھا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ دونوں خواتین ایک دوسرے کے زیادہ قریب تھیں اور جیسا کہ علامہ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بڑھاپے میں باری کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی اس لیے انہوں نے ازخود اور اپنی خوشی و مرضی سے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بخش دیا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ۷ ہجری کے ماہِ محرم کے آخری ایام میں بطرف خیبر تشریف لے گئے اور دس بارہ روز تک اس کا محاصرہ فرمایا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے فتح کرا دیا جو مال غنیمت ملا اس میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے اسی (۸۰) وسق کھجوریں اور بیس (۲۰) وسق جو دیئے۔ بعض کہتے ہیں کہ گیہوں عطا فرمائے تھے۔

marfat.com

نویں سال میں حج فرض ہوا تھا۔ بہر تقدیر نویں سال ہجری میں دعوتِ اسلام، تعلیم احکام، دینِ اسلام کی بنیادوں کے استحکام میں مشغولیت کی وجہ سے آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم حج پر تشریف نہ لے جا سکے، اپنے یارِ غار سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ لوگوں کو حج ادا کرائیں ۱۰ ہجری میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود حج کے لیے تشریف لے گئے۔ اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجۃ الوداع کہنے کو مکروہ جانتے تھے مگر اس کی وجہ بیان نہیں فرمائی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نام سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، وداع اور رخصت فرما جانا یاد آ جاتا تھا اور یہ بات حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے انتہائی درد والم کا موجب تھی۔ (واللہ عالم)

اس حج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن کو ساتھ لیا اور سوئے مکہ مکرمہ چل پڑے۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ساتھ تھیں چونکہ آپ دراز قد اور فربہ اندام تھیں اور تیز چلنا دشوار تھا اس لیے مزدلفہ میں قیام کے دوران انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رش میں چلنا سخت مشکل ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت مرحمت فرما دیں کہ میں رات کو ہی واپس منیٰ چلی جاؤں۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خصوصی اجازت دے دی اور فرمایا:

"ان کو چلا جانا چاہیے کیونکہ بھیڑ میں ان کو تکلیف ہوگی۔"

اور پھر وہ منیٰ کے لیے مزدلفہ سے روانہ ہو گئیں اور صبح کی نماز منیٰ میں ادا کی اس پر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"کاش سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کو ہی مزدلفہ سے روانہ ہونے کی اجازت طلب کر لیتی اور لوگوں کے آنے سے پہلے صبح کی نماز منیٰ میں ادا کرتی تو یہ بات مجھے ہر پیاری شے سے پیاری تھی۔"

اس حج کے موقع پر آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

marfat.com

''یہ حج ظہور حصر میں ہے یعنی اب ازواجِ مطہرات گھروں کو چمٹی رہیں گی۔''

محرم رازِ نبوت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہی سمجھ گئے تھے کہ دین مکمل ہونے کی جو رب کریم نے وحی کے ذریعے بشارت دی ہے اس کا مطلب ہے کہ محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اب اس جہاں میں زیادہ دیر قیام نہیں ہے لہٰذا جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بستر علالت پر دراز ہوئے تو وہ سمجھ گئے کہ اب جدائی وفرقت کے لمحات قریب سے قریب تر آ رہے ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید بخار چڑھا ہوا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں مسجد میں تشریف لے جانے کا ارادہ کرلیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے کہا جن میں حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں:

''مجھ پر مختلف کنوؤں کے پانی کی سات مشکیں ڈال دو' میں باہر جا کر لوگوں سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں''۔

چنانچہ حکم کے مطابق پانی لایا گیا۔ ازواجِ مطہرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ٹب میں بٹھا دیا اور پانی ڈالنا شروع کیا۔ کچھ دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پانی ڈالنے سے روک دیا' کپڑے زیب تن فرمائے' سر پر پٹی باندھی اور مسجد میں جا کر منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا اللہ کے پاس آخرت میں جو کچھ ہے' اسے قبول کرے لیکن اس نے اللہ ہی کے پاس کی چیزیں قبول کی ہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھ گئے کہ ایک بندے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد خود اپنی ذات مبارک ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس قدر رقت طاری ہوئی کہ وہ خود کو روک نہ سکے اور روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اسی حالت میں انہوں نے عرض کیا:

marfat.com

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری جانیں اور ہماری اولاد آپ پر نثار ہونے کے لیے تیار ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدشہ ہوا کہ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے رونے سے کہیں دوسرے لوگ بھی متاثر نہ ہوں اور اس طرح مسجد آہ و بکا کی محفل میں تبدیل ہو جائے گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خاموش ہو جاؤ۔''

اور حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریچے کے سوا مسجد کے باقی تمام دریچے بند کر دیئے جائیں جب تمام دریچے بند کر دیئے گئے تو سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور محبت کا ممنون ہوں' وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی اُمت میں سے خلیل بناتا تو ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بناتا لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پاس اکٹھا کر دے۔''

اور پھر چند دنوں کے بعد ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو وہ بندہ' اللہ کا محبوب' سید الانبیاء' رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مولا کریم کے پاس تشریف لے گیا اس وقت اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چونسٹھ (۶۴) سال تھی اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و قرب ۱۴ سال میسر رہا تھا جو حضرت خدیجہ کے بعد تمام ازواجِ مطہرات سے زیادہ تھا۔

اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چمڑے کی صنعت میں نمایاں مہارت رکھتی تھیں' وہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت باقی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے بہتر تھی اس محنت سے جو آمدنی ہوتی تھی اسے نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں میں خرچ کرتی تھیں اور اس سے بہت مسرت حاصل کرتی تھیں۔

marfat.com

ایک مرتبہ خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بورے میں درہم بھیجے' دیکھ کر ارشاد فرمایا:

''یہ کیا ہے؟''

''یہ درہم ہیں۔''

لوگوں نے بتایا تو بولیں:

''کیا بورے میں کھجوروں کی طرح؟''

اور پھر باندی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''اے جاریہ! میرے پاس پچھی لا۔''

وہ بھاگی گئی اور برتن لے آئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے درہم اس میں اُنڈیلے اور پھر اسی برتن میں وہ سب درہم غریبوں اور مسکینوں میں کھجوروں کی طرح تقسیم فرما دیئے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے جانے کے بعد اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن حج کی ادائیگی کے لیے تشریف لے جایا کرتی تھیں' وہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ چلنے کے لیے کہتیں تو جواب میں یہ فرماتی تھیں:

''حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا' یہ حج ہے پھر چٹائیوں کا ظہور ہے لہٰذا میں اپنی چٹائی کی پشت سے چمٹی رہوں گی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سواری پر سوار نہ ہوں گی کیونکہ میں عمرہ بھی کر چکی اور حج بھی اب اپنے گھر میں ہی رہوں گی۔''

لہٰذا ساری عمر گھر سے باہر نہ نکلیں۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شمار محدثین کے پانچویں طبقے میں ہوتا ہے جن کی روایات چالیس یا چالیس سے کم ہیں' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے درج ذیل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کی ہے:

marfat.com

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲) حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳) حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پانچ احادیث مروی ہیں' ان میں سے بخاری شریف میں صرف ایک ہے اور باقی چار حدیثیں احادیث کی مختلف کتب میں ہیں۔

اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ حدیث پاک جو بخاری شریف میں ہے' یہ ہے:

فرماتی ہیں کہ ہماری ایک بکری مرگئی' ہم نے اس کے چمڑے کو دباغت دے دی' ہم اس پر کھجور کا پانی ڈالتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانی مشک ہوگئی لہٰذا دباغت سے مردہ جانور کی کھال پاک ہو جاتی ہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ۱۹ ہجری میں ہوا اس وقت آپ کی عمر ۷۲ سال تھی' وصال سے قبل انہوں نے اپنے گھر کے متعلق وصیت فرمائی:

''میرے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد میرا گھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا جائے۔''

جب اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوگیا اور وہ اپنے محبوب آقا وشوہر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوسرے جہان میں تشریف لے گئیں تو حضرت عمر فاروق خلیفۃ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''مومنوں کی اس مقدس ماں کا جنازہ رات کو اُٹھاؤ۔''

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حبشہ میں عورتوں کی میت کے لیے پردہ دار مسہری بناتے دیکھا تھا لہٰذا انہوں نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے ویسی ہی مسہری تیار کی جب اسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملاحظہ فرمایا تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دعا دی اور فرمایا:

''ستر تھا سترک اللہ. تم نے ان کو پردے میں ڈھانپا' اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ

marfat.com

پوشی فرمائے۔"

جب جنازہ تیار ہو گیا تو اسے آخری منزل کی طرف لے چلے اور جنت البقیع میں لے جا کر قبر میں اُتار دیا جو آخرت کی پہلی منزل ہے۔ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور چراغ بجھ گیا تھا لیکن حقیقتاً اس کی روشنی آج بھی برقرار ہے اور قیامت تک رہے گی۔

marfat.com

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ
بنت ابوبکر صدیق
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حکمتِ نکاح

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حبالہ عقد میں لینے میں کئی حکمتیں تھیں

اوّل: حکم ربی تھا۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام آسمان سے ریشمی کپڑے پر ان کی تصویر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور عرض کی ان سے نکاح کرلیں۔ یہ آپ کی اہلیہ ہے۔

دوم: رفیق یار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے رشتہ کی فضیلت عطا کرنا تھی جنہوں نے دین اسلام کی خاطر بے پناہ قربانیاں دی تھیں۔

سوم: اہل عرب کے نزدیک شوال کے مہینے میں شادی کرنا منحوس سمجھا جاتا تھا۔ اس رسم کی بیخ کنی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی ماہ میں نکاح کیا اور اسی ماہ میں رخصتی ہوئی۔

marfat.com

چہارم: امتیوں کو بتانا مقصود تھا کہ دوست اور دینی بھائی کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

پنجم: آیت تیمم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے نازل ہونا تھا جس سے نماز کی ادائیگی میں آسانی پیدا ہونا تھی۔

ششم: حضرت عائشہ صدیقہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعے دینی مسائل و احادیث مبارکہ کا وافر ذخیرہ مسلمانوں کو ملنا تھا۔ مزید برآں علم نبوت کو اپنی روحانی اولاد تک پہنچانے اور اسے پھیلانے کے لئے بڑا اہم کردار ادا کرنا تھا۔

marfat.com

حالاتِ زندگی

حجون کی طرف سے جہاں مکہ کا قبرستان ہے' جسے معلیٰ کہتے ہیں' لوگوں کا ایک خاصا بڑا ہجوم آ رہا تھا' سب خاموش' چپ اور افسردہ تھے۔ یہ لوگ سیّد الانبیاء' نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اُم المومنین سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زندگی کی آخری منزل پر پہنچا کر آ رہے تھے۔ آج ان سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پچیس سالہ ناطہ ٹوٹ گیا تھا' سب سے آگے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ کے پیچھے آپ کے عشاق و جانثار تھے۔

ہجوم آہستہ آہستہ قریب آ رہا تھا اب ان کے مقدس چہرے واضح اور روشن نظر آ رہے تھے جن پر غم واندوہ کی طویل خاموشی محیط تھی اور پھر وہ ہجوم سیّدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی طرف مڑ گیا جہاں ان کی معصوم بچیاں ماں کی جدائی میں غم کا پیکر بنی بیٹھی تھیں۔ وہ کم سن تھیں اور قدم قدم پر انہیں ماں کی ضرورت تھی' ماں کے پیار کی ضرورت تھی۔

محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر منصب رسالت کی بہت بڑی ذمہ داری تھی جو آپ نے نبھانا تھی اور ہر حال میں نبھانا تھی۔ بڑی صاحب زادی سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیّدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ تو خیر سے اپنے خاوند ابوالعاص بن ربیع اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آباد تھیں لیکن مسئلہ سیّدہ اُم کلثوم اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تھا جو توجہ اور دیکھ بھال چاہتی تھیں۔ اس کے علاوہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک ایسی خاتون خانہ کی ضرورت تھی جو نہ صرف بچیوں کو ماں

marfat.com

کی محبت دے سکے بلکہ آپ جب گھر تشریف لائیں تو باعثِ راحت وسکون ہو۔

چچا ابوطالب اور سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد مشرکین و کفار مکہ نے اپنی ایذاء رسانیوں میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جاتے تو ناہنجار و بدقماش لوگ راستے میں بیٹھ جاتے اور آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکتے مگر آپ بڑے پُروقار انداز سے ان مقامات سے گزر جاتے جب گھر تشریف لاتے تو بیٹیاں جب باپ کے چہرۂ اقدس اور سرمبارک کو دیکھتیں جو گرد وغبار سے اَٹا ہوتا تو ان کے معصوم دل تڑپ اُٹھتے اور رخساروں پر آنسو بہنے لگتے۔ کوئی ماں باپ اپنی بیٹی کے گالوں پر آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ یہ آنسو بڑے سے بڑے پتھر دل باپ کو بھی پگھلا کر رکھ دیتے ہیں لیکن رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت باپ بے مثل محبت و شفقت کے مظہر و پیکر تھے جب اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اس حال میں دیکھتے جن کی ماں صرف چند روز ہوئے فوت ہوئی تھیں تو ان سے پیار کرتے اور فرماتے:

''روؤ نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی حفاظت کرے گا۔''

اور پھر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ جاتے اور بچیاں باپ کا سر دھونے لگتیں، کبھی سیّدہ اُم کلثوم اور کبھی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کی تمام ایذاء رسانیوں کو بھول جاتے۔

حالات تقاضا کرتے تھے کہ تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم دوسری شادی کر لیں، دن گزر رہے تھے ایک دن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آرام فرما رہے تھے کہ عالم خواب میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سبز ریشمی پارچہ پر سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تصویر لائے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ خاتون اس دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہے۔''

بیوی کا چہرہ دیکھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ہی ارشاد فرمایا:

''اگر یہ خواب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے تو ضرور پورا ہوگا اور اللہ تعالیٰ

marfat.com

ایسی زوجہ ضرور عطا فرمائے گا۔"

اور یہ خواب مسلسل تین رات آتا رہا اور یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے بہت بڑی منقبت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے سے پہلے ہی ان کے جمال پُرانوار کا محب و مشتاق بنا دیا۔

ایک روز رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما رہے تھے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حاضر خدمت ہوئیں اور عرض گزار ہوئیں:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان' آپ دوسرا نکاح کر لیں۔"

"کس سے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

"بیوہ اور کنواری دونوں طرح کے رشتے ہیں جسے پسند فرمائیں۔"

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

"کون ہیں؟"

"بیوہ تو حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور کنواری آپ کے قریب ترین دوست اور عاشق زار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحب زادی سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔"

حضرت خولہ زوجہ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا تو فرمایا:

"دونوں جگہ بات کرو۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اذن پانے کے بعد حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدھی سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے در دولت پر پہنچیں اس وقت وہ گھر پر نہیں تھے' ان کی اہلیہ محترمہ حضرت سیّدہ زینب اُم رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑی خندہ پیشانی سے انہیں بٹھایا تو حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

marfat.com

''بہن! میں عائشہ بیٹی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام لے کر آئی ہوں۔''

''عائشہ رضی اللہ عنہا کے باپ کو آ لینے دو' ان سے بات کروں گی پھر بتاؤں گی' کل آنا۔''

حضرت زینب اُم رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا تو سیّدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُٹھ کر سیّدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد زمعہ کے پاس آتی ہیں' وہ انہیں دیکھ کر کہتے ہیں:

''آؤ خولہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بیٹھو''

''آپ کو آج کا دن مبارک ہو۔''

وہ بولیں۔

''تمہارے لیے بھی خیر و برکت ہو' کیسے آئی ہو؟''

زمعہ نے دریافت کیا۔

''آپ کی بیٹی سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے پیام لائی ہوں۔''

''کس کا؟''

''سنیں گے تو خوش ہو جائیں گے۔''

سیّدہ خولہ نے جواب دیا۔

''بتاؤ تو سہی؟''

زمعہ نے اپنی پوری توجہ اس کی طرف مبذول کر دی۔

''اللہ کے محبوب ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا۔''

''لاریب ذاتی اور خاندانی لحاظ سے آپ سے بہتر اور کوئی نہیں ہے۔''

زمعہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''پھر کیا ارادہ ہے؟''

سیّدہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت کیا۔

marfat.com

''ذاتی طور پر مجھے قطعاً اعتراض نہیں لیکن سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرضی دریافت کرلو۔''

زمعہ نے مشورہ دیا تو وہ اُٹھ کر ان کے پاس چلی گئیں۔ انہوں نے سیّدہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا تو بڑی محبت سے بٹھایا۔

''کیسے آئی ہیں؟''

انہوں نے دریافت کیا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں' کیا مرضی ہے؟''

سنا تو اپنی سماعت پر یقین نہ آیا کہ اس عمر میں جبکہ عمر پچاس سال ہے' نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ آئے گا۔ جذبات کا عجیب عالم تھا کہ ایسی دولت نایاب حاصل ہوگی' میکے اور سسرال دونوں جگہ ان کا بڑا احترام تھا' مالی حالت بھی بہت مستحکم تھی۔ سکران کی صلب سے ایک بیٹا بھی تھا' قدیم الاسلام تھیں' ان کے توسط سے بہت سے عزیز واقرباء مشرف بہ اسلام ہوئے تھے' فدائیت کی حد تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی تھیں۔ بولیں:

''خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! میں رسولِ عربی' اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی ہوں' وہ میرے ہادی ورہنما ہیں' انہیں میری ذات کے بارے میں فیصلہ کرنے کا کلی اختیار ہے جس طرح چاہیں' فیصلہ فرمائیں''۔

دوسرے دن حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوبارہ سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئیں' وہ منتظر تھے جب وہ بیٹھ گئیں تو گویا ہوئے:

''خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! مجھے تمہارے توسط سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ملا ہے' میرا جو تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کی روشنی میں کیا یہ جائز ہے؟ عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہیں''۔

''میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ضمن میں بات کروں گی پھر اطلاع دوں گی۔''

marfat.com

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اور اُٹھنے لگیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''ایک اور بات ہے۔''

''وہ کیا؟''

''میں عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لیے جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں' وعدہ خلافی ہوگی تاوقتیکہ اس طرف سے کوئی جواب نہ ملے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا تو وہ اُٹھ کر چلی گئیں اور سیّدھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس پر پہنچیں اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سودہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے آپ کو اختیار دے دیا ہے کہ جو چاہیں اس کے حق میں فیصلہ صادر فرمائیں۔''

پھر عرض کیا:

''میں آپ کے دوست اور جانثار کے ہاں بھی گئی تھی۔''

''کیا کہتا ہے؟''

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کہتے ہیں کہ عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تعلق کے لحاظ سے آپ کی بھتیجی لگتی ہے' کیا یہ رشتہ جائز ہوگا؟''

سماعت فرمایا تو ارشاد کیا:

''ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میرا صرف دینی بھائی ہے' نکاح جائز ہے۔''

ایک بات انہوں نے یہ بھی بتائی تھی کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے انہوں نے جبیر بن مطعم سے وعدہ کر رکھا ہے۔

''ٹھیک ہے''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور پھر حضرت سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی ہوگئی جنہوں نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کی اپنی اولاد سے بڑھ کر دیکھ بھال کی۔

marfat.com

چند دنوں کے بعد جبیر بن مطعم نے خود ہی سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کرنے سے انکار کر دیا اور وجہ یہ بتائی:

''میں نہیں چاہتا کہ عائشہ کے گھر میں آنے سے میرے گھر میں اسلام داخل ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کی تمام رکاوٹیں دُور کر دی تھیں۔ چنانچہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیّدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بُلا بھیجا جب آئیں تو کہا:

''جبیر نے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے اب آپ جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیں کہ جب چاہیں، عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے شادی کر لیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ تیم بن مرہ بن کعب سے تعلق رکھتے تھے، ان کا نسب آٹھویں پشت میں مرہ پر جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے اس قبیلے کی ذمہ داری خون بہا اور دیتیں اکٹھی کرنا تھا۔ شجاعت، مروت، بہادری اور ہمسایوں کی حمایت وحفاظت کی جو صفات دوسرے قبائل عرب میں موجود تھیں، وہی بنو تیم میں بھی تھیں۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد محترم کا نام عبداللہ اور کنیت ابوبکر تھی، لقب عتیق تھا۔ بعض لوگوں نے جب سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا:

''آپ کے والد کو عتیق کیوں کہتے ہیں؟''

تو فرمایا:

''ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''ھذا عتیق اللہ من النار'' (اللہ کا یہ بندہ آگ سے آزاد شدہ ہے)

ابوبکر آپ کی کنیت تھی اور عمر بھر اپنی کنیت ہی سے موسوم کیے جاتے رہے۔

قریش قوم کی طرح آپ کا پیشہ بھی تجارت تھا، کپڑے کا کاروبار کرتے تھے، وسیع اور کامیاب تجارت میں ان کی جاذب نظر شخصیت اور بے نظیر اخلاق کا بھی خاصہ دخل تھا۔

marfat.com

ان کا رنگ سفید' بدن چھریرا' داڑھی خشخشی' چہرہ شگفتہ' آنکھیں روشن اور پیشانی فراخ تھی' بہترین اخلاق کے مالک' رحم دل اور نرم خو تھے' ہوش وخرد' عاقبت اندیشی اور بلند فکر و نظر کے لحاظ سے مکہ کے بہت کم لوگ ان کے ہم پلہ تھے۔ قلب سلیم پایا تھا اس لیے بچپن سے ہی گمراہ کن اعتقادات اور رسوم و عادات سے بالکل الگ رہتے تھے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''میرے باپ نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں شراب کا قطرہ تک نہیں چکھا۔''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم میں بہت ہر دل عزیز تھے' علم الانساب کے بہت بڑے ماہر تھے۔ قریش مکہ کے اہم خاندانوں کے نسب انہیں ازبریاد تھے اور ہر قبیلے کے عیوب و نقائص اور محاسن واوصاف سے بخوبی واقف تھے اس وصف میں قریش کا کوئی فرد ان کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ وہ خلیق' ایمان دار اور ملن سار تاجر تھے' قوم کے تمام لوگ ان کے اعلیٰ اخلاق اور برتاؤ کے معترف تھے اور انہیں فضائل کے باعث ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار شادیاں کی تھیں' پہلی زوجہ قتیلہ بنت العزیٰ تھیں۔ ان سے سیّدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیّدہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جن کا لقب ذات النطاقین تھا۔ دوسری زوجہ محترمہ کا نام سیّدہ زینب بنت عامر اور کنیت اُم رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھی' ان سے سیّد عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ان کی والدہ محترمہ کے بارے میں ایک مرتبہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

''اگر کوئی شخص حورانِ جنت میں سے کسی عورت کو دیکھنا پسند کرتا ہے تو وہ اُم رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھ لے۔''

اور جب ۶ ہجری میں ان کا وصال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں اُترے اور فرمایا:

marfat.com

''یارب العالمین! تجھ سے پوشیدہ نہیں کہ اُم رومان (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے تیرے لیے اور تیرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے کیا کچھ برداشت کیا ہے۔''

سیّدنا حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے سیّدنا محمد ابی عتیق بھی صحابی رسول تھے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کی تیسری زوجہ سیّدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جن سے حضرت سیّد محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تھے اور چوتھی بیوی سیّدہ حبیبہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد سیّد عثمان ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی اور والدہ محترمہ سیّدہ سلمٰی اُم الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحابیہ تھیں اس طرح صدیق نسل کی چار پشتیں متواتر زمرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں داخل ہوئیں اور یہ شرف اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

سیّدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت کا سال متنازعہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم مؤرخین نے بالعموم اس کا تعین نہیں کیا جن مؤرخین نے سیّدہ کی ولادت کا ذکر بقید سن کیا ہے' انہوں نے متضاد بیانات درج کر کے عمر کے مسئلہ کو مشکوک بنا دیا ہے۔ بہتر ہے کہ اس مسئلہ کو واضح اور روشن کر دیا جائے کہ سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے وقت عمر پندرہ سال ہجرت کے وقت اٹھارہ سال اور رخصتی کے وقت انیس سال تھی اور جو لوگ نکاح کے وقت چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال عمر لکھتے ہیں' درست نہیں ہے۔ میاں محمد سعید نے اپنی کتاب ''حیات اُم المومنین رضی اللہ عنہا'' میں حوالوں کے ساتھ اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے لہٰذا اس کو من وعن درج کیا جاتا ہے' لکھتے ہیں:

''مشہور سیرت نگار علامہ سیّد سلیمان ندوی نے سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے:

(مؤرخ ابن سعد نے لکھا ہے اور بعض ارباب سیر نے اسی کی تقلید کی ہے کہ

marfat.com

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبوت کے چوتھے سال کی ابتدا میں پیدا ہوئیں اور نبوت کے دسویں سال چھ برس کے سن میں بیاہی گئیں...... الخ)

لیکن علامہ مرحوم کو ابن سعد کے اس حوالہ سے اتفاق نہیں' وہ سیّدہ کی پیدائش نبوت کے پانچویں سال میں بتاتے ہیں اور ان کے ہم خیال متعدد علماء کا مؤقف یہی ہے۔ ہم تاریخ و سیرت کی موجودہ کتابوں میں بالعموم یہی پڑھتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح چھ برس کی عمر میں اور رخصتی نو برس کی عمر میں ہوئی۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق یہ الہام متاخرین کا وضع کردہ ہے کیونکہ بعض متقدمین نے اس نوعیت کی روایات کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے جن سے یہ مفہوم اخذ کیا جاتا ہے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ دوسری نوعیت کی روایات کو چھپانے کی کوشش کیوں کی جاتی ہے جن سے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سن پیدائش قبل نبوت زمانہ ثابت ہوتا ہے اور ان کا عقد زیادہ عمر میں ظاہر ہوتا ہے۔

علامہ سلیمان ندوی سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں شادی کے زیر عنوان ایک حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''بعض بے احتیاط لوگوں نے اس خیال سے کہ کمسنی کی یہ شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موزوں نہیں' اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ ثابت کریں کہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چھ برس کے بجائے سولہ برس کی تھی لیکن ان کی یہ کوشش تمام تر بے سود اور ان کا یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔ حدیث و تاریخ کے پورے دفتر میں ایک حرف بھی ان کی تائید میں موجود نہیں ...... الخ''

ہمارے دل میں علامہ ندوی مرحوم کے لیے احترام و برتری کے پورے جذبات موجود ہیں لیکن معاملہ چونکہ تاریخی حقائق کا ہے اس لیے ہم تصویر کا دوسرا رُخ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ مؤرخ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری نے اپنی مشہور عالم تاریخ میں خلیفہ اوّل سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ازواج کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''علی بن محمد کی روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمانۂ جاہلیت

marfat.com

میں قتیلہ سے نکاح کیا تھا۔ واقدی اور کلبی بھی اس روایت سے متفق ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قتیلہ کا شجرہ یہ ہے' قتیلہ بنت عبدالعزیٰ بن عبد بن اسعد بن جابر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔ قتیلہ سے آپ کے یہاں عبداللہ اور اسماء پیدا ہوئیں۔ نیز زمانۂ جاہلیت میں آپ نے اُم رومان بنت عامر بن عمیرہ بن ذہل بن دہمان بن الحارث بن غنم بن مالک بن کنانہ سے نکاح کیا تھا ان کے بطن سے آپ کے یہاں عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئے۔ آپ کی یہ چاروں اولادیں جوان دو بیویوں سے پیدا ہوئیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے' زمانۂ جاہلیت میں پیدا ہوئی تھیں۔"

مؤرخ طبریٰ کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت بعثت نبوی سے پہلے ہو چکی تھی۔ محمد عبدالملک ابن ہشام نے سیرت کی اوّلین تالیف ''سیرت ابن ہشام'' سابقین الاوّلین کے زیرِ عنوان اس کی ابتدا اُم المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کرتے ہوئے آزاد مرد خواتین' غلام اور بچے ایک ہی فہرست میں شامل کیے ہیں اس فہرست میں انیس اور بیس نمبر پر بنات الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے ابن ہشام لکھتا ہے:

''اور اسماء بنت ابی بکر اور عائشہ بنت ابی بکر نے جو اس وقت کم سن تھیں'' (اسلام قبول کیا۔ للمؤلف)

اس شہادت سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ بعثت کے ابتدائی ایام میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعہد کمسنی اسلام میں داخل ہوئیں یعنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش سال بعثت سے کچھ عرصہ قبل ہو چکی تھی اس کی تصدیق صحیح بخاری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے دوسرے سیرت نگاروں کی طرح خود علامہ سلیمان ندوی نے سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں بدیں الفاظ درج کیا ہے:

''صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو افگن ہوئیں۔ اس بناء پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان برگزیدہ لوگوں میں ہیں جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آوازیں نہیں سنیں۔ خود

marfat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا' ان کو مسلمان پایا۔'' (سیرت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ص ۸)

اس عبارت میں علامہ مرحوم نے اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اپنی منتخبہ روایت کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی ولادت سے پہلے ہی صدیقی گھرانا اسلام قبول کر چکا تھا اور ان کے کانوں میں اوّلین صدا اللہ اکبر کی پہنچی جس روایت کا حوالہ علامہ مرحوم نے اس جگہ دیا ہے۔ یہ دراصل عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک طویل روایت ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع صحیح کے پندرہویں پارہ میں کتاب الہجرت باب نکاح عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زیرِعنوان درج کیا ہے۔ یہ حدیث بہت طویل ہے اور اس کا مکمل متن و ترجمہ یہاں نقل کرنا تحصیل حاصل ہے البتہ اس کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا' اپنے والدین کو دین (اسلام) سے مزین پایا اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام دونوں وقت ہمارے ہاں تشریف نہ لاتے ہوں پھر جب مسلمانوں کو ستایا جانے لگا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہجرت کے ارادے سے ارضِ حبشہ کی طرف چل دیئے حتیٰ کہ مقام برک الغماد پہنچے تو قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا:

اے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے' میں چاہتا ہوں کہ اب زمین کی سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ تم جیسا آدمی نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ تم حاجت مند کی مدد کرتے ہو' رشتہ داروں سے سلوک کرتے ہو' بے کسوں کی کفالت کرتے ہو' مہمان کی ضیافت کرتے ہو اور دوسروں کے لیے راہ حق میں مصیبت اُٹھاتے ہو۔ میں تمہیں اپنی حمایت و پناہ میں لیتا ہوں' چلو لوٹ چلو اور اپنے وطن میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کرو۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ

marfat.com

تعالیٰ عنہ ابن الدغنہ کے ساتھ واپس آئے ......الخ‘‘

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حبشہ کی جانب ہجرت کی اور راستہ سے ابن الدغنہ کی وجہ سے واپس لوٹ آئے اس سے پہلے سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عہد شعور کو پہنچ چکی تھیں یا کم از کم اتنی ہوش مند ہو چکی تھیں کہ انہیں کفر و اسلام کا فرق معلوم تھا اور حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کو یادداشت میں محفوظ کر لینے کی استعداد حاصل تھی۔ حبشہ کی طرف مسلمانوں نے دو مرتبہ ہجرت کی ہے۔ مہاجرین کی جماعتوں کے علاوہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا فرداً فرداً حبش کی طرف جانا بھی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبشہ کے لیے کب ہجرت کی اس کے متعلق شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب خلفائے راشدین میں رقم طراز ہیں:

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے جانثاروں کو ان مصائب میں مبتلا پایا تو ستم زدوں کو حبش کی طرف ہجرت کی اجازت دی اور بہت سے مسلمان حبش کی طرف روانہ ہوگئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی باوجود وجاہت ذاتی اور اعزاز خاندانی کے اس دار و گیر سے محفوظ نہ تھے۔ چنانچہ جب حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان نے کچھ حمایت نہ کی۔ ان اذیتوں سے مجبور ہو کر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی اور رخت سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے جب آپ مقام برک الغماد میں پہنچے تو ابن الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی۔ چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ساتھ پھر مکہ واپس آئے۔‘‘ (خلفائے راشدین ص ۲۲، ۲۳)

شاہ معین الدین ندویؒ نے اس واقعہ میں طبقات ابن سعد کا حوالہ بھی دیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حبشہ کی اوّلین ہجرت یعنی ۵ نبوی کے دوران ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حبشہ کے لیے روانہ ہوئے تھے اور رئیس قارہ کے امان دینے پر برک الغماد سے لوٹ کر واپس آ گئے تھے اس صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سیّدہ

marfat.com

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محولا بالا حدیث میں اپنے شعور اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یومیہ آمد کا جو ذکر کیا ہے' یہ ۵ نبوی سے پہلے کے واقعات ہیں۔

علامہ ندوی مرحوم کے بیان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ۵ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ظاہر کی گئی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ ولادت کے سال ہی ہجرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ پیش آیا اور علامہ نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا استناد کے لیے اپنی کتاب میں درج بھی کیا ہے۔ ہم یہ گمان بھی نہیں کر سکتے کہ علامہ مرحوم نے پوری حدیث پر نگاہ نہیں ڈالی ہوگی' یہ شبہ بھی جائز نہیں کہ موصوف نے قصداً ایک ''مفید مطلب'' فقرہ اپنے مضمون میں نقل کر دیا اور باقی روایات کو ترک کر دیا ہوگا۔ آج علامہ سلیمان ندوی ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں ورنہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر معلوم کیا جاتا کہ انہوں نے ان متضاد بیانات میں تطبیق کیسے فرمائی اور زیادہ عمر والی روایات کے مقابلہ میں' کمسنی پر دلالت کرنے والی روایات کو کس بناء پر ترجیح دی؟

سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرمودات سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ۵ نبوی سے پہلے وہ اتنی باشعور ہو چکی تھیں کہ اپنے والدین کے اسلام کو سمجھ سکتی تھیں' دین اسلام کی وجہ سے کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر جو مظالم کیے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہبی استبداد سے بچانے کے لیے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دی' یہ سب واقعات سیّدہ کے چشم دید اور ان کی یادداشت میں محفوظ تھے ان حقائق کی روشنی میں اس حدیث کا مفہوم بالکل واضح ہے اگر سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت زمانہ اسلام میں ہوئی ہوتی تو مبہم انداز اختیار کرنے کی بجائے سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی قادر الکلام خاتون نے بین الفاظ میں فرمایا ہوتا کہ میری ولادت بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئی۔ ان تمام حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعثت سے کچھ عرصہ پہلے پیدا ہو چکی تھیں' سال ولادت کا تعین کرنے کے لیے ہم اسماء الرجال متعلقہ مشکوٰۃ شریف کی طرف رجوع کریں گے۔

حرف الف طبقہ اناث کے تحت سیّدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

marfat.com

حالات میں لکھا ہے:

''اسماء بنت ابی ابوبکر صدیق صحابیہ ہیں' محبوبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سوتیلی بہن ہیں اور ان سے دس برس بڑی ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں' سترہ آدمیوں کے بعد اٹھارہویں اسلام لانے والی ہیں' ان کی وفات ان کے صاحب زادہ عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے چند دن بعد ۷۳ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر سو برس کی تھی......الخ''

شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی نے ۷۳۷ھ میں مشکوۃ المصابیح مکمل کی تھی۔ بعض علماء نے خطیب کے اس بیان کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کا ایک مصنف سنین کے تعین سے واقعات کو ترتیب دینے میں حق بجانب نہیں ہوسکتا لیکن ہم تاریخ وسیرت کے ذخیرہ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خطیب اس معاملہ میں منفرد نہیں ہے۔ اسماء الرجال کی ایک اہم کتاب اسد الغابہ میں سیّدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کے متعلق صراحت کے ساتھ لکھا ہے:

''حضرت اسماء حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑی تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باپ کی جانب سے ان کی بہن تھیں۔ عبداللہ ابن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے حقیقی بھائی تھے۔ ابونعیم نے کہا کہ ان کی پیدائش تاریخ (یعنی ہجرت) سے ستائیس سال پہلے ہوئی تھی اور جب ان کی پیدائش ہوئی تو ان کے والد کی عمر کچھ اوپر بیس سال کی تھی۔ حضرت اسماء سترہ آدمیوں کے بعد اسلام لائی تھیں۔'' (اسد الغابہ جلد۵ ص۲۹۲)

امام ابن کثیرؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تالیف ''البدایہ والنہایہ'' میں سیّدہ اسماء صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تذکرہ میں لکھا ہے:

''اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا موت کے اعتبار سے تمام مہاجرین و مہاجرات میں سب سے آخری ہیں' ان کی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں' ان کے والد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں' ان کے دادا ابوعتیق ہیں' ان کے بیٹے عبداللہ

marfat.com

رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور یہ سب کے سب صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔ حضرت اسماء اپنے بیٹے اور شوہر کے ساتھ معرکہ یرموک میں شریک تھیں، یہ اپنی بہن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں، اس سال (۷۳ھ میں) جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، انہیں اپنے بیٹے عبداللہ کے قتل کا واقعہ دیکھنا پڑا اس واقعہ کے پانچ دن بعد اور ایک قول ہے کہ دس دن بعد تیسرا قول ہے کہ بیس دن بعد اور چوتھا قول ہے کہ کچھ اوپر بیس دن بعد اور پانچواں قول ہے کہ سو دن بعد اور یہی قول مشہور ہے، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی۔ وفات کے وقت ان کی عمر سو سال تھی، نہ ان کا کوئی دانت ٹوٹا تھا اور نہ عقل میں کوئی فتور آیا۔ رحمہا اللہ تعالیٰ'' (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۳۴۶)

قدیم تواریخ سے یہ اقتباسات نقل کرنے سے ہمارا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کے بارے میں دونوں مسالک کی تائید میں وافر مواد موجود ہے۔

ایسی حالت میں علامہ ندوی مرحوم کے اس ارشاد میں کتنا وزن باقی رہ جاتا ہے۔

''حدیث و تاریخ کے پورے دفتر میں ایک حرف بھی ان کی تائید میں موجود نہیں ہے۔'' یہ فیصلہ ہم قارئین کے انصاف پر چھوڑتے ہیں۔ متذکرہ بالا تاریخی شہادتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۷۳ ہجری میں سیّدہ اسماء صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سو سال کی عمر میں ہوئی اس حساب سے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اھ میں ۲۸ سال کی تھیں اور ان کی ولادت ۲۸ قبل از ہجرت مطابق ۱۵ قبل نبوت مطابق ۲۶ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی تھی۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے عمر میں دس سال چھوٹی تھیں اس لیے ولادت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۳۶ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مطابق ۵ قبل نبوت مطابق ۱۸ قبل از ہجرت میں ثابت ہوتی ہے یعنی ہجرت کے وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

ہمارے آقا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی

marfat.com

اس سال کو ہم نے محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ ربیع الاوّل ۱محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کارزارِ حیات میں قدم افروز ہوئے تو قاعدہ کی رو سے ربیع الاوّل ۲محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک سال کی عمر کو پہنچ گئے اور ۳محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں دو سال کے ہو گئے۔ یعنی محمدی سال کا جو عدد ہو گا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کا عدد اس سے ایک کم ہو گا۔ اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ آپ کا عقد ۲۶محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر عقد کے وقت پچیس سال کی تھی۔ ہجرت ۵۴محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ترپن سال کی عمر میں فرمائی اور ۶۴محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ۶۳ سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم واصل بحق ہو گئے۔ کسی مخصوص واقعہ کے محمدی سال کے سامنے قبل نبوت یا نبوت اور قبل از ہجرت یا ہجری سال معلوم کیا جا سکتا ہے۔

سیّدہ اسماء صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۲۶محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا ہوئیں تو ۲۷محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک سال کی عمر کو پہنچیں۔ سال بہ سال شمار کریں تو اقبل ہجرت میں ان کی عمر ۲۷ سال ۱ہجری میں ۲۸ سال اور ۱۱ ہجری میں ۳۸ سال ہوتی ہے اسی طرح حساب سے گنتے جائیں تو ۷۳ ہجری میں وفات کے وقت ان کی عمر پوری سو سال ہوتی ہے۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی بڑی بہن اسماء صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال چھوٹی تھیں اس لیے ان کی ولادت بڑی ہمشیرہ سے دس سال بعد یعنی ۳۶محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔ بعثت نبوت کے سال ۴۱محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر پانچ برس کی ہو چکی تھی' بعد کے واقعات کا تعین اس حساب سے کیا جائے تو اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۵۱محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعمر پندرہ سال ہوا۔ مدینہ کی طرف ہجرت ۵۴محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعمر اٹھارہ سال ہوئی اور رخصتی ۵۵محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعمر انیس سال ہوئی۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی رفاقت میں ۶۴محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تک رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ

marfat.com

علیہ وسلم جس وقت اس دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت ۶۴ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مطابق ۱۱ ہجری تھا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی عمر کے ۲۸ سال پورے کر چکی تھیں۔

عہد حاضر کے جن محققین نے تاریخ و روایت پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے اور تقلید جامد کے برعکس درایت و تنقیح سے کام لیتے ہوئے اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر متعین کرنے میں کچھ محنت اُٹھائی ہے' ان میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے اپنی ''تقویم تاریخی'' میں سنہ ولادت ۱۴ قبل ہجرت لکھا ہے جو کہ ۴۰ میلادِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے۔ کاش البرنی نے ''المختصر تقویم خیر القرون'' میں ۱۸ ھ مطابق ۳۶ میلادِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مطابق ۶۰۴ شمسی عیسوی قرار دیا ہے۔

ہمارا منشا یہ نہیں ہے کہ قدیم روایات کے رد و قبول میں شخصی رائے کو غالب کر دیا جائے یا محض عقلی توجیہات پر تاریخ کی بنیاد اُٹھا دی جائے۔ اصل مقصد حقیقت کا ادراک ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ سارے تاریخی و روایاتی ذخیرہ پر تحقیقی نگاہ ڈالی جائے اور قرآنی تعلیمات' اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمدن عرب اور عہد رسالت کے سیاسی و معاشرتی حالات کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا جائے اس طرزِ تحقیق سے پورے اطمینان کے ساتھ یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت بعثت رسالت سے پہلے ہو چکی تھی' کمسنی میں اپنے والدین کے ساتھ مشرب بہ اسلام ہوئیں اور سن بلوغ کو پہنچ کر اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئیں۔

میاں محمد سعید کی اس پُر مغز تحریر و تحقیق کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر بوقت نکاح پندرہ سال بوقت ہجرت اٹھارہ سال اور بوقت رخصتی انیس سال تھی اب ضرورت اس امر کی ہے کہ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر بوقت نکاح و رخصتی کے سلسلے میں اپنا قبلہ درست کر لیا جائے اگر ایک لمحے کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ جیسا لوگ کہتے ہیں کہ بوقت نکاح چھ سال اور بوقت رخصتی نو سال تھی تو پھر یہ

marfat.com

سنت ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق کا یہ حال تھا کہ جس مقام سے آپ سراقدس کو جھکا کر گزرے' وہ اپنا سر جھکا لیتے تھے اور دریافت کرنے پر بتاتے تھے کہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یا بعد کسی صحابی' تابعی' تبع تابعین' ولی اللہ' مفسر' محدث' فقیہہ یا عالم نے اپنی بیٹی کی شادی چھ سال اور رخصتی نو سال میں نہیں کی۔ یہ لمحہ فکریہ ہے اور درست بات یہی ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بوقت نکاح عمر مبارک پندرہ سال' ہجرت کے وقت اٹھارہ سال اور رخصتی کے وقت انیس سال تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح اور ان کی رخصتی کے متعلق عمر کے سلسلہ میں حکیم محمود ظفر اپنی کتاب ''اُمہات المومنین'' میں ''پیدائش اور نکاح کے وقت عمر'' کے تحت رقم طراز ہیں۔

سیّدہ اُم رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا (والدہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا پہلا نکاح عبداللہ ازدی سے ہوا تھا' عبداللہ کی وفات کے بعد وہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی دو اولادیں ہوئیں۔ سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعض حضرات کا خیال ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبوت کے چوتھے سال کی ابتدا میں پیدا ہوئیں اور بعض پانچویں سال کے آخر میں ان کا پیدا ہونا لکھتے ہیں۔ مشہور روایات کے مطابق ان کی پیدائش کا سن یہی بتایا جاتا ہے' موجودہ زمانے کے مؤرخین اور اصحاب سیر نے بھی یہی لکھا ہے۔ ہم بھی بادل نخواستہ پہلے اسی کے قائل تھے لیکن دل و دماغ میں ہر وقت یہی خلجان رہتا تھا کہ اتنی چھوٹی عمر میں سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ہو گیا ہے کیونکہ اگر پیدائش اس سن میں تسلیم کی جائے تو پھر نکاح کے وقت آپ کی عمر صرف چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال بنتی ہے لیکن واقعاتی شہادتوں اور قوی قرائن اس بات کا ساتھ نہیں دیتے کہ سیّدہ کی نکاح کے وقت عمر چھ سال تھی بلکہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ بوقت نکاح ان کی عمر سولہ سترہ سال تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ راوی سے ''عشرۃ'' کا لفظ

marfat.com

درج کرنا ، کیا ہے۔ وہ کون سی واقعاتی شہادتیں اور قوی قرائن ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقت نکاح سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر سولہ سترہ سال تھی' ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علاتی بہن سیّدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ (اکمال فی اسماء الرجال ص ۵۵۸) امام ذہبی نے بھی عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کا قول نقل کیا ہے کہ اسماء سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ (سیر اعلام النبلاء جلد۲ ص ۱۵۲)

ایسا ہی حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب جلد۲ ص ۴ پر لکھا ہے کہ سیّدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا' سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال عمر میں بڑی تھیں۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ہجرت کے وقت سیّدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۲۷ سال تھی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الاصابہ میں ابونعیم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

"ولدت قبل الهجرة بسبع عشرين سنة"

وہ ہجرت سے ۲۷ سال قبل پیدا ہوئیں۔ (الاصابہ جلد۴ ص ۲۲۵)

دوسری دلیل اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ہمارے ارباب سیر اور مؤرخین نے بلکہ بخاری کی بعض روایات میں بھی یہ ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۴ یا ۵ ہجری میں پیدا ہوئیں لیکن اس بات کی تردید خود اصحاب سیر نے ایک دوسری روایت میں کر دی اور بتا دیا کہ سیّدہ کی عمر ہجرۃ نبوی کے وقت سترہ' اٹھارہ سال تھی اس سے کم نہ تھی۔ چنانچہ ابن ہشام نے اپنی کتاب "السیرۃ النبویہ" میں انبوی میں جو حضرات ایمان لائے' ان کی جو فہرست دی ہے اس میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بھی مرقوم ہے اور ساتھ ہی یہ ۔۔ دیا ہے کہ وہ ان ایام میں چھوٹی تھیں۔

marfat.com

اب جب سن انبوی میں ایمان لانے والوں میں ایک نام سیّدنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی ہے اگرچہ یہ بھی ساتھ لکھ دیا کہ وہ ان دنوں چھوٹی تھیں تو اس سے دو امور ثابت ہوئے:

(الف) سن انبوت میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہو چکی تھیں لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کی پیدائش ۴ یا ۵ نبوت میں ہوئی' وہ سراسر غلط ہے۔

(ب) دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر اس زمانہ میں اتنی تھی کہ وہ ایمان لانے اور نہ لانے کے معاملہ کو بخوبی سمجھ سکتی تھیں اگر ایمان لانے کے وقت ان کی عمر پانچ سال بھی تسلیم کر لی جائے تو ہجرت نبوی کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال بنتی ہے اور ہجرت سے ایک سال بعد یعنی شوال ۱ھ میں ان کی عمر انیس سال بنتی ہے جو کہ ایک بالغ اور شادی کے قابل عورت کی ہے۔ (مسند احمد ج۶ ص۲۱۱)

سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح سے قبل مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر بن مطعم کے ساتھ منگنی ہو چکی تھی یا پھر نکاح ہو چکا تھا اور جبیر بن مطعم اس وقت ایک جواں سال آدمی تھا اور اس کے جواں سال ہونے پر بخاری کی یہ روایت ایک بین دلیل ہے کہ جبیر بن مطعم ہجرت کے وقت اس سازش میں شریک تھا جو قریش نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے بارے میں دارالندوہ میں تیار کی تھی۔ (السیرت النبویہ ابن ہشام جلد ا ص ۴۸۱) پھر یہ روایت بھی ہمارے اس دعوے کو اور زیادہ پختہ کرتی ہے کہ جبیر بن مطعم جنگِ بدر کے قیدیوں کی رہائی کے لیے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطورِ سفارشی گیا تھا اور آپ نے اسے فرمایا تھا کہ میں تیری سفارش تو قبول نہیں کرتا البتہ اگر تیرا باپ آج زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے سفارش کرتا تو میں اس کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے ان تمام قیدیوں کو چھوڑ دیتا۔ (بخاری جلد ا ص' الاصابہ ترجمہ جبیر بن مطعم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جبیر ان دنوں خوب جواں سال تھا اب ایک جواں سال

marfat.com

آٹھ یا پانچ سالہ بچی سے کیسے شادی کر سکتا ہے جبکہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عرب میں صغرسنی کی شادی کا بالکل رواج نہیں تھا کیونکہ تاریخ و سیر کی ورق گردانی کرنے سے ایک مثال بھی نہیں پیش کی جا سکتی کہ کسی نوجوان عرب یا نوجوان صحابی رسول نے کسی کمسن لڑکی سے شادی کی ہو۔ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی ہجرتِ مدینہ سے کچھ پہلے سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تھی اور اس وقت وہ بالغہ تھیں کیونکہ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی۔

اگر یہ کہا جائے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف وعدہ ہی کیا ہوا تھا' نکاح نہیں ہوا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مختلف روایات کے الفاظ سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ نکاح ہی ہو چکا تھا کیونکہ بعض روایات میں الفاظ ''اعطیتھا'' اور ''فطلقھا'' آئے ہیں جو کہ نکاح پر دال ہیں۔ یہ نکاح اس وقت ہوا تھا جب مشرکین سے مسلمانوں کو نکاح کرنے کی ممانعت نہیں تھی لیکن اب حالات کی کروٹیں ان تمام مسلمانوں کو مجبور کر رہی تھیں کہ وہ اس قسم کی نسبتیں اور تعلقات مشرکین سے منقطع کر دیں۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی نہایت خاموشی' حسن تدبیر اور خوش اسلوبی سے اس رشتہ کو مطعم بن عدی کے بیٹے کے ساتھ منقطع کر دیا۔ (فدعنی حتی اسلھا منھم) پھر طبقات ابن سعد کی اسی روایت میں ہے کہ ''ثم تزوجھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کانت بکر''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا جبکہ آپ کنواری تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۵۸)

اس نکاح سے انقطاع کا طریقہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اختیار کیا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچاس سال کے قریب تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

marfat.com

چار بیٹیاں تھیں جن میں سے دو کی شادی ہو چکی تھی اور دو گھر میں نا کتخدا تھیں، باہر سے جب لوگوں کے ستائے ہوئے گھر تشریف لاتے تو ان دو بیٹیوں کی حالت دیکھ کر آپ کو اور زیادہ پریشانی ہوتی اس وجہ سے آپ کو ایک ایسی اہلیہ کی ضرورت تھی جو آپ کی دلداری بھی کرے اور بچیوں کی غم گساری بھی۔ اس ضرورت کو ایک چھ سالہ بچی سے نکاح کر کے پورا نہیں کیا جا سکتا تھا اس کے لیے ایک عاقلہ اور بالغہ عورت کی ضرورت تھی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کا خیال ظاہر فرمایا وہ اسی لیے تھا کہ وہ بالغہ بھی تھیں اور آپ کی اس ضرورت کو پورا بھی کر سکتی تھیں۔

خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو جو تجویز کی کہ آپ بیوہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں یا کنواری سے؟ آپ نے پوچھا کہ بیوہ کون ہے اور کنواری کون؟ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ بیوہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور کنواری عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بخوبی جانتے تھے کیونکہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی بھائی تھے اور آپ قریباً ہر روز ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اگر سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نابالغہ اور کمسن ہوتیں تو آپ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسی وقت یہ فرما دیتے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو ابھی بہت چھوٹی ہے اس لیے میں اس کے ساتھ کیسے شادی کر سکتا ہوں؟ لیکن نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا اور نہ ہی خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے کہا کہ ایک تو بیوہ ہے اور دوسری چھ سالہ بچی ہے بلکہ کہا کہ ایک بیوہ اور دوسری کنواری ہے۔

پھر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہونے کا عذر پیش کیا، سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کے بارے میں کوئی عذر پیش نہیں کیا اگر سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت صغیر سن ہوتیں تو سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے یہی عذر کرتے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو ابھی نابالغہ ہے، شادی کے قابل نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدہ کی عمر اس وقت کمسنی کی نہ تھی بلکہ آپ ایک بالغہ اور قابلِ شادی تھیں۔

marfat.com

مطعم بن عدی اور اس کی بیوی نے بھی سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ عذر نہیں کیا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابھی کمسن بچی ہے اس کی عمر ابھی صرف چھ سال ہے جب جوان ہو جائے تو پھر دیکھیں گے کہ حالات کیا کروٹ بدلتے ہیں بلکہ انہوں نے جو عذر پیش کیا' وہ یہ تھا کہ جب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شادی کے بعد ہمارے گھر آئیں گی تو ہمارے بچے کو بے دین کر دیں گی اگر سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر اس وقت پانچ چھ سال ہوتی تو اس عذر کا کوئی جواز نہ تھا کیونکہ پانچ چھ سال کی دُلہن اپنے جوان خاوند کو کیا دین سے پھیر سکتی ہے؟ بلکہ یہ عمر متاثر ہونے والی ہوتی ہے' مؤثر کرنے والی نہیں ہوتی۔

اس سلسلہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کے بارے میں روایت میں کچھ چوک ہوئی ہے اور ان کی عمر کے بارے میں جو یہ روایت کیا گیا ہے کہ شادی کے وقت ان کی عمر ''ست سنین'' تھی اس میں راوی سے عمداً یا سہواً ''عشرۃ'' کا لفظ رہ گیا ہے۔ راوی بتانا یہ چاہتا ہے کہ شادی کے وقت سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ''ست عشر'' تھی اور ''عشر'' (یعنی دس) کا لفظ روایت میں رہ گیا ہے۔ یہ روایت چونکہ بخاری میں ہے لہٰذا بخاری کی جلالت شان کی وجہ سے اسی طرح روایت ہوتا چلا آیا ہے اور کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی کہ چھ سال کی بچی سے نکاح کس لیے کیا جا رہا ہے جبکہ اس معاشرہ میں کمسنی کی شادی کا رواج بھی نہ تھا اگر سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا ہوتا جو کہ اس معاشرہ کے رسم و رواج کے بالکل خلاف تھا تو مسلمان نہ سہی کفار مکہ تو اس پر ضرور اعتراض کرتے جیسے انہوں نے سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح پر اعتراض کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کر لی ہے اور قرآن کو اس کا جواب دینا پڑا لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ پورے مکہ میں اس کے بارے میں کوئی آواز نہ اُٹھی حالانکہ اس وقت اہل مکہ کی مخالفت اسلام اور داعی اسلام کے بارے میں اپنے پورے نقطۂ عروج پر تھی اور وہ آپ کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے جس کی مثال نہیں ملتی۔

marfat.com

بخاری میں سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کے بارے میں روایت ہشام بن عروہ سے ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب وہ عراق گئے ایک تو اخیر عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور دوسرے وہ اپنے پاس سے رطب و یابس بیان کرنے لگے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ص ۴۸) اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''محمد ابن اسحاق کذاب، ہشام بن عروہ کذاب'' (تاریخ بغداد جلد ۱، ص ۲۲۳)

اس لیے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس بارے میں جان بوجھ کر ''عشرۃ'' کا لفظ روایت سے نکالا گیا ہے تاکہ پیغمبر اسلام کو بدنام کیا جا سکے۔

اس لیے خلاصہ یہ ہے کہ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح سولہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں ہوا تھا اور رخصتی شوال میں انیس برس کی عمر میں ہوئی۔

ان قرائن وشواہد کے علاوہ اور بھی کئی قرائن ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کا مسئلہ کوئی ایمانیات کا مسئلہ نہیں ہے لیکن ہمارے سیرت نگاروں نے اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں یوں بیان کیا ہے جیسا کہ یہ اسلام کے بنیادی مسائل میں سے ہو۔

حضرت مولانا سیّد سلیمان ندوی قدس سرہ نے جہاں سیّدہ کی کمسنی کا تذکرہ فرمایا، وہاں ایک ایسی غلطی کر گئے جو ان کی شایانِ شان نہ تھی، وہ یہ کہ سیّد صاحب نے لکھ دیا ہے کہ:

''لیکن اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جبیر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں۔'' (سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ص ۱۱)

حالانکہ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر بن مطعم سے منسوب ہو چکی تھیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے بھی جبیر بن مطعم کے بیٹے کا نام لیا ہے جب اتنے بڑے لوگوں سے یہ غلطی ہو سکتی ہے تو عمر کی غلطی کیوں نہیں ہو سکتی؟

سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچپن سے ہی بڑی ذہین وفطین تھیں اور ان کی حرکات

marfat.com

رسکنات میں مستقبل کی عظمت جھلکتی تھی۔ سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ گردوپیش میں رہنے والی لڑکیوں میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی ممتاز حیثیت رکھتی تھیں اور ان کی پُر کشش شخصیت کی وجہ سے ان کے پاس سہیلیوں کا ہجوم رہتا تھا' جھولا جھولنا ان کے مرغوب ترین مشاغل تھے لیکن معاملہ فہمی اور پاس ادب کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منہ بولے بھائی اور جانثار رفیق ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی معصوم بچیوں کی یہ مجلس برخاست ہو جاتی اور کھلونے چھپا دیے جاتے۔ ہادی کونین صلی اللہ علیہ وسلم اس معصومانہ اہتمام سے ازحد مسرور ہوتے اور شفقت سے بچیوں کو واپس بُلا کر کھیلنے کے لیے کہتے۔

حضرت سیّدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جا کر سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیغام پہنچا دیا لہٰذا ماہِ شوال دس نبوی میں بعوض پانچ سو درہم حق مہر پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آ گئیں اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی لیکن اس وقت رخصتی عمل میں نہ آئی اس کو مؤخر کر دیا گیا جس کی حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے تھے۔

سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حبالہ عقد میں لینے کا ایک تو مقصد یہ تھا کہ حکم ربی تھا' دوسرا یہ تھا کہ سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تعلقات کی بنیاد استوار ہو۔ علاوہ ازیں ان غلط ملط رسموں اور رواجوں کی قید سے لوگوں کو آزاد کرانا مقصود تھا جس نے زندگی کو گمنام سے عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ مثال کے طور پر منہ بولے رشتوں کو بنیاد بنا کر نکاح کے لیے جائز اور وسیع حلقے کو محدود کر دیا گیا تھا جس سے معاشرتی زندگی پر دُور رس منفی اثرات مرتب ہو رہے تھے اس زمانے میں منہ بولے بھائی کی بیٹی سے شادی کرنا حرام خیال کیا جاتا تھا لہٰذا اس رسم بد کا قلع قمع کرنا ضروری تھا۔ دوسرے شوال کے مہینے میں شادی بیاہ کرنا منحوس خیال کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی تھی کہ اس مہینے میں عرب کے علاقے

marfat.com

میں سخت وباء پھیلی تھی جس سے بے شمار افراد موت کے منہ میں چلے گئے تھے۔اس بناء پر ماہِ شوال کو منحوس قرار دینا کسی طرح مناسب و درست نہیں تھا۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی اور رخصتی دونوں شوال کے مہینے میں ہوئیں اور اسی لیے وہ شوال ہی کے مہینے میں اس قسم کی تقریبوں کو پسند کرتی تھیں اور فرماتی تھیں:

''میری شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں اور باایں ہمہ شوہر کے حضور میں مجھ سے خوش قسمت کون ہے۔''

تیسری رسم یہ تھی کہ قدیم دستور کے مطابق دُلہن کے آگے آگ جلاتے تھے اور یہ بھی رسم تھی کہ شوہر اپنی عروس سے پہلی ملاقات محمل یا پالکی کے اندر کرتا تھا۔ بخاری اور قسطلائی نے یہ تصریح کی ہے کہ ان رسوم کی پابندی بھی اس تقریب میں ٹوٹی۔

دس نبوی سے تیرہ نبوی یعنی ہجرتِ مدینہ تک پھیلا ہوا زمانہ مسلمانوں کے لیے بڑا پرآشوب اور مصائب و آلام کے لحاظ سے بڑا شدید تھا۔کفار و مشرکین مکہ تہیہ کیے ہوئے تھے کہ مسلمانوں کا نام ونشان مٹادیں گے یہاں تک کہ انہوں نے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا بھی منصوبہ بنایا۔رب تعالیٰ ان کی معاندانہ سوچوں اور تجویزوں کو دیکھ رہا تھا' وہ نادان اتنا نہیں جانتے تھے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔آخرکار وہ وقت آ گیا کہ جب رب کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچپن کے دوست' دینی بھائی اور خسر سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ کا رُخ فرمایا' یہ نبوت کا تیرہواں سال تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے گیارہویں سال حج کے زمانہ میں منیٰ میں عقبہ کے قریب تشریف فرما تھے کہ مدینہ منورہ کے قریب خزرج کا ایک گروہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' یہ چھ افراد پر مشتمل تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوتِ اسلام دی' قرآن پڑھ کر سنایا اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے منصب رسالت عطا فرمایا ہے اگر میری اتباع کرو گے تو دنیا و

marfat.com

آخرت میں نیک بخت وسعادت مندر ہو گے۔''

انہوں نے مدینہ کے یہودیوں سے سُن رکھا تھا کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور و بعثت کا زمانہ قریب ہے جب انہوں نے باتیں سنیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال کا مشاہدہ کیا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے:

''اللہ کی قسم یہ وہی نبی ہے جن کے بارے میں یہودی کہا کرتے تھے اس وقت کو غنیمت جانو اور ان پر ایمان لے آؤ تاکہ مدینہ والوں سے کوئی تم پر سبقت نہ لے جائے۔''

چنانچہ وہ سب مسلمان ہو گئے۔

آئندہ سال حج کے موسم میں قبیلہ اوس وخزرج کے بارہ حضرات مع چھ گزشتہ افراد کے آئے اور اسی عقبہ کے قریب شرف بیعت سے مشرف ہوئے اس جماعت کی تمنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ کر دیا تاکہ وہ ان کو قرآن کریم اور دین کے مسائل سکھائیں۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب ارشاد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم احکام وشرائع سکھانے کے بعد ایک کثیر جماعت لے کر مشرکین حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' وہ سب مشرف بہ اسلام ہوئے' انصار مدینہ نے واپسی کے وقت عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں اور ہمارے شہروں کو قدوم میمنت لزوم سے نوازیں تو زہے سعادت حکم آپ ہی کا حکم ہے جو فرمائیں گے دل وجان سے مانیں گے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس وقت بھی حکم ہوا اور جہاں کے لیے ہوا' ہجرت کروں گا۔''

یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ کو وداع فرمایا۔

مشرکین مکہ کو یہ یقین تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یقیناً یہاں سے تشریف

marfat.com

لے جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مجلس مشاورت کی اور متفقہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دے کر بھیجا' انہوں نے آ کر عرض کی:

''اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ آپ کو مدینہ کی ہجرت کا حکم فرماتا ہے۔''

یہ حکم ہجرت بیعت عقبہ کے دو ماہ چند دن بعد ہوا اس ہجرت کا راز سیّدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گھر والوں کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا۔ سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ ہم نے نہایت سرعت اور جلدی میں سامانِ سفر اور زادِراہ تیار کیا' ہمارے پاس اس وقت کوئی ڈوری نہ تھی جس سے زادِراہ کو باندھتے۔ سیّدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا کمر بند کھولا اس کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک سے توشہ دان کا دہانہ باندھا اور دوسرے ٹکڑے سے کمر باندھی اس بناء پر ان کو ''ذات النطاقین'' یعنی دو کمر بند والی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو جوان اور عقل مند تھے اس پر مقرر کیا کہ وہ دن تو کفارِ قریش کے پاس گزاریں اور رات کے وقت غارِ ثور میں آ کر کفار کی خبریں پہنچایا کریں۔

غارِ ثور میں تین راتیں گزارنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یارِ غار سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ کی طرف چل پڑے جب انصارِ مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر سنی تو روزانہ مدینہ منورہ کی چوٹیوں پر آ جاتے اور آفتابِ جمال باکمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے طلوع کے منتظر رہتے اور پھر ایک دن وہ چندے آفتاب و چندے ماہتاب حسن و کمال داخل ہوا۔ عجیب پُرکیف و جانفزا منظر تھا' انصار ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے' قبیلہ بنو نجار کی بچیاں دف پر گا کر خوشی و مسرت کا اظہار کر رہی تھیں اور خواتین گھروں کی چھتوں' دروازوں اور گلیوں میں کھڑے ہو کر استقبال کر رہی تھیں اور ہونٹوں پر تھا:

marfat.com

ایھا المبعوث فینا بالامر المطاعہ

آپ کی آمد سے در و دیوار روشن و منور ہو گئے تھے۔

جن حالات میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کے لیے روانہ ہوئے تھے' ان میں اپنے اہلِ بیت کو ہمراہ لانا ممکن نہ تھا۔ مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد جب قدرے اطمینان ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ان کے ساتھ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہ جا کر اُم المومنین سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کی دونوں شہزادیوں سیّدہ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیّدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے آئیں اور دو اونٹ اور پانچ سو درہم عطا فرمائے جو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیے تھے کہ ان سے حسب ضرورت سواریاں خرید لیں۔

ان دونوں بزرگوں کے ہمراہ سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو تین اونٹ دے کر حضرت عبداللہ بن اریقط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی کر دیا اور اپنے بیٹے عبداللہ کو لکھا:

''اپنی والدہ زینب اُم رومان' دونوں بہنوں حضرت اسماء اہلیہ حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سوار کر دو۔''

یہ تینوں حضرات مدینہ طیبہ سے بطرف مکہ روانہ ہوئے تاکہ محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے یارِ غار سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہلِ بیت کو لے آئیں جب یہ لوگ قدیہ پہنچے تو سیّدنا حضرت زید بن حارثہ نے پانچ سو درہموں سے تین اونٹ خریدے اور پھر یہ سب مکہ کو روانہ ہوئے۔

جب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہلِ بیت کو پتہ چلا کہ انہیں مدینہ منورہ بلوایا گیا ہے تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی' خوشی خوشی رختِ سفر باندھا اور پھر جب یہ مبارک ہستیاں مکہ سے روانہ ہونے لگیں تو

marfat.com

انہوں نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آل ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہجرت کے لیے تیار پایا۔

حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اُم المومنین سیّدہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دونوں صاحبزادیوں سیّدہ اُم کلثوم اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے کر چلے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زوجہ سیّدہ حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بیٹے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی سوار کرلیا۔

حضرت عبداللہ بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ محترمہ اور دونوں بہنوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ یہ سب لوگ ساتھ ساتھ چل رہے تھے جب یہ نفوس قدسیہ بیض منیٰ میں پہنچے تو سوئے اتفاق جس اونٹ پر سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوار تھیں، وہ بھاگ نکلا اور اس زور سے دوڑا کہ ہر آن یہی ڈر تھا کہ پالان ابھی گرا کہ گرا جب آپ کی والدہ محترمہ سیّدہ حضرت زینب اُم رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا تو سخت بے چین ہوگئیں، ماں کی ممتا تڑپ اُٹھی، باآوازِ بلند پکارنے لگیں:

''ہائے میری بچی! ہائے میری دُلہن!''

آخر کافی دُور جا کر اونٹ پکڑا گیا تو انہیں تشفی ہوئی۔

جب سیّدات الطاہرات رضی اللہ عنہن کا یہ قافلہ قبا پہنچا تو سیّدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے جو مہاجرین کے مولود اوّل تھے۔

آخر کار یہ حضرات مدینہ طیبہ پہنچے تو اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد نبوی سے ملحق حجرات میں ٹھہرایا گیا جبکہ صدیقی گھرانے کے افراد سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں فروکش ہوئے جو ان دنوں محلّہ بنو حارث بن خزرج میں قیام پذیر تھے۔

مدینہ طیبہ کی آب و ہوا اور موسم مکہ سے بہت مختلف تھا، بیشتر مہاجرین کو آب و ہوا

marfat.com

موافق نہ آئی جس کے نتیجہ میں وہ موسمی بخار میں مبتلا ہوگئے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد گرامی بھی صاحب فراش ہوگئے اس دوران میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھریلو کام کاج میں بہت مصروف ہوگئیں جب آپ کے والد محترم صحت یاب ہوئے تو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود بیمار پڑ گئیں' مرض نے طول کھینچا جس سے بہت کمزور ہوگئیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے مرض دُور ہوا۔

جب سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صحت بحال ہوئی تو ایک دن سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی اہلیہ کی رخصتی کیوں نہیں کرا لیتے ؟''

فرمایا:

''مہر ادا کرنے کے لیے میرے پاس رقم نہیں ہے۔''

سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو پیسے ہوتے' وہ حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے اور دولت نام کی کوئی چیز کاشانہ رحمت میں جمع نہیں ہو پاتی تھی جب یارِ غار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سنا کہ رخصتی میں کیا چیز مانع ہے تو پانچ سو درہم اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کو قرض دے دیئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوری رقم جو حق مہر تھا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچا دی۔

مہر ادا ہو جانے کے بعد صحابیات کی ایک جماعت دُلہن کے گھر پہنچی' سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دُلہن بنایا گیا اور پھر اس کمرے میں لایا گیا جہاں انصار کی عورتیں منتظر تھیں۔ انہوں نے بڑی محبت و خوشی سے دُلہن کا استقبال کیا اور کہا:

''تمہارا آنا بخیر و بابرکت اور نیک فال ہو۔''

تھوڑی دیر کے بعد رحمۃ للعالمین' سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اس شادی میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلی حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں' فرماتی ہیں:

marfat.com

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کے لیے دودھ پیش کیا گیا۔ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ سے تھوڑا سا دودھ پیا اور پھر پیالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ شرمانے لگیں' میں نے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ واپس نہ کرو۔''

پھر انہوں نے شرماتے شرماتے لے لیا اور ذرا سا پی کر رکھ دیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنی سہیلیوں کو دو۔''

انہوں نے کہا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کو اشتہا نہیں۔''

فرمایا:

''جھوٹ نہ بولو' آدمی کا ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے۔''

اور پھر سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی ہوگئی۔ یہ شوال کا مہینہ اور سن ہجری کا دوسرا سال تھا۔

اُم المومنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب میکے سے رخصت ہو کر حرم نبوی میں رونق افروز ہوئیں تو رہائش کے لیے آپ کو جو حجرہ ملا' وہ مسجد نبوی سے متصل تھا اس گھر کا دروازہ بجانب مسجد تھا اور اُم المومنین سیّدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس گھر میں مکیں تھیں اس کا دروازہ بجانب آل عثمان تھا اس وقت تک صرف دو ہی حجرے تعمیر ہوئے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحب زادیاں سیّدہ حضرت اُم کلثوم اور سیّدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیّدہ اُم المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رہتی تھیں۔

جس حجرہ میں دنیا و آخرت کی زوجہ رسولِ اکرم سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قیام پذیر تھیں' اس کی لمبائی چوڑائی چند ذرائع پر محیط صرف ایک کمرہ کی صورت میں تھا' دیواریں خام اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے بنا کر اوپر گارا لگا دیا گیا تھا' چھت بھی کھجور کی

marfat.com

شاخوں اور پتوں سے بنائی گئی تھی' بارش سے محفوظ رکھنے کے لیے اس چھت کے اوپر کمبل ڈال دیئے گئے تھے اور دروازے کو پردے کے لیے ایک کمبل سے ڈھانپ دیا گیا تھا اس سے متصل ایک بالا خانہ تھا جسے مشربہ کہتے تھے۔

گھر کا کل اثاثہ ایک چارپائی' ایک چٹائی' ایک بستر' ایک تکیہ جس میں چھال بھری تھی' آٹا اور کھجور رکھنے کے لیے ایک دو برتن' پانی کا ایک برتن اور پانی پینے کے لیے پیالہ سے زیادہ نہ تھا' کئی کئی راتیں گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد بچپن ہی میں واصل بحق ہو چکی تھی' سب سے بڑی صاحب زادی سیّدہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر ابوالعاص بن ربیع کے گھر تھیں۔ غزوۂ بدر کے بعد وہ اپنے باپ کے گھر تشریف لے آئی تھیں کیونکہ ان کے شوہر ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے' ان کے دو چھوٹے بچے تھے۔ ایک لڑکی حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسرا لڑکا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ یہ دونوں بچے باپ کی شفقت اور محبت سے محروم تھے' ان کا باپ ۶ ہجری میں اسلام کے دامن سے وابستہ ہوا اس کے بعد وہ اپنے شوہر کے گھر تشریف لے گئیں۔ چنانچہ اس دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ زینب کے بچوں کو مسجد میں لے جاتے تھے۔ یہ نواسی اور نواسہ نماز کی حالت میں اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کہیں سے ایک ہار آیا' لوگوں نے کہا:

''یہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے ہے۔''

لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار اپنی بڑی نواسی سیّدہ حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا جب سیّدہ زینب بنت رسول اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ۸ ہجری میں ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

''وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔''

سیّدہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں تھیں' انتقال فرما چکی تھیں اس وقت سیّدہ اُم کلثوم اور سیّدہ

marfat.com

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے عظیم باپ کے سایہ رحمت و محبت میں پرورش پا رہی تھیں جن کی نگہداشت اُم المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذمے تھی' وہ فطرتاً خاموش طبع تھیں' بچیوں کی پرورش و دیکھ بھال پر ہی زیادہ توجہ دیتی تھیں۔

سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب شادی کے بعد کاشانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لائیں تو انہوں نے اپنے نئے گھر کا جائزہ لیا۔ انہوں نے دیکھا کہ گھر میں دو جوان لڑکیاں موجود ہیں جن کی شادی ہونا چاہیے لیکن گھریلو حالات مالی طور پر سازگار نہیں تھے' دوسرے قریش کے بیشتر گھرانے مکہ میں رہ گئے تھے جو ابھی تک داخلِ اسلام نہیں ہوئے تھے اور مدنی ماحول ابھی نیا تھا۔ ان حالات نے بیٹیوں کی شادی میں رکاوٹ ڈالی ہوئی تھی۔

ایک دن آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچیوں کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بچیاں اس قابل ہیں کہ ان کی شادی کر دی جائے' ایک تجویز ہے۔''

''کیا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''کیوں نہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دی جائے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرمایا تو بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ ۲ ہجری کے وسط میں ان کی شادی سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دی گئی اس وقت ان کی عمر ۲۱ برس تھی۔

شادی کے تمام انتظامات ماں کی حیثیت سے سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود کیے۔ جس مکان میں سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیاہ کر جانا تھا' اس کی صفائی کی' لیپا کیا' بستر تیار کیا' تکیے بنائے' چھوہارے دعوت میں پیش کیے' مشک اور

marfat.com

کپڑے لٹکانے کے لیے لکڑی کی الگنی بنائی اور فرماتی تھیں:

''میں نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیاہ سے اچھا کوئی بیاہ نہیں دیکھا۔''

سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی خاص ذریعہ معاش نہیں تھا' گھر میں اکثر تنگ دستی رہتی تھی' ان حالات کا مقابلہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑے صبر و استقامت کے ساتھ کیا۔ شادی کے بعد حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا مکان سیّدہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہدیہ کر دیا تھا' نو بیاہتا جوڑا اسی میں مقیم تھا۔

یہ مکان سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی پچھلی جانب دیوار سے ملحق تھا اور آنے جانے کے لیے گلی میں سے چکر کاٹ کر آنا پڑتا تھا۔ چنانچہ درمیانی دیوار میں ایک کھڑکی نکال لی اور جب ماں بیٹی چاہتیں' بات چیت کر لیتی تھیں۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کئی احادیث ہیں جن میں ان کی منقبت ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان دونوں مقدس ہستیوں کے مابین کتنا پیار اور محبت تھا اور کس قدر خوشگوار تعلقات تھے۔

چوتھی بیٹی سیّدہ اُم کلثوم تھیں' ان کی اس وقت عمر ۲۰ سال تھی۔ ان کی بڑی ہمشیرہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حبالہ عقد میں تھیں' ۲ ہجری میں وصال پا چکی تھیں' ایک روز اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''کس بارے میں؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

''اُم کلثوم کی اگر ان سے شادی کر دی جائے۔''

تجویز نہایت مناسب تھی۔ چنانچہ رشتہ طے پا گیا اور پھر وہ ۳ ہجری میں رخصت ہو کر اپنے خاوند کے پاس تشریف لے گئیں اور وہی سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذوالنورین ہونے کا سبب بنیں۔ سیّدہ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۹ ہجری میں

marfat.com

وصال پایا تھا جس پر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

''اگر میری اور بیٹیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی زوجیت میں دے دیتا۔''

اُم المومنین سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوتیلی بچیوں کو ماں کی طرح پیار اور محبت دی۔ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسی بے مثال محبت' اپنائیت کا ثبوت دیا کہ تاریخ سوتیلی اولاد کے ساتھ ایسا مثالی سلوک پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ سب شیر و شکر تھے۔ ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہوتے تھے' ہاتھ بٹاتے تھے' کام آتے تھے' محبت اور سلوک سے رہتے تھے اگر یہ صورتِ حال نہ ہوتی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو منصب رسالت کی ذمہ داریوں کی تکمیل میں صبح و شام کوشاں تھے' یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھریلو ماحول کی طرف سے فکرمند ہوتے مگر سیر کی کتب کے صفحات پر صفحات اُلٹتے جائیں' کہیں کوئی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا کہ کبھی ان مقدس ہستیوں میں کوئی ناپسندیدہ بات ہوئی ہو۔

سن ۲ ہجری میں حق و باطل آمنے سامنے صف آرا ہوئے' دشمن ہر طرح کے سامانِ حرب سے لیس تھا اور اس کے مقابل مسلمانوں کے پاس نہ زیادہ افرادی قوت تھی اور نہ جنگی سامان' باطل اپنے ظاہری اسباب پر مغرور و متکبر تھا اور مسلمان اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کیے ہوئے تھے۔ ناحق کے چراغ بجھا دینے پر متحد تھا اور مسلمان حق کا چراغ روشن رکھنے کے لیے جانوں کا نذرانہ پیش کرنے آئے تھے۔ اسلام کی آمد سے کفر و الحاد کے ایوانوں میں جو زلزلہ آیا تھا اور بھائی بھائی سے' ماں بیٹی سے' خاوند بیوی سے' بہن بھائی سے اور عزیز رشتہ دار ایک دوسرے سے مذہب کی بنیاد پر الگ ہو گئے تھے غزوۂ بدر میں بھی یہی صورتِ حال تھی کہ ایک دوسرے کے پیارے اور عزیز ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے تھے۔ مسلمانوں کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اس غزوہ میں اُم المومنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اوڑھنی مبارک کا جھنڈا بنایا گیا تھا اس پرچم کا نام مرط عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا جس کے تحت صحابہ کرام رضوان

marfat.com

وسلم گھر سے باہر جو لوگوں کو درس دیتے تھے' وہ اس میں شریک ہوتی تھیں اگر کبھی زیادہ فاصلے کی وجہ سے کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تو سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوبارہ پوچھ کر تسلی کر لیتی تھیں۔ کبھی اُٹھ کر مسجد کے قریب تشریف لے جاتی تھیں اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی درخواست پر ہفتہ میں ایک خاص دن ان کی تعلیم و تلقین کے لیے متعین فرما دیا تھا۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سے زیادہ سیکھنے اور جاننے کا شوق تھا اور جس کے بارے میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ ہوتا تو فوراً دریافت فرما لیتی تھیں تاکہ وضاحت ہو جائے اور بات روشن ہو جائے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس کا حساب کیا گیا' وہ عذاب میں پڑا۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے عنقریب حساب کیا جائے گا' آسان حساب جب حساب آسان ہوگا تو پھر عذاب کیسے ہوگا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ پیشی ہے حساب نہیں۔''

ایک مرتبہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اللہ کی ملاقات پسند کرتا ہے' اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا' اللہ بھی اس سے ملنا پسند نہیں کرتا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے تو کوئی بھی موت کو پسند نہیں کرتا۔''

فرمایا

''اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن جب اللہ تعالیٰ کی رحمت وخوشنودی کے انعامات و

marfat.com

جنت کا حال سنتا ہے تو اس کا دل اللہ کا مشتاق ہو جاتا ہے لہٰذا وہ بھی اس کے آنے کا مشتاق رہتا ہے اور کافر جب اللہ کے عذاب و جہنم کے واقعات سنتا ہے تو اللہ کے سامنے پیشی سے نفرت ہو جاتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی اس سے نفرت رکھتا ہے۔''

ایک مرتبہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نکاح میں عورت کی رضامندی لازمی ہے لیکن کنواری لڑکیاں شرم سے اظہار نہیں کرتیں۔''

ارشاد فرمایا:

''اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔''

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''فداک ابی و امی یا محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس مسئلہ میں حکمت عطا ہو کہ دوسرے دینی فرائض کی طرح کیا جہاد بھی عورتوں پر واجب ہے؟''

ارشاد فرمایا:

''اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! عورتوں کے لیے حج ہی جہاد ہے۔''

اسی طرح ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''کیا کفار و مشرکین کے نیک اعمال کا انہیں آخرت میں کوئی اجر ملے گا؟''

اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا:

''ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بغیر کوئی نیک عمل قابلِ قبول اور لائقِ جزا نہیں۔''

الغرض اس طرح جب بھی موقع ملتا' اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر آن اور ہر لحظہ سیکھنے کی سعی جمیلہ فرماتی رہتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ سمجھاتے تاکہ کسی نوع کا کوئی ابہام و شک نہ رہ جائے کیونکہ آنے والے وقت میں ان پر بہت بڑی ذمہ داری عائد

marfat.com

ہونے والی تھی۔

اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق و محبت تھی اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی نسبت ان سے زیادہ انس و محبت تھی۔ زلیخا نے ایک مرتبہ خواب میں سیّدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا اور وہ عاشق و فریفتہ ہوگئی تھیں اور اس جگہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چہرۂ مبارک ریشمی رومال پر دکھایا گیا' زیادتی محبت وانس کی ایک یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ اللہ نے چاہا کیونکہ جذبہ محبت پر کسی کا بس نہیں' یہ اللہ کا انعام ہے۔ لہٰذا اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بارگاہِ رسالت میں اپنی موانست و فضل کے اظہار میں فرماتی ہیں:

''حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو میں آپ کے آگے سیدّھی لیٹی رہتی تھی اور یہ سلوک میرے ساتھ ہی خاص تھا اور رات کو نماز میں جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے تھے' میں اپنی جگہ سوئی ہوتی تھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا:

''اسلام میں سب سے پہلی محبت جو پیدا ہوئی وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا:

''آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟''

فرمایا:

''عائشہ'' (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

عرض کیا:

''مردوں میں سے؟''

ارشاد فرمایا:

''ان کے والد''

marfat.com

اُم المومنین سیّدہ عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لقب صدیقہ اور حمیرا تھا اور ان کی کنیت اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر کے نام پر اُم عبداللہ ہے۔ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری بھی کنیت مقرر فرما دیں۔''

ارشاد فرمایا:

''اپنی بہن حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے عبداللہ سے اپنی کنیت رکھ لو۔''

ایک اور روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحنیک فرمائی اور لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

''یہ عبداللہ ہیں اور تم اُم عبداللہ ہو۔''

انہوں نے اپنے بھانجے عبداللہ کو بچپن ہی میں گود لے لیا تھا' وہ ان سے بے پناہ محبت کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بھی اپنی خالہ اور معلّمہ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ یہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فیض ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ بعد میں حدیث و فقہ اور سیاست و جہاں بانی کے آسمان پر ماہِ منیر کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوئے۔

ایک دن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم' سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ سے باہر کسی سے چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کون تھے جن سے آپ باتیں کر رہے تھے؟''

ارشاد فرمایا:

''کیا تم نے انہیں دیکھا تھا؟''

عرض کی:

''جی ہاں!''

marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا:

''تم نے انہیں کس کے مشابہ پایا؟''

''دحیہ کلبی کے''

انہوں نے جواب دیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم نے فراوانی کے ساتھ خیر دیکھی' وہ جبرائیل (علیہ السلام) تھے۔''

پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عائشہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں' تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔''

سنا تو عرض کی:

''وعلیہ السلام! اللہ تعالیٰ اس آنے والے کو بہتر صلہ عطا فرمائے۔''

جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ازواجِ مطہرات سیّدہ عائشہ صدیقہ اور سیّدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں تو آپ باری باری ہر ایک بیوی کے پاس شب باش ہوتے تھے جب وقت گزرنے کے ساتھ اور ازواجِ مطہرات بھی آ گئیں تو پھر سب کے لیے باری مقرر تھی۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمر رسیدہ تھیں' انہوں نے اپنی باری کا دن اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی و رضا کے لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا تھا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو دن سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہتے اور ایک ایک دن دوسری ازواج کے ساتھ گزارتے تھے۔

گھر کی مالی حالت ایسی تھی کہ جو آتا سب راہ اللہ میں تقسیم کر دیا جاتا جس کے نتیجہ میں گھر میں چولہا بہت کم جلتا تھا۔ مسلسل تین دن تک کبھی سیر ہو کر نہیں کھایا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اپنی محبت کی وجہ سے ہدایہ و تحائف بارگاہ رسالت میں پیش کرتے رہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زیادہ محبوب ہیں لہٰذا وہ ان کی باری کے منتظر رہتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں

marfat.com

تشریف لے جائیں تو بھیجیں۔ مقصد صرف اتنا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور خوش ہوں۔

دوسری ازواج کو قدرتی طور پر ملال ہوتا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں ہوتے ہیں تو عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تحائف کیوں نہیں بھیجتے اور یہ قدرتی جذبہ تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیٹی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ وہ اس ضمن میں اپنے والد ماجد سے بات کریں، وہ پیام لے کر گئیں تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بیٹی! جس کو میں چاہوں، کیا تم اس کو نہیں چاہو گی؟''

یہ سُن کر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپس لوٹ گئیں۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے دوبارہ ان کو بھیجنا چاہا مگر وہ آمادہ نہ ہوئیں پھر انہوں نے اُم المومنین سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھیجا جو بڑی سنجیدہ وفہمیدہ خاتون تھیں۔

انہوں نے موقع محل دیکھ کر عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ عنہم) سے فرمائیں کہ وہ تحائف وہدایہ دوسری ازواج کی باری کے دنوں میں بھی بھیجا کریں۔''

یہ سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بارے میں اذیت نہ دو۔''

محبت کی شرع بڑی عجیب ہے اس میں اگر کبھی ناراضگی بھی ہو جائے تو وہ بھی محبت ہی ہوتی ہے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ایسا ناز و نیاز تھا جیسا کہ محبّ ومحبوب کے درمیان ہوتا ہے اور وہ جو چاہتی تھیں، بلا جھجک عرض کر دیتی تھیں۔

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں تھے اور باہم باتیں کر رہے تھے، رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عائشہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں جانتا ہوں کبھی مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کبھی خفا ہو جاتی ہو۔''

marfat.com

عرض کیا:

''یا محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیسے جانتے ہیں؟''

ارشاد فرمایا:

''جب تم خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو:

''لا ورب محمد''، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم اور جب خفا ہوتی ہو تو کہتی ہو''لا ورب ابراہیم''یعنی ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم۔''

یہ سُن کر سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بالکل صحیح فرمایا''

اور پھر عرض کیا:

''ولیک ما اھجر الاسجک.

یعنی نہیں چھوڑتی مگر صرف آپ کے اسم کو لیکن آپ کی ذاتِ گرامی اور آپ کی یاد میرے دل میں ہے اور میری جان آپ کی محبت میں مستغرق ہے' اس محبت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

ایک دن رسولِ کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عائشہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اگر تم چاہتی ہو کہ میرے ساتھ جنت میں رہو تو تمہیں چاہیے کہ دنیا میں اس طرح رہو جس طرح کہ راہ چلتا مسافر ہوتا ہے کہ وہ کسی کپڑے کو پرانا نہیں سمجھتا جب تک کہ وہ پیوند کے قابل ہے اور وہ اس میں پیوند لگاتا ہے۔''

ایک روایت میں ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی:

''یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے رکھے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

marfat.com

''اگر تم اس مرتبہ کو چاہتی ہو تو کل کے لیے کھانا بچا کے نہ رکھو اور کسی کپڑے کو جب تک کہ اس میں پیوند لگ سکتا ہے' بے کار نہ کرو۔''

چنانچہ ان کی ساری زندگی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت ونصیحت کی آئینہ دار رہی' کل کے لیے کبھی کھانا بچا کر نہ رکھا اور کپڑا پھٹ جاتا تو سی لیتی تھیں اور اگر ضرورت ہوتی تو پیوند لگا لیتی تھیں۔

غزوۂ خندق جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں' پانچ ہجری میں برپا ہوا' چاروں طرف سے قریش و یہود مدینہ طیبہ پر ٹوٹ پڑے تھے اس جنگ کے لیے قریش کو اُکسانے میں حیی ابن اخطب اور دوسرے یہود کا ہاتھ تھا' وہ اپنی جلاوطنی کا حساب چکانا چاہتے تھے اس موقع پر مدینہ کے اردگرد خندق کھودی گئی اس نازک مرحلہ پر عورتوں اور بچوں کو حفاظت کی غرض سے ایک قلعہ میں جمع کر دیا گیا تھا۔

غنیم چاہتا تھا کہ مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دے اور وہ اپنی قوت کے بل بوتے پر بڑی خوش فہمی میں مبتلا تھا وہ اس لیے بھی پُر امید تھا کیونکہ اس نے بوساطت حیی ابن اخطب بنی قریظہ کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ تھا اس نے صورتِ حال کو اور بھی مخدوش بنا دیا تھا۔ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہ روایت مسند احمد قلعہ سے آ کر محاذِ جنگ کو دیکھا کرتی تھیں۔ ایک دن کفار نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے قریب جنگ شروع کر رکھی تھی' سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان دنوں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کے ساتھ مدینہ کے ایک قلعہ میں تھیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنگ اور چھوٹی سی زرہ پہنے ہوئے گزرے تو ان کی والدہ نے کہا:

''بیٹا! جلدی جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچو۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''اے اُم سعد! اگر سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بڑی زرہ پہنتے تو بہتر ہوتا' مجھے خوف ہے کہ ان کے ہاتھوں میں کوئی تیر نہ لگ جائے۔''

marfat.com

اور وہی ہوا کہ جب وہ محاذِ جنگ پر پہنچے تو حبان بن العرق کا تیر آ کر ان کی کہنی کے جوڑ میں لگا جس سے عرق الحیوۃ کٹ گئی لیکن انہوں نے دعا مانگی:

''اے اللہ! اتنی مہلت دے دے کہ بنی قریظ کا انجام دیکھ سکوں۔ چنانچہ خون فوراً بند ہو گیا۔

اُم المومنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذاتِ گرامی کی بدولت مسلمانوں کو بے شمار آسانیاں اور راحتیں نصیب ہوئی ہیں اسی میں ایک آیت تیمّم کا نزول ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ حارث بن ابی ضرار جو قبیلہ بنی المصطلق کا سردار تھا اس نے بعض قبائل کو اپنے ہاں مدعو کیا کہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کے لیے لشکر فراہم کریں جب اس کی اطلاع محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''سنا ہے حارث بن ابی ضرار سردار قبیلہ بنی المصطلق جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے، تم جا کر اس امر کی تصدیق کرو اور اس بات کی اجازت ہے کہ جنگی نکتہ نظر سے جو حسب حال سمجھو اس سے بات کرو۔''

یہ ارشادِ عالیہ سننے کے بعد حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرف تشریف لے گئے اور حارث اور اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ ملے۔ انہوں نے بٹھایا اور آنے کی وجہ دریافت کی۔

''سنا ہے تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہو اگر یہ درست ہے تو میں بھی تمہاری مدد کروں اور جنگ میں شریک ہوں۔''

جب یہ سنا تو حارث اور اس کے ساتھیوں نے بڑی عزت و تکریم کی اور کہا:

''ہاں! ہمارا یہی ارادہ ہے۔''

''اگر یہ بات ہے تو مجھے اجازت دو تا کہ میں اپنے لوگوں کو جمع کر کے لا سکوں۔''

اس بہانہ سے حضرت بریدہ ابن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس سے آئے اور حضور اکرمؐ سپہ سالارِ اعظم و معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سارا ماجرا عرض کر دیا۔

marfat.com

چنانچہ اسلامی لشکر کو فوری حکم دیا اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائی ایام شعبان ۵ ہجری میں سوئے قبیلہ بنی المصطلق چل پڑے اس غزوۂ بنی المصطلق کو غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بنی خزاعہ کے چشمے کا نام ہے۔

جب حارث بن ابی ضرار کو یہ خبر ہوئی کہ اسلامی لشکر ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے تو حواس باختہ ہو گیا جو لوگ گردونواح سے جمع ہوئے تھے' وہ تتر بتر ہو گئے اور حارث کے پاس بجز بنی مصطلق کے کوئی نہ رہا اس غزوہ میں اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ تھیں۔

کفار نے اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالیہ کے مطابق سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دشمن کو مخاطب کر کے کہا:

''اگر تم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دو گے تو تمہارا خون اور تمام مال واسباب محفوظ رہیں گے۔''

مگر انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا لہٰذا جنگ کا آغاز ہو گیا' مسلمانوں نے پہلے ہی حملے میں مشرکوں کے علمبرداروں کو قتل کر دیا اور انہیں شکست ہو گئی۔ اسی جنگ میں حارث کی بیٹی جویریہ اسیر ہوئیں جو بعد میں اُم المومنین کے شرف سے بہرہ ور ہوئیں۔

اس غزوہ میں جاتے وقت سیّد عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی بڑی بہن سیّدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک ہار لے کر زیب تن فرمایا تھا' واپسی پر ایک مختصر پڑاؤ کے دوران ہار کا دھاگہ ٹوٹ گیا اور ہار کہیں گر گیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قیام کو طویل کر دیا تاکہ گمشدہ ہار مل جائے اس منزل میں پانی نہ تھا اور مجاہدین کے پاس بھی پانی نہیں تھا اور نماز کا وقت فوت ہونے کے قریب تھا۔ بعض لوگوں نے سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی:

''یہ تکلیف ہار کی گمشدگی کی وجہ سے پہنچی ہے۔''

یہ سُن کر وہ اپنی بیٹی کے پاس آئے تو اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آغوش میں سر اقدس رکھے محو استراحت تھے۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

marfat.com

اپنی بیٹی پر غصے کا اظہار کیا اور ہاتھ سے ٹھوکا دیا لیکن سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جنبش تک نہ کی۔ مبادا محبوب و عالی شوہر اور اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک خواب سے بیدار ہو جائے۔

صبح ہوگئی' پانی موجود نہ تھا کہ وضو کر کے فریضہ نماز ادا کرتے اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمادی اور لشکر اسلام نے صبح کی نماز تیمم کر کے پڑھی۔

اس قسم کے بے شمار کمالات سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں ہیں۔ چنانچہ حضرت اسیّد بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''اے اولادِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔''

اس کے بعد جب اونٹ کو اُٹھایا گیا تو ہار اونٹ کے نیچے سے برآمد ہوا۔ گویا اس میں یہی حکمتِ الٰہی تھی کہ شریعت کے احکام میں مسلمانوں کے لیے آسانی اور سہولت مہیا کی جائے۔ حضرت اسیّد بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہی احسانات کے پیش نظر اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے عرض کیا تھا:

''اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو بہترین جزا دے جب بھی آپ کے کسی کام میں رکاوٹ پڑی' اللہ نے خود کشود کار فرمائی اور مسلمانوں کے لیے بھی اس میں برکت ہوئی۔''

ہار کی دستیابی کے بعد لشکر اسلام پھر مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑا' راستے میں لشکر نے بوقت شب ایک جگہ پڑاؤ کیا جب مجاہدین اسلام کچھ ستا لیے تو سفر پھر شروع ہوا۔ عین آغاز سفر کے وقت یہ نہ جانتے ہوئے کہ لشکر آمادہ سفر ہے' اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کسی طبعی ضرورت سے فاصلے پر چلی گئیں اسی اثناء میں جانثارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہودج میں ہیں' خالی ہودج اُٹھا کر رکھ لیا اور لشکر کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔

جب سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپس تشریف لائیں تو لشکر جا چکا تھا۔ صحرا میں تنہا سفر کرنے میں کوئی مصلحت نہ سمجھی۔ یہ سوچ کر کہ جب لشکری مجھے نہ پائیں گے تو واپس ضرور آئیں گے۔ چنانچہ چادر سے اپنے جسم مبارک کو لپیٹ کر وہیں دراز ہو گئیں۔

marfat.com

حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے بلند کردار اور امانت دار صحابی رسول تھے‘ وہ ساقہ قافلہ کے فرائض سرانجام دے رہے تھے‘ قافلہ کی گری پڑی اشیاء کو سنبھالنا اور شرکائے قافلہ کی نگہداشت کرنا ان کے ذمہ تھا‘ وہ جب پڑاؤ کے مقام پر پہنچے تو اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔

”انا للہ وانا الیہ راجعون“

انہوں نے پڑھا اور عرض کیا:

”اُم المومنین! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپ اور اس صحرا میں تنہا‘ قافلہ سے علیحدگی کا سبب کیا ہوا؟“

مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور عرض کی:

”اس پر سوار ہو جایئے“

اور خود پرے ہٹ گئے تاکہ حیا دامن گیر نہ ہو اور پھر خود اس دوسرے اونٹ پر سوار ہو گئے جو لشکر کی گری پڑی اشیاء اُٹھانے کے لیے تھا۔

اونٹوں کی رفتار تیز کر دی گئی تاکہ لشکر کے قریب پہنچ سکیں لیکن قافلہ بڑی تیزی سے سفر کر رہا تھا کہ اس نے مدینہ پہنچ کر ہی دَم لیا اور جب حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مدینہ پہنچے تو دن کی روشنی خاصی پھیل چکی تھی۔

مدینہ میں لشکر اسلام کی آمد سے تھوڑی ہی دیر بعد اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لے آئی تھیں۔ بدگمانی کی کوئی وجہ نہ تھی‘ زندگی میں ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں لیکن منافقین جو ایسی باتوں کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے‘ انہوں نے اپنے خبث باطن کا اظہار تو کرنا ہی تھا۔ عبداللہ بن ابی امیر المنافقین نے اس واقعہ کو بُرائی کا رنگ دینا شروع کر دیا اور عصمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن تقدس کو داغ دار کرنے کے لیے طوفان افترا اُٹھا دیا چونکہ اس کی زد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب زوجہ اطہر پر پڑتی تھی لہٰذا فتنہ اُٹھانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی جب آگ بھڑک اُٹھی تو

marfat.com

منافقین پیچھے ہٹ گئے لیکن چند سادہ لوح مسلمان اس سازش کا شکار ہو گئے۔

اُم المومنین زینب بن جحشؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا چاہتی تھیں کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہ نسبت ان کی بہن کا مقام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں بلند ہو لہٰذا وہ بھی اس جھوٹی افواہ کو پھیلانے کا باعث بنیں حالانکہ یہ خود قافلہ میں شریک نہیں تھیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ منافقین نے مہاجر و انصار کی عصبیت کو بھڑکایا۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجو کہنے پر اُکسایا اور انہوں نے جذبات کی رو میں بہہ کر حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کر ڈالی حالانکہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قافلہ کے ساتھ نہ تھے۔ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قافلہ کے ہمرکاب تھے لیکن عبداللہ بن ابی کی عیاری کا شکار ہو گئے اور اتہام کی تشہیر کا باعث بنے۔

سیّدہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی اور بلند کرداری سب کے نزدیک مسلم تھی جس نے بھی یہ افواہ سنی' لرزہ براندام ہو گیا اور بول اُٹھا:

''یہ بہتانِ عظیم ہے۔''

جب حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا تو برداشت نہ کر سکے اور کہا:

''مجھ سے تلوار کی دھار کا تحفہ قبول کرو' میری ہجو میں تو میں جوان بن جاتا ہوں' میں کوئی شاعر نہیں ہوں۔''

اور پھر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کر دیا' زخمی ہو کر وہ بارگاہِ رسالت میں طالب انصاف ہوئے۔ واقعہ ان کے ابھی زیرِ تحقیق تھا اس لیے حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی کارروائی کا حق نہیں تھا لہٰذا حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ جائیداد دے کر قصور معاف کرایا گیا۔

یہ افواہیں پھیلی ہوئی تھیں لیکن کمال کی بات ہے کہ کسی کو بھی اتنی جرأت نہ ہو سکی کہ وہ براہ راست اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تذکرہ کرے۔ انہیں

marfat.com

کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ شہر میں ان کے خلاف کیا سرگوشیاں ہو رہی ہیں۔ ہاں البتہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھری ہوئی نگاہیں آپ کا حق کے لئے بلائے بے درماں تھیں۔ آپ کو اس کا اتنا ملال تھا کہ صاحبِ فراش ہو گئیں، تیمار داری کے لیے ان کی والدہ سیّدہ زینب اُم رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمہ وقت پاس رہتی تھیں، کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزاج پرسی کے لیے تشریف لاتے تو صرف اس قدر پوچھتے:

''طبیعت کا کیا حال ہے؟''

اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی بے رُخی دیکھ کر مرض کی شدت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اسی دوران میں ان کے ذہن میں خیال گزرا:

''شاید یہ بے رُخی جویریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے تعلق خاطر کی وجہ سے ہے۔''

چنانچہ ایک دن انہوں نے تنگ آ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی:

''جب تک پوری طرح صحب یاب نہیں ہو جاتی، والدین کے گھر جا کر رہنے کی اجازت دے دیں۔''

''چلی جانا''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والدین کے گھر آ گئیں۔ اس اجازت سے اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے رُخی کا نقش اور بھی گہرا ہو گیا۔

۲۹ روز کی بیماری نے انہیں بے حد لاغر کمزور کر دیا لیکن ابھی تک انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ ان پر بہتان باندھا گیا ہے۔

ایک دن ایک انصاریہ خاتون سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملیں تو انہوں نے ازراہِ نیک نیتی بتایا کہ لوگ ان پر کیا بہتان لگا رہے ہیں۔ سنا تو روح بلبلا اُٹھی، دل ڈوبنے لگا، ساون بھادوں کی طرح آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، آواز بھرا گئی، بستر سے اُٹھیں اور اپنی ماں کی آغوش سے لپٹ کر سسکیاں بھرنے لگیں۔

ذرا ہوش آیا تو ماں سے شکایت آمیز لہجے میں:

marfat.com

''امی جان! آپ نے سب کچھ سنا ہوگا لیکن کیا بات ہے کہ آپ نے مجھ پر یہ راز آشکار نہ ہونے دیا؟''

ان کی والدہ نے کہا:

''بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی عورت اپنے شوہر کی پیاری ہو اور اس کی سوکنیں اس سے جلن نہ رکھیں' ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔''

اس جواب سے اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا مطمئن نہ ہوئیں جب انہیں خیال آتا کہ ان کے محبوب شوہر کے دل میں ان کے بارے میں میل آ گیا ہے تو اس سے اور زیادہ کیا بات سوہان روح ہوسکتی تھی' طرح طرح کے خیالات دل و دماغ میں گردش کرنے لگتے تھے۔

''مجھے قسمیں کھا کر اپنی بے گناہی کا ثبوت دینا چاہیے۔''

پھر خیال آیا:

''حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ بزرگ و برتر کے حبیب و محبوب ہیں' میرے خلاف لوگوں نے بہتان تراشی کی ہے جو میں صفوان کے ساتھ قافلہ سے جدا ہونے کے بعد آئی۔''

اور پھر ایک دَم ان کے ہاتھ بارگاہِ رب العزت میں اُٹھ گئے۔

''اے بارالٰہ! میری امداد کر اور کوئی ایسی صورت پیدا کر کہ تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر میری بے گناہی کی حقیقت آشکارا ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھری ہوئی نگاہیں میری طرف پھر مائل ہو جائیں۔''

اسلامی قانون شہادت موقع کے گواہوں کا مقتضی تھا' حضرت مسطح بن اثاثہ' حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مزعومہ قول کے حق میں کوئی دلیل اور ثبوت پیش نہ کر سکے۔ چنانچہ تحقیق حال کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔

marfat.com

حضرت اُسامہ بن زید اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی وہاں طلب فرمایا تو وہ بھی آ گئے۔

سب سے پہلے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بہتانِ عظیم کے بارے میں پوچھا تو وہ بولے:

''اُم المومنین! نہایت پاک باز' باکردار اور عفت ماب ہیں۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے صرف اتنا کہا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو عورتوں کی کمی نہیں۔''

اور پھر عرض کیا:

''اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیز سے بھی دریافت فرمالیں۔''

لہٰذا کنیز کو بُلایا گیا اور اس سے پوچھا گیا تو بولی:

''جس طرح سنار کھرے سونے کو جانتا ہے اسی طرح میں ان کو جانتی ہوں' وہ پاک دامنی کا مجسمہ ہیں۔''

آخر سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بازپرس کی نوبت آئی اس وقت گھر میں ان کے والدین اور ایک انصاریہ موجود تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! تم اس اتہام کے بارے میں کیا کہتی ہو؟''

جب اپنے آقا و مولا کے دہن مبارک سے سنا تو چیخیں نکل گئیں۔ انصاری خاتون بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جی کڑا کر کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئیں تو آنسو رک گئے' آپ نے ارشاد فرمایا:

''عائشہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) خشیت و تقویٰ کی راہ اختیار کرو اگر تہمت درست ہے تو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو' وہ تواب الرحیم ہے۔''

یہ الفاظ سنے تو اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا جلال میں آ گئیں اور باری باری اپنے والدین کی طرف دیکھا' وہ دونوں ساکت صامت بیٹھے تھے' بولیں:

marfat.com

''آپ چپ ہی رہیں گے۔''

اس پر ان کے والد اور والدہ نے جواب دیا:

''معاملہ کی نوعیت سے ہم بالکل بے خبر ہیں۔''

یہ کہا اور اپنی گردنیں جھکا لیں۔ والدین کے اس تاثر سے اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر رقت طاری ہوگئی پھر وہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوئیں اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جو یہ فرما رہے ہیں کہ میں توبہ کروں تو یہ کس لیے؟ جب مجھ سے کوئی گناہ ہی سرزد نہیں ہوا' بداندیشوں نے جو بہتان باندھے ہیں اس کی اصلیت سے میں بے خبر نہیں اگر میں اپنی صفائی میں کچھ کہوں تو لا حاصل ہے اس لیے کہ پروردگارِ عالم پر ہر بات روشن ہے اور اگر میں لوگوں کے سامنے اپنی پاک دامنی کا ثبوت دوں تو وہ میرے بیان کی تصدیق کہاں کریں گے؟''

تھوڑی دیر سکوت فرمانے کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر عرض کیا،

''میں اپنے حق میں وہی الفاظ دہرائے دیتی ہوں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرماتے تھے۔ لہٰذا صبر ہی بہتر ہے' تم جو باتیں بناتے ہو اس سلسلہ میں اللہ سے رجوع کرتی ہوں کہ وہ میری دستگیری کرے۔''

اس گفتگو کے بعد حاضرین پر سکوت کا عالم طاری ہوگیا۔ اسی اثناء میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حاضرین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک چادر سے ڈھانپ دیا' سرہانے تکیہ رکھ دیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ٹیک لگا سکیں۔ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس موقع پر اپنی بے گناہی کے سبب قطعاً یہ شبہ نہ تھا کہ علام الغیوب میرے معاملہ میں انصاف نہیں فرمائے گا لیکن ان کے والدین کی یہ حالت تھی جیسے ان کی روحیں قبض کی جا رہی ہوں۔ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ الزام واتہام کی تصدیق کہیں وحی سے نہ ہو جائے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی سے فارغ ہوئے تو پیشانی مبارک سے آپ نے پسینے کے قطرات پونچھے تو اس وقت سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والدین سیّد

marfat.com

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیّدہ زینب اُم رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اضطراب قابلِ دید تھا۔ آخر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری برات میں آیات نازل کی ہیں۔''

جب یہ سنا تو سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صرف اتنا کہا:

''الحمدللہ''

اور خاموش ہو گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم اسی وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لے گئے اور آپ نے مجمع عام میں سورۂ نور کی ان آیات کی تلاوت فرمائی جن کا ترجمہ ہے:

''بے شک (اے مسلمانو!) جن لوگوں نے (اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف) بہتان باندھا' تم ہی میں سے ایک گروہ ہے اس (بہتان) کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو بلکہ یہ تو تمہارے لیے بہتر ہوا (اس سے کھرے کھوٹے کی پہچان ہوگئی) بہتان باندھنے والوں میں سے جتنا گناہ جس نے سمیٹا' وہ اس کی سزا بھگتے گا اور ان میں سے جس نے بہتان باندھا اس کو بڑی سخت سزا دی جائے گی۔''

اسی سلسلہ میں کچھ آیات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں جن کا ترجمہ ہے:

''اور جب تم نے ایسی باتیں سنی تھیں تو سنتے ہی کیوں نہ بول اُٹھے کہ ہم کو ایسی بات منہ سے نکالنا زیبا نہیں۔ حاشا وکلا یہ تو عظیم بہتان ہے' اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو پھر کبھی ایسا نہ کرو اور اللہ اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ سب کے حال سے واقف اور حکمت والا ہے جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے شرمی کی باتوں کا چرچا ہو' ان کے لیے دنیا میں دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی اور ایسے لوگوں کو اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

پاک دامن عورتوں پر جو بہتان باندھتے ہیں اس کی سزا کے بارے میں یہ آیتِ

marfat.com

مبارکہ نازل ہوئی جس کا ترجمہ ہے:

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لا سکیں تو ان کو اسی (۸۰) درے مارو اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہ لوگ خود بدکار ہیں۔''

چنانچہ اس حکم الٰہی کی روشنی میں حضرت مسطح بن اثاثہ' حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسی اسی (۸۰'۸۰) درے مارے گئے کیونکہ ان تینوں نے اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف بہتان باندھا تھا۔

اٹھارہ آیات کے نزول کے بعد حسب سابق سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عزت و احترام کا مقام حاصل ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مزید قدر و منزلت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ چنانچہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والدین کے گھر سے کاشانۂ نبوت میں تشریف لے آئیں۔

بداندیشوں کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ جس قدسی صفات' عفت ماب' پاک دامن و پارسا خاتون کی شان میں گستاخی و بے ادبی کی جسارت کر رہے ہیں اس کی عفت و عصمت پر خود اللہ تبارک و تعالیٰ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام شہادت دیں گے اور ملائکہ و مومنین تا ابد آیات برات پڑھتے رہیں گے اور سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے طفیل بے گناہ عورتوں پر افترا و بہتان تراشی کا ہمیشہ کے لیے دروازہ بند کر دیا کہ بہتان باندھنے والوں کو اسی اسی (۸۰'۸۰) کوڑوں کی سزا دو۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اس غلطی پر ساری عمر پشیمان رہے کہ انہوں نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان تراشنے والوں کا ساتھ کیوں دیا اور کفارہ کے طور پر انہوں نے سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں ایک قصیدہ کہا جس کا ترجمہ ہے:

آپ پاک دامن' باوقار اور ہر تہمت سے مبرا ہیں۔

marfat.com

اور ہمیشہ پاک دامن عورتوں کی غیبت سے دور رہی ہیں۔
آپ ایسی ہستی کی بیوی ہیں جو اپنے دین اور منصب کے اعتبار سے سب سے بلند ہیں۔
جو ہدایت اور بلند اخلاق اعمال کے لانے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
آپ لوی بن غالب کے قبیلہ کی ایک شریف خاتون ہیں۔
جن کے کارنامے بہت اونچے اور جن کا مجد و شرف دائمی ہے۔
آپ پاک دامن ہیں جن کے دل کو اللہ نے پاکیزہ بنایا ہے۔
اور اسے ہر بُرائی اور باطل سے پاک رکھا ہے۔
اگر میں نے وہ بات کہی ہو جس کے بارے میں آپ کا خیال ہے۔
تو میری انگلیاں میرے لیے لاٹھی نہ اُٹھائیں (میرا ہاتھ شل ہو جائے)
اور جو کچھ کہا گیا ہے وہ کبھی بھی ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔
بلکہ وہ ایک ایسے شخص کا قول ہے جو مجھے فریب دینا چاہتا ہے۔
میں یہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں جب کہ میری محبت میری نصرت تا دَم زیست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے لیے ہے جو محافل کی زینت ہیں۔
ان کا مقام و رتبہ سب مخلوق پر بلند ہے۔
اور بلندی طلب کرنے والے کا مقام اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔
اللہ آپ کی مغفرت فرمائے میں نے آپ کو ایک شریف خاتون پایا
جو پاک دامن اور عیوب سے پاک ہے۔

یہود کی سرشت میں ہی مسلمانوں کی مخالفت کرنا اور انہیں نقصان پہنچانے کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا لازمی تھا' انہیں اپنے علم' طاقت' عسکری برتری' مالی حالت اور سازشی ذہن پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ جانتے تھے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور برگزیدہ پیغمبر ہیں مگر اس کے باوجود ایمان لانے پر آمادہ نہیں تھے بلکہ آپ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف

marfat.com

رہتے تھے۔

رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانتے تھے کہ وہ اسلام اور داعی اسلام کے خلاف کیسا کیسا زہر اُگل رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی بیخ کنی ضروری تھی تا کہ وہ اپنی معاندانہ سرگرمیوں سے باز آ جائیں۔ لہٰذا اسلامی لشکر نے مدینہ طیبہ سے خیبر تک کی تین منازل تین دنوں میں طے کر لیں اور یہودیوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا کہ مسلمان اس سریع الحرکت کے ساتھ خیبر پر حملہ آور ہوں گے اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ان کے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔

خیبر یہودیوں کی طاقت کا مرکز تھا اور یہودی جنگی سامان سے پوری طرح لیس تھے۔ لہٰذا جنگ کا آغاز ہوگیا' یکے بعد دیگرے ان کے سردار واصل جہنم ہونے لگے اور قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے لگا' بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو پہلے ہی اسلام کی حقانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قائل تھیں کیونکہ انہوں نے اپنے باپ اور چچا کی خفیہ باتیں سُن لی تھیں' اُمہات المومنین میں داخل ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے غنائم میں سے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی سالانہ اسی (۸۰) وسق کھجوریں اور بیس (۲۰) وسق جو عطا فرمائے۔

اُم المومنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کے کسی رشتہ دار نے تحفتاً شہد بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد بہت پسند تھا لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان زوجہ محترمہ کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ شہد کا شربت بنا کر پیش خدمت کرتیں تو معمول سے قدرے زیادہ وقت لگ جاتا ہر زوجہ محترمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محب تھی اور محب کے لیے محبوب کا معمولی دیر سے آنا بھی بہت طویل عرصہ معلوم ہوتا ہے۔ سوئے اتفاق جو شہد سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا تھا' وہ مغافیر کے پھولوں کا تھا جس میں قدرے بساند ہوتی ہے جسے نوش کرنے کے بعد اس کی بساند کا اثر منہ میں رہتا تھا جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہد کا شربت پینے کے بعد سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے تو شہد کی بساند کا اثر محسوس کیا تو اس کا ذکر کیا۔

marfat.com

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی نفاست پسند تھے یہ تو کسی حال میں پسند خاطر نہ تھا کہ کسی نوع کی غیر پسندیدہ بو آئے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آئندہ نہ پینے کا ارادہ فرمایا۔ یہ راز سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راز نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد پیش کرتی تھیں لہٰذا ان سے ذکر کر دیا اور فرمایا:

''اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا کہ میں نے شہد کھانا ترک کر دیا ہے۔''

لیکن انہوں نے اس کا ذکر دوسری ازواج سے کر دیا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسس شریعت تھے اور آپ کی اطاعت واتباع لازمی ہے لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ تحریم نازل فرما کر ایک حلال چیز کو حرام ہونے سے روک دیا اگر آیاتِ تحریم نازل نہ ہوتیں تو شہد ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس چیز کو اپنے اوپر حرام کیوں ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے حلال کر دی ہے، صرف اپنی ازواج کی خوشنودی کی خاطر اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اللہ نے ایسی قسموں کے لیے کفارہ مقرر کیا ہے۔''

لہٰذا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارہ عہد ادا کر کے اس فیصلہ سے رجوع کر لینے کا حکم دیا گیا اور پھر اسی سورت مبارکہ میں ان ازواج کو تنبیہہ کی کہ ایک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راز کی بات کہی اور اس نے دوسری زوجہ پر ظاہر کر دیا اس سے ازواج کو تنبیہہ کی گئی کہ ان پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اگر ایک معمولی سے راز کو راز نہیں رکھ سکی ہو تو اہم راز کیسے راز رکھ سکو گی۔ یہ لائحہ عمل تھا جو اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لیے نازل فرمایا لہٰذا سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری ازواج اس پر دل و جان سے تاحیات کاربند رہیں۔

اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دس سوکنوں سے واسطہ تھا، ان میں سے ایک اُم المومنین سیّدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ۴ ہجری میں ہو گیا تھا، ان میں امیر زادیاں بھی تھیں، حسن و جمال کی بھی حامل تھیں لیکن یہ سب شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی پروانہ تھیں۔

marfat.com

ہر زوجہ محترمہ کے اپنے اپنے جذبات واحساسات تھے لیکن باہمی محبت و یگانگت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی کے بارے میں دل غبار آلود نہیں ہوا۔ فیضانِ نبوت سے ان کے دل و دماغ ایسے منزہ اور پاکیزہ تھے کہ وہ ایسی تمام کدورتوں سے پاک تھیں جو عموماً سوکنوں میں ایک دوسری کے متعلق ہوتی ہیں۔ وہ ایک دوسری کی تعریف کرتی تھیں اور محبت آمیز جذبات رکھتی تھیں' وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان کی ذات کے حوالے سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی ذہنی کوفت نہ پہنچے۔

کئی موقعوں پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا جو سیر کی کتب میں محفوظ ہیں۔ مثلاً حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرماتی تھیں:

''ان کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں جس کے درجے میں مجھے ہونا سب سے زیادہ پسند ہو۔''

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرماتی تھیں:

''میں نے کوئی عورت صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جیسا عمدہ کھانا پکانے والی نہیں دیکھی۔''

حضرت زینب جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کہتی تھیں،

''دین کے معاملے میں زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے بہتر میں نے کوئی عورت نہیں دیکھی' وہ اللہ کا زیادہ تقویٰ رکھنے والی' بہت زیادہ سچ بولنے والی' رشتہ داروں سے عمدہ سلوک کرنے والی اور اللہ کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرنے والی تھیں۔''

حضرت جویریہ بنت حارث کے بارے میں کہتی تھیں:

حضرت جویریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں شیرینی اور دلکشی پائی جاتی ہے کہ دیکھنے والے کے دل میں ان کی جگہ ہو جاتی ہے۔''

حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کہا کرتی تھیں:

''وہ ہم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں''

marfat.com

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق فرماتی تھیں۔

''مجھے اس پر بڑا رشک آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت تھی''۔

لیکن کبھی کبھار جس طرح سگی بہنوں میں تھوڑی دیر کے لیے نوک جھونک ہو جاتی ہے اسی طرح ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں بھی ایسی صورت پیدا ہو جایا کرتی تھی۔ اُم المومنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

ایک دفعہ مجھ میں اور صفیہ بنت حیی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں تو تو' میں میں ہوگئی' میں نے ان کے والد کو اور انہوں نے میرے والد کو بُرا بھلا کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھگڑا سُن کر ارشاد فرمایا:

''صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! تم محمد ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بُرا کہہ رہی ہو۔''

اور یہ کلمہ دو مرتبہ دہرایا۔

ایک مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تھے کہ اُم المومنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا آ گئیں اور اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو سامنے بیٹھی تھیں' ان کے بارے میں کچھ سخت سست باتیں کیں' وہ جواب دینے لگیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خاموش رہنے کو کہا' وہ خاموش ہوگئیں لیکن سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بولتی رہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اپنی مدافعت میں بولنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی باتوں کی اس طرح کاٹ کی کہ ان کو کوئی جواب نہ بن پڑا اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محظوظ ہوئے اور فرمایا:

''آخر ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بیٹی ہیں۔''

اور جب بھی کبھی ایسی صورتِ حال پیدا ہوتی تھی تو دوسرے لمحے ان کے دل صاف ہوتے تھے' کوئی ناراضگی نہ ہوتی تھی اور نہ ہی رنجش باقی رہتی تھی۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نہ صرف ایک دوسری سے محبت کرتی تھیں بلکہ ان کے پہلے شوہروں سے جو اولاد تھی اور وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت و

marfat.com

رحمت میں پرورش پا رہے تھے، ان سے بھی اپنی اولاد جیسا سلوک روا رکھتی تھیں، ان سے پیار کرتی تھیں اور دیکھ بھال کرتی تھیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانا مثالی گھرانا تھا عائلی زندگی سے یہ بتانا مقصود تھا کہ میاں بیوی کو کس طرح محبت آمیز اور پاکیزہ ماحول میں رہنا چاہیے کس طرح ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا دھیان رکھنا چاہیے اور دونوں میاں بیوی میں خوش دلانہ گفتگو بھی ہونی چاہیے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھی جب ہم مقام قاحتہ میں پہنچے تو میرے سر سے زردی بہہ کر چہرے پر آ گئی کیونکہ روانہ ہونے سے قبل میں نے سر پر خوشبو لگائی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا:

''اب تمہارا رنگ بڑا پیارا ہے۔''

اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے مبارک کے متصل ایک بالا خانہ تھا جسے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رصدگاہ اور تخلیہ و عبادت کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔ آپ اللہ کے انعامات کے قاسم تھے، وہ عطا کرتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم کرتے تھے اگر چاہتے تو پہاڑ آپ کے لیے سونا بن جاتے مگر آپ نے فقر کو پسند فرمایا جو آتا مستحق افراد میں تقسیم کر دیا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ گھر میں کئی کئی دن آگ نہیں جلتی تھیں کہ اس پر کچھ پکایا جا سکے، ان حالات کے پیش نظر اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مصارف میں اضافے کے لیے درخواست کی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ رسولِ عربی، رحمۃ للعالمین صلی اللہ وسلم تشریف فرما تھے اور اردگرد تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بیٹھی تھیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے اور ادب سے بیٹھ گئے۔

''یہ مجھ سے توسیع نفقہ کا تقاضا کرتی ہیں۔''

marfat.com

جب ان دونوں جانثاران رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سنا تو اپنی اپنی بیٹی کی طرف متوجہ ہوئے اور سخت انداز میں کہا:

''کیا تم پیغمبر اسلام سے وہ چیز طلب کرتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے؟''

''واللہ، ہم آئندہ کبھی کوئی ایسا مطالبہ نہیں کریں گی۔''

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا اور اپنے مطالبے سے دستبردار ہو گئیں لیکن دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہنوز مصر رہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ صورتِ حال پسندیدہ نہ تھی کیونکہ یہ گھریلو سکون میں حارج تھی۔ اتفاق سے انہی دنوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گر پڑے اور پنڈلی مبارک پر زخم آیا۔ ان حالات میں آپ نے ازواج سے ایک ماہ کے لیے علیحدگی اختیار کرنے کا فیصلہ فرمایا اور بالا خانے میں تنہا نشینی اختیار کر لی۔ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی ہے۔

جب اس بارے میں حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اطلاع ہوئی تو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔''

''نہیں!''

آپ نے ارشاد فرمایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پکار اُٹھے:

''اللہ اکبر!''

ادھر ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا بُرا حال تھا' جدائی کے لمحات گزرنے کا نام نہ لیتے تھے جو اپنے مطالبے پر اصرار کر رہی تھیں' وہ بھی پشیمان ہوئیں کہ کیوں اس چیز کا مطالبہ کیا جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں ہے۔ سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگرچہ اپنے مطالبے سے دستبردار ہو گئی تھیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرقت و جدائی کے دن سوہان روح بنے ہوئے تھے' ایک ایک دن گن گن کر گزار رہی تھیں۔

marfat.com

جب تنہانشینی کی مدت پوری ہوگئی تو سیّدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بالاخانے سے نیچے اُتر آئے تو سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تشریف لائے' خوشی کی انتہا نہ تھی' چہرے مبارک پر سے اداسیوں کے بادل یک دَم چھٹ گئے تھے اور وہاں مسرتوں کا چاند طلوع ہوگیا تھا۔عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ایک مہینے کے لیے عہد فرمایا تھا ابھی تو ۲۹ ہی دن ہوئے ہیں۔''

ارشادفرمایا:

''مہینہ کبھی ۲۹ کا بھی ہوتا ہے۔''

اس کے بعد رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبوب بیوی سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

''میں ایک بات تم سے کہتا ہوں اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کر کے دینا۔''

اور پھر آپ نے سورۂ احزاب کی ۲۸اور ۲۹ آیاتِ مبارکہ پڑھیں جو بالاخانے سے اُترنے سے قبل نازل ہوئی تھیں جن کا ترجمہ ہے:

''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی ازواج رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے فرمائیں کہ اگر تم دنیااوراس کی زینت چاہتی ہوتو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اوراس کے رسول اور دارالآخرت کی طالب ہوتو جان لو کہ تم میں سے جو محسنات ہوں گی' اللہ نے ان کے لیے بڑااجر مہیا کر رکھا ہے۔''

کلامِ الٰہی کا یہ خطاب سنتے ہی سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک ثانیہ ضائع کیے بغیر عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں کس امر میں والدین سے مشورہ کروں' میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کواختیار کرتی ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حسن انتخاب اوراحسن جواب سے بہت مسرور ہوئے۔

marfat.com

یہی آیاتِ مبارکہ سنا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو اختیار دیا۔ انہوں نے بھی فی الفور وہی جواب دیا جو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا تھا اس طرح سے اللہ جل جلالہ نے ان کی پاکیزگی فکر کو بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں طمانیت بحال کرنے کا ذریعہ بنایا۔

رات دبے گام گزر رہی تھی' اُم المومنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محو استراحت تھیں کہ عالم رویاء میں کیا دیکھتی ہیں کہ ان کے گھر میں تین چاند اُترے ہیں' آنکھ کھل گئی۔ سوچنے لگیں کہ اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟ بالآخر اپنے والد گرامی سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اپنا خواب بیان کیا۔ انہوں نے سنا تو فرمایا:

''بیٹی! تمہارے گھر میں دنیا کے تین بہترین افراد دفن ہوں گے۔''

وقت گزرتا رہا اب عرب کے گوشے گوشے میں اسلام پھیل چکا تھا' ہر طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمل داری قائم ہو چکی تھی' تمام قبائل اَن گنت بتوں کی پرستش سے منہ موڑ چکے تھے اور ایک اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو چکے تھے۔ یہی قبائل بیس (۲۰) سال پہلے ایک دوسرے کے خلاف قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیتے تھے مگر اب اسلام نے ان کے اندر محبت و مودت کے انمول جذبے بھر دیئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے لیے سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ و تیار رہتے تھے اور اب ان کی تلواریں حفاظت دین کے لیے اُٹھتی تھیں۔

قبل ازیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم دو مرتبہ عُمرہ کر کے حج اصغر کو بجا لا چکے تھے لیکن حج اکبر کی ادائیگی کا موقع نہ آیا تھا اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر یہ امر بھی تھا کہ خود بہ نفس نفیس مسلمانوں کو ارکانِ حج سے آگاہ کیا جائے۔ جونہی یہ خبر قبائل میں پھیلی اور ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہنچا:

''تم لوگ بھی اس سال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج ادا کرو۔''

تو تمام جزیرہ عرب میں ہلچل مچ گئی' لوگ پہاڑوں' میدانوں اور صحراؤں کو عبور

marfat.com

کرتے ہوئے مدینہ طیبہ کا رُخ کرنے لگے۔ مدینہ کے گرد خیموں کا ایک شہر آباد ہو گیا جس میں ایک لاکھ سے زیادہ ایسے اشخاص سکونت پذیر تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ کے ہمراہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے جمع ہوئے تھے۔ ہر شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فریضہ حج ادا کرنے کی سعادت سے بہرہ مند ہونے پر شاداں وفرحاں تھا۔

۲۵ ذوالقعدہ ۱۰ ہجری کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کو ہمراہ لے کر حج کے لیے روانہ ہوئے اور آپ کے پیچھے وہ لوگ تھے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے شوق میں مدینہ میں جمع ہوئے تھے۔

۴ ذوالحجہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچے اور سیدھا خانہ کعبہ گئے۔ حجر اسود کو بوسہ دیا' بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کیا' مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھی' صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا جس شخص کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو' وہ احرام کھول دے۔

بعض لوگ جو نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے' انہیں قدرے تردد ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا:

''میں جو حکم دے رہا ہوں' اسے بجا لاؤ۔''

اور خود سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خیمے میں تشریف لے گئے' انہوں نے چہرۂ مبارک پر قدرے خفگی کے آثار دیکھے تو عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی بات ہوئی ہے؟''

ارشاد فرمایا:

''بعض لوگ حکم کی ادائیگی میں متردد ہیں۔''

لہٰذا جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ عدولی حکم کی بناء پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہیں تو فوراً احرام کھول دیئے۔

marfat.com

ایامِ حج بخیر وخوبی انجام پذیر ہوئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے آئے، چند دنوں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے اب تک آپ صرف دو مرتبہ بیمار ہوئے تھے۔ پہلی مرتبہ ۶ ہجری میں بھوک کی شدت کے باعث طبیعت ناساز ہوئی تھی اور دوسری مرتبہ سات ہجری میں جبکہ غزوۂ خیبر کے وقت ایک یہودی عورت نے آپ کو زہریلا گوشت کھلا دیا تھا لیکن آپ نے لقمہ نگلنے سے پہلے ہی پھینک دیا تھا۔ گوشت نے بتا دیا تھا:

''حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اندر زہر شامل کر دیا گیا ہے۔''

شدتِ درد کے باعث ایک رات رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند نہ آئی، گرمی کا موسم تھا اور خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ آپ نے اپنے غلام ابو مویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لیا اور بقیع الغرقہ تشریف لے گئے۔ اس سے اگلے دن صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم، سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے گزرے اس وقت ان کے سر میں درد ہو رہا تھا اور وہ کراہ رہی تھیں، ان کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! میرے سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔''

تاہم ابھی تک درد کی شدت اس حد تک نہ بڑھی تھی کہ آپ کو ازواج سے ہنسی مزاح کرنے سے روک دیتی جب سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کراہنا بند نہ ہوا تو فرمایا:

''تمہیں غم کس بات کا ہے اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو گئیں تو میں اپنے ہاتھ سے تمہاری تجہیز و تکفین کروں گا اور نمازِ جنازہ پڑھوں گا۔''

اس لطیف مزاح سے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اندر نسوانی غیرت کے جذبات اُبھر آئے، عرض کیا:

''آپ تو یہی چاہتے ہیں کہ مجھے سپردِ خاک کر دیں اور میرے حجرے میں واپس آ کر دوسری ازواج کی صحبت سے لطف حاصل کریں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا کر خاموش ہو گئے، درد کی شدت مزید ہنسی مزاح کی

marfat.com

اجازت نہ دیتی تھی، کچھ دیر کے بعد طبیعت میں سکون پیدا ہوا تو حسب معمول تمام بیویوں کے پاس چکر لگانے کا ارادہ کیا لیکن مرض آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا۔ سیّدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے ہی تھے کہ درد کی شدت سے بے تاب ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج کو وہاں بلایا اور فرمایا:

''مجھ میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں، تم مجھے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے حجرے میں رہنے کی اجازت دے دو۔''

تمام ازواج نے بخوشی اجازت دے دی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک پر پٹی باندھی اور حضرت علی اور چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سہارے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تشریف لے آئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدتِ علالت کے باعث نماز پڑھانے کے لیے باہر تشریف نہ لے جا سکے تو فرمایا:

''ابوبکر! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کہو وہ میری جگہ نماز پڑھا دیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تمنا کی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نماز پڑھائیں کیونکہ نماز پڑھانا بھی ایک طرح صحت کی علامت ہے۔ عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رقیق القلب آدمی ہیں، تلاوتِ قرآن کے وقت زاروقطار رونے لگتے ہیں جب نماز پڑھائیں گے، رونے لگیں گے اور لوگوں کی نماز خراب ہوگی۔''

لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر توجہ نہ دی اور فرمایا:

''ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! سے کہو وہ نماز پڑھا دیں۔''

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر وہی عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''یقیناً تم ہی وہ عورتیں ہو جنہوں نے یوسف علیہ السلام کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔''

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

marfat.com

مرض میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا' ایک دن سیّدہ فاطمہ بنت رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہا عیادت کے لیے آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پاس بٹھا لیا اور کان میں کوئی بات کہی' سُن کر وہ رو پڑیں اس کے بعد دوبارہ کان میں کچھ کہا تو وہ ہنس پڑیں۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا:

''فاطمہ بیٹی! رونے اور ہنسنے کا سبب کیا تھا؟''

تو انہوں نے عرض کیا:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشا نہ کروں گی۔''

لیکن جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو انہوں نے خود ہی بتا دیا کہ ابا جان نے فرمایا تھا:

''میں اس مرض میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔''

تو میں رونے لگی لیکن جب آپ نے فرمایا:

''اہلِ خاندان میں سے سب سے پہلے تم مجھے ملو گی۔''

تو میں ہنس پڑی۔

۸ جون ۶۳۲ عیسوی کا دن تھا' سخت گرمی پڑ رہی تھی' قریب ہی ٹھنڈے پانی کا لگن رکھا ہوا تھا جس میں رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ہاتھ ڈالتے اور پھر اسے سر پر ملتے تھے اسی اثناء میں سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک صاحب زادہ مسواک لے کر حجرے میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف ایسے دیکھا جیسے مسواک کرنا چاہتے ہوں' سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھائی کے ہاتھ سے مسواک لے کر اپنے دانتوں سے چبائی جب ریشے خوب نرم ہو گئے تو اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں پکڑا دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے دندانِ مبارک پر ملا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حالتِ نزع طاری ہو گئی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ اقدس سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود مبارک میں تھا' فرماتی

marfat.com

ہیں:

''میں نے محسوس کیا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک بھاری ہو گیا ہے۔ میں نے آپ کے چہرۂ انور پر نظر ڈالی تو آپ کی آنکھیں پتھرائی جا رہی تھیں اور زبان مبارک پر تھا:

''اب تو جنت میں اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس ہی جانا چاہتا ہوں۔''

جب احساس ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کریم کے پاس تشریف لے گئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک تکیہ پر رکھ دیا اور پھر اشکوں کا سیلاب تھا کہ وہاں موجود ہر آنکھ سے بہہ نکلا جب یہ خبر عام ہوئی تو ہر آدمی پر سکتہ طاری ہو گیا' انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے ہادی و مولا' ان کے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے اللہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔

تجہیز و تکفین مکمل ہونے کے بعد جنازہ کو چارپائی پر رکھ دیا گیا تو عاشقانِ رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر الوداعی نظر ڈالتے' آپ پر درود بھیجتے اور غم و حزن کی تصویر بنے دوسرے دروازے سے نکل جاتے تھے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے سانحہ عظیم کو چودہ سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں لیکن اگر آپ اس واقعہ کا تصور کریں تو کپکپی طاری ہو جائے' تصور کریں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارک میں وہ عظیم و ارفع ہستی ابدی نیند سو رہی ہے جو کل تک تمام عالم کے لئے نور اور رحمت تھی اور لاریب آج بھی ہے جس نے لوگوں کو ضلالت و گمراہی کے گہرے اندھیروں میں سے نکال کر ایمان اور یقین کی روشنی سے منور کر دیا اس کے عاشق' محب اور جانثار جو زندگی میں پروانوں کی طرح اس کے گرد رہتے تھے اب حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے ایک ایک کر کے اس کے جنازے کے برابر سے گزر رہے ہیں' ان کے دل رنج و الم سے بھرپور ہیں اور یہ تصور و خیال کر کے ان کے دل بیٹھے جا رہے ہیں کہ یہ جسم اطہر جسے دیکھنے سے وہ نور اور سرور حاصل کرتے تھے' کل قبر کی آغوش میں پہنچ جائے گا اور اب کبھی وہ اس کی زیارت سے

marfat.com

مشرف نہ ہو سکیں گے۔

نصب شب کے قریب جب مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دیدار سے فارغ ہو چکے تو اہلِ بیت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کا ارادہ کیا' قبر میں سرخ چادر بچھاء دی جسے آپ اوڑھا کرتے تھے جن لوگوں نے آپ کو غسل دیا تھا' انہیں ہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو لحد میں اُتارنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ لحد میں رکھنے کے بعد اسے کچی اینٹوں سے ڈھانپ دیا' لیا اور پھر مٹی ڈال کر قبر بنا دی گئی۔ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو دن بعد چودہ ربیع الاوّل کا ہے۔ اُم المومنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیّدہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں:

''نصف شب کے قریب کدالوں کی آواز سُن کر ہمیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا ہے۔''

اس وقت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک ۱۸ سال تھی۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد میں بھی اسی حجرہ میں مقیم رہیں جس کے ایک کونہ میں ان کے آقا و مولا' ختم المرسلین' رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم مدفون تھے اور آپ کی اس ہمسائیگی کو اپنے لیے باعث فخر و سعادت سمجھتی تھیں۔

ایک دن سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی لختِ جگر اور اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہ خواب یاد دلایا جس میں انہوں نے دیکھا تھا کہ تین چاند ان کے گھر میں اُترے ہیں اور فرمایا،

''بیٹی! یہ وہ پہلے چاند ہیں جو تیرے مکان میں دفن ہیں۔''

اپنے محبوب آقا و مولا حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رب کے پاس تشریف لے جانے کے بعد اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات پاک کا مقصد وحید دوسروں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دینا تھا۔

صدیقی گھرانے کے پاکیزہ ماحول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و

marfat.com

معیت نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اندر اَن گنت اوصافِ حمیدہ پیدا کر دیئے تھے' آپ بے پناہ قوتِ حافظہ اور اجتہاد و استنباط کی صلاحیت سے بہرہ ور تھیں اس لیے جب وہ کسی حدیث پاک کو روایت کرتی تھیں تو اس کے سیاق و سباق اور احکام کے اسرار و رموز کو اس خوبی سے بیان فرماتی تھیں کہ زیرِ بحث مسئلہ اور معاملہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا تھا۔ آپ نہایت قانع تھیں' غیبت سے احتراز کرتی تھیں' احسان کم قبول کرتی تھیں' خود ستائی سخت ناپسند تھی تاہم بڑی خوددار تھیں' شجاعت اور دلیری بھی آپ کا خاص جوہر تھا۔

ان کا سب سے نمایاں وصف جود و سخا تھا' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا۔''

ایک مرتبہ سیّدنا حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو ایک لاکھ درہم بھیجے' شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لیے کچھ نہ رکھا۔ اتفاق سے اس دن آپ کا روزہ تھا' کنیز نے عرض کیا،

''افطار کے لیے کچھ نہیں ہے۔''

فرمایا:

''پہلے سے کیوں نہ یاد دلایا۔''

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متبنی بیٹے تھے اور جن کے نام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت رکھی تھی' ان کی فیاضی دیکھ کر چاہا کہ اپنی خالہ کو کہیں کہ قدرے کم خرچ کیا کریں جب ان کو معلوم ہوا تو اپنے بھتیجے پر سخت برہم ہوئیں اور اس سے بولنا ترک کر دیا۔ چنانچہ بڑی مدت بعد ان کا غصہ فرو ہوا۔ حضرت عروہ بن زبیر نے آپ کو ستر (۷۰) ہزار درہم اللہ کی راہ میں صدقہ کرتے دیکھا حالانکہ قمیص مبارک کے دامن میں پیوند لگا ہوا تھا۔

اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی خاشع' متضرع اور عبادت

marfat.com

گزارتھیں' چاشت کی نماز برابر پڑھتی تھیں۔ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اُٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتی تھیں اور ان کے بعد بھی اس کی پابند تھیں۔ رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔ ذکوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوان کا غلام تھا' وہ امامت کرتا اور آپ مقتدی ہوتی تھیں۔ اکثر روزے رکھا کرتی تھیں' غلاموں پر شفقت کرتیں اوران کو خرید کر آزاد کرتی تھیں' ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۷ ہے' اخلاق بہت بلند تھا اور رحم دل بھی بہت تھیں' کسی کا دُکھ دیکھ کر مضطرب ہو جاتی تھیں۔

اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علمیت' فوقیت اور فضیلت کو دیکھا جائے تو آسمان کی بلندیوں پر نظر آتی ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو جوان سے محبت تھی' وہ ظاہری حسن و جمال کی وجہ سے نہیں بلکہ ذاتی علم وفضل وکمال تھا جس کے بارے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں تھی۔

عملی حیثیت سے ان کو نہ صرف عورتوں پر' نہ صرف دوسری اُمہات المومنین پر' نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر بلکہ باستثنائے چند تمام صحابہ پر فوقیت حاصل تھی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا اور ان کے پاس اس کے متعلق معلومات نہ ملی ہوں۔''

حضرت امام زہری سرخیل تابعین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں' بڑے بڑے اکابر صحابہ ان سے پوچھا کرتے تھے۔''

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

''قرآن' فرائض' حلال وحرام' فقہ' شاعری' طب' عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔''

ان کی علمیت کے بارے میں حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر تمام مردوں کا اور اُمہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت

marfat.com

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علم وسیع تر ہوگا۔"

حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

"میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ کسی کو فصیح نہیں دیکھا۔"

حضرت عطاء بن ابی الرباع تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے زیادہ فقیہہ' سب سے زیادہ صاحبِ علم اور عوام میں سب سے زیادہ صائب الرائے تھیں۔"

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں نے سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاننے والا' عندالمطلب رائے دینے والا فقیہہ' آیاتِ قرآنی کی شانِ نزول کا علم رکھنے والا اور فرائض کا جاننے والا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔"

خطابت کے لحاظ سے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیّدنا حضرت عمر فاروق اور سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا تمام صحابہ میں ممتاز تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شاعرانہ مذاق بہت عمدہ تھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے قادر الکلام شاعر بھی ان کی خدمت میں اشعار سنانے کے لیے آتے تھے۔ اپنے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ونعت میں چند اشعار کہے ہیں' ایک مرتبہ کچھ خواتین نے آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کے بارے میں دریافت کیا تو شعر میں فرمایا:

لو امی زلیخا لو دامن جبینة

لاثرن بالقطع القلوب علی الا یدی

یعنی زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں اگر میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جبین مبارک کو دیکھ لیتیں تو وہ اپنے ہاتھ کاٹنے کی بجائے اپنے دل کو کاٹ کر پھینک دیتیں۔

marfat.com

اسی طرح انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوب کر فرمایا تھا۔

لنا شمس و للفاق شمس

فشمسی خیر شمس السماء

فشمس الناس تطلع بعد فجر

فشمسی تطلع بعد العشاء

یعنی ایک میرا سورج ہے اور ایک آسمان کا سورج ہے۔ میرا سورج آسمان والے سورج سے بدرجہا بہتر ہے' لوگوں کا سورج فجر کے بعد طلاع ہوتا ہے لیکن میرا سورج عشا کے بعد طلوع ہوتا ہے۔

اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شمار محدثین کے طبقہ اوّل میں ہوتا ہے' آپ سے دو ہزار دو سو دس احادیث مروی ہیں' ان میں سے بخاری اور مسلم شریف میں ۱۷۴ متفق علیہ ہیں' صرف بخاری شریف میں ۱۵۴ اور صرف مسلم شریف میں ۶۷ ہیں' بقیہ تمام کتابوں میں ہیں۔ مختلف احادیث میں آیا ہے:

''تم اپنے دو تہائی دین کو حمیرا یعنی سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حاصل کرو۔''

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث کے راویوں کی تعداد دو سو ہے جن میں سے پچاس خواتین ہیں۔

اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت کے بارے میں محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''عورتوں پر عائشہ کو فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کو فضیلت حاصل ہے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں مجھے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پر دس وجہ سے فضیلت ہے۔

(۱) میرے سوا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا۔

marfat.com

(۲) میرے سوا کسی ایسی خاتون سے نکاح نہیں کیا جس کے ماں باپ مہاجر ہوں۔
(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جرائیل علیہ السلام آسمان سے ایک ریشمی کپڑے میں میری تصویر لائے۔
(۴) اللہ تعالیٰ نے آسمان سے میری برأت اُتاری۔
(۵) حضرت جرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ان سے نکاح کر لیں' یہ آپ کی اہلیہ ہیں۔
(۶) میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے نہایا کرتے تھے۔
(۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہوتے تو وحی آجایا کرتی تھی۔
(۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال میرے گلے اور سینے کے درمیان ہوا۔
(۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری باری کے دن اللہ سے واصل ہوئے۔
(۱۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں مدفون ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان تراشی کے پیشرو منافقین تھے اور آج بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت میں سورۂ نور میں اٹھارہ آیات نازل فرما کر ان کے منہ پر قیامت تک کے لیے کالک مل دی۔ بروایت حضرت عمرو بن غالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں سخت سست الفاظ کہے۔ انہوں نے کہا:

''دفع ہو جا اے منحوس و مردود! تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزیز ترین زوجہ اطہر کے بارے میں گستاخی کرتا ہے۔''

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علم کا بحرِ بے کنار تھیں' علم نبوت کو اپنی روحانی اولاد تک پہنچانے میں انہوں نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی' علم کے پھیلاؤ کے لیے قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں اور بعد میں آنے والوں کے لیے روشنی کے مینار قائم کیے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں حافظ افروغ حسن لکھتے ہیں:

(۱) چھوٹے بچوں اور بچیوں کو اپنی کفالت میں لے کر انہیں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتیں۔

marfat.com

(۲) خواتین کے لیے اپنے گھروں میں حلقہ درس کا قیام

(۳) پردے کی اوٹ سے مسجد نبوی میں موجود طلباء کے علم کو نور سے منور کرنا دراصل یہی سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی درس گاہ تھی۔ طالب علم سوالات کرتے اور آپ پردے کی اوٹ سے جوابات دیتیں' کبھی بحث چھڑ جاتی۔ استاد اور شاگرد اس میں حصہ لیتے' کبھی خود کسی موضوع پر تقریر شروع کر دیتی تھیں اس میں جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہوتے اور بلند پایہ تابعی بھی۔

(۴) باہر سے آنے والے وفود کی علمی پیاس بجھانا

(۵) حج کے موقع پر بڑے بڑے حلقہ درس قائم کر کے علم دین کی اشاعت کرنا

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال' ان کے پس منظر اور سیاق وسباق کے ساتھ روایت کرنا

(۷) روایات کی تصحیح کرنا

(۸) دینی معاملات میں اُمت کو اُلجھن پیش آنے کی صورت میں اپنی قوت اجتہاد سے کام لے کر فتویٰ جاری کرنا۔

اگرچہ احادیث میں روایت بالمعنیٰ کا عام طور پر رواج ہے اور روایت باللفظ کم اور نہایت کم ہے تاہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اصلی الفاظ محفوظ ہیں۔ پوری حدیث میں جان پڑ گئی ہے۔ مثلاً

آغازِ وحی کے سلسلہ میں فرماتی ہیں:

''آپ جو خواب دیکھتے تھے' سپیدہ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا تھا۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی تو جبین مبارک پر عرق آجاتا تھا اس کو اس طرح ادا کرتی ہیں:

''پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے''

واقعہ افک میں انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں:

''میں نے سرمہ خواب نہیں لگایا۔''

marfat.com

اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر سال حج پر تشریف لے جایا کرتی تھیں، یہ صورتِ حال زندگی کے آخری سانسوں تک برقرار رہی، حج پر باقاعدگی سے جانے کا مقصد وحید یہی تھا کہ عالم اسلام سے آنے والے مسلمانوں کو یہ موقع مل جائے کہ وہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بہرہ ور ہوسکیں۔ مسلمانوں کو یہ علم تھا کہ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علم و معرفت کا ایسا سمندر ہیں جس میں تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موتی بھرے ہوئے ہیں لہٰذا حج کے موسم میں ان کی قیام گاہ طالبان علم و معرفت کے لیے مرکز بن جاتی، عورتوں کا بھی ہر وقت ہجوم رہتا اور وہ امام و پیشوا کی صورت آگے آگے اور تمام خواتین ان کے پیچھے چلتی تھیں۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ ارتحال عظیمہ کے بعد سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ الرسول ہوئے، ان کی خلافت دو سال تین ماہ اور دس دن رہی اس دوران میں بعض ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے چاہا کہ حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجیں اور وراثت کا مطالبہ کریں۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یاد دلایا:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی فرمایا تھا کہ میرا کوئی وارث نہ ہوگا، میرے تمام متروکات صدقہ ہوں گے۔''

یہ سُن کر سب خاموش ہوگئیں۔

جب خلیفہ اوّل سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دَم واپسیں آیا تو اس وقت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاس تھیں، کچھ جائیداد ان کو دے دی اور دوسری اولاد کے لیے فرمایا:

''جان پدر! کیا تم وہ جائیداد اپنے اور بھائیوں کو دے دو گی؟''

''بہ سرو چشم''

انہوں نے فرمایا پھر ان کے ابا جان نے پوچھا:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کتنے کپڑے تھے؟''

marfat.com

بولیں:

''تین سفید کپڑے''

پھر پوچھا:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال کس دن ہوا تھا؟''

بتایا:

''دوشنبہ کو''

دریافت کیا:

''آج کون سا دن ہے؟''

''دوشنبہ''

جب بتایا گیا تو ارشاد فرمایا:

''آج شب کو میرا بھی چل چلاؤ ہے۔''

اور پھر اسی شب واصل بحق ہوئے۔

اور پھر اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ اقدس سے قدرے پیچھے ہٹ کر دفن کیے گئے تو انہیں پھر اپنا تین چاندوں والا خواب یاد آیا۔

''یہ دوسرا چاند تھا جو ان کے مکان میں دفن ہوا تھا۔''

''تیسرا چاند کون ہے؟''

ان کے ذہن میں ایک خیال اُبھرا اور پھر خلاؤں میں گم ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے' انہوں نے اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جس قدر عزت افزائی و دلجوئی فرمائی اس کے بارے میں خود فرماتی ہیں:

''ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کیے۔''

marfat.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام ازواج کے لیے دس' دس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کیا تھا لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے بارہ ہزار وظیفہ مقرر کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوب تھیں، تحفوں کی تقسیم میں یہاں تک خیال رکھتے تھے کہ اگر کوئی جانور ذبح ہوتا تو بقول سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سری پائے ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔

عراق کی فتوحات میں موتیوں کی ایک ڈبیہ ہاتھ آئی تھی' مالِ غنیمت کے ساتھ وہ بھی بارگاہِ خلافت میں بھیجی گئی' سب کو موتیوں کی تقسیم مشکل تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا:

''اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں اُم المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھیج دوں۔''

سب نے اجازت دے دی تو وہ ڈبیہ ان کی خدمت میں بھیج دی گئی' کھول کر دیکھا۔ فرمایا:

''اے اللہ! مجھے آئندہ ان کے عطیوں کے لیے زندہ نہ رکھنا۔''

جب فیروز لولو مجوسی نے خنجر سے وار کر کے حالتِ نماز میں حضرت عمر فاروق' خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی کر دیا تو آپ کی تمنا تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہجرہ اقدس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نیچے دفن ہوں لیکن اس لیے نہیں کہہ سکتے تھے کہ گو شرعاً مردوں سے زیر خاک پردہ نہیں تاہم ادباً دفن کے بعد بھی وہ اپنے کو غیر محرم ہی سمجھتے تھے۔ نزع کے وقت وہ اس تمنا کی وجہ سے مضطرب تھے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہلا کر بھیجا:

''تمنا ہے کہ اپنے رفیقوں کے پہلو میں دفن ہوں۔''

انہوں نے جواباً کہا:

''اگرچہ وہ جگہ میں نے خود اپنے لیے رکھی تھی مگر عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لیے خوشی سے یہ ایثار گوارا کرتی ہوں۔''

marfat.com

شہادت کے بعد وصیت کے مطابق پھر اذن طلب کیا گیا۔ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجازت مرحمت فرما دی لہٰذا وہاں دفن کر دیئے گئے۔

جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجرۂ مبارک میں دفن نہیں تھے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مزار مبارک کی زیارت کے لیے نقاب اوڑھے بغیر حاضر ہوا کرتی تھیں لیکن جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں مدفون ہوئے تو انہوں نے بے نقاب جانا چھوڑ دیا بلکہ جب جاتیں تو نقاب اوڑھ کر اور پورا پردہ کر کے جاتی تھیں۔

یہ وہ تیسرا چاند تھا جو اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ اقدس و اطہر میں مدفون ہوا۔

عہد عثمانی گیارہ سال گیارہ ماہ اور اٹھارہ دنوں پر محیط تھا' خلافت کا نصف زمانہ بڑے سکون واطمینان سے گزرا اس کے بعد لوگوں کو ان سے بے بنیاد بے سروپا شکایات پیدا ہوگئیں جس میں دشمنانِ دین اور ابن سبا کا ہاتھ تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں خلافت کا جامہ پہنائے تو اس کو اپنی خوشی سے نہ اُتارنا۔''

جن دنوں باغیوں نے دو تین ہفتوں کے محاصرے کے بعد خلیفہ سوم سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تو اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ میں تھیں' حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ سے جا کر ان کو واقعات سے آگاہ کیا۔

فتنہ پردازوں کی ریشہ دوانیوں کے نتیجے میں لوگوں میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف برہمی پھیلنا شروع ہوئی تو بعض لوگ ان پر لعنت بھیجنے لگے۔ بصرے کے ایک رئیس مخارق بن شماحر نے اپنی بہن کو سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا کہ اس مصیبت کے متعلق رائے ظاہر فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا:

marfat.com

''میرے بیٹوں کو سلام کے بعد کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے' وحی آتی' آپ عثمان کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہتے ''عثمان لکھو'' اللہ تعالیٰ یہ بلند مرتبہ فرو تر لوگوں کو عطا نہیں کرتا اس بناء پر جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالیاں دے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عام مسلمانوں میں بڑی مقبولیت حاصل تھی اور فرمانِ الٰہی کی رو سے تمام مومنین کی ماں تھیں اس لیے ہر جگہ ماں کی طرح مانی جاتی تھیں۔ ان دنوں حج کا موسم تھا' اصلاح احوال کے لیے چھ ہزار آدمی بھی ساتھ ہوئے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھیوں میں سے کسی نے مشورہ دیا:

''آپ آگے بڑھیں کہ مسلمان آپ کو دیکھیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان صلح کرا دے۔''

چنانچہ بصرے کی طرف رُخ کیا اور وہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ پیش آئی اور وہ اس طرح کہ جو دشمنانِ اسلام اور باغی لشکروں میں موجود تھے' انہوں نے رات کو شبخون مار کر یہ تاثر پیدا کر دیا کہ مخالف نے حملہ کر دیا ہے اس جنگ کو ''جنگِ جمل'' کہتے ہیں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ پر سوار تھیں۔ تاہم انہیں اس کا ہمیشہ افسوس رہا' وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا' ایک عہد کے بعد دوسرا عہد آتا رہا۔ گردش زمانہ نے بے شمار کروٹیں لیں' کئی انقلابات آئے اور پھر ہادی و مہدی کاتب وحی خلیفۃ المسلمین حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ربیع الاوّل ۴۱ ہجری میں عہد مبارک شروع ہوا جس میں تمام مسلمان متحد ہو گئے۔ وہ اُمہات المومنین کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے' مالِ غنیمت سے لاکھوں درہم ان کی خدمتِ اقدس میں بھیجتے خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں۔

یہ ۵۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سگے بھائی تھے' ان کا شمار عرب کے بہادروں میں ہوتا تھا' یمن کی فتح ان کی شجاعت کا کارنامہ تھا اس سن ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا' ان کا بیٹا حضرت سیّد محمد ابی

marfat.com

عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی رسول تھا' ان کی وفات پر بہن نے شعر کہے۔ جن کا مطلب ہے:

''ہم دونوں نعمان کے مصاحبوں کی طرح ایسے اکٹھے رہتے تھے کہ لوگ سمجھنے لگے کہ یہ کبھی بھی جدا نہ ہوں گے لیکن جدائی ہوئی تو فراق میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کبھی ایک رات بھی اکٹھے نہیں رہے۔''

وقت چلتے چلتے رمضان المبارک ۵۷ سن ہجری میں داخل ہوا تو اُم المومنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار پڑگئیں اس وقت ان کی عمر ۷۵ سال تھی' ۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ مرض الموت ہے اور اس جہاں رنگ و بو سے رخصتی کا وقت قریب ہے' وصال سے پہلے وصیت فرمائی:

''مجھے رات کو ہی جنت البقیع میں اُمہات المومنین کے قریب دفن کیا جائے۔''

اور پھر سترہ (۱۷) رمضان المبارک ۵۷ ہجری کو رات نمازِ وتر کے بعد اپنے پیچھے ایک عالم کو سوگوار و افسردہ چھوڑ کر اس کارگہ عالم سے رخصت ہوگئیں تو ان کے گھر سے رونے کی آواز فضا میں اُبھری۔ اُم المومنین سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باندی کو بھیجا کہ خبر لائیں اس نے آ کر کہا:

''سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا داغِ جدائی دے گئیں۔''

اور آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی رونے لگیں اور بولیں:

اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب سے زیادہ محبوب تھیں۔''

آپ کی وفات کی خبر آن واحد میں مدینہ طیبہ میں پھیل گئی' ہر آنکھ مقدس ماں کی موت پر آنسو بہا رہی تھی' حسب وصیت رات کو ہی جنازہ اُٹھا لیا گیا' جنازہ کے ساتھ اتنا ہجوم تھا کہ تہوار کا گمان ہوتا تھا۔

نمازِ جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ قبر میں عبداللہ' عروہ

marfat.com

(زبیر کے بیٹے) قاسم بن محمد' عبداللہ بن محمد اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن پانچ اشخاص اُترے اور پھران کے جسم پاک کو سپردِ خاک کردیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا:

''سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موت کا غم کس کس نے کیا؟''

جواب دیا:

''جس جس کی وہ ماں تھیں اسی کو ان کا غم تھا یعنی تمام مسلمان''

marfat.com

اُم المومنین حضرت حفصہ بنت عمر فاروق
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حکمتِ نکاح

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ان کو بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیوگی کی وجہ سے پریشانی کا سامنا تھا لہٰذا ان کو حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ کی فضیلت فرمائی۔ علاوہ ازیں قرآن حکیم کی حفاظت کا سہرا حضرت حفصہ ارضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نصیب ہونا تھا۔

marfat.com

نصف دیں اُن کے توسط سے ملا ہے دوستو
چاندنی دین متیں ہیں اُمہات المؤمنین

marfat.com

حالاتِ زندگی

طوفانِ بادوباراں سے خانہ کعبہ کی دیواروں میں جگہ جگہ درزیں اور شگاف پڑ گئے تھے جب بھی بارش کی وجہ سے سیلاب آتا تو ان درزوں اور شگافوں میں مزید اضافہ کر دیتا۔ ۳۵ سال سے یہ صورتِ حال چلی آ رہی تھی، کئی بار اہلِ قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر و مرمت کا قصد کیا لیکن حوصلہ نہیں پڑتا تھا کہ مبادا رب کعبہ اس اقدام سے ناراض ہو جائے اور انہیں کوئی سزا ملے۔ ٹوٹی ہوئی دیواروں کو دیکھ کر ان کا دل کڑھتا تھا لیکن جرأت نہیں کرتے تھے اب تو وہ اکثر اسی سوچ بچار میں رہتے کہ اس کی تعمیر و مرمت کے سلسلہ میں کیا صورت اختیار کی جائے۔

سوئے اتفاق انہی دنوں یاقوم نامی ایک رومی تاجر کی کشتی جدہ کے نزدیک طوفان کی زد میں آ کر ٹوٹ پھوٹ گئی، وہ فنِ تعمیر میں ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اہلِ مکہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے چند اشخاص کو جن میں ولید بن مغیرہ بھی تھا، جدہ بھیجا تاکہ یاقوم سے اس ضمن میں بات چیت کرے اور کعبہ کی تعمیر و مرمت پر آمادہ کرے۔

وہ لوگ جو یاقوم رومی تاجر سے ملنے گئے تھے، ان کی اس سے بات چیت ہوئی۔ کشتی کی تباہی کی وجہ سے اس کا مالِ تجارت بھی تباہ و برباد ہو گیا تھا لہٰذا وہ اس کام کے لیے آمادہ ہو گیا اس کی مدد کے لیے ایک قبطی شخص کی خدمات بھی حاصل کر لی گئیں جو نجاری و معماری میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔

قبائل قریش نے کعبہ کی حدود تقسیم کر لیں اور یہ طے پایا کہ ہر قبیلہ اطراف کعبہ میں سے ایک ایک طرف کی دیوار مسمار کرے لیکن ان میں سے کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے کہ کون پہل کرتا ہے۔ انہیں شدید خدشہ تھا کہ کعبہ

marfat.com

کی دیواروں کو مسمار کرنے پر رب کعبہ ناراض ہو جائے گا اور پھر اس کا کہیں ٹھکانا نہیں۔

ماحول میں پُراسرار خاموشی پھیلی ہوئی تھی' آخر ولید بن مغیرہ ڈرتے سہمے سہمے آگے بڑھے' وہ کسی بھی لمحے کسی بھاری مصیبت کا منتظر تھا۔ چلتے چلتے وہ رُکن یمانی کے قریب جا کر رُکا اس وقت اس کی یہ حالت تھی جیسے موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہو اور پھر اس نے سینے پر پتھر رکھ کر رُکن یمانی کے ایک حصے کو منہدم کیا۔

ولید کے اس اقدام کے بعد کام وہیں روک دیا گیا اور پھر رات کی تاریکی نے ہر سو پر پھیلا دیئے' لوگ سخت اُدھیڑ بن میں تھے' وہ اس بات کے منتظر تھے کہ دیکھیں ولید بن مغیرہ کو اب کیا سزا ملتی ہے۔

دوشیزہ شب چلتے چلتے صبح کی آغوش میں گم ہو گئی' لوگ بے تابانہ گھروں سے نکلے اور ولید کا حال جاننے کے لیے بڑے بے چین تھے اور پھر جب انہوں نے دیکھا کہ ولید بن مغیرہ صحیح و سلامت ہے' اسے کچھ نہیں ہوا تو لمحہ بھر کے لیے انہیں ایام جاہلیت کے دیومالائی تصورات کے بودے پن کا احساس ہوا مگر یہ خیال ہوا کے جھونکے کی طرح ان کے ذہنوں سے گزر گیا۔

اب لوگوں کا حوصلہ بڑھ گیا تھا' دھڑا دھڑ دیواریں گرانے لگے' ہر قبیلے کے متعینہ افراد بڑے انہماک و جذب و شوق سے اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے تھے' وہ اسے اپنے لیے بڑی سعادت خیال کرتے تھے کہ وہ بہت نیک کام کر رہے ہیں۔

درو دیوار کے انہدام کے بعد ایک بہت بڑا پتھر نمودار ہوا جس پر کدال کا اثر بھی نہیں ہوتا تھا اس پتھر کو سنگِ بنیاد قرار دیا گیا' آس پاس کے پہاڑوں سے نیلے پتھر جمع کر کے کعبہ کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا جب دیواریں قد آدم تک پہنچ گئیں تو خیال آیا کہ حجر اسود کو اس کی قدیم جگہ پر نصب کر دیا جائے۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف اسے حاصل ہو' وہ باآواز بلند کہتے تھے:

''یہ ہمارا حق ہے۔''

بنی عبدالدار اور بنی عدی جو اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قبیلہ تھا'

marfat.com

انہوں نے یہ عہد کیا اور کہا:

''وہ کسی اور قبیلے کو حجر اسود نصب نہیں کرنے دیں گے۔''

بنی عبدالدار نے صرف زبانی عہد پر ہی قناعت نہیں کی بلکہ وہ خون سے بھرا ہوا ایک برتن لائے اور اس میں ہاتھ ڈال کر اپنے عہد کی توثیق کی اس واقعہ کے بعد سے عبدالدار کا لقب ''لعقۃ الدم'' یعنی خون چاٹنے والا پڑ گیا۔

ہر قبیلے کے افراد کے ہاتھ تلواروں کے قبضے پر تھے اور وہ ایک دوسرے کو خون خوار نظروں سے دیکھ رہے تھے' جوش و جذبہ اس مقام پر پہنچ گیا تھا کہ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

قریش کے مختلف قبائل کے سیانے اور بوڑھے سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ اس معاملے کو کیسے نپٹایا جائے۔ ابو اُمیہ بن مغیرہ مخزومی قبائل قریش میں بڑا معمر اور محترم تھا اس نے مشورہ دیا:

''اس مسئلہ کے حل کے لیے اس شخص کو ثالث تسلیم کرو جو صفا کے دروازے سے سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو۔''

سب کو یہ تجویز و مشورہ پسند آیا اور اس پر اتفاق رائے ہو گیا اس کے ساتھ ہی تلواروں کے قبضوں پر رکھے ہوئے ہاتھ اُٹھ گئے اور ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے کہ دیکھیں کل صبح کون شخص ادھر آتا ہے۔

رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی' منہ اندھیرے لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص نہایت وقار کے ساتھ چلا آ رہا ہے اور پھر وہ صفا کے دروازے سے کعبہ میں داخل ہوا' لوگوں نے دیکھا تو بیک زبان چلا اُٹھے:

''یہ امین ہے' یہ صادق ہے' ہم اسے برضا و رغبت اپنا ثالث تسلیم کرتے ہیں۔''

یہ عظیم ہستی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور یہ واقعہ بعثت سے پانچ سال قبل کا ہے۔ اکابرینِ قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتِ حال عرض کی۔

marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے تیور دیکھ کر فوراً سمجھ لیا کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہوئی تو تلواریں میانوں سے باہر نکل آئیں گی' موقع کی نزاکت کے پیش نظر فرمایا:

''ایک چادر لاؤ''

چنانچہ اسی وقت چادر مہیا کر دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود چادر کے وسط میں رکھا پھر ارشاد فرمایا:

''ہر قبیلے کے چند افراد اس چادر کے ایک ایک گوشے کو اُٹھائیں۔''

سب نے ایسا کیا اور پھر خود حجر اسود کو اس کے اصل مقام پر رکھ دیا۔

یہ فیصلہ اس قدر دانش مندانہ اور مدبرانہ تھا کہ ہر قبیلے والا خوش ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے حجر اسود کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں نصب کرایا۔ تمام قبائل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کی شہادت دی۔

ادھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت و معاملہ فہمی کی وجہ سے بہت بڑا خونی تصادم ہوتے ہوتے رُک گیا تھا اور ادھر بنی عدی کے ایک گھرانے میں زینب زوجہ عمر بن الخطاب نے ایک خوبصورت بچی کو جنم دیا اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آج سے ۲۲ سال بعد اس بچی کو اتنا بڑا اعزاز ملے گا کہ قیامت تک آنے والے مومنوں کی گردنیں ان کے حضور ادب و احترام سے جھک جائیں گی۔ یہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اطہر اور اُم المومنین ہوں گی۔

دور جاہلیت کے باوجود قریش نے شہری ریاست کا نظم و نسق برقرار رکھنے اور انتشار و افتراق سے بچانے کے لیے باہمی رضامندی سے آپس میں ذمہ داریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبیلے بنی عدی کے پاس سفارت کا منصب تھا' یہ وہ قبیلہ تھا جس کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں لوی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا تھا اگر کسی قبیلے کے ساتھ قریش کو کوئی سیاسی معاملہ پیش آ جاتا تو بنی عدی کے لوگ سفیر کی حیثیت سے اس کے پاس جاتے اس لحاظ سے ثالثی کے فیصلے اسی قبیلے کو کرنے پڑتے

marfat.com

تھے۔ ثالث کا فیصلہ آخری ہوتا تھا' ظہورِ اسلام سے قبل ثالثی اور سفارت کے عہدہ جلیلہ پر سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد بزرگوار عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فائز تھے اس لحاظ سے ان کے اندر معاملہ فہمی' فصاحت و بلاغت' دلائل و براہان' عدل و انصاف کی خصوصیات و اوصاف بدرجہ اتم جلوہ گری کر رہے تھے۔ اندریں حالات ان کی شخصیت پورے قبیلہ قریش میں ممتاز حیثیت کی حامل تھی۔ علاوہ ازیں ان کا شمار قریش کے ان سترہ (۱۷) افراد میں ہوتا تھا جو تعلیم یافتہ تھے۔

جس طرح سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا تھا اسی طرح ماں زینب بنت مظعون کی طرف سے ان کا نسب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کعب میں جا ملتا ہے اور ان کی نانی کا سلسلہ بھی کعب میں شامل ہو جاتا ہے جب اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تھا تو اپنے خاوند کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہوئی تھیں۔ اس طرح وہ قدیم الاسلام تھیں اور انہوں نے ہجرت سے قبل ہی مکہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئیں' ان کا تعلق بنی جمح سے تھا۔

دینِ ابراہیمی اگرچہ ان دنوں نیست و نابود ہو چکا تھا اور بیت اللہ کے در و دیوار بت پرستی کا مظہر بن گئے تھے تاہم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان دعوتِ ابراہیم علیہ السلام سے ناآشنا نہیں تھا۔ زید بن عمرو بن نفیل سیّدہ حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے والد محترم کے ابن عم تھے۔ زمانہ جاہلیت میں وہ پہلے شخص تھے جن کو کفر و شرک کی ظلمتوں میں توحید کی روشنی نظر آئی اور انہوں نے پکار کر کہا:

اے اللہ! میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر ہوں۔''

اور پھر قریش سے یوں مخاطب ہوئے:

''اے قریش! اللہ کی قسم میرے سوا تم میں کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم نہیں۔''

marfat.com

وہ بتوں کے نام کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے مخالف تھے' وہ لوگوں کو بت پرستی ترک کرنے کی تلقین کرتے' ان کا چچا خطاب بن نفیل بھتیجے کی اس روش اعلائے کلمۃ الحق پر سخت نالاں تھا اور اس کا دشمن بن گیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسے طرح طرح کی تکالیف بھی پہنچاتا تھا لہٰذا جب ان میں ان مصائب اور شدائد کو برداشت کرنے کی سکت نہ رہی تو ہجرت کر کے حراء میں جا کر آباد ہو گئے۔

سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں کے بھائی تھے اس لیے ان کے کان میں توحید کی آواز پڑ چکی تھی اور ان کی فطرت سلیمہ نے ان کو راہِ حق پر ڈال دیا تھا۔ چنانچہ وہ نیک کاموں کی طرف راغب اور رضائے الٰہی کے متلاشی رہتے تھے لیکن اس سے پہلے کہ وہ خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی صف میں شامل ہوتے' ان کے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو سب سے پہلے زید بن عمرو کے لختِ جگر سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا اور حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ فاطمہ سے ہوا تو وہ داخلِ اسلام ہو گئیں۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۷ سال کے تھے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا اور جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے مرادِ رسول کی حیثیت سے دامنِ اسلام سے وابستہ ہوئے تو ان کے سارے خاندان والے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بن گئے۔

جس گھریلو ماحول میں سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنکھ کھولی تھی اس نے ان کی طبیعت و مزاج کی تشکیل میں بڑا اہم کردار ادا کیا لہٰذا بے لوثی و بے خوفی ان کی طبیعت کا جز تھی' جرأت و بے باکی ایک ایک انداز سے نمایاں تھی' سخن فہمی و نکتہ سنجی وراثت میں ملی تھی' صاف گوئی و یک رنگی طبیعت کا خاصا تھی اور مداہنت و چاپلوسی سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ علاوہ ازیں مزاج میں قدرے تیزی تھی۔

سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد چھٹے سال نبوت میں نورِ اسلام سے بہرہ ور

marfat.com

ہوئے اور اسی دن ان کے تمام اہلِ خانہ اس دولت سے سرفراز ہوئے اس وقت سیّدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر دس برس تھی۔

حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنو سہم میں سے تھے' اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے تھے' دوسرے مسلمانوں کی طرح یہ بھی کفار و مشرکین کی اذیتوں اور تکالیف سے محفوظ نہیں رہے اور تمام مصائب کو خوش دلی و خندہ پیشانی سے برداشت کیا' راہِ حق کے متوالوں کی یہی شان ہے کہ وہ ہر مقام پر پورے اُترتے ہیں جب دوسری مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک حبش کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی' یہ بھی ان مہاجرین میں شامل تھے اس دفعہ کفار و مشرکین نے مسلمانوں کے ہجرت کر جانے کے راستے میں طرح طرح کے روڑے اٹکائے مگر کسی نہ کسی طرح مسلمان حبشہ چلے گئے جہاں اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی مکمل آزادی تھی اور زندگی کے دن بڑے امن و چین کے ساتھ گزر رہے تھے اور پھر کچھ عرصہ وہاں قیام پذیر رہنے کے بعد واپس مکہ مکرمہ آ گئے۔

ان دنوں حضرت سیّدہ حفصہ بنت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس منزل میں قدم رکھ چکی تھیں جبکہ شادی کر دینی چاہیے۔ چنانچہ بیٹی کے رشتے کے لیے ان کی نظر انتخاب حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑی۔ چنانچہ دونوں کی شادی کر دی گئی' وہ ہنسی خوشی زندگی کے دن گزارنے لگے۔

نبوت کے تیرہویں سال رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو مدینہ ہجرت کر جانے کی اجازت فرمائی۔ کفار و مشرکین نے حسب سابق ہجرت کے راستے میں رخنے ڈالنے کی کوشش کی لیکن ان تمام رکاوٹوں کے باوجود مسلمان انفرادی یا گروہی شکل میں چھپ چھپا کر مدینہ روانہ ہو گئے لیکن جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفر ہجرت کا قصد فرمایا تو گلے میں تلوار حمائل کی' پہلو میں نیزہ باندھا' پشت پر ترکش لگایا' ہاتھ میں کمان لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھے بیت اللہ کی طرف گئے اس وقت دشمنانِ اسلام مختلف گروہوں کی شکل میں وہاں موجود تھے۔

marfat.com

سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد گرامی نے سب سے پہلے کعبۃ اللہ کا سات بار طواف کیا پھر مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی۔ بعدازاں حلقہ مجلس میں کھڑے ہو کر کفار و مشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا:

''تمہارے چہرے مسخ ہوں' تمہاری ناک خاک آلود ہو' جو شخص چاہتا ہے کہ اپنی ماں کو اپنے پیچھے روتا ہوا چھوڑے' اپنی بیوی کہ بیوہ بنائے اور اپنے بچوں کو یتیم ہونے دے' وہ حرم کے باہر مجھ سے جنگ کر لے' میں ہجرت کر کے مدینہ جا رہا ہوں اگر کسی میں دَم خم ہو تو روک کر دکھائے۔''

اور پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گردوپیش میں نگاہ دوڑائی جہاں مختلف ٹولیوں میں لوگ بیٹھے تھے مگر اہلِ قریش میں سے کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ زبان سے کوئی جملہ نکالے یا آگے بڑھ کر انہیں روکنے کی جرأت کرے۔ ایسے لگتا تھا جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

اس کے بعد وہ حرم سے باہر نکلے اسی اثناء میں لوگوں کو پتہ چل گیا تھا کہ آج حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ کمزور تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ تنہا کفر و مشرکین کا مقابلہ نہیں کر سکتے' وہ بھی ہجرت کی غرض سے ساتھ ہو لیے۔ ان کی کل تعداد بیس (۲۰) ہو گئی' ان لوگوں میں حضرت سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' ان کے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ان کے تایا حضرت زید بن الخطابؓ اور پھوپھا حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔

اور پھر یہ چھوٹا سا قافلہ سوئے مدینہ چل پڑا' کفار و مشرکین انہیں جاتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوف و دبدبہ اتنا تھا کہ سب خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

قافلہ سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے مختلف مقامات پر قیام کرنے کے بعد شب و روز رواں دواں تھا' چند دنوں کے بعد یہ لوگ مدینے کی قریبی بستی قبا میں پہنچے تو

marfat.com

وہیں رہائش اختیار کر لی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم ایزدی ۲۷ صفر المظفر سن ۱۳ نبوت بروز جمعرات رات کی تاریکی میں اپنے محبوب دوست حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مکہ معظّمہ سے نکلے، غارِ ثور میں تین دن قیام فرمانے کے بعد یکم ربیع الاوّل بروز اتوار بوقت شب مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور بتاریخ ۹ ربیع الاوّل بروز سوموار ۱ ہجری میں قبا میں تشریف لائے جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ تین دن وہاں قیام فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے۔

وہ جمعہ کا دن تھا جب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو اپنے مبارک قدموں سے بقعہ نور بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر سے انصار کے ہر فرد کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا، عید کا سماں تھا اور وہ اس طرح خوشیاں منا رہے اور محبتوں کا اظہار کر رہے تھے کہ وہاں کے یہودی اور مشرکین دنگ رہ گئے، انہیں اس وقت یہ احساس نہ تھا کہ تاریخ کا نیا باب شروع ہو رہا ہے اور تقدیر مدینہ کو وہ شرف عطا کر رہی ہے جس پر لیل و نہار کی گردشیں اثر انداز نہیں ہوں گی۔

تمدن اسلام کی بنیاد اخوت اور مساوات پر ہے اور اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک ارشادِ عالیہ سے ہوتی ہے:

"تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔"

آغازِ بعثت سے ہجرت تک قریش نے نہایت سختی سے دینِ حق کی مخالفت کی تھی، ان کے مظالم کے خوف سے بہت سے لوگ دعوتِ اسلام پر لبیک کہنے سے رُکے ہوئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کے دل و دماغ پر ایمان کا پرتو نہ پڑا ہو، صرف وہی مصائب و آلام کے خوف سے قبول حق سے گریز کر سکتے ہیں لہٰذا مسلمانوں اور ان کے واسطے سے یہ حقیقت بھی آشکار کرنا مقصود تھی کہ جو شخص بھی جادہ حقیقت اور شاہراہ دینِ اسلام پر گامزن ہوتا ہے، وہ لوگوں کی ایذا رسانیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس میں ذرہ

marfat.com

برابر بھی شک وشبہ نہیں۔

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم جنگ وخونریزی کے معاملے میں ہمیشہ متامل رہتے تھے جب کبھی دین کے تحفظ کا سوال سامنے آتا تھا تو اس وقت مدافعانہ جنگ کی اجازت تھی اور یہ دلی تمنا تھی کہ مسلمانوں کو دینی آزادی حاصل ہو تا کہ ظالم کسی کو دین سے منحرف اور کسی کو محض عقائد کی بناء پر تختہ مشق ستم نہ بنا سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ آیت نازل فرما دی تھی:

''اجازت دے دی گئی ہے انہیں جو جنگ کرتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے ظلم وستم سہے ہیں اور اللہ ان کی فتح ونصرت پر قادر ہے۔''

مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کیے کئی ماہ گزر چکے تھے اور مدینہ منورہ میں ان کے قیام کا بندوبست بھی خاطرخواہ تھا لیکن ہنوز انہیں اپنے اہل وعیال اور مال ومنال کا فکر لگا رہتا تھا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوجی دستوں کو تشکیل دیا تا کہ کسی کو مسلمانوں کے خلاف اقدام کرنے کی جرأت نہ ہو اور اگر کوئی جرأت کرے بھی تو سوچ سمجھ کر کرے کہ اب مسلمان بے بس ومجبور نہیں جیسا کہ مکہ میں تھے۔

اسلام اور کفر کی پہلی مڈبھیڑ میدانِ بدر میں ہوئی اس دن رمضان المبارک کی سترہ (۱۷) تاریخ اور ۲ سن ہجری تھا اس غزوہ میں سیدہ حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے' بڑی پامردی وجوانمردی سے دشمنوں کے خلاف لڑے اور خوب لڑے' دشمن کو مارا بھی اور خود بھی زخم کھائے اور اتنے زخم کھائے کہ چور چور ہو گئے اسی حالت میں انہیں واپس مدینہ منورہ لایا گیا جہاں انہوں نے غزوۂ بدر میں کھائے ہوئے زخموں کی بدولت جامِ شہادت نوش کیا۔

یہ غزوہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' ان کے والد گرامی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے قبیلے بنی عدی کے لیے اعزازات کا باعث بنا۔ مثلاً

(الف) جنگ سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفیر بنا کر مشرکین کے پاس بھیجا تا کہ اتمام حجت ہو۔ انہوں نے جا کر کہا:

marfat.com

''تمہارے ساتھ ہمارے خونی تعلقات بھی ہیں اور قرابت داری بھی، تمہارا ہمارے ساتھ لڑنا مناسب نہیں، بہتر ہے واپس لوٹ جاؤ۔''

اس کے جواب میں ابوجہل نے کہا:

''یہ ہمیں منظور نہیں، تم سے ضرور بدلہ لیں گے اب بچ کر نہیں جا سکتے۔''

اور پھر اس کے بعد جنگ کا آغاز ہو گیا۔

(ب) غنیم کی فوج میں ہر قبیلے کے لوگ شامل تھے مگر قریش کے قبیلے بنی عدی کا ایک بھی فرد نہیں تھا جس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ہو۔

(ج) مسلمانوں کی طرف مہاجرین میں ہر قبیلے کے افراد موجود تھے لیکن بنی عدی کے چودہ افراد نے بے مثل بہادری و جرأت کا مظاہرہ کیا اور خوب دادِ شجاعت دی۔

(د) اس معرکہ حق و باطل میں جس مجاہد اسلام کا پہلا خون بہا' وہ حضرت مجع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور ان کا تعلق قبیلہ بنی عدی سے تھا۔

(ر) سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر نامدار حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درجۂ شہادت حاصل کیا تھا اور بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہو گئے تھے۔

جب حضرت سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے خاوند کی رفاقت اور محبت سے محروم ہوئیں اور بیوگی کی چادر اوڑھی تو اس وقت ان کی عمر اکیس (۲۱) سال تھی جب عدت کی مدت ختم ہوئی تو لامحالہ اپنی جوان بیٹی کے عقد کی فکر ان کے والد گرامی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ستانے لگی۔ تمنا تھی کہ جلد سے جلد اس کا گھر دوبارہ آباد ہو جائے اور وہ اس تلاش میں تھے کہ کوئی قابلِ اعتماد رفیق زندگی اس۔ کے لیے مل جائے۔ وہ اسی تذبذب میں تھے کہ ان کا خیال معاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف گیا۔

''میرا خیال ہے مجھے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بات کرنی چاہیے۔''

اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا تھا اس خیال کے آتے ہی ان کے دل و دماغ میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور پھر وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف چل پڑے۔

marfat.com

وہ اس وقت گھر پر ہی تھے' بڑے تپاک اور محبت سے حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے۔

''ایک غرض تمہارے پاس لے آئی۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گفتگو کا آغاز کیا:

''کہو''

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمہ تن گوش ہو گئے۔

''تم جانتے ہو حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ ہو چکی ہے' میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے شادی کرلو۔''

''مجھے چند دن دو' سوچ کر جواب دوں گا۔''

کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے' انہیں یقین تھا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مثبت جواب دیں گے۔

''کیا سوچا ہے تم نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں؟''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا۔

''فی الحال میرا نکاح کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔''

یہ جواب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توقع کے خلاف تھا' طبیعت میں ملال پیدا ہوا اور خاموشی سے اُٹھ کر آ گئے' امید کا دامن چھوٹ گیا تھا اب پھر وہی فکر دامنگیر تھی کہ بیٹی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جلد سے جلد کہیں نکاح ہو جائے' وہ انہیں سوچوں کے بھنور میں غوطہ زن تھے کہ معاً ایک روشنی کی کرن نے ذہن میں اُجالا کر دیا اور پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف چل پڑے۔

دونوں دوست بڑے پیار اور محبت سے ملے' تھوڑی دیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے سکون حاصل کرتے رہے اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کسی کام سے آئے ہو؟''

marfat.com

''ہاں!''

انہوں نے جواب دیا۔

''کہو''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پوری توجہ ان کی جانب مرکوز کر دی۔

''تم تو جانتے ہو حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا): وہ ہے۔''

''بالکل جانتا ہوں۔''

''تم اس کو اپنے حبالہ عقد میں لے لو۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اور غور سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ دیکھنے لگے اور کان ان کی آواز سننے کے لیے منتظر تھے کہ کیا جواب دیتے ہیں مگر انہوں نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اسی طرح خاموشی میں کچھ وقت گزر گیا اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھ کر چلے گئے۔ انہیں اپنے دوست اور دینی بھائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاموشی پر سخت تعجب تھا' وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ ایسا رویہ اختیار کریں گے۔ دماغ میں پھر سوچوں کا ہجوم ہونے لگا اور نظروں کے سامنے اور کئی چہرے گھومنے لگے' وہ سوچ رہے تھے:

''اب کون ہے جس سے حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی بات کروں۔''

بیٹی کے مستقبل نے انہیں سوچوں کے گہرے پانیوں میں اُتار رکھا تھا۔ ایک دن وہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے شادی کے لیے عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا' ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے اس ضمن میں بات کی تو انہوں نے چپ سادھ لی۔''

اپنی مراد کی وجہ پریشانی معلوم ہوئی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''فکر نہ کرو حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شادی اس شخص کے ساتھ ہو گی جو

marfat.com

(حضرت) ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور (حضرت) عثمان غنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے افضل ہے اور عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی شادی اس خاتون سے ہوگی جو حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بہتر ہے۔''

اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سُن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطمینانِ قلب ہوگیا۔

پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام و جانثار حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''تم اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دو۔''

اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی تھی اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی کا نکاح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعوض چار سو درہم کر دیا اور وہ حرم نبوی میں داخل ہو کر اُم المومنین کے اعزاز سے مشرف ہوئیں۔ یہ شادی شعبان ۳ ہجری میں ہوئی اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قریب کر دیا اور ان کا قبیلہ عدی جس کے پاس سفارت کی ذمہ داریاں تھیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ مصاہرت میں منسلک ہوگیا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے بعد سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور کہا:

''عمر! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جب تم نے اپنی بیٹی حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا رشتہ پیش کیا تھا تو عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے انکار اور میرے سکوت پر یقیناً تمہیں دُکھ پہنچا ہوگا۔''

''ہاں!''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اور پھر بولے:

''مجھے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار پر اتنا دُکھ نہیں ہوا جتنا تمہاری خاموشی پر۔''

marfat.com

''لیکن جب تمہیں حقیقت معلوم ہوگی تو پھر تمہیں ہم دونوں سے کوئی شکایت نہ رہے گی۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو وہ پورے انہماک سے ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔

''دراصل ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا ذکر ہمارے سامنے کیا تھا اور ہم دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کرنا نہیں چاہتے تھے اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے نکاح کا قصد نہ ہوتا تو میں اس کے لیے آمادہ تھا۔''

جب سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے سرفراز ہوئیں تو دو ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پہلے سے موجود تھیں۔ ایک سیّدہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

مسجد نبوی سے متصل ہی حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکانات تھے جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاتون کو شرفِ زوجیت سے نوازتے تو وہ اپنا مکان خالی کر دیتے تھے اس طرح انہوں نے یکے بعد دیگرے تمام مکانات اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر دیئے تھے۔ ان میں چار مکان تو کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے اور پانچ مکان گارے اور کھجور کی شاخوں کے تھے۔ شادی کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جس مکان میں رکھا گیا' وہ مشرقی جانب تھا۔ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باہمی قریبی تعلقات کی وجہ سے اُمہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آپس میں گاڑھی چھنتی تھی اور وہ ایک دوسری کے بہت قریب تھیں۔

دورِ جاہلیت کے عرب معاشرے نے مردوں اور عورتوں میں جن رویوں کو جنم دیا تھا' ان کی تبدیلی کے لیے یقیناً وقت درکار تھا اور قدم قدم پر پیغمبر آخرالزماں اور ہادیٔ

marfat.com

برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی و ہدایت کی ضرورت تھی۔ اُمہات المومنین پر خصوصاً عورتوں کے مسائل کے سلسلہ میں بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی تھی لہٰذا ان کی تربیت پر بھی خصوصی توجہ فرمائی۔ اسلام نے عورتوں کو درجہ دیا' قرآن مجید میں ان کے متعلق آیات نازل ہوئیں تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی۔ ان کے حقوق و تحفظ کی خاطر بے شمار اصلاحات کیں' وہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے حسن سلوک کا ایک مثالی معیار قائم کیا' انہیں رائے کی آزادی کا پورا پورا حق دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں وہ اپنی ضروریات اور اپنے مطالبات پوری بے باکی اور بے تکلفی سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا کرتی تھیں اور معاشرتی اور دیگر معاملات میں اپنی رائے کا اظہار آزادی سے کر دیا کرتی تھیں۔

اُم المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزاج میں قدرے تیزی تھی لہٰذا بعض اوقات گھریلو ماحول میں معمولی سی تلخی پیدا ہو جاتی تھی لیکن اس مبارک گھر میں جلد ہی یہ صورتِ حال محبت و شفقت اور ملائمت و نرمی کی شیرینی میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! ہم عہد جاہلیت میں عورتوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور دبا کر رکھتے تھے جب ہم مدینہ آئے تو ہمیں یہاں ایسے لوگ بھی ملے جن پر ان کی بیویاں حاوی تھیں اور یہی سبق ہماری عورتیں ان سے سیکھنے لگیں۔ ایک دفعہ کسی کام سے متعلق کسی سے مشورہ کر رہا تھا' میری بیوی کہنے لگی:

''ایسا اور ایسا کرلو۔''

میں نے کہا:

''تمہیں اس بات سے کیا واسطہ؟''

بیوی نے جواب دیا:

''تعجب ہے کہ آپ اپنے کام میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں کرتے حالانکہ آپ کی

marfat.com

بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تکرار کرتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رنجیدگی کا باعث بنتی ہے۔"

یہ سن کر میں نے اپنی چادر سنبھالی اور سیدھا بیٹی حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے گھر گیا' وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوئی۔ میں نے پوچھا:

"بیٹی! کیا تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تکرار کرتی اور جواب دیتی ہو جو انہیں گراں گزرتی ہے؟"

"ہاں!"

بیٹی نے جواب دیا۔

"کیا تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب سے نہیں ڈرتی ہو جو ایسا کرتی ہو؟"

اور پھر میں نے اس سے کہا:

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی ایسی بات نہ کرنا جو ان کی طبیعت پر گراں گزرے اور نہ ان سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا اور نہ ہی تم حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی ریس کرنا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر نازاں ہیں۔"

اُم المومنین سیّدہ حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیکر اخلاص' ایمان وایقان میں پختہ' زہد و ریاضت میں ہمہ تن سرگرم' حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غریق' وفا شعار' اطاعت گزار' متورع' شب بیدار' کثرت سے روزے رکھنے والی اور احکام دین کی بجا آوری میں پورا اہتمام کرنے والی خاتون تھیں۔ علاوہ ازیں آپ پڑھنا جانتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصوں پر مشتمل کوئی کتاب کہیں سے مل گئی تو سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنے لگیں' اس پر ارشاد فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میرے موجود ہوتے

marfat.com

ہوئے بھی تم میں حضرت یوسف علیہ السلام آ جائیں تو مجھے چھوڑ کر ان کے پیچھے لگ جاؤ گے اور گمراہی کا راستہ اختیار کرلو گے حالانکہ تمام نبیوں میں سے تمہارا نبی میں ہوں اور تمام اُمتوں میں سے تم میری اُمت ہو۔"

جب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا ہے تو کتاب فوراً چھوڑ دی اور عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو ناراض نہیں دیکھ سکتی۔"

سیّدہ حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاندان کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ نکتہ آفرینی، زور بیان اور فصاحت و بلاغت میں مشہور و معروف تھا اور یہ خصوصیات و اوصاف اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ورثے میں حاصل ہوئی تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں کماحقہ واقف تھے لہٰذا انہوں نے اپنی اس زوجہ محترمہ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی۔ مسند احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک صحابیہ حضرت شفاء بن عبداللہ عدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں، اس بات پر مامور فرمایا کہ وہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لکھنا سکھائیں۔ چنانچہ حضرت شفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں لکھنا سکھایا اور زہریلے کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے کا دَم بھی بتایا لہٰذا بہت جلد انہوں نے لکھنے میں مہارت حاصل کر لی۔

آپ بڑے انہماک وتوجہ سے اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ سنا کرتی تھیں، انہیں سمجھتیں اور دل و دماغ میں محفوظ کر لیتی تھیں، نکتہ سنج بھی تھیں اور نکتہ آفریں بھی اگر کبھی کسی مسئلہ پر ذہن میں کوئی خیال اُبھرتا یا اشکال پیدا ہوتا تو اس کو رفع کرنے میں دیری سے کام نہیں لیتی تھیں اور اسے سمجھنے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کے لیے فوراً بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس خیال یا اشکال کو پیش کر دیتی تھیں تاکہ وضاحت ہو جائے اور کسی طرح کا ابہام باقی نہ رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے سوالات بڑے تحمل سے سنتے اور ان کے جوابات دیتے۔ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

marfat.com

ارشاد فرمایا:

''جو اہلِ ایمان غزوۂ بدر اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے' وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔''

یہ ارشاد سننے کے بعد ذہن میں طرح طرح کے سوالات نے سر اُٹھایا اور بہت غور و خوض کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ جب اس ارشاد کی تفسیر نہ کر سکیں تو عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میں کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو' یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کے ذمے ہے۔''

''یہ درست ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''فداک ابی و امی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر حکمت عطا ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر اور بیعت رضوان کے اہلِ ایمان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔''

سماعت فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بھی تو ارشاد فرمایا ہے پھر ہم ان لوگوں کو بچا لیں گے جو دنیا میں متقی تھے اور ظالموں کو اس میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔''

قرآن پاک وقفے وقفے سے نازل ہوا تھا۔ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مقدسہ کے دوران ہی اس بات کا اہتمام فرما دیا تھا کہ جونہی آیاتِ مبارکہ نازل ہوتی تھیں' انہیں متعلقہ سورت میں شامل کر کے احاطہ تحریر میں لایا جائے۔ دوسرے کاتبانِ وحی کے علاوہ یہ ذمہ داری سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھی سپرد تھی کیونکہ لکھنا سیکھ چکی تھیں لہٰذا سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق نازل شدہ آیتِ مبارکہ کو اپنے پاس موجود قرآنی نسخے میں درج کر لیتی تھیں۔ اہلِ سیر کے مطابق رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی قرآن مجید کے تمام کتابت شدہ اجزاء یکجا کرا کے اپنی زوجہ اطہر سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رکھوا دیئے تھے جو تا حیات ان کے پاس رہے۔

marfat.com

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا عرب معاشرے میں خاص طور پر قبیلہ قریش میں بیوی کو دبا کر رکھتے تھے اور اسے اپنے خاوند کے سامنے بے تکلفی سے اپنے خیالات و رائے کے اظہار کی آزادی نہیں تھی لیکن جب اسلام نے عورت کے حقوق و مقام واضح کیا تو فطری طور پر عورتوں کے اندر اس احساس نے جنم لیا کہ معاشرے میں ان کا بھی کوئی مقام ہے اور وہ اپنے خاوندوں کے سامنے اپنی ضروریات کو پیش کرنے لگیں۔

ایک دن مسلمان مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صلوٰۃ کے لیے جمع تھے لیکن کافی انتظار کے باوجود جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے تو مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی کی لہر کا دوڑنا لازمی تھا۔ چنانچہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ بعدازاں سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اذن طلب کیا تو وہ بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ دیکھا تو ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہیں اور وہ خاموش تشریف فرما تھے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا:

''مجھے کوئی ایسی بات کرنی چاہیے جس سے میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرمائیں۔''

چنانچہ انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں اپنی بیویوں کو دیکھوں کہ وہ مجھ سے نفقہ مانگتی ہیں تو میں اس کی گردن پر دھول ماروں۔''

اس پر فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی' فرمایا:

''یہ سب بھی یہی مطالبہ کر رہی ہیں۔''

اس پر سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحب زادی سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ڈانٹا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی بیٹی کو ڈانٹ پلائی' ان دونوں جانثاروں نے اپنی اپنی بیٹی سے کہا:

''تم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیز کیوں طلب کرتی ہو جو ان کے پاس

marfat.com

نہیں ہے؟''

تمام ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن آپس میں بڑی شیر وشکر تھیں' ایک دوسرے کی تکلیف پر بے چین ہو جاتی تھیں' باہمی بیٹھ کر باتیں بھی کرتی تھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سب غریق تھیں لیکن کبھی کبھار ان کے مابین ایسی باتیں بھی ہو جاتی تھیں جو ایک دوسرے کو ناگوار گزرتی تھیں لیکن اس بات کو وہ دل میں بٹھا نہیں لیتی تھیں' بہت جلد پھر وہ آپس میں گھل مل جاتی تھیں۔

ایک دن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو دیکھا سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنسو بہا رہی ہیں۔

''کیا ہوا؟''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

''حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا:

''حفصہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اللہ سے ڈرو۔''

ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں' ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بھی ہیں اور چچازاد بہن بھی۔''

یہ بات حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ناگوار گزری' انہوں نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم نے یوں کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہو سکتی ہو' میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم' میرے باپ حضرت ہارون اور میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ علیہم السلام ہیں۔''

marfat.com

باہم شیر وشکر ہونے کے باوجود کبھی کبھار حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مابین بھی رشک کا اظہار ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ یہ دونوں ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں' راتوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی سہیلی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا:

''آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہو گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو گھاس کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں،

''اللہ کسی سانپ یا بچھو کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے۔''

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کاشانۂ اقدس ایک مثالی گھر تھا جس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بفرمان ربی عام عورتوں کی طرح نہیں تھیں' وہ مومنوں کی مائیں تھیں اور انہوں نے عورتوں کے ایسے ایسے مسائل حل کیے جو ان کے علاوہ اور کوئی حل کر ہی نہیں سکتا تھا۔ علاوہ ازیں انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے روحانی بیٹوں اور بیٹیوں کی جس طرح تربیت و رہنمائی فرمائی' کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔

ایک مرتبہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک سفر تھیں' ساربان اونٹوں کو تیز تیز ہانکنے لگے۔ چنانچہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دیکھنا یہ آبگینے ہیں۔''

اس ایک جملے سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی

marfat.com

نگاہ میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا کیا مقام و مرتبہ تھا۔

سیّدہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دجال سے خائف تھیں، مدینہ منورہ میں ابن صیاد نامی ایک شخص تھا۔ دجال کے متعلق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامات بیان فرمائی تھیں اس میں بہت سی موجود تھیں اس سے ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سر راہ ملاقات ہوگئی، انہوں نے اسے بہت سخت سست کہا اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہوگیا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو مارنا شروع کیا، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کی خبر ہوئی تو بولیں:

''عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہیں اس سے کیا غرض؟ تمہیں معلوم نہیں کہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا۔''

تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی تھیں اور دل کی گہرائیوں سے محبت کرتی تھیں، ان کی تمنا تھی کہ ان کو تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ قرب و معیت حاصل ہو اور اس کے لیے وہ محبت کے ہاتھوں مجبور تھیں لہٰذا کبھی کبھار کوئی ایسا واقعہ ہو جاتا تھا جو ان کی شان کے لائق نہ ہوتا تھا۔

اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تحفتاً شہد آیا، انہیں اپنے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کا بخوبی علم تھا لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ ان کی خدمتِ عالیہ میں شہد کا شربت بنا کر پیش کرتیں اس طرح ان کے ہاں معمول سے قدرے زیادہ دیر ہو جاتی تھی۔ دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو یہ پسند خاطر نہ تھا کہ ان کے وقت کا ایک لمحہ بھی کوئی دوسری زوجہ محترم لے۔ ہر محب کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ محبوب اس کے پاس زیادہ دیر رہے۔ سوئے اتفاق جو شہد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا تھا، وہ مغافیر کے پھولوں کا تھا جس میں ایسی باس ہوتی ہے جس کا اثر پینے والے کے منہ میں رہ جاتا ہے۔ شہد کا شربت پینے کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے اس باس کا ذکر کیا۔

marfat.com

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد نفاست پسند تھے، گوارا نہ تھا کہ اس طرح کی کوئی بو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آئے لہٰذا آئندہ شہد نہ پینے کا ارادہ فرمایا لیکن یہ بات حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مخفی نہیں رہ سکتی تھی کیونکہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد کا شربت پیش کیا کرتی تھیں لہٰذا ان کو بھی اس ارادے سے مطلع فرما دیا اور تاکید کی کہ اس کا ذکر کسی سے نہیں کرنا لیکن انہوں نے دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو بتا دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم موس شریعت تھے جن کی اطاعت و اتباع لازمی اور عین ایمان ہے لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ تحریم نازل فرما کر ایک حلال چیز کو حرام ہونے سے روک دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو شہد ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتا لہٰذا ربِ کریم ارشاد فرماتا ہے:

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس چیز کو اپنے اوپر حرام کیوں ٹھہراتے ہو جو اللہ نے حلال کر دی ہے، صرف اپنی ازواج کی خوشنودی کی خاطر اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور پھر اسی سورۂ مبارکہ میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو متنبہ کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زوجہ سے راز کی بات کہی لیکن اس نے دوسری کو مطلع کر دیا۔ ان پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اگر ایک معمولی سی بات کو راز نہیں رکھ سکی تو اہم راز کس طرح راز رہ سکیں گے۔ یہ لائحہ عمل تھا جو اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لیے نازل فرمایا تھا لہٰذا تمام ازواجِ مطرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اس پر دل و جان سے تاحیات کاربند رہیں۔

جب حق آتا ہے تو ساتھ ہی مخالف قوتیں بھی جنم لے لیتی ہیں تاکہ حق کے راستے کی دیوار بنیں اگر اس میں بوجوہ کامیاب نہ ہوں تو پھر حق کے پیروکاروں کے درمیان ایسی صورت پیدا کر دی جائے کہ وہ خود ہی حق کی رفتار کو مدھم کرنے کا باعث بن جائیں اور دوسرے لوگ یہ حالات دیکھ کر ایک تو بے پر کی اُڑائیں اور وہ لوگ جو حق کے قریب

marfat.com

آنا چاہتے ہیں' ان کو بدظن کر دیں۔

مدینہ منورہ میں بھی شرپسندوں' فتنہ پردازوں اور منافقوں نے کچھ ایسی ہی سرگرمیاں شروع کر رکھی تھیں۔ مولانا شبلی نعمانی کی اپنی تحقیق و تدقیق کے مطابق ان دنوں مدینہ منورہ میں چار سو کے قریب مرد و زن موجود تھے' ان میں سے بحوالہ اصابہ فی تمیز صحابہ ایک عورت اُم جلاح بھی تھی۔ وہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے پاس آیا جایا کرتی تھی اور اپنی چرب زبانی اور منافقانہ رویے سے انہیں بھڑکانے کی کوشش کرتی تھی اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اپنی پاک طینتی اور سادہ لوحی کی وجہ سے اس کی بات سُن لیتی تھیں کیونکہ وہ اپنے دل کے آئینے کے مطابق سب کو اچھا سمجھتی تھیں اور باقی بدطینت و بدفطرت منافق اس ٹوہ میں لگے رہتے تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح تاجدارِ عرب و عجم سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خاندان اور قرب و اعتماد والے ساتھیوں میں باہمی پھوٹ ڈال دیں اور وہ اپنے فاسد مقاصد کی کامیابی واقعہ افک میں دیکھ چکے تھے اگر اللہ تعالیٰ سورۂ نور میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت میں ۱۸ آیاتِ مقدسہ نہ اُتارتا تو نہ جانے کیا طوفان برپا ہوتا اور وہ سازشی ٹولہ آج تک حق کے خلاف ریشہ دوانیوں میں سرگرم عمل ہے۔

ان حالات میں حکیمانہ اقدام یہی تھا کہ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ وہ ایک ماہ کے لیے ازواج سے علیحدگی اختیار کر لیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بالاخانے میں جو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کا بالاخانہ تھا اور مسجد نبوی کے متصل ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حجروں کے برابر تھا' گوشہ نشیں ہو گئے اور اپنے حبشی غلام رباح کو بطورِ دربان دروازے پر بٹھا دیا۔ بوقت ضرورت کھجور کے ایک تنے کے سہارے اس بالاخانے میں آتے جاتے تھے۔ سوئے اتفاق انہی دنوں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے گر گئے تھے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی مبارک پر زخم آ گیا تھا جس کی وجہ سے بالاخانے سے اُترنے اور چڑھنے میں دقت بھی ہوتی تھی۔

marfat.com

اہلِ ایمان اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تکلیف و پریشانی کے باعث تڑپ اُٹھے' کسی نے خبر بھی مشہور کر دی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو طلاق دے دی ہے۔ ازواج سے ایک ماہ کی قطع تعلق کو تاریخ میں واقعہ ایلاء کہا جاتا ہے۔

ادھر ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا بُرا حال تھا' ان کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ حالات یہ رُخ اختیار کر جائیں گے۔ ہر زوجہ محترمہ افسردہ و پریشان تھی کہ اس نے کیونکر اپنے مشفق و غم گسار اور مہربان و کریم شوہر کو ناراض کر دیا۔ سیّدہ حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلک بلک کر رو رہی تھیں۔

لوگ مسجد میں دَم بخود بیٹھے تھے' شر پسند اور منافقین اس واقعہ کی بنیاد پر کوشاں تھے کہ کسی طرح حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس میں ملوث کر دیں اور اس طرح اسلامی ڈھانچے میں بہت بڑا رخنہ ڈال دیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت و نامرادی مسلط کر دی اور شرارتی اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خادم رباح سے کہا:

''حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لیے اجازت مانگو۔''

لیکن رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی جواب نہ دیا' تھوڑی دیر بعد پھر اُٹھ کر گئے' طبیعت کو چین کہاں تھا پھر رباح کو با آوازِ بلند پکار کر کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لیے اجازت مانگ۔ میں حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سفارش کرنے نہیں آیا۔ اللہ کی قسم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو میں اپنی بیٹی کی گردن اُڑا دوں۔''

چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرما دی۔

جب ۲۹ راتیں گزر گئیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے پھر آیت تخیر نازل ہوئی اور ازواج کو اختیار دیا کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں یا علیحدہ ہونا چاہتی

marfat.com

ہیں تو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر لیا پھر تمام ازواج کو اختیار دیا مگر سب نے وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا تھا۔

روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق رجعی دی جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر ملی تو بہت دُکھ ہوا اور شدتِ غم سے سر پر مٹی ڈال لی اور کہنے لگے:

''اس کے بعد اب اللہ کی نگاہ میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کی بیٹی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہی۔''

اور جب اس کی اطلاع سیّدہ حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماموں عثمان، قدامہ اور پسران مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہوئی تو آئے، وہ ان کے سامنے رونے لگیں اور بولیں:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اُکتا کر طلاق نہیں دی۔''

اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ کر لیا تو فرمایا:

''حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تھے اور کہا تھا کہ میں حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے رجوع کر لوں کیونکہ وہ کثرت سے روزے رکھنے والی اور شب بیدار ہے اور جنت میں میری زوجہ ہوگی۔''

لیکن عقبہ بن عامر کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاطر حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رجوع کر لینے کا مشورہ دیا۔

جب غزوۂ خیبر ہوا تھا تو دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرح رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی سالانہ اسی (۸۰) وسق جو یا گیہوں عطا فرمائے تھے۔

marfat.com

وقت مختلف کروٹیں بدلتا ہوا رواں دواں تھا' ہجرت کے دسویں سال کے اعظم ترین واقعات میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حج کرنا ہے۔ حج کی فرضیت نویں سال میں ہوئی تھی لیکن اس سال دعوتِ اسلام' تعلیم احکام' دینِ اسلام کی بنیادوں کے استحکام میں مشغولیت کی وجہ سے تشریف نہ لے جا سکے۔ سیّدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ لوگوں کو حج کرائیں اور ۱۰ ہجری میں خود تشریف لے گئے' ہمراہ لاکھوں فرزندانِ توحید کے علاوہ تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی تھیں' ان میں سیّدہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ساتھ تھیں۔

خطبہ حج میں اُمت کو وصیت فرمائی کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ مراعات' ملاطفت اور حسن سلوک کریں' ان کے حقوق میں احسان کریں۔ پھر فرمایا:

''عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرو' تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو اور ان کے حقوق کا لحاظ رکھو جو مرد نے اپنے اوپر لازم کر کے انہیں حلال بنایا' تمہارے حقوق عورتوں پر یہ ہیں کہ وہ غیر مرد کو اپنے قریب جگہ نہ دیں اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہیں جو سخت تکلیف دہ ہو اور عورتوں کا تم پر نان و نفقہ اور عادت کے مطابق لباس اور انصاف فرض ہے۔''

حجۃ الوداع کے موقع پر ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دار بقاء کی طرف تشریف لے جانے کا اشارہ فرما دیا تھا جسے صرف رازدار نبوت سیّد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھے اور بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جب واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو بروز سوموار ۲۹ صفر ۱۱ ہجری کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے سے واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں ہی سر درد شروع ہو گیا' یہ مرض کا آغاز تھا۔

رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے جانے سے ایک ہفتہ قبل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارک میں تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی رضا سے تشریف لے گئے' وہ وہیں خدمت و عیادت کے لیے آ جایا کرتی تھیں۔ دورانِ علالت جب مرض کا دباؤ کم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں

marfat.com

تشریف لے جاتے اور نماز پڑھانے کے علاوہ ارشاداتِ عالیہ سے حاضرین کو نوازتے۔

وصال سے پانچ روز قبل ارشاد فرمایا:

''تم سے پہلے ایک قوم ہوئی ہے جو انبیاء و صلحاء کی قبور کو سجدہ گاہ بناتی تھی' تم ایسا نہ کرنا' یہودیوں اور نصرانیوں پر اللہ کی لعنت''۔

انصار کے متعلق نصیحت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

''میرے سامنے دنیا و مافیہا کو پیش کیا گیا' میں نے آخرت ہی کو اختیار کیا۔''

یومِ وصال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو بُلایا اور انہیں نصیحتیں فرمائیں۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مقدس چہرے بتا رہے تھے کہ انہیں اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض سے کس قدر پریشانی ہے' غم نے انہیں گھیرے میں لے رکھا تھا اور پھر تاجدارِ دوجہاں' نبی آخرالزماں' رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔ بے اختیار اشکوں کی لڑیاں آنکھوں سے نکل کر پیوند خاک ہو رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے کشت زندگی ویران ہو گئی ہو' کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قیامت تک کے لیے داغِ فرقت دے گئے ہیں اس سانحہ ارتحال کے وقت اُم المومنین سیّدہ حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۲۹ سال تھی' ساڑھے سات سال آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے محبوب شوہر صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت میں گزارے۔

سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ اور ماں کی طرف سے جو لوگ مشہور و معروف ہوئے اور انہوں نے اسلام کی خاطر بہت کچھ کیا اور قربانیاں دیں' ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تایا تھے' ان کے والد سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت بڑے تھے۔ وہ بدر' خندق' احد' حدیبیہ اور دوسرے مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ غزوۂ احد کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بڑے بھائی

marfat.com

حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

''میری زرہ آپ لے لیں''

انہوں نے جواب دیا:

''جس طرح تم شہادت کے طلب گار ہو' میں بھی ہوں۔''

لہٰذا دونوں بھائیوں نے زرہ کو چھوڑ دیا۔ جنگِ یمامہ میں مسلمانوں کا جھنڈا انہیں کے ہاتھ میں تھا جس میں شہادت پائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سنا کہ بھائی شہید ہو گئے ہیں تو فرمایا:

''جب بادِ صبا چلتی ہے' مجھے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بو آتی ہے۔''

اور پھر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم کرے' وہ دو نیکیوں میں مجھ پر سبقت لے گئے یعنی اسلام بھی مجھ سے پیشتر لائے اور شہید بھی مجھ سے پہلے ہوئے۔''

۲- حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پھوپھا تھے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ فاطمہ ان کے ہاں تھیں' دونوں میاں بیوی قدیم الاسلام تھے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبل اسلام سے وابستہ ہوئے۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پھوپھی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور پھوپھا سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ان کے والد محترم کے مشرف بہ اسلام ہونے کا باعث بنے تھے۔ غزوۂ بدر کے وقت ملک شام میں تھے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حصہ دیا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی انہیں شام کے راستے کی طرف خبریں لانے کے لیے بھیجا تھا' عشرہ مبشرہ میں سے ہیں' مستجاب الدعوات تھے۔

۳- حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا: یہ سیّدہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پھوپھی تھیں' حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کے تین دن بعد جب (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) گھر سے نکلے تو بنو مخزوم کا ایک شخص ملا جو

marfat.com

مسلمان ہو گیا تھا اس سے پوچھا:

''تم نے بھی اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا تھا۔''

اس نے جواب دیا:

''اگر میں نے والدین کا دین چھوڑ دیا ہے تو اس کا ارتکاب اس شخص نے بھی کیا ہے جس پر تیرا بہت زیادہ حق ہے۔''

(حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے پوچھا:

''وہ کون ہے؟''

''تمہارا بہنوئی اور بہن''

یہ سننے کے بعد وہ گھر کی طرف پلٹ گئے' بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مار کر لہولہان کر دیا۔

بہن فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''تم جو چاہتے ہو کر لو' ہم اسلام نہیں چھوڑ سکتے۔''

یہ وہ پہلا خون تھا جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے افراد کے جسموں سے بہا۔

۴۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماموں تھے' یہ تیرہ (۱۳) آدمیوں کے بعد اسلام لائے' پہلی ہجرتِ حبشہ میں شامل تھے' واپس آئے تو ولید بن مغیرہ کی امان حاصل کر لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی نے خبر مشہور کر دی کہ قریش نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیا ہے' واپس آ گئے' خبر جھوٹی تھی' مکہ داخل ہونے کے لیے کسی کی امان لینا ضروری تھی۔

ایک دن خیال آیا:

''میرے شب و روز امن اور چین سے گزرتے ہیں کیونکہ ایک مشرک کی امان میں ہوں جبکہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب تکالیف برداشت کر رہے ہیں' مجھ میں کوئی سخت نقص ہے۔''

marfat.com

بس اس خیال کے آتے ہی ولید بن مغیرہ کے پاس گئے' امان واپس کر دی اور پھران پر بھی اذیتوں کے دروازے کھل گئے۔ غزوۂ بدر میں شریک تھے' عبادت میں تمام لوگوں سے زیادہ کوشش کرتے تھے' دن کو روزہ رکھتے اور رات کو عبادت کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے مہاجرین میں سے ان کا انتقال ہوا تھا' غسل وکفن کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ ایک خاتون نے دیکھا تو کہا:

''عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت مبارک ہو۔''

اُم علاء کہتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ایک نہر جاری ہے۔ انہوں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو فرمایا:

''یہ ان کے اعمال نیک کا ثمرہ ہے۔''

۵۔ حضرت خویلد بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا: یہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ممانی تھیں' انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد شادی کا مشورہ دیا تھا اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کی شادی کرادی تھی' بڑی پارسا خاتون تھیں۔

اُم المومنین سیّدہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سگے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' باپ کے ساتھ جب اسلام لائے تو عمر چھوٹی تھی لہٰذا غزوۂ خندق کے وقت بالغ تھے جس میں شرکت کی تھی' بعد میں اکثر جنگوں میں شرکت کی اور دادِ شجاعت دی۔ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑے شدید تھے۔ ایک خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ایک ٹکڑا استبرق کا ہے' میں جنت کے جس مقام کی طرف اشارہ کرتا ہوں' وہ ٹکڑا مجھے وہیں اُڑا لے جاتا ہے۔ انہوں نے اس خواب کا ذکر اپنی بہن سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کیا اور انہوں نے یہ خواب اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا تو فرمایا:

''حفصہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمہار بھائی ایک نیک آدمی ہے۔''

marfat.com

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۲۲۱۰ احادیث مروی ہیں۔ ۷۳ ہجری میں مکہ معظمہ میں انتقال ہوا تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب مانعین زکوٰۃ اور مدعیانِ نبوت کے خلاف جنگوں میں بہت سے حفاظ کام آ گئے تو سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطرہ محسوس کیا کہ اس طرح اللہ کی کتاب کا کیا بنے گا لہٰذا ایک دن وہ خلیفۃ الرسول اللہ سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور اپنے خدشے کا اظہار کیا۔ چنانچہ انہوں نے اہتمام کیا کہ قرآن پاک کتابی شکل میں مدون ہو جائے۔ انہوں نے تمام کتابت شدہ قرآنی اجزاء جو مختلف صحابہ کرام کے پاس موجود تھے، جمع کیے اس سلسلہ میں جو سب سے اہم نسخہ تھا، وہ اُم المومنین سیّدہ حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا جو سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے وہ نسخہ لے کر اہلِ علم صحابہ کی ایک جماعت کے تعاون سے تمام قرآنی اجزاء کو کتابی شکل میں مدون کر دیا اور یہی مکمل و مستند نسخہ جو تاریخ میں ''مصحف صدیقی'' کے نام سے معروف ہے، اُم المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تحویل میں دے دیا گیا۔

عہد صدیقی کے بعد عہد فاروقی آیا، فتوحات کا سلسلہ دُور دراز تک پھیل گیا، اسلامی سلطنت میں روز افزوں وسعت اور اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اضافہ اغیار کی نظروں میں کانٹا بن کر کھٹکتا تھا لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انصاف پسندی اور اندازِ جہانبانی کے سامنے دشمنوں کا بس نہیں چلتا تھا۔ آخر ان کو شہید کرنے کی سازش کی گئی۔ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کو بروز بدھ طلوع آفتاب سے قبل خلیفۃ المومنین نے نماز پڑھانے کے لیے اللہ اکبر ہی کہا تھا کہ مغیرہ بن شعبہ کے نصرانی غلام ابولولوء فیروز نے جو ایران کا باشندہ تھا اور نہاوند کی جنگ میں اسیر ہوا تھا، اپنے خنجر سے ان پر وار کیے جن میں سے ایک زیرِ ناف پڑا جو مہلک ثابت ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازیوں سے کہا:

''پکڑو اس کتے کو اس نے مجھے قتل کیا ہے۔''

marfat.com

لوگ اسے پکڑنے کے لیے بھاگے' بہت سے لوگوں کو اس نے زخمی کیا' بالآخر پکڑا گیا لیکن جب دیکھا کہ قتل کر دیا جائے گا' خودکشی کر لی اور جہنم واصل ہوا۔

سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب سنا کہ ان کے باپ پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے ہیں تو انتہائی صدمہ ہوا۔ باپ کی خدمت میں پہنچیں' حالت نازک تھی' کوئی دوا کارگر ثابت نہ ہو رہی تھی' شہادت سے قبل انہوں نے اپنی بیٹی سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے اپنے مال کے چوتھائی حصے کے لیے وصیت فرمائی اور فرمایا:

''جب وہ فوت ہو جائیں تو یہ مال آلِ عمر کے اکابر میں تقسیم کر دیا جائے۔''

حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی' حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی' حضرت خواجہ فرید گنج شکر اور حضرت علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری رحمہم اللہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل سے فاروقی ہیں۔

عہدِ عثمانی میں جب عجمیوں کی ایک کثیر تعداد داخلِ اسلام ہوئی تو قرآنِ حکیم کی کتاب' املاء' تلفظ اور تلاوت میں اختلاف کی صورتیں پیدا ہوئیں تو خلیفہ سوم امیر المومنین حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُم المومنین سیّدہ حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جو نسخہ قرآن تھا' اس کی نقول کرا کر اپنی مہر کے ساتھ اپنی مملکت کے مختلف شہروں میں بھجوا دیں تاکہ ہر جگہ ایک طرح کتابت و قرآت ہو اور اختلاف کی کوئی گنجائش نہ رہے لہٰذا قرآن کی ترتیب و تدوین اور اس کی حفاظت کا سہرا بھی اُم المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر ہے۔

زمانہ مختلف نشیب و فراز سے گزرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور سن ۴۱ ہجری تک چشم فلک نے بڑے بڑے انقلابات دیکھے اس وقت اُم المومنین سیّدہ حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک ۵۹ برس تھی' آثار بتا رہے تھے کہ اجل نے رخصتی کے لیے زندگی کے دروازے پر دستک دے دی ہے لہٰذا انہوں نے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا' وہ آئے تو کہنے لگیں:

marfat.com

''تمہیں یاد ہوگا ابا جان نے داعی اجل کو لبیک کہنے سے قبل چوتھائی حصہ مال کی میرے لیے وصیت کی تھی۔''

''یاد ہے''

انہوں نے جواب دیا۔

''یہ بھی علم ہوگا کہ ابا جان نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب میں وفات پاؤں تو اس مال کو آل عمر میں تقسیم کر دیا جائے۔''

اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

''معلوم ہے۔''

سیّدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''لہٰذا غابہ میں جو مال اور جائیداد ہے اس کو فی سبیل اللہ صدقہ کر دینا۔''

بہن نے باپ کے ارشاد کے مطابق وصیت کی اور پھر چند دنوں کے بعد اچانک مدینہ میں یہ خبر پھیل گئی کہ اُم المومنین سیّدہ حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سفر آخرت پر روانہ ہوگئی ہیں۔ یہ امیر المومنین سیّدنا حضرت امیر معاویہ ابن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور ان دنوں مدینہ طیبہ کا گورنر مروان تھا' نمازِ جنازہ انہوں نے پڑھائی اور کچھ دُور تک جنازہ کو کاندھا دیا۔ ایک ہجوم تھا کہ جنازے میں شامل تھا' آخر مومنوں کی ماں کا مقدس جنازہ تھا۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر اور ان کے بیٹے عاصم' سالم اور حمزہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم قبر میں اُترے اور اس مقدس ہستی کے جسد پاک کو سپردِ خاک کر دیا۔

اُم المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی معنوی یادگاروں میں حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت حمزہ ابن عبداللہ' حضرت صفیہ بنت ابو عبید زوجہ عبداللہ' حضرت حارثہ بن وہب' حضرت مطلب بن ابی وارعہ' حضرت اُم مبشر انصاریہ' حضرت عبداللہ بن صفوان بن اُمیہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ساٹھ (۶۰) احادیث منقول ہیں جو انہوں نے حضور

marfat.com

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماعت فرمائی تھیں' ان میں سے چار متفق علیہ ہیں' چھ صرف صحیح مسلم شریف میں ہیں اور باقی پچاس احادیث کی مختلف کتب میں ہیں۔

اُم المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

۱- ''موذن اذان دے کر بیٹھ جاتا تھا اور صبح شروع ہو جاتی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز باجماعت سے پہلے دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' پانچ جاندار ایسے ہیں جن کے ہلاک کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں:

(۱) کوا (۲) چیل (۳) چوہا (۴) بچھو (۵) کٹکھنا کتا

۳- میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا بات ہے کہ لوگوں نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے بعد احرام نہیں کھولا؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے اپنے سر کے بالوں کو خطمی وغیرہ سے جما لیا ہے اور اپنے قربانی کے جانور کے گلے میں قلاوہ ڈال رکھا ہے اس لیے میں جب تک قربانی نہ کر لوں' احرام نہیں کھول سکتا۔''

۴- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے کھاتے پیتے تھے اور لباس بھی پہلے دائیں سمت سے پہنتے تھے' ان کے سوا دوسرے کام بائیں ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔

marfat.com

اُم المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حکمتِ نکاح

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچپن سے ہی غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلا کر راحت محسوس کرتی تھیں۔ کوئی دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹتا تھا۔ اُم المساکین کے نام سے مشہور ہو گئی تھیں۔ یہی خوبی ان کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف زوجیت کا باعث بنی۔

marfat.com

نصف دیں اُن کے توسط سے ملا ہے دوستو
چاندنی دین متیں ہیں اُمہات المؤمنین

marfat.com

حالاتِ زندگی

''اُم المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اللہ کو پیارہو گئیں۔''

فضا میں ایک دل گیر آواز اُبھری۔

''رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے متعلق ''اسرعکن لحوقا فی اطولکن یدا'' فرمایا تھا' آج وہ ہم سے رخصت ہو گئیں۔''

دوسری آواز نے دردیلے سکوت کو توڑا۔

''زینب بنت خزیمہ تم کتنی خوش نصیب ہو جس کی نمازِ جنازہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم خود پڑھائیں گے۔''

تیسری آواز نے بحرِ خاموشی میں ارتعاش پیدا کیا اور پھر حجرے میں موجود خواتین حضرت زینب کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھنے لگیں جس پر انوارِ الٰہی کی بارش ہو رہی تھی' یہ مومنین کی ماں تھیں۔ بوقتِ وصال ان کی عمر تیس (۳۰) سال تھی لیکن مرتبے میں سب سے بلند تھیں۔

جنت البقیع میں ایک قبہ تھا جس کو قبہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا تھا لیکن آج اس کا نشان نہیں ملتا۔ اسے ابن سعود نجدی نے شہید کرا دیا تھا اس قبہ میں ایک قبر کھودی جارہی تھی جو زوجۂ رسول حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے تھی جہاں انہوں نے منزلِ آخرت کے زینہ اوّل پر قدم مبارک رکھنا تھا۔ قبر بڑے ادب کے ساتھ تیار کی جارہی تھی جب تیار ہوگئی تو ایک شخص کو بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں اطلاع کے لیے بھیج دیا گیا۔

marfat.com

عالم عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف فرما تھے' ارد گرد اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مودب و خاموش بیٹھے تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نمازِ جنازہ خود پڑھائی۔ آنکھیں مبارک غم ناک تھیں لیکن ہونٹوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد جاری تھی' سب خاموش تھے' ادب ومحبت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ خاموش رہا جائے اسی اثناء میں ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور عرض کی:

''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ اطہر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے قبر مبارک تیار ہے۔''

سماعت فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اُٹھے' تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کھڑے ہوگئے' میت کو حجرے سے باہر لایا گیا اور کلمہ شہادت کی آوازوں کے درمیان جنازے کو اُٹھا کر سوئے بقیع چل پڑے۔ اُمہات المومنین حضرت سودہ' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری بہت سی عورتیں جنازے کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ ضبط کا یارا نہ تھا' کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس سے آنسو رواں نہ ہوں اور چہرے سے غم آشکارا نہ ہو۔ اگرچہ نظریں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جاتے ہوئے جنازے پر جمی ہوئی تھیں لیکن ذہنوں میں نہ صرف ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ گھوم رہا تھا بلکہ ان کے آباؤ اجداد کا نقشہ بھی اُبھر رہا تھا۔

اُم المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حارث ہلالی کی اولاد میں سے تھیں' بنو ہلال جو قبیلہ بنو عامر کی ایک شاخ تھی' حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ گردشِ زمانہ نے انہیں یمن میں لا کر آباد کر دیا تھا' شمالی یمن میں تبالہ کے مقام پر ذوالخلصہ نامی ان کا ایک بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے جب اہل یمن کی بداعمالیاں عروج پر تھیں تو اللہ کا عذاب سد مارب کے ٹوٹنے کی شکل میں ظاہر ہوا جس نے دور و نزدیک تباہی مچا دی' عمارتیں کھنڈرات اور آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہوگئیں جو لوگ بچ گئے ان پر زندگی کی راہیں مسدود ہوگئیں' جینا محال ہو گیا۔ چنانچہ بنو ہلال نقل

marfat.com

مکانی کر کے حجاز میں آ کر آباد ہو گئے۔

وقت شب و روز کے تانے بانے بنتا ہوا گزر رہا تھا' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۱۳ سال قبل ۵۹۷ء عیسوی میں ایک دن خزیمہ بن حارث کے ہاں بہت سی خواتین اور دوست احباب موجود تھے' ان کے انداز و اطوار سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی خبر کے سننے کے منتظر ہوں' کچھ دیر کے بعد ایک عورت گھر سے باہر آئی اور پوچھا،

''خزیمہ کہاں ہے؟''

خزیمہ نے جو اپنے دوستوں کے ساتھ محو گفتگو تھا' اپنا نام سنا تو اُٹھ کر آیا اور بولا:

''کیا خبر ہے؟''

''لڑکی ہوئی ہے۔''

''لڑکی؟'' خزیمہ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''ہاں! چاند کا ٹکڑا ہے اور چہرے سے بلند اقبالی ٹپکتی ہے۔''

عورت نے کہا تو خزیمہ اس کے ساتھ اندر کمرے میں چلا گیا' بیوی کے پہلو میں اس نے بیٹی کو دیکھا تو عجیب سی کشش محسوس کی' پیار کرنے لگا اور کہا:

''یہ میری زینب ہے۔''

سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بچپن بڑا منفرد و یگانہ تھا' بچپن سے ہی انہیں غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلا کر بڑی راحت و خوشی محسوس ہوتی تھی۔ باپ صاحبِ حیثیت تھا' بڑی فیاضی کا مظاہرہ کرتی تھیں اگر خود کوئی چیز کھا رہی ہوتیں اور کوئی غریب آ جاتا تو وہ چیز اس کو عطا کر دیتی تھیں اور اس سے بڑی طمانیت محسوس کرتی تھیں اگر خاندان کے کسی فرد نے روکا بھی تو اس کی پرواہ نہ کی کیونکہ جانتی تھیں کہ اس سے کبھی رزق میں کمی نہیں ہوتی لہٰذا سب لوگ انہیں اُم المساکین کے لقب سے یاد کرنے لگے اور یہی نام زبانِ زدعام و خاص ہو گیا جس طرف سے گزرتیں یا کہیں جاتیں سب یہی کہتے ''اُم المساکین آ گئی ہے۔''

اور پھر یہی لقب ان کے نام کا حصہ بن گیا۔

marfat.com

جب محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو اس وقت سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۱۳ یا ۱۴ سال تھی' آپ کا شجرہ نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ معد بن عدنان سے اکیسویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور عدنان کے درمیان ۱۱۵۸ سال کا زمانہ ہے' اعلانِ نبوت نے مکہ معظمہ کی فضا میں ہلچل مچا دی تھی' پیغامِ حق رفتہ رفتہ دماغوں اور دلوں کو مسحور کرنے لگا تھا اور لوگ اعلانیہ اور پوشیدہ طور پر دولتِ اسلام سے مالا مال ہونے لگے تھے۔ سیر و تاریخ کی کتب اس ضمن میں خاموش ہیں کہ سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کب اسلام قبول کیا لیکن اس امر کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اعلیٰ اخلاقی اوصاف اور ربِ کریم کی طرف سے خصوصی اعزازات کو دیکھتے ہی کہا جا سکتا ہے کہ ابتدائی دور میں ہی اسلام کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہو گئی ہوں گی۔

دورِ جاہلیت کی بات ہے' ایک دن لوگوں نے خزیمہ بن حارث کے مکان میں چھوٹی بچیوں کو دف پر گیت گاتے سنا' وہ شادی کا گیت گا رہی تھیں جس نے فضا میں جادو جگا رکھا تھا اس گیت کا مفہوم کچھ اس طرح تھا:

آج خوشی کا دن ہے
ہماری بہت ہی چہیتی دلہن بن کر دوسرے گھر میں چلی جائے گی
اپنے ماں' باپ اور سہیلیوں کے دلوں کو فرقت کا داغ دے کر
وہ جہاں بھی رہے' خوش رہے
اور اس کے آنگن میں بہاریں سدا پھول برساتی رہیں
آج خوشی کا دن ہے
گیت گانے کا دن ہے
سکھیو! سب مل کر گاؤ
آج اُم المساکین اپنے دولہا کے ساتھ جا رہی ہے۔

اسی اثناء میں برات آ گئی۔ طفیل بن حارث بن مطلب سے زینب بنت خزیمہ رضی

marfat.com

اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ہوگیا اور پھر ڈولی رخصت ہوگئی۔ اپنے عزیز و اقارب کو مغموم و افسردہ کر کے جدائی کا داغ دے کر سسرال چلی گئی۔ سب کا خیال تھا کہ اوصافِ حمیدہ کی مالک زینب کی زندگی بڑی حسین وخوشگوار گزرے گی لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ طفیل بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں طلاق دے دی۔ بہترین سیرت وصورت کی مالکہ کو کیوں طلاق ہوگئی، تاریخ کے اوراق بتانے سے قاصر ہیں۔

طلاق کے بعد سیّدہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری شادی پہلے خاوند کے بھائی حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوگئی، ان کی کنیت ابومعاویہ تھی، ماں کا نام سخیلہ تھا، قد میانہ، رنگ گندم گوں اور چہرہ بہت خوب صورت تھا لیکن جوانی کی منزلوں سے گزر چکے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارارقم میں تھے تو خلعتِ اسلام سے سرفراز ہوئے، دربارِ نبوت میں انہیں غیر معمولی رفعت حاصل تھی۔ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا اسلامی بھائی قرار دیا تھا۔

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے گئے، ان کا تصور کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن جو ایک بار دامنِ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو جاتا تھا پھر اس پر ہونے والے شدائد کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا تھا۔

حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اہلیہ سیّدہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ان مصائب کا شکار تھے جس قدر ان پر سختیاں کی جاتیں، اتنا ہی ان کے اندر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شعلہ بھڑکتا۔ حضرت اُم المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو جوان تھیں مگر ان کے شوہر نامدار کی عمر زیادہ تھی لیکن حق کی حمایت اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں ان کا جذبہ اور ولولہ جوانوں سے کسی طرح بھی کم نہ تھا۔

ایک دن جانثارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاضر خدمت تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لب ہائے مبارک وا فرمائے اور ارشاد فرمایا:

''تم لوگ مدینے کی طرف ہجرت کر جاؤ۔''

marfat.com

''اور یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ؟''

ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا۔

''مجھے ابھی ہجرت کا حکم نہیں۔''

شام کا جھٹپٹا تھا جب حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں داخل ہوئے' سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا چشم براہ تھیں۔

''کیا آج کوئی خاص بات ہوئی ہے؟''

سیّدہ اُم المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت کیا۔

''تمہیں کس طرح معلوم ہوا؟''

شوہر نامدار نے پوچھا۔

''چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا ہے۔''

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادھر اُدھر نظر گھما کر دیکھا اور پھر آہستگی سے بولے:

''ہجرت کا حکم ہوا ہے۔''

''واقعی؟''

''ہاں!''

''کس طرف؟''

حضرت اُم المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سرگوشیانہ انداز میں پوچھا۔

''مدینہ کی طرف''

اب میاں بیوی درپردہ ہجرت کی تیاریاں کرنے لگے اور مناسب وقت کا انتظار تھا کہ کب مکہ کو خیر باد کہا جائے' آخر وقت آ گیا۔ حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت زینب ملقب بہ اُم المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا' دونوں بھائیوں حضرت طفیل' حضرت حصین اور ایک ساتھی حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اہل مکہ کی نظروں سے چھپتے چھپاتے مدینے کے لیے روانہ ہوئے۔ جذبے جوان'

marfat.com

سفر دُور کا، دشمن کا کھٹکا موجود تھا۔ مہاجرین کا یہ چھوٹا سا قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا کہ اتفاق سے راستے میں حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بچھو نے ڈنگ مارا اور وہ پیچھے رہ گئے۔ انہوں نے حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ وہ اپنا سفر جاری رکھیں جونہی ان کی حالت سنبھلی تو وہ ساتھ آ کر مل جائیں گے لیکن دوسرے دن خبر ملی کہ وہ چلنے پھرنے سے بھی قاصر ہیں تو حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کا ایک بھائی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ اسے بے یار و مددگار ویرانے میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ مسلمانی تو دوسرے بھائی کے لیے قربانی دینے کا نام ہے لہٰذا وہ واپس گئے اور حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لیا اور پھر سوئے مدینہ چل پڑے اب اس چھوٹے سے قافلے کی رفتار پہلے سے قدرے کم تھی کیونکہ اس میں ایک بیمار بھی تھا جس کی دیکھ بھال کرنا ضروری تھی۔

طویل سفر کے بعد جب جانثارانِ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مختصر سا قافلہ مدینہ پاک کی پُرامن و محبت آمیز فضا میں داخل ہوا تو سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ نے اسے خوش آمدید کہا اور بڑے لطف و مہربانی سے میزبانی کا حق ادا کیا اور جب ہجرت فرمانے کے بعد رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات کرا دی گئی اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ اراضی مرحمت فرمایا جس میں ان کا تمام خاندان آباد ہوا۔

حضرت عبیدہ بن الحارث اور ان کی اہلیہ محترمہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت اور جانثارانہ انداز میں زندگی کے دن گزارنے لگے۔ ہر لحظہ محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و اتباع مقصود تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حسب معمول غرباء و مساکین کو کھانا کھلاتیں، کوئی درِ اقدس سے خالی ہاتھ نہ لوٹتا تھا، خاص لگاؤ اور محبت کی بناء پر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص مقام تھا لہٰذا وہ لوگوں میں شیخ المہاجرین کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

marfat.com

اسلام کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ دشمنانِ دین متین کی عداوت و مخالفت میں بھی تیزی و تندی آ رہی تھی اس کا سد باب ضروری تھا لہٰذا ہجرت کے آٹھویں مہینے شروع شوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رابغ کی طرف ایک سریہ بھیجا جس کی امارت حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپی گئی اور سفید جھنڈا باندھا گیا جس کو حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیے ہوئے تھے جنہیں دورانِ سفر ہجرت بچھو نے کاٹ لیا تھا۔ رابغ کے قریب ابوسفیان کی زیرامارت دوسو مشرکین کی جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی لیکن جنگ وخون ریزی کی نوبت نہ آئی' صرف چند تیروں کا تبادلہ ہوا۔

محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ رحمت میں حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خوش نصیب جوڑا بڑی پُرسکون و اطمینان بخش زندگی گزار رہا تھا۔ ایک دن میاں بیوی بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے مشام جان کو معطر کر رہے تھے۔ سن ۲ ہجری اور رمضان المبارک کا مہینہ تاریخ ۱۲ اور ہفتے کا دن تھا' اطلاع ملی کہ آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ بدر کی طرف تشریف لے جائیں گے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلدی جلدی تیاری کرنے لگے اور حضرت اُم المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس تیاری میں ہاتھ بٹا رہی تھیں جب تیار ہو گئے تو محبت آمیز لہجے میں بولے:

''زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا! اللہ حافظ!''

''اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھنی۔''

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''وہی تو دین و ایمان ہیں' ان کی خاطر اگر جان قربان ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو گی۔''

حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفور محبت سے کہا:

''میرے لیے بھی تو مایہ ناز ہے کہ شہید کی بیوہ کہلاؤں۔''

marfat.com

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑے جذباتی انداز میں بولیں اور پھر حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر سے باہر نکل گئے اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہیں جاتے ہوئے دُور تک دیکھتی رہیں۔

بدر زمانہ جاہلیت کے تماشا گاہوں میں سے ایک تماشا گاہ تھا جہاں عرب جمع ہوتے تھے' بدر اور مدینے کے درمیان اٹھانوے (۹۸) میل کا فاصلہ تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب جمعہ ۱۷ رمضان المبارک کو بدر کے قریب اُترے' یہ حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا۔ صف آرائی کے بعد مشرکین کی طرف سے عتبہ' شیبہ اور ولید میدانِ جنگ میں اُترے' مبارزت طلب کی۔

''علی' حمزہ' عبیدہ''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے تینوں اصحاب کے نام پکارے۔

''لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

تینوں اصحاب نے باآوازِ بلند کہا۔

''دشمن کے مقابلے پر جاؤ''

ارشاد فرمانے کی دیر تھی کہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے اپنے حریف کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے اور پھر جنگ شروع ہو گئی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دشمن سے جلد ہی فارغ ہو گئے تھے لیکن حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ولید میں دیر تک کشمکش جاری رہی یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے۔ حضرت حمزہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مل کر ولید کو واصل جہنم کیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدانِ جنگ سے اُٹھا لائے کیونکہ ان کا ایک پاؤں شہید ہو گیا تھا اور تمام بدن زخموں سے چور تھا۔ اختتام جنگ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر سے واپس آئے' زخم کاری تھے جب مقام صفرا پر پہنچے تو داعی جنت کو لبیک کہا اور وہیں سپردِ خاک کیے گئے۔

ایک دن یہ خبر مدینے کے گلی کوچوں میں پھیل گئی کہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

سے واپس تشریف لے آئے ہیں۔ حضرت اُم المساکین نے سنا تو خاوند کے انتظار میں آنکھیں فرش راہ کردیں' تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ملی:

''عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق کی خاطر اپنی جان نثار کردی۔''

سنا تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھیں غم آلود ہوگئیں' آسمان کی طرف نظریں اُٹھا کر گویا ہوئیں:

''اے بارالٰہ! بس تو راضی ہوجا۔''

غزوۂ بدر کے کافی عرصہ بعد عالم عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے اصحاب کے وادیٔ صفراء سے گزرے تو رات وہیں قیام فرمایا' ہوا چلنے لگی تو ہر طرف خوشبوئیں پھیل گئیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہاں سے اس قدر دل پذیر خوشبو آرہی ہے' ساری وادی مہک اُٹھی ہے اور مشام جان معطر ہوگیا ہے۔''

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو متبسم ارشاد فرمایا:

''عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے یہاں ہوتے ہوئے تمہیں اس خوشبو پر تعجب کیوں ہے؟''

زمانہ شب و روز کی کروٹیں بدلتا آگے بڑھ رہا تھا' حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوگی کی زندگی بسر کررہی تھیں ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رشتہ آیا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور قدیم الاسلام تھے۔ بڑے پُرجوش مجاہد تھے' قد میانہ اور سر کے بال بڑے گھنے تھے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے ان کو دنیا سے بے نیاز کردیا تھا' سب سے بڑی آرزو یہی تھی کہ جان عزیز کسی طرح اللہ کی راہ میں نثار ہوجائے۔

حضرت اُم المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی مرضی کا اظہار فرمادیا اور پھر دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے' زندگی میں پھر بہاریں مسکرانے لگیں۔

ماہ رجب ۲ ہجری کا واقعہ ہے' رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن

marfat.com

جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک جمعیت کی امارت سپرد کی اور ایک سربمہر فرمان دے کر فرمایا:

''عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! دو دن سفر کرنے کے بعد اس کو کھول کر پڑھنا اور حسبِ ہدایت عمل کرنا۔''

''میرے باپ آپ پر فدا ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حکم کی تعمیل ہوگی۔''

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی اور فرمان کو نہایت احتیاط سے پاس رکھ لیا جب دو روز سفر کرلیا تو خط کھول کر پڑھا' لکھا تھا:

''مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے' وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت اور دوسرے ضروری حالات کا پتہ چلائیں۔''

خط پڑھنے کے بعد آپ نے کہا:

''سمعا وطاعۃ''

اور پھر ساتھیوں سے مخاطب ہوئے:

''صاحبو! میں اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو پورا کر کے رہوں گا' تم میں سے جو شہادت کا آرزومند ہو' ساتھ چلے اور جو اس کو ناپسند کرتا ہو' واپس لوٹ جائے' میں کسی کو مجبور نہیں کرتا۔''

آپ کے ہمراہیوں کی تعداد بارہ (۱۲) تھی' سب نے پُرجوش انداز میں رفاقت پر آمادگی ظاہر کی اور پھر وہ بطن نخلہ پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے لگے۔ اتفاقاً اس طرف سے ایک تجارتی قافلہ گزرا' رسم جاہلیت کے مطابق رجب کے مہینے میں قتل و خون ریزی جائز نہ تھی لیکن مسلمانوں نے قافلے پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر یک دم اس پر ٹوٹ پڑے۔ قافلے کا سرگروہ مارا گیا' عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے اور بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں سے ایک خمس نکال کر باقی بہ حصہ مساوی تمام شرکائے جنگ میں تقسیم فرمایا۔ اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی قانون وضع نہیں ہوا تھا جب آپ مالِ غنیمت کا خمس لے کر دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو آپ نے اسے لینے میں پس،

marfat.com

پیش کی۔ قریش نے شور مچا دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب نے ماہِ محرم کو حلال کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما دی:

''لوگ تم سے ماہِ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ آیا اس میں لڑنا (جائز) ہے؟ کہہ دیں کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے (باز رکھنا) اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے (بھی) بڑھ کر ہے اور فساد کشت و خون سے زیادہ بُرا ہے۔''

غزوۂ احد کا موقع آیا تو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے ذوق و شوق سے تیاری میں منہمک تھے' ان کی زوجہ محترمہ تیاری کو بڑی محبت و شوق سے دیکھ رہی تھیں اور ہاتھ بھی بٹا رہی تھیں جب تیار ہو گئے تو بیوی کی طرف متوجہ ہوئے:

''اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے جا رہا ہوں' تیاری میں کوئی کمی تو نہیں ہے؟''

''نہیں!''

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شوہر کا سر سے پاؤں تک جائزہ لینے کے بعد کہا۔

''دعا کرو کہ میں اللہ کی راہ میں کام آ جاؤں۔''

''اللہ تمہاری دلی مراد پوری کرے۔''

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر سے باہر نکل گئے۔

جنگ سے ایک دن قبل انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں بڑے درد اور محبت سے دعا کی:

''اے اللہ! مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور سریع الغضب ہو۔ میں تیری راہ میں اس سے معرکہ آرا ہوں یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے ناک کان کاٹ ڈالے جب میں تجھ سے ملوں اور تو فرمائے

''اے عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! یہ تیرے کان ناک کیوں کاٹے گئے؟''

تو میں عرض کروں

''تیرے لیے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے''

ان کو اپنی یہ تمنا اس قدر متوقع الحصول نظر آتی تھی کہ قسم کھا کھا کر کہتے تھے:

''اے اللہ! میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ میں غنیم سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے میرا مثلہ کرے گا۔''

۷ شوال ۳ ہجری بروز ہفتہ معرکۂ کارزار گرم ہوا' حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جوش و جذبے سے لڑے کہ تلوار کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی چھڑی دے دی جس نے ان کے ہاتھ میں تلوار کا کام کیا۔ دیر تک اس سے لڑتے رہے بالآخر اسی حالت میں ابوالحکم ابن اخنس ثقفی کے وار نے انہیں درجۂ شہادت پر فائز کر دیا۔ مشرکین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک کان کاٹ کر دھاگے میں پروئے اور تاریخ کے اوراق میں ''المجدع فی اللہ'' کے معزز لقب سے بہرہ ور ہوئے۔

ادھر جنگ ہو رہی تھی اور ادھر حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر میں بیٹھی سوچ رہی تھیں:

''عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سچا ہے' تیری دعا رب تعالیٰ ضرور پوری کرے گا۔''

اور پھر ان کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں' فضا میں گہری خاموشی محیط تھی اور سوچوں کی کڑیاں دُور تک پھیلتی چلی جا رہی تھیں' کان دروازے پر لگے رہتے تھے کہ ابھی دستک ہو گئی اور خبر لانے والا خبر لائے گا کہ عبداللہ شہید کر دیئے گئے اور پھر ایک دن یہ خبر مل گئی کہ ان کی دعا کس طرح حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا اور کہا،

''اے اللہ! تیرا ہر حال میں شکر یہ' تیری رضا میں میری رضا شامل ہے۔''

حضرت زینب اُم المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آنگن میں پھر بیوگی نے ڈیرے جما لیے' وقت گزرتا رہا کہ اب ظہور میں کیا آتا ہے اس وقت ان کی عمر تیس (۳۰) سال

marfat.com

تھی۔

اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں اور بندیوں پر نہایت رحم و کریم ہے۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قسمت میں ایسا اعزاز و اکرام لکھا تھا جس سے بڑا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھیجا تو کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اتنا بڑا انعام عطا فرمائے گا۔ لہٰذا کہلا بھیجا:

''میرے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود مختار ہیں۔''

چنانچہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے اکتسویں (۳۱) مہینے کی ابتدا میں ساڑھے بارہ اوقیہ حق مہر پر نکاح کر لیا اور اُم المومنین کا تاج ان کے سر اقدس پر رکھ دیا گیا۔ یہ ایسا تاج تھا جس کا کوئی نعم البدل نہیں تھا' ایک آن میں ان کے دُکھ ہوا میں تحلیل ہو گئے تھے۔ ہر سو خوشبو' رنگ' حسن' رعنائی اور نور پھیلا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ملنے سے زندگی کی ساری خوشیاں دامن سے وابستہ ہو گئی تھیں۔

اُم المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں عربیہ غیر قریشیہ زوجہ محترمہ تھیں اور اس وقت تین اُمہات المومنین موجود تھیں۔ ۳ ماہ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہنے کے بعد ہجرت کے انتالیسویں (۳۹) مہینے کی ابتدا میں ربیع الثانی ۴ ہجری کو بعمر تیس (۳۰) سال دار فنا سے دار بقا کی طرف کوچ فرما گئیں۔ آج ان کا جنازہ اپنی آخری منزل کی طرف رواں دواں تھا جو ہر لحظہ نظروں سے دُور ہوتا جا رہا تھا اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

نماز جنازہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی' لحد میں اُتارنے کے لیے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تینوں بھائی قبر میں اُترے اور ان کے جسد پاک پر منوں مٹی ڈال دی گئی۔ اس وقت یوں محسوس ہوتا تھا جیسے فضا میں ان کی آواز گردش کر رہی ہو:

''الوداع یا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم! روز حشر ملاقات ہو گی۔''

marfat.com

اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہ ہند بنت ابی اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حکمتِ نکاح

۱- بتانا مقصود تھا کہ دعا اپنا اثر رکھتی ہے۔ شوہر کی نعش کے پاس کھڑے ہو کر حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دعا پڑھی ''اے اللہ! میری مصیبت میں میرا اجر قائم فرما اور اس سے بہتر میرے لئے قائم مقام بنا''۔

اور پھر اسے اکثر پڑھتی رہتی تھیں۔ سوچا کرتی تھیں۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر کون ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جانشین بنا دیا۔

۲- بچوں والی عورت سے شادی کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روشن فرمانا تھا کہ ایسی عورت سے کس طرح حسن سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

۳- بیعت رضوان کے موقع پر علم النفس کا مسئلہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعے حل ہونا تھا اور صنف نازک کی تاریخ میں عورت کی اصابت رائے کی عظیم مثال قائم ہونا تھی

marfat.com

نصف دیں اُن کے توسط سے ملا ہے دوستو
چاندنی دین متیں ہیں اُمہات المؤمنین

marfat.com

حالاتِ زندگی

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب وحبیب، سیّد الانبیاء، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو اس وقت جزیرۃ العرب کی یہ حالت تھی کہ چاروں طرف ظلمتوں کے پہرے تھے، گناہوں کے عفریت اور ذلتوں کے اژدہا ہرسو پھنکار رہے تھے۔ نفسانفسی کے تاریک وگہرے سمندروں میں لوگ خس وخاشاک کی طرح بہتے چلے جارہے تھے، کئی خداؤں کی پرستش کی جاتی تھی، سابقہ آسمانی کتب میں انسانی خواہشات کی روشنی میں دل پسند تحریروں کی شمولیت سے تحریف کی جاچکی تھی اور جلیل القدر انبیاء حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی تعلیمات کے منافی وحدانیت کی بجائے تین خدا بنالیے گئے تھے۔

اس تاریک دورِ جاہلیت میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر جس کی خاطر رب ذوالجلال نے دنیا پیدا کی تھی، دراصل یہ سبق دینا مقصود تھا کہ دینِ حق کی سربلندی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں اور غلاموں پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ وہ نامساعد سے نامساعد حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا جھنڈا بلند رکھیں، سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ روشن کریں اور عظمتِ دین کی خاطر قربانی کی خاطر سرفروشانہ سعی جمیلہ کریں اور ہردم سرگرم عمل رہیں اور کسی نوع کی قربانی وایثار سے دریغ نہ کریں۔

اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی کفر والحاد اور شرک وباطل کے ایوانوں میں شدید زلزلہ آ گیا، یہود ونصاریٰ اور مشرکین نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام حق کے خلاف دانت تیز کرنے لگے، کوچہ وبازار اور گھروں کے اندر چہ میگوئیاں ہونے لگیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ سلیم الفطرت انسانوں کے اندر حق وصداقت کے چھوٹے چھوٹے

marfat.com

چراغ بھی روشن ہو گئے۔ اگرچہ ان کی زبانیں خاموش تھیں اور ان کے اردگرد گہرے اندھیرے پھیلے ہوئے تھے مگر ان معدودے چند نفوسِ قدسیہ کے سینوں کے اندر اس نور کی روشنی پھیلی ہوئی تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عطا کی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی در پردہ تبلیغ سے ابھی صرف دس افراد ہی مسلمان ہوئے تھے' ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم دارارقم میں تشریف فرما تھے چند ایک دوسرے محبین بھی حاضر خدمت تھے۔ یہ صداقت ومحبت کے مجسمے نہایت ادب سے بیٹھے تھے جن کی زندگی میں صرف ایک کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لینے سے عظیم انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ دورِ جاہلیت کی اردگرد پھیلی ہوئی تاریکیوں اور گھٹن میں سانس لینے کے باوجود وہ سب سے الگ تھلگ تھے' ان کی سوچیں دوسروں سے جداگانہ تھیں' وہ اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے اپنے دلوں اور نظروں کی پیاس بجھانے کے لیے بے قرار رہتے تھے کہ اسی اثناء میں عبداللہ بن عبدالاسد جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور تھے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی تھے' حاضر خدمت ہوئے۔ ان کی اہلیہ محترمہ ہند جن کی کنیت اُم سلمہ تھی' ان کے ساتھ تھیں جن کا تعلق قریش کے خاندان مخزوم سے تھا اور ان کی والدہ عاتکہ کا تعلق بنوفراس سے تھا۔ ابوسلمہ اُم سلمہ کے چچازاد بھی تھے۔ اُم سلمہ کے والد ابوامیہ مکہ کے مشہور مخیّر وفیاض تھے جب سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے اسی لیے وہ زادالراکب کے لقب سے مشہور تھے۔ اُم سلمہ نے ان ہی کے آغوشِ تربیت میں نہایت ناز ونعم سے پرورش پائی تھی جب وہ بعثت سے نو سال قبل اکتیس (۳۱) عام الفیل میں اس جہان رنگ وبو میں تشریف لائی تھیں تو شادی تک نہایت آرام وآسائش کی زندگی بسر کرتی رہیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی کو ان کی بیوی کے ساتھ دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔

"کیسے آئے ہو؟"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت آمیز تبسم سے دریافت فرمایا کیا دعوت اسلام

marfat.com

دی اور قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔

''بھائی کے ناطے سے میرا بھی حق ہے کہ اس روشنی سے استفادہ کروں جس سے دوسرے فیض یاب ہو رہے ہیں۔''

جب یہ الفاظ سماعت فرمائے تو محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس خوشی و مسرت سے تمتما اُٹھا۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر گویا ہوئے:

''ہم دونوں میاں بیوی کو اپنی غلامی میں لے کر کرم فرمائیں۔''

اور پھر وہ دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گئے' وہاں پر موجود اصحاب کی بھی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ توحید پرستوں اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد میں رفتہ رفتہ اضافہ ہو رہا تھا اور جب یہ دونوں میاں بیوی کاشانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر تشریف لے گئے تو ان کی زندگیوں کا رُخ یکسر بدل چکا تھا' وہ بھی فرطِ انبساط کے چمکیلے دریاؤں میں شناوری کر رہے تھے' ان کے وجود کے اندر سرخوشی کی لہریں اُٹھ رہی تھیں' وہ قدیم الاسلام عشاق کی صف میں شامل ہو چکے تھے' دوسروں کی موجودگی میں ان کی زبانیں خاموش رہتی تھیں لیکن جب وہ تنہا ہوتے تو اس نئے دین اللہ کے دین کے بارے میں گفتگو کرتے اور خود کو خوش نصیب لوگوں میں شمار کرتے تھے۔ وہ حتی الامکان کوشش کرتے کہ وہ کفر و شرک میں ملوث لوگوں سے دُور ہی رہیں۔

دعوت و تبلیغ کے ابتدائی تین سال گزرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ عام کا سلسلہ شروع کیا بس پھر کیا تھا اب تو کفار و مشرکین مکہ اس کو کھلا چیلنج سمجھتے تھے لہٰذا ان کے ہاتھ اور زبانیں مسلمانوں کے خلاف دراز ہو گئیں' ظلم و ستم کا ہر نیا حربہ مسلمانوں پر آزمایا جانے لگا جن کا قصور صرف اس قدر تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے تھے' احکاماتِ دینیہ پر عمل کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا اگر کوئی حرم پاک میں قرآنی آیات کی تلاوت کرتا یا نماز ادا کرنے کی کوشش کرتا تھا تو اسے ایسی سخت سزا دی جاتی کہ جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

اگرچہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ

marfat.com

تعالیٰ عنہا کا تعلق مشہور و معروف قبیلے سے تھا اور ان کے والدین کا عرب معاشرے میں بڑا اونچا مقام تھا لیکن دین بدلنے سے ان کے ناطے رشتے ٹوٹ گئے تھے لہٰذا ان دونوں میاں بیوی پر بھی سختیوں اور مصیبتوں کے دروازے کھولے گئے۔ یہی اولاد جو ان کے باپوں اور عزیز رشتہ داروں کو بہت اچھی لگتی تھی اب وہی گردن زدنی نظر آتے تھے لیکن ظلم وستم ڈھانے والوں کو اس امر کی خبر نہ تھی کہ جو ایک مرتبہ جادۂ حق پر گامزن ہو جاتا ہے پھر اس کے قدم واپس نہیں لوٹتے۔ یہی حال ان دونوں میاں اور بیوی کا تھا' وہ اہلِ قبیلہ کی تکلیف پر ایک دوسرے کا حوصلہ بھی بڑھاتے اور ظلم و زیادتی کرنے والوں کی حماقتوں پر بھی خندہ زن ہوتے تھے "مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق اسلام' داعی اسلام اور اللہ تعالیٰ سے ان کی محبت بڑھتی چلی گئی۔ وہ جانتے تھے کہ خطرہ ہمیشہ باطل محسوس کیا کرتا ہے' حق نہیں۔

نبوت کا پانچواں سال اور رجب المرجب کا مہینہ تھا' مشرکین مکہ کی سختیاں انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں' بالآخر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی کہ جو مکہ چھوڑ کر جانا چاہے' حبشہ چلا جائے کیونکہ وہاں کا بادشاہ نجاشی وسیع القلب اور انصاف پسند ہے لہٰذا گیارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا قافلہ اپنے تمام عزیز واقارب' مال و متاع اور وطن چھوڑ کر عازم حبشہ ہوا اس قافلہ کے رئیس حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اس ہجرت میں حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی بھی شامل تھیں۔

جب مشرکین مکہ کو علم ہوا کہ مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلی گئی ہے تو انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں حبشہ کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات متاثر نہ ہوں اور مسلمانوں کی باتوں میں آ کر حبشہ یہ تعلقات منقطع نہ کر دے۔ یہ ان کے دل کا اپنا چور تھا جس نے اس سوچ کو جنم دیا تھا۔

مسلمانوں کا قافلہ منزلیں طے کرتا ہوا جب ساحل سمندر پر پہنچا تو حسن اتفاق سے دو جہاز حبشہ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے' پانچ درہم فی کس کرایہ طے ہوا اور وہ بخیریت

marfat.com

ملک حبش پہنچ گئے لیکن مشرکین مکہ کا وفد جب سمندر کے کنارے پہنچا تو انہیں کوئی کشتی یا جہاز تیار نہ ملا لہٰذا اسے وہاں کئی دن انتظار کرنا پڑا۔

حبشہ پہنچنے کے بعد مسلمان وہاں امن وسکون کی زندگی بسر کرنے لگے اور اس عذاب سے بچ گئے جو معاندین اسلام انہیں دیا کرتے تھے۔

ایک دن اچانک خبر مشہور ہوگئی کہ مکہ سے مشرکین کا ایک وفد عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص پر مشتمل آیا ہے جو شاہ حبشہ سے مل کر مسلمانوں کو واپس لے جائے گا۔

ایک اضطراب کی لہر تھی جو دوڑ گئی۔ وفد کے ارکان نے تحفے تحائف بادشاہ کے درباریوں کو دیئے اور انہیں اپنا ہمنوا بنا لیا کہ وہ ان کی حمایت کریں اور بادشاہ کو آمادہ کریں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے ساتھ بھیج دے۔

وفد کے ارکان نے جھوٹ کا طومار باندھ کر بادشاہ کو قائل کرنے کی مقدور بھر کوشش کی اور کہا:

''یہاں ہجرت کر کے آنے والوں نے آبائی مذہب چھوڑ کر نیا دین اپنا لیا ہے جو سب سے مختلف ہے اور اب یہاں پناہ گزیں ہیں۔''

اور درخواست کی کہ وہ مفرورین کو وفد کے ساتھ جانے دے۔

بادشاہ انصاف پسند تھا جیسا کہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اس نے جواب دیا:

''جب تک میں تحقیقات حال نہ کرلوں' کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا اور نہ ہی پناہ گزینوں کو تمہارے حوالے کر سکتا ہوں اگر تم لوگ سچے ہوئے تو بے شک ان لوگوں کو تمہارے حوالے کر دیا جائے گا اور اگر وہ ایسے نہ ہوئے جیسا تم کہتے ہو تو پھر وہ ہماری پناہ میں آزادی سے رہیں گے۔''

نجاشی نے مسلمانوں کو بُلا بھیجا جب وہ آ گئے تو بادشاہ نے پوچھا:

''اہل مکہ کا یہ وفد کہتا ہے کہ تم نے کوئی نرالا مذہب نکالا ہے۔''

اس پر حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختصراً بتایا تو بادشاہ نے کہا:

marfat.com

''تم کو اللہ کا کچھ کلام یاد ہے؟''

''جی ہاں!''

''سناؤ!''

بادشاہ نے تمنا ظاہر کی تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھیعص (سورۂ مریم) کی چند ایک آیاتِ مبارکہ سنائیں تو درباری اسقف بمع بادشاہ کے کلام اللہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں اور پھر بادشاہ نے کہا:

''یہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں۔''

اور پھر وفد سے مخاطب ہو کر کہا:

''تم یہاں سے چلے جاؤ' یہ لوگ کسی طرح بھی تمہارے حوالے نہیں کیے جا سکتے۔''

لہٰذا سفارت ناکام لوٹ گئی۔

اب مسلمان بڑے سکھ اور چین سے رہ رہے تھے' اسی دوران میں ہند بنت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں اللہ تعالیٰ نے ایک بچہ عطا فرمایا جس کا نام سلمہ رکھا گیا۔ یہ بچہ دونوں میاں بیوی کو اتنا پیارا تھا کہ اسی کے نام سے مشہور ہوئے اور ان کا اصل نام پس پشت چلا گیا لہٰذا آج تاریخ کے اوراق میں عبداللہ ابو سلمہ اور ہند اُم سلمہ کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

حبشہ میں احکام خداوندی پر عمل پیرا ہونے میں مکمل آزادی تھی' دن پر دن گزر رہے تھے کہ ایک روز خبر ملی کہ قریش مکہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح ہوگئی ہے اور وہ سب مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ بہت بڑی خبر تھی' وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر بجا لا رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

''یہ تو بہت اچھا ہوا کہ انہیں بھی ہدایت نصیب ہوئی۔''

اس خوش آئند خبر کے ساتھ ہی مہاجرین ہجرت اولیٰ کے اندر یہ تڑپ پیدا ہوگئی کہ جتنی جلد ممکن ہو' واپس مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہو جائیں تاکہ اپنے محبوب آقا و رہنما اور ہادی صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاقی و روحانی فیوض و برکات

marfat.com

حاصل کر سکیں۔ سب لوگ واپسی کی تیاری کرنے لگے' بے چینی اس بات کی تھی کہ وہ جتنی جلد ممکن ہو' مکہ مکرمہ پہنچ جائیں تاکہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو سکیں۔

اور پھر ایک دن مہاجرین کا یہ قافلہ واپس بطرف مکہ چل پڑا' ہر شخص کا دل و دماغ مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ عزیز و اقرباء کے چہرے بھی نظروں کے سامنے اُبھرے' مکہ کے گلی کوچے بھی ذہن کے دریچوں سے اندر داخل ہوئے لیکن سب سے زیادہ شوق و اشتیاق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا تھا جو کشاں کشاں لیے جا رہا تھا۔

حق کی راہ میں شدائد و مصائب برداشت کرنے والا یہ قافلہ کافی دنوں کے صبر آزما سفر کے بعد شہر کے قریب پہنچا تو بنی کنانہ کا ایک شخص ملا۔

''سنا ہے تمام اہلِ مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے؟''

قافلے میں سے ایک صاحب نے پوچھا۔

''کس سے سنا؟''

وہ شخص بولا۔

''حبشہ میں یہ خبر عام تھی۔''

وہی صاحب پھر گویا ہوئے۔

''یہ تو اہلِ مکہ کی چال تھی' وہ ہنوز اسلام دشمنی کی روش پر قائم ہیں۔''

یہ بتانے کے بعد بنی کنانہ کا شخص تو چلا گیا اور قافلے والے سوچوں کے گرداب میں پھنس گئے اور باہمی صلاح مشورہ کرنے لگے۔

''ہمیں واپس حبشہ جانے کی بجائے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہونا چاہیے۔''

چنانچہ جب یہ فیصلہ ہو گیا تو آنے والا ہر شخص کسی نہ کسی قریشی سردار کی پناہ لے کر مکے میں داخل ہوا۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ماموں ابو طالب نے پناہ

marfat.com

دی لہٰذا وہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے آبائی شہر پہنچ کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوگئے۔

قبیلہ بنی مخزوم کے لوگوں کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ ابوطالب نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے تو قبائلی عصبیت نے انہیں مضطرب کر دیا۔ انہیں یہ بات پسند نہ آئی چنانچہ بنی مخزوم کے لوگ جمع ہو کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا:

''ہمارے آدمیوں سے آپ کا کیا واسطہ ہے؟''

''کون سے آدمی؟''

ابوطالب نے پوچھا۔

''ابوسلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور اس کی بیوی اُم سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)''

بنی مخزوم کے لوگوں نے کہا:

''ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرا بھانجا ہے اگر میں اپنے بھتیجے کو پناہ دے سکتا ہوں تو اسے کیوں نہیں دے سکتا؟''

اس موضوع پر ابوطالب اور بنی مخزوم کے لوگوں میں تکرار شروع ہوگئی اور انہوں نے ابوطالب سے جھگڑا کرنا چاہا۔ ابولہب اسلام دشمنی میں بڑا شدید تھا لیکن اچانک اس کے اندر صلہ رحمی کا جذبہ اُجاگر ہو گیا اور درمیان میں بول اُٹھا:

''اے بنی مخزوم! تم نے ابوطالب کے ساتھ بہت کچھ کر لیا اور تم اس پر برابر دباؤ ڈالتے جا رہے ہو اگر تم ان کو تنگ کرنے سے باز نہ آئے تو میں بھی ان کی حمایت پر کھڑا ہو جاؤں گا۔''

قبیلہ بنی مخزوم کے لوگوں نے جب ابولہب کے یہ تیور دیکھے تو گھبرا گئے اور بولے:

''اے ابوعتبہ! ہم تم کو ناراض نہیں کرنا چاہیے۔''

اور وہ وہاں سے چلے گئے۔

اسلام کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ مشرکین مکہ کی آتش انتقام و رقابت میں بھی

marfat.com

اضافہ ہوتا جارہا تھا جب دیکھا کہ مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا ہے تو محبوب رب دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پھر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ یہ نبوت کے چھٹے سال کے آغاز کی بات ہے' کفار و مشرکین مکہ کی اب یہ انتہائی کوشش تھی کہ مسلمان ہجرت کر کے نہ جا سکیں اس کے لیے انہوں نے طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کیں' راستوں پر پہرے بٹھا دیے لیکن ان سب کے باوجود ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتیں مکہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور حبشہ کی کھلی فضاؤں میں جا کر دَم لیا جہاں انہیں اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی مکمل آزادی تھی اس ہجرتِ ثانیہ میں بھی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شامل تھیں جنہوں نے اسلام کی خاطر دوبارہ غریب الوطنی کی زندگی اختیار کی۔

ہجرتِ اولیٰ کی نسبت ہجرتِ ثانیہ نے اہلِ مکہ پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں اسلام کے شدید ترین دشمنوں کے عزیز ترین بیٹے اور بیٹیاں شامل تھے جن سے کبھی وہ ایک لمحہ بھر جدا ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ مشرکین مکہ کے دل ودماغ کے نہاں خانوں میں یہ بات یقیناً اُبھری ہو گی:

''آخر اسلام میں وہ کون سی مقناطیسیت و جاذبیت ہے کہ انسان ماں باپ' بہن بھائی' مال و منال اور وطن تک کو چھوڑ دینے پر ذرہ برابر قلق و دُکھ محسوس نہیں کرتا۔''

مگر ابھی ان کی آنکھوں پر کفر و الحاد کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور انہیں حق کی روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔

جب اہلِ قریش نے دیکھا کہ ان کی کوئی رکاوٹ' کوئی حربہ اور کوئی تعلق و رشتہ مسلمانوں کو ہجرت سے نہیں روک سکا تو انہوں نے پھر عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو ہی بھیجا کہ وہ کسی طرح نجاشی کو قائل کریں کہ وہ مہاجرین کو واپس کر دیں۔

قریش کا وفد پھر شاہ حبشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمانوں کے بارے میں ایسی باتیں کیں کہ وہ انہیں وفد کے ساتھ بھیجنے پر تیار ہو جائے مگر نجاشی نے غصے سے کہا:

''جن لوگوں نے اپنا ملک چھوڑ کر میرے ملک پر اعتماد کیا ہے' میں ان سے بے

marfat.com

وفائی نہیں کرسکتا' بہر کیف تم لوگ کل آنا اس معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔''

دوسرے دن شاہ حبشہ نے تمام مسلمانوں کو دربار میں بُلا بھیجا' وہاں قریش کے ماہر سیاست سفیر عمر بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بھی موجود تھے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بادشاہ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

''یہ تم نے کیا کیا کہ اپنی قوم کا دین بھی چھوڑا اور میرے دین میں بھی داخل نہ ہوئے اور نہ دنیا کے ادیان میں سے کسی کو اختیار کیا' آخر تمہارا دین ہے کیا؟''

اس پر حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برجستہ جواب دیا اور بولے:

''اے بادشاہ! ہم ہر طرح کے عیوب میں ملوث تھے' اللہ نے ہم میں ایک رسول بھیجا جس کے نسب' صداقت' امانت' دیانت اور پاک دامنی کے ہم گواہ تھے اس نے ہمیں اللہ واحد کی طرف بُلایا اور ہم نے اس کی بات مان لی کہ جس کی ساری زندگی پاک دامنی کا بہترین نمونہ ہو اور کبھی جھوٹ نہ بولا ہو اس نے ہمیں ان گندگیوں اور فواحش واصنام پرستی سے روکا' نیکیوں کی تلقین کی اور صراط مستقیم دکھایا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔''

''تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام اُترا ہے اس میں سے کچھ سناؤ۔''

نجاشی نے کہا تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ مریم کی آیات سنائیں جس سے وہ بے حد متاثر ہوا۔

بقول حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' عمر بن العاص کا رویہ بڑا سخت تھا لیکن عبداللہ بن ابی ربیعہ ہمارے معاملے میں کچھ نرم تھا۔ عمر بن العاص نے شاہ حبشہ سے کہا:

''ذرا ان مہاجرین سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دریافت کریں' یہ ان کو اللہ کا بندہ قرار دیتے ہیں۔''

بادشاہ نے پوچھا تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک کلمہ اور روح ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا تھا۔''

یہ جواب سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھا کر کہا

marfat.com

''اللہ کی قسم! جو تم نے کہا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔''

اس کے بعد شاہ حبشہ نے حکم دیا:

''ان دونوں سفیروں کے تحائف واپس کر دیئے جائیں' مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے جب میرا ملک واپس دلوایا تھا تو کوئی رشوت نہ لی تھی کہ میں اللہ کے معاملے میں رشوت لوں۔''

چنانچہ اس دفعہ بھی مشرکین مکہ کو منہ کی کھانی پڑی اور وفد ناکام واپس لوٹ گیا۔

مہاجرین نے جس اعلیٰ اخلاق و کردار کا مظاہرہ اپنے قیام کے دوران کیا تھا اس نے وہاں کے عوام اور کارپردازان حکومت پر بڑے خوشگوار اثرات مرتب کیے تھے' انہیں مسلمانوں کے دین میں ایک خاص قسم کی جاذبیت وکشش نظر آئی جو ازخود لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتی تھی لہٰذا حبشہ کے عیسائیوں کا ایک وفد جو ۳۰ افراد پر مشتمل تھا' براہِ راست معلومات حاصل کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آیا۔

وفد سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حرم شریف میں ہوئی' اراکین وفد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات دریافت کیے جن کے تسلی بخش جواب دیئے گئے۔ بعدازاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم میں سے چند آیاتِ مبارکہ تلاوت فرمائیں جنہیں سُن کر وفد کے ارکان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور انہوں نے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی۔

اکابرین قریش اور دیگر مخالفین اسلام یہ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے جب محفل برخاست ہوئی تو ابوجہل اور چند ایک دوسرے افراد نے وفد کو گھیر لیا اور بولے:

''ایسا وفد ہماری نظر سے آج تک نہیں گزرا جو اپنا دین چھوڑ کر دوسرے کے دین میں داخل ہو جائے۔ کیا تمہارے ہم مذہبوں نے تمہیں اسی غرض کے لیے بھیجا تھا؟''

اس پر وفد کے سربراہ نے جواب دیا:

''ہم تمہارے ساتھ لڑائی جھگڑے کی بات نہیں کرتے' ہمیں ہمارے طریقے پر چلنے

marfat.com

دو اور تم اپنے طریقے پر چلتے رہو، ہم اپنے آپ کو جان بوجھ کر حق سے محروم نہیں رکھ سکتے۔"

اور پھر حبشہ کا وفد واپس لوٹ گیا۔

مہاجرین کا ایک گروہ تو حبشہ میں ہی مقیم رہا جس میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے لیکن ہجرت مدینہ سے پہلے ہی مختلف اوقات میں لوگ واپس مکہ آ گئے تھے جن میں حضرت ابوسلمہ اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھے۔

کفار مکہ اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب کی وجہ سے ہنوز اپنی روش پر قائم تھے اور مسلمانوں پر ظلم و استبداد کو روا رکھے ہوئے تھے۔ خاص طور پر ہجرت سے واپس آنے والوں پر تو وہ اور بھی ستم ڈھاتے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی ان کے قبیلے والوں کا سلوک بڑا ظالمانہ تھا۔

اس کے باوجود کہ مکہ میں مسلمانوں اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر طرح کا جبر و ظلم ہو رہا تھا لیکن دین متین کا پرتو اطراف مکہ کے قبائل پر پڑ چکا تھا اور وہ ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و امداد پر آمادہ تھے۔ قبیلہ دوس جو مستحکم قلعہ کا مالک تھا اس کے سردار طفیل بن عمر نے خواہش ظاہر کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہجرت کر آئیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا اور اس سلسلہ میں حکمِ الٰہی کا انتظار فرمانے لگے۔

ایک دن حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے کہ عالم رویا میں اس کا مشاہدہ کرا دیا گیا۔ خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے کھجوروں والی زمین میں ہجرت کر رہے ہیں جو یثرب کی سرزمین تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے مدینہ منورہ ہو گئی۔

حج کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجاز میں تبلیغ اسلام فرماتے تھے۔ پہلی مرتبہ ۶ حضرات مشرف بہ اسلام ہوئے جن کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ دوسرے سال اسی

marfat.com

قبیلہ کے ۱۱۲شخاص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر بیعت کی اور تیسری مرتبہ ۷۲خزرجی دامن اسلام سے وابستہ ہوئے۔ یہ بیعت آسان نہ تھی اس میں جان کی بازی لگانا تھی کہ وہ ہزاروں دشمنانِ اسلام کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اپنے اہل وعیال کی طرح کریں گے۔

انصار کی بیعت اور اذن ہجرت کے بعد ستم رسیدہ مسلمانوں کے لیے بیت الامن مدینہ کی شاہراہ کھل گئی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو مژدہ سنا دیا اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتدا کی اس کے بعد مسلمان ہر طرف سے جوق در جوق اس جائے پناہ میں آنے لگے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا واقعہ بڑا دردناک ہے۔ ہوا یوں کہ جب یہ جوڑا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار تھا' سوئے مدینہ جانے کے لیے نکلا تو اونٹ پر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوار تھیں اور ان کی گود میں بیٹا سلمہ تھا اور اونٹ کی نکیل حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھی اسی اثنا میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاندان والوں کو پتہ چلا کہ ان کی بیٹی مدینہ ہجرت کر کے جا رہی ہے تو ان کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے اور اپنے داماد کو مخاطب کر کے کہا:

''ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم جہاں جانا چاہتے ہو' بے شک جاؤ لیکن ہم اپنی لڑکی کو تمہارے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔''

''اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میری بیوی ہے' میں اسے لے کر جہاں چاہوں' جا سکتا ہوں۔''

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''یہ ہمارا فیصلہ ہے کہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمہارے ساتھ نہیں جاے گی۔''

ان کے خاندان والوں نے کہا اور اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حیران و ششدر یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا بہادر و جری شخص اگر چاہتا تو اس صورت میں تلوار نیام سے باہر کر سکتا تھا لیکن مسلمانوں کو ابھی شدید ردعمل کے اظہار کی اجازت نہیں تھی' غصے کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

''اب تم جا سکتے ہو۔''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاندان والوں نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اور اپنی لڑکی کو لے کر چلنے لگے تو انہوں نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا:

''اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! اسلام پر قائم رہنا۔''

اور پھر دینِ الٰہی کے بارے میں چند ایک نصیحتیں کیں۔

''تم مطمئن رہو ابو سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جان جا سکتی ہے مگر ایمان نہیں' قسمت نے چاہا تو پھر ملاقات ہوگی' اللہ حافظ!''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواباً کہا تو ان کا شوہر مدینہ منورہ کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

اسی اثناء میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان والے بھی آ گئے' انہوں نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاندان والوں سے مخاطب ہو کر کہا:

''جب تم نے اپنی لڑکی کو ہمارے آدمی سے چھین لیا ہے تو ہم اپنے بچے سلمہ کو کیوں اس کے پاس رہنے دیں۔''

چنانچہ انہوں نے بڑھ کر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زبردستی بچہ چھین لیا اس چھینا جھپٹی میں بچے کا ہاتھ اُتر گیا اور وہ بلبلا بلبلا کر رونے لگا مگر کسے اس کا ہوش تھا کہ ماں اور بچے پر کیا بیت رہی ہے۔ الغرض حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان والے سلمہ کو چھین کر لے گئے اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کے خاندان والے لے گئے۔ ان سے بیک وقت خاوند اور بچے کو چھین لیا گیا لیکن کیا مجال کہ پائے استقلال میں لرزش بھی آئی ہو۔ اطمینان تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی قربانیوں کو رائیگاں

marfat.com

نہیں جانے دے گا۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ظالموں نے ساری کائنات چھین لی تھی' دل و دماغ پر گہرے زخم لگائے تھے جب وہ بے قرار ہو جاتیں تو ہر شام کو گھر سے نکل کر اس مقام پر جا کر بیٹھ جاتیں جہاں انہوں نے اپنے خاوند کو اللہ حافظ کہا تھا۔ یہ وادیٔ ابطح تھی جہاں یہ سانحہ پیش آیا تھا۔ بے اختیار موٹے موٹے آنسو آنکھوں سے نکل کر ان کے رخساروں پر سے ہوتے ہوئے زمین میں جذب ہونے لگتے' آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم جاتا جب وہ اپنے خاوند سے زبردستی جدا کر دی گئی تھیں۔ بارگاہِ رب العالمین میں رو رو کر دعا کرتیں اور واپس گھر لوٹ آتی تھیں' یہ ان کا روز کا معمول تھا۔

ایک دن حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی رہ رہی تھیں کہ ان کا ایک قریبی رشتہ دار جو بنی مغیرہ کا ایک فرد تھا' وہاں سے گزرا اس نے جب حضرت اُم سلمہ بنت ابی اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حالتِ زار دیکھی تو اسے رحم آ گیا اور دل پسیج گیا اس نے بنی مغیرہ سے جا کر کہا:

''تم نے کیوں اس بے چاری مسکین عورت کو روک کر اسے دوگونہ فراق کے عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے' آخر وہ تمہارے خاندان کی ہے' کیوں اس پر ظلم کرتے ہو؟''

الغرض بنی مغیرہ نے اپنے آدمی کی سفارش پر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ اس پر بنی عبدالاسد نے بھی ان کا بیٹا سلمہ ان کے حوالے کر دیا اس وقت ماں کی ممتا کا نظارہ قابلِ دید تھا' وہ سلمہ کو چومتی اور چاٹتی تھیں اور اس طرح ساتھ چمٹا رکھا تھا کہ پھر نہ کوئی اسے چھین لے۔

وہ بچے کو لے کر اونٹ پر سوار ہوئیں اور مدینہ منورہ کا رُخ کیا' کوئی مرد ساتھ نہیں تھا' ان دنوں شرفاء کی عورتیں اس طرح تنہا سفر نہیں کرتی تھیں۔ راستے میں بنی عبدالدار کے ایک شخص عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ کی نظر ان پر پڑی اگرچہ اس وقت مشرک تھے لیکن نہایت رحم دل تھے جب ایک عورت اور بچے کو تنہا جاتے دیکھا تو بولا:

''اے ابی اُمیہ کی بیٹی! کدھر جا رہی ہو؟''

marfat.com

''مدینے جا رہی ہوں۔''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا۔

''تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے؟''

اس نے پوچھا۔

''اللہ تعالیٰ اور اس بچے کے سوا میرے ساتھ کوئی نہیں۔''

جب عثمان بن طلحہ نے یہ جواب سنا تو کہا:

''یہ نہیں ہو سکتا' تم تنہا کبھی نہیں جا سکتیں۔''

اور پھر اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور مدینہ کی طرف چل پڑا۔ راستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُتر پڑتیں' روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر ہٹ جاتا اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہتا:

''سوار ہو جائیں''

حضرت اُم سلمہ بنت ابی اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ الغرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ منورہ لایا جب قبا میں بنی عوف کی بستی پر نظر پڑی تو بولا:

یہ نخلستان مدینہ کا ہے۔

''اب آپ اپنے شوہر کے پاس مدینہ چلی جائیں' وہ یہیں مقیم ہیں۔''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے لیے دعا بھی کی۔

چنانچہ وہ ادھر چل پڑیں اور عثمان بن طلحہ پیدل ہی واپس مکہ لوٹ گیا۔ یہ ۱۲ سال نبوت کے آخری ایام یا ۱۳ سال نبوت کے ابتدائی ایام کا واقعہ ہے۔

عثمان بن طلحہ کا شمار مکہ کے سرداروں میں ہوتا تھا' مسلمانوں کا سخت دشمن تھا' اسلام لانے والوں کو ستانے اور اذیت دینے میں اسے خاص لذت و راحت ملتی تھی۔

marfat.com

چنانچہ جب ان کا چچازاد بھائی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوا تو انہیں سخت ترین اذیتیں پہنچانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ اسی دشمن دین کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ منورہ پہنچانے پر مامور فرمایا جو آنے والے وقت میں اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل ہونے والی تھیں اور یہ اسی خدمت کا صلہ تھا کہ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال دریافت کرتے تھے اور پوچھتے:

''آپ کون ہیں؟''

''اُم سلمہ بنت ابی اُمیہ''

جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جواب مرحمت فرماتیں تو لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا' وہ تو تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اس طرح تن تنہا شرفاء کی عورتیں باہر نکلنے کی جرأت و ہمت کر سکتی ہیں۔ مجبوراً آپ کو خاموش ہونا پڑا لیکن جب کچھ لوگ حج کی غرض سے مکہ مکرمہ گئے تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے گھر خط بھجوایا تو اس وقت انہیں یقین آیا کہ وہ واقعی ابو اُمیہ کی بیٹی ہیں کیونکہ وہ نہایت معزز اور مشہور شخص تھے اس لیے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔

آخر کار ہجر و فراق' تکالیف و شدائد اور مصائب و ابتلا کے تلاطم خیز سمندر عبور کر کے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ منورہ پہنچیں جہاں فدایانِ اسلام اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالے امن و سکھ کے ساتھ زندگی کے لیل و نہار گزار رہے تھے اس عظیم خاتون نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا پتہ پوچھا اور پھر وہاں پہنچیں۔ دونوں نے جب ایک دوسرے کو دیکھا تو حیرت و محبت کے طوفان اُمڈ آئے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا تھا اور انہوں نے بیٹے سلمہ کو پکڑ کر

marfat.com

سینہ سے لگا لیا اور جب اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر نامدار کو اپنی غم ناک داستان سنائی تو حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل دُکھوں سے معمور ہو گیا دونوں میاں بیوی نے اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا جس نے بچھڑے ہوؤں کو اپنے فضل و کرم سے پھر ملا دیا تھا۔

مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کیے کئی ماہ گزر چکے تھے اور مدینہ منورہ میں ان کے قیام کا بندوبست بھی ان کے منشاء کے مطابق ہو گیا تھا لیکن پھر بھی انہیں اپنے مال و منال اور اہل و عیال کی فکر دامن گیر رہتی تھی اس کے ساتھ ہی وہ قریش کے مظالم بھی نہیں بھولے تھے' وہ کبھی کبھی اپنے دل سے سوال کیا کرتے تھے:

''ہمیں قریش کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟''

مسلمانوں نے مدینہ میں چھ مہینے کے قیام کے بعد ہی فوجی دستے مرتب کر لیے تھے اور ان دستوں کی ترتیب و تشکیل کا یہ مقصد تھا کہ قریش متوجہ ہوں اور مسلمانوں سے مصالحت و مفاہمت کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کریں تاکہ دشمنی اور تلخی کا سرے سے وجود ہی نہ رہے۔ ایک طرف مسلمان اپنے دینی معاملات میں آزاد ہو جائیں اور دوسری طرف قریش کی راہ تجارت بھی محفوظ ہو جائے اس دور میں مکہ اور طائف کے مابین تجارت زوروں پر تھی' جنوبی علاقے سے مکہ میں بہت سامانِ تجارت آتا تھا۔ بعض قافلوں میں دو دو ہزار اونٹ ہوتے تھے اور ان کی مالی حیثیت پچاس ہزار دینار سے زیادہ ہوتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب قبائل سے جو معاہدہ کرتے تھے' ان سے اہل مدینہ کے حوصلے بلند ہوتے تھے اور اہل مکہ کا اپنی تجارت کے معرض خطر میں پڑنے کا احساس بڑھتا جاتا تھا۔

اہل مدینہ اہل مکہ کی طرح صحرانشین نہ تھے اور نہ ان کی معاش کا دارومدار لوٹ مار پر تھا۔ ان میں اکثر و بیشتر لوگ زراعت پیشہ تھے اور آرام و سکون کی زندگی کو جنگ و جدل پر ترجیح دیتے تھے' کبھی کوئی مجبوری پیش آ جاتی تو جنگ و جدل میں حصہ لیتے تھے۔

marfat.com

بہر حال مہاجرین کو یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ اپنا مال و متاع جو مکہ میں چھوڑ آئے تھے، قریش سے واپس لیں لیکن اس کے لیے انہیں کوئی بے چینی نہ تھی۔ غزوۂ بدر کے بعد اس غرض سے انہوں نے کوئی قدم نہیں اُٹھایا تھا اور فوجی دستے بھیجنے سے ان کا مقصد اموال قریش پر قبضہ کرنا نہ تھا۔

دوسرے سال ہجری کے اوّاخر میں قریش کا اک قافلہ تجارت ابوسفیان کی سرکردگی میں عازم شام ہوا۔ یہ وہی قافلہ تھا جس کی تلاش میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشیرہ تک تشریف لے گئے تھے لیکن اس کی روانگی دو روز پیشتر عمل میں آ چکی تھی۔ ابوسفیان کو شام کی طرف سفر کرتے ہوئے یہ علم ہو چکا تھا کہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم قافلہ قریش کی تلاش میں نکلے تھے، واپسی میں بھی اسے مسلمانوں کی طرف سے حملے کا اندیشہ تھا اس خیال سے اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ بھیجا اور اس کے ذریعے قریش کو یہ پیغام دیا کہ فوراً مدد کے لیے لوگ بھیجو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ رمضان المبارک ۲ ہجری کو مدینہ سے قصد سفر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجاہدین کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ ابوسفیان نے قافلے کا رُخ ساحل بحر کی طرف کر لیا اور قافلے کو بچا کر لے گئے مگر قافلے کی مدد کو آنے والے باہمی مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ فیصلہ یہی ہوا کہ اب لڑے بغیر واپس نہیں جانا چاہیے لہٰذا انہوں نے بدر کا رُخ کیا۔

حق و باطل کا یہ اوّلین معرکہ تھا جو میدانِ بدر میں مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان لڑا گیا۔ حضرت ابوسلمہ بن الاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی تھے، بڑے شہزور، شجاع اور بہادر تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ہر وقت سرشار رہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے غزوۂ بدر میں ایسی بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا کہ دشمن بھی عش عش کر اُٹھے۔

غزوۂ احد تیسرے سال ہجرت میں واقع ہوا جو ماہِ شوال کی گیارہ یا سات راتیں گزرنے کے بعد ہوا۔ یہ بھی منقول ہے کہ ہجرت کے ۳۱ ویں مہینہ کے شروع میں واقعہ

marfat.com

ہوا' صفیں درست کی گئیں۔ میسرہ پر حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' دشمنوں کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حبشی نے ایک تیر مارا جو حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بازو پر آ کر لگا' آپ ایک ماہ تک اس کا علاج کرتے رہے آخر کار وہ زخم اچھا ہو گیا۔

ایک دن حضرت اُم سلمہ بنت ابی اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر گھر میں بیٹھے تھے' تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ اپنے خاوند سے مخاطب ہوئیں اور کہا:

''ابوسلمہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنا ہے کہ جس خاتون کا شوہر مر جائے اور شوہر جنتی ہو اور اس کی بیوی بھی جنتی ہو اور بیوی نے اس کے بعد نکاح نہ کیا ہو تو یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ دونوں کو جنت میں جمع فرما دے گا اسی طرح اگر بیوی مر جائے اور شوہر رہ جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔''

''مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبت آمیز نظروں سے بیوی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ ہم عہد کر لیں۔''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محبت بھرے جذباتی لہجے میں کہا۔

''کیسا عہد؟''

شوہر نے دریافت کیا تو وہ بولیں:

''یہی کہ تم میرے بعد نکاح نہ کرو اور نہ میں تمہارے بعد نکاح کروں۔''

سنا تو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''کیا تم میری بات مانتی ہو؟''

''میں نے آپ سے اسی نیت سے مشورہ کیا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطاعت کروں۔''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بصد شوق کہا۔

marfat.com

''اچھا یہ بات ہے تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر میں فوت ہو جاؤں تو تم نکاح کر لینا۔''

اس نصیحت کے بعد حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے عجز و انکساری کے لیے اپنا سر بارگاہِ صمدیت میں جھکا دیا اور الحاح و زاری سے دعا کی:

''اے بارالٰہ! اے خالق کون مکاں! اے میرے اللہ! میرے بعد اُم سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو مجھ سے بہتر شوہر نصیب فرمانا جو انہیں رنج و ایذا نہ پہنچائے۔''

محرم کے چاند پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ۳۵ ویں مہینے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد المخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سریہ بطرف قطن ہوا جو نواح فید میں ایک پہاڑ ہے' وہاں بنی اسد بن خزیمہ کا چشمہ آب تھا اس سریہ کو سریہ قطن بھی کہتے ہیں اور سریہ ابوسلمہ بن عبدالاسد المخزومی بھی۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تھی کہ خویلد کے بیٹے طلحہ و سلمہ مع اپنے پیروؤں کے اپنی قوم میں جا کر اسے محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر اُبھارتے ہیں اور ممکن ہے کہ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں آ کر لوٹ مار کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ لشکر جمع کر کے مدینہ کی طرف چل دیا تھا لیکن راستہ میں پشیمان ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رضاعی اور پھوپھی زاد بھائی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلایا اور فرمایا:

''قبل اس کے کہ وہ واقف ہوں' تم لشکر لے کر ان کے سر پر پہنچ جاؤ اور ان ہی کی زمین پر انہیں تاخت و تاراج کر دو۔''

بعد ازاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے جھنڈا مقرر کیا اور ڈیڑھ سو مہاجرین و انصار ساتھ کر دیئے۔ ان میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت اسید بن حضیر اور حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی شامل تھے۔

یہ سریہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں روانہ ہوا۔ انہوں نے اپنی رفتار معمول سے بہت تیز کر دی اور عام راستے سے ہٹ کر اخبار سے گزر کر قطن کی طرف بڑھے۔ ایک عجیب جذبہ و ولولہ سینوں کے اندر موجزن تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جلد سے جلد مقام مقصود پر پہنچنا چاہتے تھے تاکہ حکم کی تعمیل

marfat.com

میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔

قطن پہنچتے ہی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ لوگوں پر حملہ کر دیا اور جو کچھ پایا' سب کو تاراج کیا اور تین افراد کو گرفتار کر کے قید کر لیا' باقی لوگ بھاگ کر اپنی قوم سے مل گئے اور کہا:

''مسلمانوں نے حملہ کر دیا ہے اور وہ ڈیڑھ سو کے قریب ہیں''

جب اہل قطن نے سنا تو پریشان ہو گئے' سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ مسلمان اتنی تیزی کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوں گے لہٰذا وہ جہاں جہاں تھے' وہاں سے نکل بھاگے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کے گھروں میں داخل ہو کر انہیں غارت کیا اور غنائم کو قبضہ میں لے لیا' کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور یہ مدینہ واپس آ گئے۔ پانچواں حصہ نکال کر تقسیم کر لیا' ہر ایک کو سات اونٹ اور چند بکریاں ملیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ بنو اسد حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل آئے اور صف بندی کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مشرک کو قتل کر کے لشکر اسلام میں نعرہ لگایا جس کا مطلب تھا:

''حملہ کر دو۔''

پھر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام لشکر اسلام یکبارگی حملہ آور ہوئے اور لشکر کفار شکست کھا کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور یہ صحیح و سلامت مال غنیمت کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ یہ سریہ دس دن پر محیط تھا۔

وہ تیر جو غزوۂ احد میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بازو میں لگا تھا' وہ زہر آلود تھا۔ ایک ماہ کے علاج معالجہ کے بعد اگرچہ وہ زخم مندمل ہو گیا تھا مگر زہر جسم میں سرایت کر چکا تھا اور جمادی الثانی ۴ ہجری میں وہ زخم پھر ہرا ہو گیا اور آپ صاحب فراش ہو گئے اور پھر ۳ جمادی الثانی ۴ ہجری میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر غم کا کوہ گراں گر پڑا' چھوٹے چھوٹے بچے تھے اب اپنے شوہر اور قبیلے سے دور یکہ و تنہا رہ گئی تھیں' بے ساختہ ان کے دہن مبارک سے نکلا

marfat.com

''غربت میں کیسی موت آتی ہے۔''

لیکن زبان پر صبر و شکر تھا پھر معاً انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان یاد آیا جو انہوں نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن رکھا تھا کہ جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ یہ دعا مانگے:

اللھم اجرنی فی مصیبتی و اخلف لی خیرا منا.

یعنی اے اللہ! میری مصیبت میں میرا اجر قائم فرما اور اس سے بہتر میرے لیے قائم مقام بنا۔''

چنانچہ وہ اپنے شوہر کی نعش کے پاس تشریف لے گئیں اور متذکرہ دعا پڑھی۔ نیز انہوں نے یہ بھی سُن رکھا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو میت کے سرہانے موجود ہو' وہ اچھی دعا مانگے اس لیے کہ اس وقت میں جو بھی دعا مانگی جاتی ہے' فرشتے آمین کہتے ہیں۔''

شوہر کی وفات کے بعد حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے وفات پائی' ان کے فراق میں میں کیا کہوں؟''

فرمایا' یہ کہو:

''اللھم اغفرلی ولہ واعقبتی عقبتہ جنتہ''

یعنی اے اللہ! انہیں اور مجھے بخش دے اور میری عاقبت کو اچھی عاقبت بنا۔

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے' ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے دست مبارک سے بند کیا اور فرمایا:

''جب روح قبض کر لی جاتی ہے تو اس کے ساتھ بصارت بھی ختم ہو جاتی ہے اس لیے کھلی رہ جانے والی آنکھوں کو بند کر دیا کرو۔''

marfat.com

حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ جنازہ بڑے اہتمام سے پڑھی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے نو تکبیریں پڑھی ہیں۔''

''یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

جب حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ ہوئیں تو اس وقت عمر تیس (۳۰) سال سے زیادہ نہ تھی۔ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ دعا کا ورد شروع کر دیا جو میں نے اپنے خاوند کی نعش کے قریب کھڑے ہو کر پڑھی تھی اور جب میں یہ کہتی:

''میرے لیے اس سے بہتر قائم مقام بنا''

تو دل میں کہتی تھی:

''ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر مسلمان کون ہوگا؟''

اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کے مالک تھے، حسن معاشرت کی وجہ سے اپنی رفیقہ حیات حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نظر میں مثالی شوہر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں میاں بیوی کے درمیان ہم آہنگی و یک رنگی کے جذبات و احساسات مثالی حیثیت رکھتے تھے۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حمل سے تھیں۔ وضع حمل کے بعد جب عدت گزر گئی تو سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے قبول نہ کیا۔ ان کے بعد سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی کے لیے کہلا بھیجا مگر اس مرتبہ بھی شادی سے انکار کر دیا۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چار بچے تھے۔ ان کی تفصیل یہ ہے

marfat.com

حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ میں تولد ہوئے' ہجرتِ مدینہ کے وقت ان کے والد کے خاندان والے زبردستی چھین کر لے گئے تھے اور چھینا جھپٹی میں ان کا ہاتھ اُتر گیا تھا جب شادی کے قابل ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی اپنے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کر دی تھی۔ انہوں نے عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں وفات پائی تھی۔

حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں فارس اور بحرین کے گورنر تھے۔ حضرت سعید بن میسب' حضرت عروہ بن زبیر اور حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سے احادیث کی روایت کی ہے۔ ان کا انتقال ۸۴ ہجری میں ہوا تھا۔

تیسری لڑکی تھی جس کا نام حضرت درہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا' ان کا ذکر صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اُم المومنین حضرت سیّدہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت کیا تھا:

''کیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے شادی کرنے والے تھے؟''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''وہ میری ربیبہ (بیوی کے پہلے شوہر کی بیٹی) نہ بھی ہوتی تو بھی وہ میرے لیے حلال نہ تھی کیونکہ اس کے باپ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ثویبہ کا دودھ پیا تھا اس طرح وہ میرے رضاعی بھائی تھے۔

چوتھی بچی کا نام برہ تھا' یہ اپنے باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی تھی لیکن جب حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا تو وہ اپنی ماں کا دودھ پیتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر زینب رکھ دیا تھا' یہ اپنے زمانے میں سب عورتوں سے زیادہ فقیہہ تھیں۔ ان کا اپنا بیان ہے:

''میں چھوٹی سی تھی' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرما رہے تھے' میں ان کے قریب پہنچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار سے میرے منہ پر پانی کے چھینٹے پھینکے جس کی برکت سے میرے چہرے کی تازگی وشادابی آخر عمر تک قائم رہی۔''

marfat.com

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوگی و بے چارگی کی زندگی بسر کر رہی تھیں' چار چھوٹے چھوٹے بچے تھے' خاندان والوں میں سے بھی کوئی رشتہ دار وہاں موجود نہ تھا' ذریعہ معاش بھی کوئی نہ تھا' عسرت و تنگی سے زندگی کے دن بسر ہو رہے تھے لیکن اس امر کی خبر نہ تھی کہ ان کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا جو انہوں نے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں مانگی تھی کہ اے اللہ! ان کو مجھ سے بہتر شوہر عطا فرما جو ان کو ایذا نہ دے قبول ہو چکی تھی۔

زندگی کے دن اسی طرح گزر رہے تھے کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام نکاح دیا' سنا تو بولیں:

''مجھے چند عذر ہیں''

''وہ کیا؟''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا:

''اوّل میں سخت غیور عورت ہوں' ثانیاً صاحب عیال ہوں' ثالثاً میرا سن زیادہ ہے' رابعاً میرے وارث بھی یہاں موجود نہیں۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں جا کر بیان کر دیا تو انہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہلا بھیجا:

''تمہارا یہ قول کہ تم ایک غیور عورت ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ تمہاری اس غیرت کا مداوا خود فرمائے گا اور یہ کہنا کہ تم ایک عمر رسیدہ ہو تو اس کی بھی کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں تم سے بڑا ہوں اور کسی عورت کا اپنے سے بڑے مرد کے ساتھ نکاح کوئی معیوب بات نہیں ہے اور یہ جو تم نے اپنے یتیم بچوں کا ذکر کیا ہے تو ان کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ رہے تمہارے وارث تو ان میں سے کوئی بھی خواہ حاضر ہو یا غائب' تمہارے اس نکاح پر اعتراض نہیں کرے گا۔''

جب یہ پیغام ملا تو بولیں:

marfat.com

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سر آنکھوں پر''

اور اپنی رضامندی ظاہر کر دی اب انہیں کوئی عذر نہ تھا لہٰذا انہوں نے اپنے لختِ جگر عمر بن ابوسلمہ سے کہا:

''اُٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کرو۔''

یہ تقریب شوال ۴ ہجری کی اخیر تاریخوں میں انجام پائی۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب اُم المومنین تھیں' حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سے جو شدید صدمہ ہوا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کو ابدی مسرت سے تبدیل کر دیا تھا۔ سنن ابن ماجہ میں اس کی تفصیل یوں ہے:

''جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جس کو وہ مجھ سے بیان کیا کرتے تھے اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ اے اللہ! مجھے ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر جانشین دے تو دل کہتا تھا کہ ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے دعا کو پڑھنا شروع کیا تو ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔''

نکاح کے بعد رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نوبیاہتا زوجہ محترمہ سے فرمایا:

''دیکھو میں تمہیں اس جہیز سے کم نہیں دوں گا جو جہیز دوسری بیویوں کو دیا تھا۔''

اور وہ جہیز دو چکیوں' ایک گھڑا اور چمڑے کے تکیہ پر مشتمل تھا جس میں خرما کی چھال بھری ہوئی تھی اور ان کا مہر ایسا سامان تھا جس کی قیمت دس درہم تھی۔

شادی کے بعد اُم المومنین سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس حجرے میں منتقل ہوگئیں جہاں اُم المومنین حضرت سیّدہ زینب اُم المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا رہا کرتی تھیں اور ان کے انتقال کو تقریباً چھ ماہ ہو چکے تھے۔

جب سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس حجرہ میں داخل ہوئیں تو ایک چھوٹا سا گھڑا دیکھا جس میں تھوڑے سے جو تھے اور ایک پتھر کی ہانڈی اور ایک چکی دیکھی۔ تھوڑے سے جو چکی میں ڈال کر آٹا پیسا اور میدہ تیار کیا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو

marfat.com

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ کا یہ کھانا تھا۔

جب حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دُلہن بن کر تشریف لائیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی کو دودھ پلایا کرتی تھیں۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کہ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رضاعی بھائی تھے' محسوس کیا کہ سرخ و بھوری زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے مانع ہے تو اپنی بہن کے پاس آئے اور کہا:

''بچی مجھے دے دو۔''

''کیوں؟''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا۔

''اس نے آپ کو مشغول کر رکھا ہے؟''

وہ سمجھ گئیں کہ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رکاوٹ کا امکان ہے۔ چنانچہ چھوٹی زینب کو اپنے بھائی کے حوالے کر دیا جنہوں نے اس کے لیے قبا میں دودھ پلانے کے لیے ایک دائی مقرر کر دی اور جب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دریافت فرمایا:

''زینب کہاں ہے؟''

''عمار بن یاسر لے گئے ہیں اور قبا میں اس کے لیے ایک دائی مقرر کر دی ہے۔''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔ سماعت فرمایا تو ارشاد فرمایا:

''کل سے میں باریاں بانٹ دوں گا' تم شوہر کی نگاہ میں ذلیل نہیں ہو اگر چاہو تو میں تمہارے پاس ایک ہفتہ ٹھہر جاؤں لیکن پھر مجھے ہر ایک بیوی کے پاس ایک ایک ہفتہ ٹھہرنا ہوگا اور اگر چاہو تو تمہارے پاس تین دن ٹھہروں پھر ہر ایک کے پاس باری باری جاؤں۔''

یہ سُن کر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''تین دن ہی ٹھیک ہیں۔''

marfat.com

اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی خوب صورت تھیں' بال گھنے تھے' ازواجِ مطہرات میں اس کے چرچے بھی تھے۔ چنانچہ شادی کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاص طور پر انہیں دیکھنے گئیں جب دیکھا تو وہ اس تعریف سے زیادہ نکلیں جتنی انہوں نے سُن رکھی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس کا تذکرہ اُم المومنین حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کیا تو انہوں نے کہا:

''ہرگز نہیں بلکہ یہ سب تمہاری غیرت کا نفسیاتی تاثر ہے۔''

اس کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود انہیں دیکھنے کے لیے گئیں اور جب واپس آئیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا:

''بے شک وہ حسین وجمیل ہیں مگر اس قدر نہیں جتنی کہ تم کہتی ہو۔''

اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دوبارہ جا کر ان کو دیکھا تو واقعی وہ ایسی تھیں جیسی کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا تھا۔

سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر وقت ثواب کی متلاشی رہتی تھیں' ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھی اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا مجھے ان بچوں کی پرورش کا کچھ ثواب ملے گا؟''

''ہاں!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''شادی کے بعد ایک دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں نے نجاشی کو چند اوقیہ مشک اور چند جوڑے ہدیہ میں بھیجے ہیں' میرا خیال ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں اگر یہ ہدیہ واپس آ جائے تو تمام جوڑے تمہیں دے دوں گا۔''

نجاشی واقعی فوت ہو چکا تھا' ہدیہ واپس آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک زوجہ کو ایک ایک اوقیہ مشک دی اور باقی بمعہ سارے جوڑوں کے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ

marfat.com

تعالیٰ عنہا کو دیا۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی زیادہ تر گذر اوقات دودھ دینے والی اونٹنیوں کے دودھ پر تھی جو غابہ کی چراگاہ میں چرا کرتی تھیں۔ ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ اطہر میں تقسیم فرما دیا تھا۔ حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حصے میں جو اونٹنی آئی تھی اس کا نام عریس تھا اور جتنا دودھ چاہتیں لے سکتی تھیں لیکن یہ سب چیزیں ان کی نگاہ میں کوئی حقیقت نہ رکھتی تھیں۔ اصل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وقرب ومعیت تھی یہی سب سے بڑے اطمینان اور سکون کا باعث چیز تھی جو انہیں میسر تھی لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وفرماں برداری اور حصولِ رضا کو اپنا مطمع حیات بنا رکھا تھا اور اس کے لیے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتی تھیں۔

اور اس کا بین ثبوت اس وقت مل گیا جب سورۂ احزاب نازل ہوئی جس میں تھا:

''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنی بیویوں سے کہو اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دارِ آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں' اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرداً فرداً اپنی ہر زوجہ محترمہ کو اس آیتِ مبارکہ میں بیان کردہ حکم سے آگاہ کیا تو سب نے فرداً فرداً جو جواب دیا' وہ یہ تھا:

''میں تو اللہ تعالیٰ' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دارِ آخرت کو چاہتی ہوں۔''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنے محبوب آقا وشوہر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ورضا کو اپنی زندگی کا مقصدِ وحید بنا رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آتے ہی ان کے لیے کھانا تیار کر کے خدمتِ عالیہ میں پیش کیا۔

حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور غلام ہیں' دراصل وہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے' ان کو آزاد کیا تو یہ شرط کی

''جب تک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کارگاہ عالم میں موجود ہیں' تم پر ان کی

خدمت لازمی ہوگی۔''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ تھا۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا تو اس کو فوراً توڑ دیا کیونکہ محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا سے زیادہ حسین اور خوب صورت چیز دنیا جہان میں نہیں ہے۔

رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بے حد محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو سوائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرض کرنا تھا تو انہوں نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنا سفیر بنا کر بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں بھیجا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ باہمی قرب و لگاؤ کی وجہ سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو گروہ تھے۔ ایک میں حضرت عائشہ' حضرت حفصہ' حضرت صفیہ اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن شامل تھیں اور دوسرے میں حضرت اُم سلمہ اور باقی ازواج تھیں۔ چونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زیادہ محبوب رکھتے تھے اس لیے لوگ ان ہی کی باری میں ہدایہ و تحائف بھیجتے تھے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جماعت نے ان سے کہا:

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کے خواہاں ہیں اس بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے مکان میں بھی ہوں' لوگوں کو ہدیہ بھیجنا چاہیے۔''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اعراض فرمایا پھر تیسری مرتبہ ارشاد فرمایا:

''اُم سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)' عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بارے میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں میرے

marfat.com

پاس وحی آئی ہو۔"

جب حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنا تو بڑے ہجاجت آمیز لہجے میں عرض کیا:

"میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں۔"

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ہر زوجہ محترمہ کے ساتھ برتاؤ نہایت محبت آمیز' مشفقانہ اور بے مثال تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں شب باش ہوتے تو ان کا بچھونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانماز کے سامنے بچھتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے اور یہ سامنے ہوتی تھیں۔

ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ خندق واقع ہوا اس کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ خندق اس بناء پر کہا جاتا ہے کہ اس غزوہ میں مدینہ طیبہ کے گرد خندقیں کھودی گئیں تھیں اور غزوۂ احزاب اس بناء پر کہا جاتا ہے کہ قریش کے ساتھ دشمنی کی بناء پر یہود کے متعدد قبائل اور ان کے گروہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ وقتال میں مجتمع ہوئے تھے اور سب متفق ہو کر آئے تھے اس غزوہ میں اگرچہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شریک نہ تھیں تاہم اس قدر قریب تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو مبارک اچھی طرح سنتی تھیں۔ فرماتی ہیں:

"مجھے وہ وقت خوب یاد ہے کہ جب رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر دیتے اور وہ اشعار پڑھ رہے تھے جن کا مطلب ہے:

ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ ہیں' ہمیشہ قائم رہیں گے"۔

صحیح بخاری شریف کے مطابق جو اشعار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھے' ان کا ترجمہ یہ ہے:

"اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے' نہ ہم تصدیق کرتے اور نہ نماز

marfat.com

پڑھتے‘ تو ہم پر سکینہ نازل فرما اور دشمنوں سے جنگ کرتے وقت قوموں کو برقرار رکھ۔ بے شک پہلے گروہ نے ہم پر چڑھائی کی اگر وہ فتنہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔“

اسی اثناء میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی تو ارشاد فرمایا:

”ابن سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔“

غزوۂ خندق کے بعد جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے‘ سر وتن مبارک گرد آلود تھا‘ ہتھیار اُتار کر غسل فرمایا کہ اسی اثناء میں گھر کے باہر سے کسی نے سلام عرض کیا۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لے گئے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی دروازے پر تشریف لے گئیں‘ باہر وحیہ کلبی کھڑے تھے جن کے چہرے اور سامنے کے دانتوں پر غبار جما ہوا تھا اور سفید اونٹ پر سوار تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو عرض کی:

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہتھیار اُتار دیئے ہیں مگر ہم نے ابھی تک نہیں اُتارے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ بنو قریظہ کی طرف چلیں۔ اللہ کی قسم میں جا کر ان کے قلعوں میں تہلکہ ڈالتا ہوں اور ان کو پامال کرتا ہوں اور ان میں زلزلہ ڈالتا ہوں جس طرح مرغی کے انڈے کو پتھر پر مارتے ہیں۔“

یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو فرمایا:

”یہ جبرائیل علیہ السلام تھے اور انہوں نے مجھے حکم رب پہنچایا ہے کہ میں فوراً بنو قریظہ کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔“

چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا مدینہ میں اعلان کر دیں اور کہہ دیں:

”اے اللہ کے شہسوارو! سوار ہو جاؤ اور ان کو بتا دو کہ جو اللہ کے حکم کا فرماں بردار اور ماننے والا ہے‘ اسے چاہیے کہ نمازِ عصر بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے۔“

حضرت علی رضی الہ تعالیٰ عنہ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر فرمایا اور ان کے ہاتھ میں علم

marfat.com

دیا۔ حضرت ابن اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں خلیفہ بنایا اور اپنے گھوڑے پر جس کا نام لحیف تھا' سوار ہوئے۔ دو گھوڑے کوتل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو تیار کر کے تشریف لے چلے' داہنے ہاتھ پر حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بائیں جانب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور آگے آگے مہاجرین وانصار کے اکابر حضرات تھے' یہ سب تین ہزار کا لشکر تھا۔

راستے میں بنی نجار کو ملاحظہ فرمایا کہ سوار ہو کر انتظار میں کھڑے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

''تم سے یہ کس نے کہا ہے کہ ہتھیار پہن کر انتظار میں کھڑے رہنا؟''

انہوں نے عرض کی:

''حضرت دحیہ کلبی نے کہا تھا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''وہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو پہلے روانہ ہوئے ہیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی بستی میں شام اور سونے کے وقت کے درمیان پہنچے۔ بقول ابن اسحٰق محاصرہ ۲۵ روز تک جاری رہا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن سے رات تک ان پر تیر برساتے تھے' ان ایام میں کھانا کھجوروں کا ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ کتنا اچھا کھانا ہے۔''

جب محاصرہ نے طول کھینچا تو حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب وخوف ڈالا اور وہ کہنے لگے:

''ہم بنی نضیر کی مانند جلا وطنی اختیار کرتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیجیے تاکہ ہم اپنے بال بچوں سمیت نکل جائیں ا پھر ہمارے اونٹ سامان اور ہتھیار اٹھا سکیں' لے جائیں۔''

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ فرمایا پھر وہ کہنے لگے ہمیں اجازت

marfat.com

دیں کہ اپنے بیوی بچوں کا ہاتھ پکڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم سب میرے حضور حاضر ہو جاؤ۔''

اس پر وہ سب حیران ہو کر رہ گئے۔

حضرت ابوالبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر راوسی رضی اللہ عنہ بنوقریظہ کے دوست اور حلیف تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرمایا اور کہا:

''بنوقریظہ کے پاس جاؤ تاکہ وہ اپنے کام میں تمہارے ساتھ مشورہ کریں۔''

جب وہ بنوقریظہ کے قلعہ میں داخل ہوئے تو یہود ان کے استقبال کے لیے آئے اور یہود کی عورتیں اور بچے ان کے آگے رونے پیٹنے لگے اور محاصرہ کی شدت اور اپنے حال کی پریشانی کی شکایت کی اس طرح کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو رحم آ گیا۔ یہود ان سے پوچھنے لگے:

''تمہاری کیا رائے ہے' کیا ہم قلعہ سے اُتر آئیں؟''

انہوں نے جواباً کہا:

''ہاں! اُتر جاؤ''

اور ساتھ ہی حضرت ابوالبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حلق پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ اگر تم اُترو گے تو تم ذبح کر دیے جاؤ گے۔

معاً اس بات کے کہتے ہی وہ پریشان ہو گئے اور کہنے لگے:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خیانت کی ہے۔''

چنانچہ وہ قلعہ سے شرمندہ وخجل اور روتے ہوئے نکلے اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی بجائے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ کر مسجد کے ستون کے ساتھ خود کو باندھ لیا۔ آج بھی وہ ستون مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم شریف میں ''ستون ابوالبابہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

خود کو ستون کے ساتھ باندھنے کے بعد کہنے لگے:

marfat.com

''میں یہاں سے اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک حق تعالیٰ میرے اس گناہ کو نہ بخش دے اور لازم ہے کہ کوئی شخص مجھے اس ستون سے نماز کے سوا کسی وقت میں نہ کھولے اس وقت تک جب تک کہ میری توبہ قبول نہ ہو۔''

جب اللہ کے محبوب' رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی تو ارشاد فرمایا:

''میں کیا کر سکتا ہوں اگر میرے پاس آتے تو میں استغفار کرتا اب جبکہ انہوں نے خود بارگاہِ حق میں حاضر ہو کر خود کو باندھ لیا ہے تو میں اس وقت تک انہیں کھول نہیں سکتا جب تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے گناہ کو نہ بخشے اور ان کی توبہ کو قبول نہ فرمائے۔''

کھانے کے اوقات میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی آتی' کھجوریں اپنے باپ کے منہ میں ڈالتیں اور چند گھونٹ پانی کے پلا دیتی تھیں۔ نماز کے وقت ان کو کھولا جاتا تھا تاکہ نماز پڑھ لیں اور قضائے حاجت کر لیں۔ انہوں نے خود کو بڑی بھاری زنجیر سے باندھا تھا اس حالت میں پندرہ دن بیت گئے حتیٰ کہ ان کی سماعت جاتی رہی۔ قریب تھا کہ بینائی بھی چلی جاتی کہ ان کی توبہ کی قبولیت کی وحی آئی۔ ہوا یوں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رونق افروز تھے' صبح صادق کا وقت تھا کہ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرما رہے ہیں تو انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس بات پر تبسم فرما رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ شاداں وخنداں رکھے۔''

سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ابولبابہ کی توبہ قبول کی گئی اور ان کے گناہ کو بخش دیا گیا۔''

''یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو میں جا کر انہیں بشارت دے دوں؟''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

''اگر تمہاری خواہش ہے تو جا کر بشارت دے دو۔''

marfat.com

جونہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی تو اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے حجرے مبارک کے دروازے پر تشریف لے گئیں اور پھر فرمایا:

''اے ابوالبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہیں بشارت ہو' تمہاری توبہ قبول ہوگئی۔''

اس وقت تک آیت حجاب نازل نہیں ہوئی تھی جب مسجد میں موجود لوگوں نے اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آواز سنی تو دوڑے تاکہ حضرت ابوالبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھولیں لیکن انہوں نے کہا:

''اس وقت تک نہ کھولو جب تک کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لا کر اپنے دستِ مبارک سے نہ کھولیں۔''

جب راحت قلب ونظر' نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے لیے مسجد میں تشریف لائے تو ان کی بندشوں کو کھولا۔

۵ ہجری میں ہی آیت حجاب نازل ہوئی تھی اس سے قبل ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بعض دُور کے اعزہ واقرباء کے سامنے آیا کرتی تھیں اب خاص خاص اعزہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم آ گیا تھا۔

حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے چونکہ نابینا تھے اس لیے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حجروں میں آیا کرتے تھے۔ آیت حجاب کے نزول کے بعد ایک دن وہ حسب معمول تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا:

''ان سے پردہ کرو۔''

''یہ تو نابینا ہیں۔''

دونوں ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے عرض کیا تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لب ہائے لعلیں کو جنبش دیتے ہوئے فرمایا:

marfat.com

''تم تو نابینا نہیں ہو تم تو انہیں دیکھتی ہو۔''

ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے کہ عالم رویاء میں دیکھا کہ اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ معظمہ کی زیارت اور عمرہ کرنے گئے ہیں اور خانہ کعبہ کی کنجی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ہے اور کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سر منڈائے ہیں اور کچھ صحابہ کرام نے بال ترشوائے ہیں۔

خواب دیکھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسباب سفر کی فراہمی میں مشغول ہو گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ارشاد فرمایا:

''میں عمرہ کے لیے جاؤں گا' تم بھی تیار رہنا''

ہجرت کے چھٹے سال ماہ ذیقعدہ کے چاند کو دوشنبہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ کے قصد سے حدیبیہ جانا ہوا اس وقت قریباً چودہ سو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم ساتھ تھے اس سفر میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ قریش کو جب خبر ہوئی تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور قرب و جوار کے قبائل اور دیگر اطراف سے جماعتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر متفق کر کے لے آئے اور جنگ کی تیاری کر کے مکہ سے نکل آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیگر دس افراد کے ہمراہ مکہ بھیجا کہ قریش کو سمجھائیں کہ مسلمان جنگ کرنے کی نیت سے نہیں آئے' ان کی شہادت کی خبر اڑنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بیعت لی جو بیعت رضوان سے مشہور ہے۔ صلح کے سلسلہ میں قریش کی طرف سے خویطب بن عبدالعزیٰ' مکرز بن حفص اور سہیل آئے' انہوں نے تین شرائط رکھیں:

(۱) اس سال آپ یہاں سے لوٹ جائیں اور آئندہ سال عمرہ کے لیے تشریف لائیں اور دس سال تک ہمارے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صلح رہے گی۔

(۲) آئندہ سال جب آئیں تو تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں گے اور تلواریں نیام میں رہیں گی۔

marfat.com

(۳) اگر کوئی ہماری جانب سے بغیر اجازت کے ازخود آپ میں چلا جائے، اسے ہماری طرف لوٹا دیں گے اگرچہ مسلمان ہو کر ہی پہنچے اور جو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آ جائے گا، ہم نہ لوٹائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایسا ہی ہو گا''۔

لہٰذا صلح نامہ لکھا گیا۔

بظاہر یہ شرائط بڑی شدید تھیں اور مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن ان کی حکمتوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے تھے تمام مسلمانوں کے دل خون کے آنسو رو رہے تھے اور فرطِ غم سے نڈھال تھے۔ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا:

''اُٹھو اور اپنے ہدی کے اونٹوں کو ذبح کرو، اپنے سر کے بال ترشوالو اور احرام سے باہر آ جاؤ۔''

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ہنوز غم واندوہ کی گہری کیفیت طاری تھی لہٰذا کوئی ایک صحابی بھی تعمیل ارشاد کے لیے فوری طور پر نہ اُٹھا جیسے پہلے حکم کی ادائیگی کے لیے عجلت سے کام لیتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ محترمہ سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خیمے کے اندر تشریف لے گئے، چہرۂ مبارک دیکھ کر بولیں:

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، کیا بات ہے؟''

''آج صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تعمیل حکم میں قدرے توقف کیا ہے۔''

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں معذور جانیے کیونکہ ان کو عظیم صدمہ اور ملال پہنچا ہے، ان کے دل فتح مکہ کی آس لگائے ہوئے تھے اور یقین کیے ہوئے تھے کہ عمرہ کر کے لوٹیں گے۔ باوجود فقدان مطلوب آپ نے قریش سے صلح کر لی اور جو کچھ ان کو خواہش تھی، قبول نہ فرمایا اگر آپ کی خاطر مبارک میں یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قربانی کریں اور اپنے سر منڈوائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے کچھ نہ فرمائیں اور

marfat.com

اپنے اونٹ کا نحر فرمائیں اور اپنے سر مبارک کو مونڈیے جب وہ دیکھیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کر رہے ہیں تو ان کو بجز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے کوئی چارہ نہ ہوگا' وہ سب بھی وہی کرنے لگیں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔''

اس کے بعد آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خیمے سے باہر تشریف لائے اور قربانی کی لہٰذا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم بھی کرنے لگے۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلے کو حل کر دیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہیں فطرت شناسی میں کس درجہ کمال حاصل تھا' صنف نازک کی پوری تاریخ میں اصابت رائے کی ایسی عظیم مثال نہیں ملتی۔

یہ ۷ ہجری کا واقعہ ہے جب غزوۂ خیبر برپا ہوا اس علاقے میں آٹھ مشہور قلعے تھے اس غزوہ کے وقوع کا سبب یہ تھا کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حدیبیہ سے واپسی کے وقت سورۂ فتح نازل فرمائی اور بشارت دی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے وقوع فتح اور غنائم کا وعدہ فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وعدہ غنائم کو فتح خیبر پر محمول فرمایا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ اشارہ میں بات فرمایا کرتے تھے لیکن اس مرتبہ عالم عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کو واضح طور پر بتا دیا اور فرمایا:

''لشکر کی تیاری کرو کیونکہ ہم غزوۂ خیبر کے لیے جانے والے ہیں۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو چودہ سو کا لشکر ساتھ تھا۔ اُم المومنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہمراہ لیا' ان کے علاوہ بیس (۲۰) مسلمان خواتین اور بھی ساتھ تھیں جن کے ذمے مرہم پٹی اور تیمارداری کی خدمات تھیں اس غزوہ کے وقت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

''اس سفر میں کوئی شخص اس غرض سے ہمارے ساتھ شامل نہ ہو جسے دنیاوی مال کی طمع ہو۔''

marfat.com

یہ الفاظ مبارکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سلول منافق کو کہے تھے جس نے ہمراہ چلنے کی اجازت مانگی تھی۔ چنانچہ اس بدبخت نے یہود کو اطلاع بھیجی۔

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری طرف آ رہے ہیں لہٰذا اپنے قلعوں میں داخل ہونے کی بجائے ان سے باہر نکل کر جنگ کی تیاری کرو کیونکہ سامانِ جنگ تمہارے پاس زیادہ ہے اور تمہارے خدام کثرت سے ہیں۔''

آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقوں کو اس غزوہ میں شریک ہونے سے منع فرمانے کا سبب یہ تھا کہ خالق کون و مکاں کی طرف سے مسلمانوں سے کثیر غنائم کا وعدہ کیا گیا تھا اور اس پر صراطِ مستقیم کی ہدایت مرتب ہوئی تھی اس بناء پر اس غزوہ کو منافقوں کی ناپاکی سے پاک رکھا اور نہ چاہا کہ ان غنیمتوں میں مخلص مسلمانوں کے ساتھ منافقین بھی شامل ہوں۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت مسلمہ بن الاکوع کی حدیث مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے لیے نکلے، ہم قطع مسافت کر رہے تھے کہ ایک رات ہم میں سے حضرت عامر بن سنان بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ تم ہمیں اپنے ان اشعار و رجز میں سے کچھ سناؤ جو تمہیں یاد ہے۔

حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعر اور حدی خواں تھے اور بلند آواز سے خوب پڑھا کرتے تھے اور اہلِ عرب کی عادت تھی کہ جب ان پر راہ کی تھکن لاحق ہوتی اور چلنے سے مجبور ہو جاتے تو حدی پڑھتے یہاں تک کہ اونٹ مست ہو کر تیزی کے ساتھ مسافت طے کر لیتے تھے۔

اس فرمائش پر حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ سے نیچے اُتر آئے اور حدی پڑھنے لگے جو اشعار اس وقت انہوں نے پڑھے، وہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تھے۔ خوش آوازی اور لحن و نغمہ کے باعث مجاہدینِ اسلام پر رقت طاری ہوگئی اور ان کے اونٹ بھی مست و بے خود ہو کر تیز تیز قدم اُٹھانے لگے۔

جب حدی کی آواز سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی تو ارشاد فرمایا:

''یہ کون ہے جو اونٹوں کو چلاتا اور حدی گاتا ہے؟''

marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ عامر بن الاکوع (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔''

سماعت فرمایا تو اپنی زبان مبارک کو جنبش دی اور کہا:

''غفرلک ربک''

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے لیے شہادت واجب ہوگئی۔''

آقائے نامدار، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ مبارک تھا کہ جس کے لیے ایسی دعا فرماتے، وہ شرف شہادت سے مشرف ہو جاتا تھا اس غزوہ اور جہاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے لیے بھی ایسی دعا فرمائی، بالآخر وہ شہید ہو گیا۔

الغرض حدی کی روح پرور آواز پر اونٹ مست و بے خود سوئے خیبر تیز رفتار سے جا رہے تھے اور مجاہدین اسلام اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل ان کے سینوں میں جذبہ جہاد و شوق شہادت سے بلیوں اُچھل رہے تھے اور رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی۔

جب حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدی پڑھنے سے خاموش ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''کیا تم ہمارے لیے حدی نہیں کہو گے اور اونٹوں کی رفتار میں تیزی نہیں لاؤ گے؟''

اس پر انہوں نے بھی حدی پڑھی اور وہی اشعار پڑھے جو حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھے تھے لیکن اخیر میں ایک شعر کا اضافہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''رحمہ اللہ''

چنانچہ غزوۂ موتہ میں انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔

سبحان اللہ! عجیب دربار گہربار ہے کہ اس دربار کی خدمت کا اجر و ثواب ایسی رحمت کا حصول ہے کہ جان دیں اور شہید ہو جائیں۔ درحقیقت لطف و رحمت یہی ہے کہ اس

marfat.com

جہان کی تنگ دامانی سے چھٹکارا پائیں۔

آخر کار مسلمان اپنی منزلِ مقصود پر پہنچے۔ مقابل پر دس ہزار خیبری تھے' جنگ ہوئی اور وہ سب ذلیل و خوار ہوئے۔ دورانِ جنگ جب مرحب کے دانتوں پر تلوار پڑی تو کرکراہٹ کی آواز حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کانوں میں آئی۔ جنگ کے اختتام پر بہت سا مالِ غنیمت لگا۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں اُم المومنین سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسی وسق کھجوریں اور بیس وسق جو یا گیہوں سالانہ عطا فرمائے۔

ایک مرتبہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف فرما تھیں کہ اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور باتیں کرتے رہے۔ وہ حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں تشریف لائے تھے جب وہ چلے گئے تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''ان کو جانتی ہو جو ابھی اُٹھ کر گئے ہیں؟''

''وحیہ کلبی تھے''

اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

''وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔''

عبداللہ بن ابی اُمیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی والدہ عاتکہ عبدالمطلب تھیں اس رشتہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماں جائے بھائی تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تو سب سے زیادہ مخالفت روسائے قریش نے کی۔ ابواُمیہ بھی انہیں میں سے تھے اس لیے عبداللہ نے بھی سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی مخالفت کی اور مسلمانوں سے سخت عناد و دشمنی رکھتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کا وقت آخر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا:

''چچا! کلمہ شہادت پڑھ لو۔''

marfat.com

تو عبداللہ نے جو پاس تھے' یہ کہہ کر ابوطالب کو روکا:

''کیا آخر وقت عبدالمطلب کی ملت سے پھر جاؤ گے؟''

لہٰذا وہ کفر کی حالت میں اگلے جہان رخصت ہوئے۔

عبداللہ بطور تمسخر کہا کرتا تھا:

''میں اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہیں پھوٹے گا یا کوئی زرنگار محل نہ تیار ہو جائے۔''

لیکن بالآخر اسلام کی مقناطیسیت نے انہیں بھی کھینچ لیا۔ پہلے تو یہ حالت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مذاق اُڑایا کرتا تھا یا فتح مکہ سے چند دن قبل خود بخود بلا کسی تحریک کے آستانہ نبوت کی طرف چلے آئے۔

مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ثنیۃ العقاب میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی' اپنے جرائم ان کی نگاہوں کے سامنے تھے اس لیے بلا وسیلہ سامنے جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی لہٰذا اپنی ہمشیرہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو درمیان میں ڈال کر باریابی کی اجازت چاہی۔ ان کی فردِ عصیاں کا ایک ایک جرم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے آ گیا اس لیے ملنے سے انکار کر دیا۔ اُم المومنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھائی کی سفارش کی اور عرض کیا:

''بہر حال وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور سسرالی عزیز ہیں۔''

اس پر ارشاد فرمایا:

''انہوں نے مکہ میں میرے لیے کیا اُٹھا رکھا؟''

اس جواب کے بعد عبداللہ نے عالم ناامیدی میں کہا:

''اگر عفو و درگزر کا دروازہ قطعی بند ہو چکا ہے تو دربدر پھر کر بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دوں گا۔''

جب ہادیٔ برحق اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس عزم کی خبر ہوئی تو رحم و کرم کی موجوں نے غضب کی گرمی کو سرد کر دیا اور عبداللہ کو باریابی کی اجازت مل گئی اور

marfat.com

پھر وہ خلعت اسلام سے سرفراز ہو گئے۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عبداللہ بن ابی اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گناہوں کی تلافی کے لیے میدانِ جہاد فی سبیل اللہ میں قدم رکھا اور فتح مکہ' حنین اور طائف میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ غزوۂ طائف میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے ایک تیر لگا جس سے منصب شہادت پر فائز ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن زبعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے تھے' قبولِ اسلام سے پہلے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید مخالف تھے۔ ان کا مال و دولت' قوت و طاقت اور ان کی شاعری و زبان آوری سب مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لیے وقف تھی۔ قریش کے بڑے آتش بیان شاعر تھے اس کا مصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو تھی' احد کے مشرک مقتولین کا بڑا زبردست مرثیہ کہا تھا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا جواب دیا تھا۔

فتح مکہ کے بعد جب معاندینِ اسلام کا زور ٹوٹا تو نجران بھاگ گئے' ان کے فرار پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدلہ لینے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ شعر کہا جس کا مطلب ہے:

''ایسا شخص معدوم نہ ہو جس کے بغض نے تم کو نجران کی ناپسندیدہ اور مکروہ زندگی میں مبتلا کر دیا ہے۔''

عبداللہ نے سنا تو نجران سے لوٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ گزشتہ خطاؤں پر سخت نادم و شرمندہ تھے۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔''

عبداللہ بن زبعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی ندامت و شرمندگی کے پانیوں میں ڈوب کر عرض کیا۔ اَبر رحمت جوش میں آیا اور اس کی خطاؤں کو معاف فرما دیا۔

اور اب وہی زبان جو کلمہ شہادت پڑھنے سے قبل تیر و نشتر کی طرح مسلمانوں کے

marfat.com

دلوں پر چر کے لگاتی تھی' نعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول برسانے لگی اس کے صلہ میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک حلہ بھی مرحمت فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں متعدد غزوات میں بھی شرکت کی اور جہاد فی سبیل اللہ کا شرف حاصل کیا۔

انسان پر حکومت وہی جبلت کرتی ہے جو تمام خواہشوں کا مدار ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''ایامِ جاہلیت میں ہم عورتوں کی کوئی حیثیت نہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے جو چاہا' ان کے متعلق نازل فرمایا اور جو چاہا' انہیں حصہ دیا۔ ایک دن میں کسی مسئلہ میں اُلجھا ہوا تھا کہ میری بیوی بولی:

''آپ ایسا ایسا کیوں نہیں کر لیتے؟''

میں نے اس سے کہا:

''تمہارا اس سے کیا واسطہ؟ تم میرے معاملے میں دخل دینے والی کون ہوتی ہو؟''

سنا تو وہ کہنے لگی:

''تعجب ہے ابن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تمہیں اپنی بات میں میرا دخل دینا تک گوارا نہیں اور تمہاری بیٹی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جواب دیتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک پر خوشگوار اثرات نہیں پڑتے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میں نے اپنی چادر لی اور سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچا اور کہا:

''بیٹی! کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جواب دیتی ہو کہ ان کی طبع مبارک پر گراں گزرتا ہے؟''

''ہاں!''

بیٹی نے جواب دیا تو میں نے کہا:

''دیکھو تمہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈراتا ہوں'' اس کے بعد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا جن سے میری قرابت داری تھی اور ان

marfat.com

سے بھی یہی گفتگو کی۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا:

''حیرت ہے ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم ہر بات میں دخل دیتے ہو اور اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے معاملے میں بھی دخل دینے لگے ہو۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

یہ بات میرے دل میں چبھ گئی' میں آگے کچھ نہ کہہ سکا اور ان کے پاس سے اُٹھ کر چلا آیا۔

رات کو یہ خبر مشہور ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو طلاق دے دی ہے۔ صبح کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ بیان کیا جب حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ تاریخ میں یہ واقعہ ایلاء کے نام سے مشہور ہے۔

فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو اطمینان ہو گیا تھا کہ اب معاندین کو سر اُٹھانے کی ہمت و جرأت نہ ہوگی اور اسلام کے راستے میں اب کوئی رکاوٹ کھڑی نہ ہوگی لیکن ابھی ایسے قبائل کی کمی نہ تھی جو مخالفت کے لیے کسی نہ کسی موقع کی تلاش میں رہتے تھے لیکن جونہی بنی ہوازن کو جو مکہ کے جنوب مشرقی پہاڑوں میں سکونت پذیر تھے' اطلاع ملی کہ مکہ فتح ہو گیا ہے تو از خود انہوں نے تصور کر لیا کہ اب مسلمانوں کی یلغار ان کی طرف ہوگی لہٰذا اس خدشہ کے تحت مالک بن عوف نے بنی ہوازن اور بنی ثقیف کو جمع کیا۔ بنی نصر اور بنی جشم بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے اور پوری طرح جنگی تیاریاں کر لیں اور اپنے اپنے مورچے سنبھال لیے اور مسلمانوں کا انتظار کرنے لگے۔

مسلمانوں کو جب اس کے متعلق اطلاع ملی تو اسلامی لشکر نے حنین کا رُخ کیا اور وہاں فتح یابی کے بعد طائف کا رُخ کیا۔ اس سفر میں اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ تھیں۔

طائف ایک مضبوط شہر تھا' اکثر عرب شہروں کی طرح اس کے دروازے بھی تھے

marfat.com

جنہیں بوقت ضرورت بند کیا جا سکتا تھا۔ لوگ محاصرہ بندی کے سلسلہ میں خاص تجربہ رکھتے تھے اور مالی حیثیت بھی بہت اچھی تھی' چلتے چلتے اسلامی لشکر جب لیہ کے مقام پر پہنچا تو یہاں مالک بن عوف کا ایک خاص قلعہ تھا' اسے انہوں نے مسمار کر دیا اور پھر جا کر طائف کا محاصرہ کر لیا۔

بنی ثقیف نے اپنے قلعوں کی نظارہ گاہوں سے مسلمانوں کو دیکھا تو تیروں کی برسات شروع کر دی جس سے چند مسلمان شہید ہو گئے اور کچھ زخمی بھی ہوئے لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کو حکم دیا کہ وہ تیروں کی زد سے ہٹ کر قیام کریں اسی مقام پر ایک جانب حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے سرخ رنگ کے چمڑے کے دو خیمے بھی نصب کیے گئے۔ یہ دونوں اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن اس وقت سے جب سے آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ سے عزم سفر کیا تھا' ان تمام ہنگاموں میں ساتھ تھیں جب نماز کا وقت ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں خیموں کے درمیان نماز پڑھا کرتے تھے۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ جس جگہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرمایا کرتے تھے' مسجد طائف اسی جگہ تعمیر کی گئی تھی۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثواب کے لیے ہر لحظہ کوشاں رہتی تھیں اور اچھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کے گھر میں تھے کہ اس دوران میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلا کر کمبل اوڑھایا اور فرمایا:

''اے اللہ! ان سے ناپاکی کو دُور کر اور ان کو پاک کر۔''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ دعائیہ کلمات سنے تو عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوں۔''

یہ سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔''

marfat.com

اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی غیور تھیں جیسا کہ انہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی سے قبل عرض کیا تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی سفر میں تھے اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت صفیہ بنت حیی اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ مؤخر الذکر زوجہ متحرمہ کی باری کا دن تھا' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہودج سمجھ کر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہودج کی طرف بڑھے اور ان سے باتیں کرنے لگے۔ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غیرت آئی۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ وہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تو وہ بولیں:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ یہودی کی بیٹی سے میرے دن میں باتیں فرما رہے تھے۔''

لیکن یہ الفاظ کہہ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت پچھتائیں۔ خود بھی اس بات پر اپنے لیے دعائے مغفرت مانگا کرتی تھیں اور اپنے آقا و مولا' تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عرض کیا کرتی تھیں:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعائے مغفرت مانگیں' مجھے اس بات پر غیرت نے اُبھارا تھا۔''

حجۃ الوداع کے مواقع پر تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ساتھ تھیں' یہ ۱۰ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجۃ الوداع کہنے کو مکروہ جانتے تھے مگر اس کی وجہ بیان نہیں فرمائی شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس نام سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وداع و رخصت فرما جانا یاد آ جاتا ہے اور یہ یاد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے انتہائی درد و الم کا باعث تھی۔ دراصل یہ سب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عشق کی باتیں ہیں' کوئی بھی محب اپنے محبوب کی جدائی اور ان لمحات کو یاد کر کے کانپ اُٹھتا ہے۔

marfat.com

... دوں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار تھیں' تاہم وہ ساتھ آئیں۔ نبہان نامی ایک غلام نے اونٹ کی مہار تھام رکھی تھی اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب ... کے پاس اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہو تو اس سے ... ہو جاتا ہے۔''

اور پھر طواف سے متعلق ان سے فرمایا:

''جب نماز فجر قائم ہو تم اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا۔''

چنانچہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسا ہی کیا۔

ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اُم المومنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کا دن تھا لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

''ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو صبح کی نماز مکہ میں پڑھیں''۔

لہٰذا اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسا ہی کیا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موافقت پسند فرمائی تھی۔

۱۱ ہجری میں محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے' مرض نے طول کھینچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لیے جایا کرتی تھیں۔ ایک دن طبیعت زیادہ خراب تھی تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چیخ اُٹھیں:

''یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا۔

ایک دن مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے دوا پلانی چاہی چونکہ گوارا نہ تھی لہٰذا انکار فرما دیا لیکن جب غشی طاری ہوئی تو حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دوا پلا دی۔

marfat.com

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کے دوران ایک روز حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حبشہ ہو آئی تھیں' وہاں کے عیسائی معبدوں اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا ذکر کیا۔ سنا تو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کر دیتے ہیں' قیامت کے روز اللہ عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔''

اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے جانے سے قبل سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کان میں باتیں کی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے تابانہ پوچھنے لگیں:

''حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا؟''

اس وقت وہ خاموش رہیں لیکن حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے توقف فرمایا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دریافت فرمایا۔

محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر آخرت کا آغاز اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ سے شروع ہوا جب مسلمانوں کو مسجد میں اچانک اس حادثہ عظیم کی خبر ملی تو وہ حیران و ششدر رہ گئے کیونکہ وہ تھوڑی دیر پہلے فجر کی نماز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حالت سے پتہ چلتا تھا کہ طبیعت صحت کی طرف مائل ہو رہی ہے' کسی کو اس کا سان و گمان بھی نہ تھا کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس قدر جلد چھوڑ کر اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے فدائی و عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی زوجہ حضرت حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سخ میں تشریف لے گئے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح آن واحد میں

marfat.com

دُور ونزدیک پھیل گئی اور عاشقوں اور جاں نثاروں کا ہجوم ہونے لگا' ہر آنکھ اشکبار اور دل فگار تھا۔ اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے آنسو تھے کہ بے اختیار چلے آ رہے تھے اور تھمنے کا نام نہ لیتے تھے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دعا کا حاصل آج رخصت ہو گیا تھا اور ہمیشہ کے لیے جدائی کا داغ دے گیا تھا۔ انہوں نے تقریباً سات سال اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں گزارے تھے اور حقیقت میں یہی سال ان کی زندگی کا ماحصل تھے۔

اُم المومنین سیّدہ اُم سلمہ بنت ابی اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اعمال و اخلاق کی تمام تر خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ تھیں۔ عزیمت کا زندہ جاوید شاہکار تھیں کہ انہوں نے قبولِ اسلام کے بعد کیسے کیسے مصائب و آلام برداشت کیے' بحر حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مستغرق رہتی تھیں' انہیں اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور ان کی تعلیمات سے بے پناہ محبت تھی۔ ان کی علالت کے دوران حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تشریف لے جا کر اپنے شوہر نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت و خدمت کرتی تھیں' ان کی تکلیف پر بے چین ہو جاتی تھیں اور کسی پل چین نہ آتا تھا۔

سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موئے مبارک ایک چاندی کی ڈبیہ میں تبرکاً محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں سے جب کسی کو کوئی تکلیف یا بیماری لاحق ہوتی تو پانی کا بھرا ہوا پیالہ لے کر وہ مومنوں کی ماں کے درِ اقدس پر حاضر ہوتا' وہ موئے مبارک کو ڈبیہ سے نکال کر پانی میں ہلا دیتیں لہٰذا اس کی برکت سے تکلیف دُور ہو جاتی تھی۔

سخاوت و فیاضی انہیں اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ ضرورت مندوں' مسکینوں اور سائلوں کی حاجتیں پوری کرنا حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مستقل شیوہ تھا۔

ہوش سنبھالتے ہی ابتدائی ایام میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام کے حلقہ میں شامل ہو گئیں تھیں اس کے طفیل سیرت و کردار میں پختگی' توازن اور اعتدال تھا اور حضرت

marfat.com

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جوانہوں نے جواب دیا تھا:

"آپ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے معاملے میں بھی دخل دینے لگے ہیں۔"

اس امر کا بین ثبوت ہے کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حقوق و فرائض کا کلی ادراک و شعور تھا۔ بقول صاحب اصابہ آپ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں۔

اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں، ہر مہینہ میں دوشنبہ، جمعرات اور جمعہ کو روزے رکھتی تھیں، خود سخی تھیں دوسروں کو بھی سخاوت و فیاضی پر مائل کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی:

"اماں جان! میرے پاس بہت مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے۔"

اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"بیٹا! اس کو خرچ کرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ بہت سے ایسے ہیں جو مجھ کو میرے وصال کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے۔"

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں، آئیں اور بڑے الحاح و زاری کے ساتھ سوال کیا اس وقت اُم الحسن بھی وہاں تشریف فرما تھیں، انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"ہم کو اس کا حکم نہیں ہے۔"

اس کے بعد لونڈی سے کہا:

"ان کو کچھ دے کر رخصت کرو، کچھ نہ ہو تو ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔"

الغرض حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صاف دل، صاف گو، محدثہ فقیہہ، فنافی اللہ والرسول، مجسمہ خشیت الٰہی اور اوصافِ حمیدہ میں یکتا تھیں۔

اُم المومنین سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بحیثیت مومنوں کی ماں ہونے کے بہت بڑی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنی روحانی اولاد کی قرآن و حدیث کی روشنی میں تربیت

marfat.com

کریں جب سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آئی تھیں تو انہوں نے قرآن و حدیث اور فقہی مسائل کو جاننے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قرآن بہت اچھا پڑھتی تھیں اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی نے آکر دریافت کیا:

''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر قرآت کرتے تھے؟''

فرمایا:

''ایک ایک آیت الگ الگ کرکے پڑھتے تھے۔''

اور اس کے بعد خود پڑھ کر بتلایا۔

حدیث مبارک سننے کا بھی بے حد شوق تھا' ایک دن بال گوندوا رہی تھیں کہ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا:

''یاایھاالناس''

تو فوراً بال باندھ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔

فقہی مسائل اور فتاویٰ میں آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد تمام ازواج میں ممتاز تھیں۔ بقول ابن قیمؒ اگر ان کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان کے فتاویٰ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور یہ ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کی دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ مروان نے پوچھا،

''آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟''

انہوں نے جواب دیا،

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے چونکہ انہوں نے حدیث حضرت عائشہ

marfat.com

صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سلسلہ سے سنی تھی۔'' مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لیے آدمی بھیجا تو انہوں نے فرمایا:

''مجھ کو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ حدیث پہنچی ہے۔''

چنانچہ آدمی ان کی خدمت میں بھیجا گیا اور پوچھا تو انہوں نے فرمایا،

''اللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مغفرت کرے' انہوں نے بات سمجھی نہیں۔ کیا میں نے ان سے یہ بات نہیں کہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اُٹھ کر کرنا چاہیے ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک شخص نے جا کر اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا' دونوں نے فرمایا:

''خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں صائم ہوتے تھے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو رنگ فق ہو گیا۔

اس خیال سے رجوع کیا اور فرمایا:

''میں کیا کروں؟ فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زیادہ علم ہے۔''

اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا۔

سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں' نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیر و تبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو تنبیہہ کی اور فرمایا:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔''

ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی' وہ سجدہ

marfat.com

کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روکا اور فرمایا،

''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کے خلاف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام نے ایک مرتبہ ایسا کیا تھا تو اس سے فرمایا تھا:

''ترب وجھک اللہ''

یعنی تیرا چہرہ اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو''

اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حدیث وفقہ کے علاوہ اسرار کا علم بھی تھا اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خصوصی عالم تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جن کو نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھوں گا' نہ وہ مجھ کو دیکھیں گے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھبرا کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور کہا:

''اللہ کی قسم! سچ سچ بتائیں' کیا میں انہی میں سے ہوں؟''

''نہیں!''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں اور مردوں کے وظائف کی تقسیم و تنظیم کے لیے جو قاعدہ وضع کیا تھا اس میں ترمیم کرنا پڑی اور کچھ لوگوں کو ان کے امثال و اقران سے زیادہ وظیفہ دیا گیا۔ حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار ہزار درہم مقرر کیے گئے۔ یہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے تھے اس پر محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعتراض کیا اور امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا،

''آپ نے عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہم پر فضیلت کیوں دی؟ ہمارے

marfat.com

بزرگوں نے تو ہجرت بھی کی اور غزوات میں بھی شریک ہوئے تھے؟''

''میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے فضیلت دی ہے' لاؤ اگر ایسی کوئی ماں ہو جس پر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح عنایت و مہربانی کی گئی ہو۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا تو ان کی تسلی ہوگئی۔

اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شبانہ روز تعلیماتِ دین کی ترویج کے لیے مصروف رہتی تھیں۔ آپ سے ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں' ان میں سے متفق علیہ یعنی بخاری اور مسلم شریف میں ۱۱۳ احادیث ہیں' صرف بخاری شریف میں تین حدیثیں اور تنہا مسلم شریف میں ۱۱۳ احادیث ہیں' بقیہ احادیث دیگر کتابوں میں مروی ہیں۔ آپ کا شمار محدثین کے تیسرے طبقہ میں ہوتا ہے۔

جن لوگوں نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے علم حدیث حاصل کیا' ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند ایک کے اسماء درج ذیل ہیں:

عبدالرحمٰن بن ابی بکر' اسامہ بن زید' ہند بنت الحارث الفراسیہ' صفیہ بنت شیبہ' عمرو زینب (اولاد حضرت اُم سلمہ) مصعب بن عبداللہ (برادر زادہ) بنہان (غلام مکاتب) عبداللہ بن رافع' نافع' شعبہ' پسر شعبہ' ابوبکیر' خیرہ والدہ حسن بصری' سلیمان بن یسار' ابوعثمان الہندی' حمید' ابوسلمہ' سعید بن میتب' ابو وائل' صفیہ بنت محصن' شعبی' عبدالرحمٰن ابن حارث بن ہشام' عکرمہ' ابوبکر بن عبدالرحمٰن' عثمان بن عبداللہ ابن موہب' عروہ بن زبیر' کریب مولیٰ ابن عباس' قبیصہ بن زویب' نافع مولا ابن عمر یعلی بن مملک رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

چند ایک احادیث جو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہیں' وہ یہ ہیں:

فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

''کیا دنیا کی عورتیں بہتر ہیں یا حوریں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

marfat.com

''دنیا کی عورتیں''

میں نے عرض کیا:

''کس بناء پر؟''

ارشاد فرمایا:

''اس لیے کہ ان عورتوں نے نمازیں پڑھی ہیں' روزے رکھے ہیں اور عبادتیں کی ہیں۔''

فرماتی ہیں قرآن پاک میں اہلِ جنت کی بیویوں کا ذکر ہے:

''ہم ان کی بیویوں کو خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے اور انہیں باکرہ بنا دیں گے' اپنے خاوندوں کی عاشق اور ہم سن' یہ سب کچھ دائیں بازو والوں کے لیے ہے۔''

اس کی تفسیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرماتے ہوئے کہا:

''یہ وہ عورتیں ہیں جو دنیا کی زندگی میں بوڑھی پھونس ہو کر مری ہیں' ان کی آنکھوں میں چیپڑ تھے اور سر کے بال سفید اس بڑھاپے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو پھر سے کنواری پیدا کرے گا۔''

حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کسی عورت کے دنیا میں کئی شوہر رہ چکے ہوں اور وہ سب جنت میں جائیں تو وہ ان میں سے کس کو ملے گی؟''

اِس کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جسے چاہے' چن لے اور وہ اس شخص کو چنے گی جو ان میں سے زیادہ اچھے اخلاق کا تھا۔ وہ اللہ سے عرض کرے گی کہ اے رب العالمین! اس کا برتاؤ میرے ساتھ سب سے اچھا تھا اس لیے مجھے اس کی بیوی بنا دے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر ارشاد فرمایا

''اے اُم سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! حسن اخلاق دنیا اور آخرت کی سب بھلائیاں لوٹ لے گا۔''

marfat.com

فرماتی ہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس عورت کی موت اس حالت میں آئی کہ اس کا خاوند اس سے خوش تھا تو وہ جنتی ہے۔''

فرماتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر ایک لڑکی دیکھی جس کے منہ پر چھائیاں تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس پر پڑھ کر دَم کرو کیونکہ اسے نظر لگ گئی ہے۔''

فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''میں بیمار ہوں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم سوار ہو کر سب لوگوں کے پیچھے رہ کو طواف کرلو۔''

چنانچہ میں نے اسی طرح طواف کیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے ایک پہلو میں کھڑے ہو کر نماز میں سورۂ طور کی تلاوت فرما رہے تھے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف فرما تھے اس شخص نے کہا،

''مجھے ایسی عورت کے بارے میں فتویٰ دیجیے جس کے ہاں خاوند کی وفات کے چالیس دن بعد بچہ پیدا ہو گیا ہو، کیا اس عورت کی عدت پوری ہو گئی؟''

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا،

''دونوں مدتوں میں سے جو مدت بعد میں ختم ہوتی ہو اس کے مطابق عدت پوری کرے۔''

میں نے کہا:

''ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی میری تائید کرتے ہوئے کہا:

marfat.com

''میں اپنے بھتیجے ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا اور اس مسئلے کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا:

''حضرت سیعہ سلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند شہید ہوگئے اور وہ حاملہ تھیں' خاوند کی شہادت کے چالیس روز بعد بچہ پیدا ہوا اس کے بعد ان کو نکاح کے پیغام آنے لگے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کی اجازت دے دی۔ نکاح کا پیغام دینے والوں میں ابوالسنابل بھی شامل تھے۔

دین کی خدمت کرتے ہوئے وقت گزر رہا تھا کہ ۵۹ ہجری آ گئی اس وقت تک حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے آقا و مولا' رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوئے ۴۸ سال گزر چکے تھے اور ۸۰ سال کی عمر تھی کہ پیغام اَجل آ گیا۔ وصال سے قبل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت فرمائی:

''میری نماز جنازہ ولید بن عتبہ نہ پڑھائے' وہ ان دونوں مدینہ منورہ کا گورنر تھا اس نے جب سنا تو جنگل کی طرف نکل گیا۔ ادھر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آخری سانس لیا اور واصل بحق ہوئیں۔ چنانچہ ان کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت سلمہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو اس عظیم عورت کے بیٹے تھے نے اپنی ماں کو قبر میں اُتارا اور جنت البقیع کی آغوش میں ایک نادر و عظیم ہستی' مومنوں کی ماں چھپ گئیں۔ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے یہ آخری زوجہ محترمہ تھیں جنہوں نے اس دنیا کو الوداع کہا اور جنت میں اپنی بہنوں کے پاس چلی گئیں۔

marfat.com

اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحش
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حکمتِ نکاح

اہل عرب میں متبنیٰ بیٹے کے حقوق سگے بھائیوں کی طرح تھے جس سے بے حد معاشرتی قباحتیں اور مسائل پیدا ہو گئے تھے لہٰذا ان کا قلع قمع کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ان کے متبنیٰ بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مُطلقہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہونا تھا تا کہ مسلمانوں پر ان کے لے پالک بیٹوں کے لئے کچھ حرج نہ رہے۔ آزاد و غلام کی تمیز اُٹھنا تھی۔ پردے کا حکم آنا تھا اور حلال وحرام اور جائز و ناجائز کے متعلق بنیادی ضابطہ روشن ہونا تھا کہ کون کس چیز کو حلال وحرام قرار دے سکتا ہے۔

marfat.com

نصف دیں اُن کے توسط سے ملا ہے دوستو
چاندنی دین متیں ہیں اُمہات المؤمنین

marfat.com

حالاتِ زندگی

انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بیعت اور اذن ہجرت کے بعد ستم رسیدہ مسلمانوں کے لیے بیت الامن مدینہ منورہ کی شاہراہ کھل گئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو مژدہ سنا دیا اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابتدا کی اس کے بعد مسلمان ہر طرف سے جوق در جوق اس جائے پناہ میں آنے لگے' انہیں لوگوں میں قبیلہ قریش کے خاندان بنو اسد بن خزیمہ کے افراد بھی شامل تھے۔ وہ یہ ہیں:

عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ابو احمد بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خواتین میں سے یہ تھیں:

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت اُم حبیبہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مدینہ منورہ آنے کے بعد مسلمانوں کی زندگی بڑی حد تک محفوظ اور مطمئن ہوگئی۔ تاہم ہجرتِ عظمیٰ کے بعد اس کا سلسلہ منقطع نہیں کیا گیا اور کچھ نہ کچھ لوگ برابر ہجرت کرتے رہے اس کی متعدد وجوہ واسباب تھے۔

اوّل: ابھی بہت سے ستم رسیدہ مسلمان مشرکین کے پنجہ ظلم واستبداد میں اسیر تھے جب جب ان کی گلوخلاصی ہوتی گئی' مدینۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آتے گئے۔

دوئم: ان مسلمانوں کے لیے جو مکہ سے دُور دراز مقامات پر رہتے تھے' اتنا وقت درکار تھا

marfat.com

کہہ دیا:

"مجھ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔"

لہٰذا حضرت عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے اس صدق و اقرار حق کا عتراف کرنا پڑا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت و عنایت پر بے پناہ بھروسہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کے سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع و بھروسہ کیا تھا۔ خشیت الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتی تھیں کہ کہیں کوئی قول و فعل اللہ کی رضا کے خلاف نہ ہو جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جذبے سے بھی سرشار تھیں اس بات پر کامل یقین تھا کہ رشد و ہدایت، رضائے الٰہی اور اخروی انعامات کا واحد ذریعہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور جس دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق نہیں، وہ دل ویرانہ ہے، شیطان کی آماجگاہ ہے، اللہ تعالیٰ سے دور ہے، قابلِ نفریں ہے۔

سخاوت و فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا طرۂ امتیاز تھا اس لحاظ سے وہ یتیموں، بیواؤں، فقراء و مساکین کی پناہ گاہ تھیں۔ ایک مرتبہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضوان اللہ عنہن سے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے وہ مجھے جلد ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔"

یہ الفاظ مبارک سنے تو سب اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہن اپنے ہاتھ کی لمبائی دیکھا کرتی تھیں لیکن اس سے مراد سخاوت و انفاق فی سبیل اللہ تھا اور اس میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت آگے تھیں لہٰذا ہاتھ انہیں کے دراز تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کا مصداق حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثابت ہوئیں اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رب کے پاس تشریف لے جانے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہی سب سے پہلے انتقال ہوا تھا بروایت ام المومنین

marfat.com

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

''حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کی خبر سُن کر مدینہ منورہ کے غریبوں، فقیروں اور مسکینوں میں کھلبلی مچ گئی تھی اور وہ گھبرا گئے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر میں نے کوئی خضوع و خشوع کرنے والا نہیں دیکھا۔''

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

''حضرت سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک خوب صورت ن تھیں، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جایا تے تھے۔ صالح، روزہ دار اور شب بیدار تھیں۔''

الغرض آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اَن گنت خوبیوں اور اوصاف کی حامل تھیں، صدق و صفا کے سدا بہار پھولوں سے مزین تھیں، راست گو، قابلِ تعریف اور بے مثال تھیں اور یہ بھی شرف حاصل تھا کہ قدیمُ الاسلام تھیں۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عالم عالمیان، ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے، غلام اور دوست تھے۔ ان کے والد حارثہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے جو یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ بنی معن سے تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی۔

یہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کس طرح پہنچے، یہ بڑا دلچسپ واقعہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ اپنے بیٹے زید کو ساتھ لے کر اپنے خاندان بنی معن ملنے گئیں اس وقت زید بن حارثہ کی عمر آٹھ سال تھی۔ ایک دن گھر کے باہر کھڑے تھے کہ بنی قین بن جسر کے سوار جو غارت گری سے واپس آ رہے تھے، انہوں نے زید کو باہر کھڑے دیکھا تو اس کو پکڑ لیا اور قید کر کے لے گئے۔ یہ زمانہ جاہلیت کا واقعہ ہے جب ماں کو پتہ چلا کہ زید کو بنی قین کے ڈاکو پکڑ کر لے گئے ہیں تو سر پیٹ کر رہ گئیں۔

marfat.com

پیارے بیٹے کی جدائی و فرقت نے انہیں نڈھال کر دیا' بار بار کہتی تھیں:

''نہ جانے ظالم میرے بیٹے کو کہاں لے گئے ہیں؟''

''پتہ نہیں میرا بیٹا کس حال میں ہوگا؟''

''معلوم نہیں اس نے کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں؟''

جو جو خیال ان کے ذہن میں اُبھرتا تھا' وہ زبان پر آتا جاتا تھا' کسی کروٹ چین نہ تھا۔ آخر ماں کی ممتا کو چین کیسے آتا؟ بیٹا کھو گیا تھا لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ اس کے نصیب میں کیسا عروج لکھا تھا۔

عکاظ کا میلہ عرب میں بڑا مشہور تھا' دُور دُور سے لوگ اس میں شامل ہوتے تھے۔ یہ حج سے پہلے لگتا تھا اور جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشوں سے عرب سانڈنی سواروں کا ایک طوفان اُمڈ پڑتا تھا اور میلہ مختلف قبائل کے تماشائیوں سے کھچا کھچ بھر جاتا تھا جن میں مکہ والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی تھی اس میں ایک حصہ تجارت کے لیے مخصوص ہوتا تھا اس میں تاجر اپنے خیموں کے سامنے دُکانیں آراستہ کر لیتے تھے جن میں شام و یمن کی اشیاء بکثرت ہوتی تھیں۔ دُکانوں پر مردوں اور عورتوں کا جمگھٹا ہوتا تھا' عورتیں زیادہ تر کپڑے کی دُکان پر ہوتی تھیں' ان میں اگر کوئی طرحدار حسینہ ہوتی تو بے فکرے نوجوان اور پختہ کار مردوں کو اپنی جانب کھینچ لیتی جو بظاہر تو خریداری کے لیے آتے لیکن دراصل کپڑوں اور سامان سے زیادہ انہیں اس کافر ادا کے حسن و جمال سے آسودہ ہونے کا شوق بے چین کرتا تھا۔ ان دُکانوں کے قریب ہی عیش و نشاط کے اڈے تھے جہاں دن کو عموماً اور رات کو خصوصاً نوجوانوں کی ایک بھیڑ سی لگی رہتی تھی۔ ان مجلسوں میں عرب کی فتنہ فروش عورتیں بھی بے تکلف شریک ہوتی تھیں۔ رات کے رومانی اندھیروں میں بساط طرب بچھائی جاتی اور عرب کے من چلے جام و ساغر سے کھیلنے لگتے' نشے کی ترنگ کے ساتھ ساتھ زبان کی باگیں بھی ڈھیلی چھوڑ دی جاتیں اور ہر طرف فقرہ بازی' چھیڑ چھاڑ اور عشق کا بازار گرم ہو جاتا اور یہ سلسلہ اکثر و بیشتر ان لڑائیوں پر جا کر ختم ہوتا تھا جس کی آگ مدتوں سلگتی رہتی تھی۔

marfat.com

جب زید بن حارثہ کو ڈاکوؤں نے اُٹھایا تو وہ عکاظ کے دن تھے لہٰذا انہوں نے اپنا رُخ عکاظ کی طرف کیا اور ہوا کے دوش پر اُڑے آ رہے تھے' آٹھ سالہ زید بے کسی و بے بسی کی تصویر بنا ان کے ساتھ تھا۔ تقدیر اسے باندھ کر کہاں لے جا رہی تھی اس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ بظاہر یہ لمحات جن سے وہ گزر رہا تھا' بے حد اذیت ناک' تکلیف دہ اور ذہنی پریشانی کا باعث تھے لیکن ان لمحات کے اختتام پر جس خوب صورت و تابناک زندگی کا آغاز ہونے والا تھا اگر اسے اس کا علم ہوتا تو وہ ان تمام تکلیفوں کو یکسر بھول جاتا جن سے اب وہ دوچار تھا۔

عکاظ کا میلہ اپنے شباب پر تھا کہ بنی قین کے ڈاکو زید کو لے کر وہاں پہنچے' وہ چاہتے تھے کہ اس کے دام کھرے کریں اور پھر وہ بھی عیش و عشرت کے ہنگاموں میں کھو جائیں۔

''کوئی ہے اس کو خریدنے والا؟''

فضا میں ایک آواز اُبھری' لوگوں کا ہجوم ہونے لگا اور زید بن حارثہ چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا' لوگ بولی دینے لگے اور ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کرنے لگے۔

''پچاس درہم''

ایک آواز بلند ہوئی۔

''سو درہم''

ایک اور آواز اُبھری۔

لیکن ڈاکو ان کی بولیوں کو رد کر رہے تھے' بولیاں آہستہ آہستہ زیادہ ہو رہی تھیں اور پھر تین سو درہم پر جا کر رُک گئیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی کے بیٹے حکیم بن حزام بھی اس پُر ہنگام میلے میں موجود تھے' انہوں نے ایک جگہ لوگوں کا ہجوم دیکھا تو پوچھا:

''یہاں کیا ہے؟''

''ایک غلام فروخت ہو رہا ہے۔''

سنا تو ہجوم کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ زید بن حارثہ کو دیکھا اور پھر اسے فروخت

marfat.com

کرنے والوں سے پوچھا:

''آخری بولی کیا لگی ہے؟''

''تین سو درہم''

بنی قین کے لوگوں میں سے ایک نے جواب دیا۔

''چار سو درہم''

حکیم بن حزام نے کہا تو لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے اور چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

''لاؤ''

زید کو فروخت کرنے والوں نے کہا۔

حکیم بن حزام نے چار سو درہم ادا کیے اور زید بن حارثہ کو لے لیا اور عکاظ سے باہر نکل کر سیدھے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گئے اور زید ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔

زید بن حارثہ اب اپنی منزل پر پہنچ گئے تھے اور تقدیر نے انہیں قید کر کے اور بکوا کر یہاں پہنچا دیا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔

ادھر زید بن حارثہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل ہو گیا تھا جس پر ہزاروں لاکھوں آزادیوں کو قربان کیا جا سکتا تھا' ادھر زید کے والد حارثہ بن شرجیل کو اپنے لختِ جگر کی جدائی کا شدید قلق و غم تھا' ہر وقت آنکھوں سے سیل اشک رواں رہتے تھے' دل آتش فراق سے بھڑک اٹھا اور دل کے زخموں نے الفاظ کی صورت اختیار کر لی لہٰذا بیٹے کے ہجر و فراق میں بڑے درد بھرے اشعار کہے۔ جن کا ترجمہ ہے:

''میں نے زید پر گریہ وزاری کی لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کیا ہو گیا؟ آیا زندہ ہے جس کی امید رکھی جائے یا اسے موت آ گئی۔

خدا کی قسم میں جانتا ہوں اگرچہ پوچھتا بھی ہوں کہ کیا نرم زمین نگل گئی یا پہاڑ کھا گیا۔

marfat.com

کاش میں جانتا کہ آیا تیرا آنا کبھی ممکن ہے۔ پس تیرا واپس آنا ہی میرے لیے دنیا میں کافی ہے۔ آفتاب اپنے طلوع ہونے کے وقت اس کو یاد دلاتا ہے اور جب غروب کا وقت قریب آجاتا ہے تو اس کی یاد کو پھر تازہ کر دیتا ہے۔

بادِ بہاری کی لپٹ اس کی یاد کو برانگیختہ کر دیتی ہے۔ آہ! مجھے اس پر کس قدر شدید رنج و الم ہے۔

عنقریب میں اونٹ کی طرح چل کر تمام دنیا چھان ماروں گا۔ میں اس آوارہ گردی سے اپنی زندگی بھر نہیں تھکوں گا یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے۔

یا مجھ پر موت آجائے' ہر آدمی فانی ہے اگرچہ سراب امید اسے دھوکا دے۔

میں قیس اور عمر دونوں کو اس کی جستجو کی وصیت کرتا ہوں اور یزید کو پھر ان کے بعد جبل کو وصیت کرتا ہوں۔"

جبل حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بھائی تھے اور یزید ان کے اخیافی بھائی تھے۔

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مکہ آئے تو انہوں نے اس یوسف گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کا ماجرائے غم کہہ سنایا۔ بولے:

"یقیناً انہوں نے میری فرقت میں نوحہ خوانی کی ہوگی۔"

"اگر تم اپنے باپ کا حال دیکھو تو پتہ چلے کہ وہ ہجر کی کس آگ میں جل رہا ہے؟"

بنی کلب کے ایک شخص نے کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو' میری طرف سے میرے خاندان والوں کو یہ اشعار سنا دینا شاید انہیں قرار آجائے۔"

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اور پھر چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ ہے:

میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں' گو ان سے دُور ہوں۔ میں خانہ کعبہ میں مشعر حرام کے قریب رہتا ہوں۔

اس لیے اس غم سے باز آجاؤ' میں نے تم کو پُر الم بنا رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح

marfat.com

چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو۔

الحمدللہ کہ میں بنی سعد کے ایک معزز اور اچھے خاندان میں ہوں جو پشت ہا پشت سے معزز ہے۔''

بنی کلب کے لوگ حج سے فراغت کے بعد واپس لوٹ گئے تو وہ حارثہ بن شرجیل کے پاس پہنچے اور نوید سنائی:

''حارثہ! خوش ہو جاؤ کہ زید زندہ ہے اور مکہ میں ہے۔''

حارثہ نے سنا تو اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

''کیا کہا' میرا زید زندہ ہے؟''

اس نے حیرت و استعجاب سے پوچھا۔ وفور یاس کیوجہ سے اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''ہاں! ہاں تمہارا زید زندہ ہے اور ہم اسے مل کر آئے ہیں۔''

یہ سن کر اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں' شادی غم کی سی کیفیت تھی۔

پھر بولا:

''رب کعبہ کی قسم! کیا میرا ہی نور نظر تھا؟''

''ہاں!''

انہوں نے کہا اور پھر تفصیل کے ساتھ اس کا حلیہ بتایا' جائے قیام کے بارے میں معلومات بہم پہنچائیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے بارے میں بیان کیا اس وقت تک ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت نہیں فرمایا تھا۔

اب حارثہ بن شرجیل کا یاس کی بجائے امید نے دامن تھام لیا تھا' حسرت دید عروج پر تھی' اپنے بھائی کعب بن شرجیل کو ساتھ لیا اور سوئے مکہ چل پڑے۔ وہ جلد سے جلد مکہ مکرمہ پہنچ جانا چاہتے تھے' ناقہ کی تیز رفتاری بھی انہیں ست روی محسوس ہوتی تھی' دن رات سفر کرنے کے بعد وہ دونوں بھائی وارد مکہ ہوئے اور سیدھے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور لجاجت آمیز لہجے میں عرض کی:

''اے ابن عبداللہ! اے ابن عبدالمطلب (صلی اللہ علیہ وسلم) اے اپنی قوم کے

marfat.com

رئیس زادہ! تم اہلِ حرم اور اس کے مجاور ہو' مصیبت زدوں کی دستگیری کرتے ہو' قیدیوں کو کھانا دیتے ہو' ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کردو' ہم کو رہین منت بنادو' زرفدیہ جس قدر چاہو' لے لو' ہم بیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہیں۔''

جب وہ اپنی عرض گزار کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''وہ کون ہے؟''

''زید بن حارثہ' میرا بیٹا''

حارثہ نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سنا تو فرمایا:

''کیا اس کے سوا تمہاری اور کوئی حاجت نہیں؟''

''نہیں!''

حارثہ بن شرجیل نے کہا۔

''بہتر! زید کو بُلا کر اختیار دو اگر وہ تمہیں پسند کرے تو تمہارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو اللہ کی قسم میں ایسا نہیں ہوں جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو حارثہ اور اس کا بھائی کعب اس شرط پر رضامند ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو بُلا بھیجا جب وہ حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟''

عرض کی:

''جی ہاں! یہ میرے باپ اور یہ میرے چچا ہیں۔''

زید نے باری باری ان کی طرف اشارہ کیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرعہ انتخاب اس کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا:

''میں کون ہوں اس سے تم واقف ہو' میری ہم نشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے اب تمہیں اختیار ہے' چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو۔''

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں

marfat.com

جو لطف وراحت نصیب ہوا تھا اس پر صدہا آزادیاں نثار تھیں، بولے:

''میں ایسا نہیں ہوں جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو ترجیح دوں۔''

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی میرے ماں باپ ہیں۔''

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس وفا شعاری واخلاص ومحبت نے دونوں باپ اور چچا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، حیرت واستعجاب سے بولے:

''زید! افسوس تم آزادی، ماں باپ، چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو۔''

سنا تو بولے:

''ہاں! مجھے اس ذات پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایسے ہی محاسن واوصاف نظر آئے ہیں کہ میں اس پر کسی کو کبھی بھی ترجیح نہیں دے سکتا۔''

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیر متزلزل وفا شعاری، محبت وعشق نے آقائے شفیق صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں اس کے مقام کو بہت بلند کر دیا لہٰذا اسے خانہ کعبہ میں مقام حجر کے پاس لے جا کر اعلان فرمایا:

''زید آج سے میرا بیٹا ہے، میں اس کا وارث ہوں، وہ میرا وارث ہوگا۔''

اس اعلان سے ان کے باپ اور چچا کے افسردہ دل پھول کی طرح کھل اُٹھے اگرچہ حارثہ بن شرجیل کو مفارقت گوارا نہ تھی تاہم اپنے لختِ جگر کو ایک شفیق ومعزز باپ کے آغوش عاطفت میں دیکھ کر اطمینان ہوگیا اور بوجھل دل کی بجائے امتنان ومسرت سے لبریز دل لیے واپس لوٹ گئے۔

اس اعلان کے بعد حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب کے ساتھ زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانِ زد عام وخاص ہوگئے۔

جب آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا گیا تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتدا ہی میں شرف بیعت حاصل کی، دامنِ اسلام سے وابستہ ہوگئے اور غلاموں میں سب سے پہلے مومن تھے اور جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام سے وابستہ ہوئے تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارہ کرا دیا۔ ان دونوں

marfat.com

میں اس قدر محبت تھی کہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوات پر تشریف لے جاتے تھے تو ان ہی کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے۔

حضرت اُم ایمن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا اور کنیز تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے اور اماں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے۔ان کا اصل نام برکہ تھا اور اُم ایمن کنیت تھی۔ایک روز آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو اُم ایمن سے نکاح کرنا چاہیے۔''

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی و رضا کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے تو ان سے نکاح کرلیا حالانکہ اس وقت حضرت اُم ایمن کی عمر ان سے دوچند تھی۔ ان سے بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتویں سال مکہ معظّمہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تولد ہوئے۔حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے اور انہوں نے مدینے میں جا کر فتح کی خوش خبری دی تھی۔

عرب میں آزاد اور غلام میں بہت فرق تھا' غلام کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اس عہد کے رسم و رواج کے مطابق اشراف کی بیٹیاں آزاد شدہ غلاموں سے نکاح میں اپنی توہین سمجھتی تھیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ تھا کہ اس قسم کے بے بنیاد رسمی تصورات کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعصب و عصبیت کے پردے چاک کر دینا چاہتے تھے تاکہ عرب اور غیر عرب یہ سمجھ لیں کہ ان کے درمیان اگر کوئی خط امتیاز کھینچا جا سکتا ہے تو محض تقویٰ کی بناء پر کھینچا جا سکتا ہے اور فرمایا:

''تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں' غلامی کا جھوٹا خطاب کوئی وقعت نہیں رکھتا جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ آزاد ہوتا ہے مگر کسی نے کسی بچے کو فروخت کر دیا تو وہ غلام بن گیا۔''

اس رسم کو مٹانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں پہل اپنے

marfat.com

خاندان سے کرنا چاہی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴ ہجری میں اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رشتہ اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مانگا اور عرب کے رسم و رواج کے مطابق ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث پانے کا حق بھی تھا۔

جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیغام ملا تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں انہیں اپنے لیے پسند نہیں کرتی کیونکہ نسب کے لحاظ سے میں اس سے بہتر ہوں۔ علاوہ ازیں قریش خاندان کی ایک بیوہ ہوں۔''

ان کے گھر والے بھی اس رشتہ کو پسند نہیں کرتے تھے اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بہن کے ہمنوا تھے۔

''میں انہیں تمہارے لیے پسند کرتا ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تو انہوں نے ادباً عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس بارے میں غور وفکر کے لیے مہلت عنایت فرمائیں۔''

ایسی ہی باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوئے اور سورۂ احزاب کی آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ ہے:

''کسی مسلمان مرد و عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرما دے ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی' بلاشبہ وہ کھلی گمراہی میں ہوا۔''

جب اس آیتِ مبارکہ کو سیّدہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے دونوں بھائیوں نے سنا تو فوراً بولے:

''ہم راضی ہیں' ہماری کیا مجال کہ ہم اپنے اختیار کو درمیان میں لائیں اور معصیت کا ارتکاب کریں۔''

marfat.com

اور اطاعت کے لیے سر جھکا دیا۔

اس کے بعد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح پڑھایا اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے دس دینار اور ساٹھ (۶۰) درہم مہر کے طور پر ادا کیے۔

اس وقت تک حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک فرد کی حیثیت سے رہتے تھے لیکن اس شادی کے بعد ان کی رہائش کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدہ مکان کا بندوبست کیا اور اس نئے جوڑے کی ضروریات کے لیے کھانے پینے کے سامان کے علاوہ کپڑے بھی بھجوائے۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کرنے سے اسلام نے دنیا میں جو مساوات کی تعلیم رائج کی اور پست و بلند کو جس طرح ایک جگہ لا کر کھڑا کر دیا اگرچہ تاریخ میں کئی اور مثالیں بھی موجود ہیں لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس لیے ان سب پر فوقیت وتفوق رکھتا ہے کیونکہ اس سے عملی تعلیم کی بنیاد پڑی تھی۔ قریش اور خصوصاً خاندانِ ہاشم کو تولیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا اس کے لحاظ سے شاہانِ یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے لیکن اسلام نے محض تقویٰ کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر وغرور کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا اس لیے محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کر دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے دولت علم وعرفان سے مالا مال تھے' بہادر وشجاع بھی تھے اور غزوات میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے' سخاوت وامانت ودیانت میں بھی طرۂ امتیاز رکھتے تھے' پیکر صبر ورضا تھے' صرف یہ واحد ہستی ہیں جن کا نام قرآن پاک میں آیا ہے لہٰذا تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک یہی مقصد تھا جیسا کہ اسد الغابہ میں مذکور ہے کہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس لیے کیا تھا کہ ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیں۔

marfat.com

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عزیز و محبوب تھے جب کبھی ان کو نہیں دیکھتے تھے تو پوچھتے تھے:

''زید کہاں ہے؟''

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کرتے ہوئے ان کے گھر تشریف لائے لیکن وہ گھر پر نہیں تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب دیکھا کہ ماہِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے ہیں تو بے حد خوش ہوئیں' وہ محنت و دست کاری کا کام کر کے پیسے حاصل کرتی تھیں اور اس وقت وہ اپنے کام کے کپڑوں میں ملبوس تھی لہٰذا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشی میں وہ کام کے کپڑوں میں ہی تیزی سے تشریف لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب سے منہ پھیر لیا' وہ بولیں،

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ گھر میں نہیں ہیں' آپ تشریف رکھیں' میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔''

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف نہیں لے گئے اور وہیں سے واپس لوٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس گھر تشریف لائے تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''آج حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا کرم فرمایا جو ہمارے گھر تشریف لائے تھے۔''

''تم نے ان کو بٹھایا کیوں نہیں؟''

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا۔

''میں نے تو بیٹھنے کے لیے عرض کیا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔''

پھر پوچھا:

''تم نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کچھ سنا؟''

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے کوئی کلمہ تو پڑھا تھا لیکن سمجھ میں نہیں آیا کیا تھا۔''

marfat.com

بیوی سے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا سنا تو واپس تشریف لے گئے اور سیّدھا بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور بڑے ادب سے عرض کیا:

''یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے تھے' اندر کیوں نہیں آئے؟''

''تم کو دیکھنا تھا۔''

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کرنا قبول کر لیا تھا لیکن ذہنی طور پر وہ انہیں اپنا ہم پلہ و ہمسر نہیں سمجھتی تھیں اور یہ وہ جذبہ تھا جس پر کسی کو اختیار نہیں تھا۔ وہ اسے غلام خیال کرتی تھیں لہٰذا طبیعتوں کے اختلاف کی وجہ سے ان دونوں میاں بیوی میں محبت و پیار نے راہ نہ پائی۔ طبیعت میں بھی قدرے تیزی تھی جبکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے حلیم الطبع اور بردبار تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کی پہلی بیوی حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو عمر میں ان سے تقریباً دوگنا بڑی تھیں اور بیوہ حبشی الاصل تھیں' نہایت خوش و خرم زندگی بسر کر رہے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت سیّدہ آمنہ کا مدینہ کے قریب ارتحال ہو گیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت چھ یا سات برس تھی تو حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر مکہ معظّمہ واپس لوٹ آئیں۔ حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ورثہ میں ملی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ فرماتے تھے،

''والدہ کے بعد میری والدہ ہیں۔''

چنانچہ کئی بار ان کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح عبیداللہ بن زید الحبشی سے ہوا تھا' ان کے بطن سے ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے' دوسرا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا جن سے حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تھے۔

دونوں میں ذہنی عدم مطابقت کی وجہ سے ان کی عائلی زندگی میں روز افزوں تلخیوں کا

marfat.com

اضافہ ہوتا چلا گیا' ہر وقت گھر میں کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا رہتا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہا اپنے محسن و مربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر تلخ و ناخوشگوار حالات کا تذکرہ کیا لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صبر و تحمل سے کام لینے کا فرمایا۔

ایک دن حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شکایت کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان' کیا میں زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دوں کیونکہ وہ میرے ساتھ بہت تند خوئی سے پیش آتی ہیں اور اپنی زبان دراز کرتی ہیں؟''

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں شکایت سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اپنے آپ کو اس سے باز رکھو اور اللہ سے ڈرو۔''

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن صفات و اوصاف کی حامل تھیں' ان سے یہ بعید تھا کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یہ صورتِ حال پیش آتی۔ دراصل انہیں مشیتِ ایزدی سے اُم المومنین کے خطاب سے نوازا جانا تھا اس لیے ایسی صورت پیدا ہوگئی تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس سے متبنیٰ بیٹے کے بارے میں جو عرب معاشرے میں غلط سلط باتیں پائی جاتی تھیں' ان کا قلع قمع کرنا مقصود تھا اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اس زوجہ محترمہ کو طلاق دے دیتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا لہٰذا ایک سال کی ازدواجی زندگی کے بعد ۵ ہجری میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق دے دی۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت اُم الحکیم تھی اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی سے پہلے بھی ایک عقد کیا تھا کیونکہ یہ ممکن نہیں تھا کہ صورت و سیرت کے لحاظ سے ایک بے مثال عورت کی عرب معاشرے میں شادی نہ ہو لہٰذا جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی ہوئی تھی تو

marfat.com

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۳۴ سال تھی لیکن سیر و تاریخ کے اوراق یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ ان کی پہلی شادی کن سے ہوئی تھی اور ان سے جو اولاد پیدا ہوئی اس کا کیا ہوا۔

جزیرۃ العرب میں دیگر ممالک کی طرح بچے کو گود لینے کا رواج تھا اور اسے منہ بولا بیٹا بنا لیتے تھے اس رسم کے تحت جس بچے کو متبنیٰ بنا لیا جاتا تھا اس کے حقوق وہی ہوتے تھے جو سگے بیٹوں کے ہوتے تھے۔ حقیقی اولاد کی طرح برتاؤ کیا جاتا تھا' وراثت بھی ملتی تھی' منہ بولی ماں اور بہنیں اسی طرح میل جول رکھتی تھیں جس طرح صلب و ارحام سے پیدا ہونے والے بیٹے اور بھائی سے تعلق و واسطہ رکھا جاتا ہے۔ منہ بولے باپ کے مر جانے کے بعد اس کی بیوہ سے نکاح ناجائز سمجھا جاتا تھا جس طرح حقیقی ماں اور بہن سے نکاح حرام ہے۔ بعینہ جب منہ بولا بیٹا مر جاتا یا اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تو منہ بولے باپ کے لیے وہ عورت اس کی بہو کی طرح سمجھی جاتی تھی اس رسم بد سے جو صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی' وہ یہ تھی:

(۱) وراثت کے اصل حق دار محروم ہو جاتے تھے۔

(۲) جن سے نکاح حلال تھا' وہ حرام قرار پاتا تھا۔

اسلام ایسی بُرائیوں اور رسوم کو مٹانے آیا تھا نہ کہ ان کو فروغ دینے کے لیے اگر اس رسم کو جاری رہنے دیا جاتا تو معاشرے میں اَن گنت اقسام کی اخلاقی بُرائیاں جنم لے لیتیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اِدھر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا عدت کی مدت پوری کر رہی تھیں اور اُدھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسم تبنیت کے متعلق قرن ہا قرن سے لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں جمے ہوئے خیالات کا مکمل طور پر خاتمہ کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی موقع نہ تھا تاکہ شریعت حقہ کی طرف سے نکاح کے لیے حلال کردہ رشتوں کے بارے میں دلوں میں موجود کراہت و حرمت کے جو جاہلانہ تصورات جاگزیں ہیں' انہیں جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیا جائے اور خود اس رسم جاہلیت پر کاری ضرب لگائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی علم تھا کہ کفار و منافقین اور مخالفین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

سے شادی کے بعد عجیب عجیب باتیں بنائیں گے اور اسے ایسا رنگ دیں گے جس سے مسلمانوں کے ذہنوں میں شک وشبہات جنم لیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کسی نوع کی ذہنی اُلجھن میں مبتلا ہو لہٰذا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور وحی میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُلجھن کو یہ فرما کر دُور کر دیا:

''اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا ہے، تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔''

اور یہ بھی وحی فرمائی:

''اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم !اللہ سے ڈرو اور کفار ومنافقین کی اطاعت نہ کرو، حقیقت میں علیم اور حکیم اللہ ہی ہے۔ پیروی کرو اس بات کی جس کا اشارہ تمہارے رب کی طرف سے تمہیں کیا جا رہا ہے، اللہ ہر اس بات سے باخبر ہے جو تم لوگ کرتے ہو، اللہ پر توکل کرو، اللہ وکیل ہونے کے لیے کافی ہے۔''

جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا، وہ کشاں کشاں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے اور حکم کا انتظار فرمانے لگے:

''زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) !تم جاؤ اور زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو میری طرف سے پیام دو۔''

حکم سننے کے بعد وہ فوراً حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کاشانۂ اقدس کی طرف چل پڑے۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ پیام دے کر بھیجنے میں یہ حکمت پنہاں تھی کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ یہ عقد زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رضامندی کے بغیر کسی جبر کے تحت واقع ہوا ہے اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے کوئی خواہش وتمنا نہیں ہے اور وہ اس بات سے راضی و خوش ہیں اس کے علاوہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے

marfat.com

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی اطاعت پر ثابت قدم رکھنا مقصود تھا اور اللہ کے حکم سے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی راضی رکھنا تھا کیونکہ یہ موقع محل نازک تھا۔

اس وقت تک پردہ کی آیت ابھی نازل نہیں ہوئی تھی' اپنے آقا و مولا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے در اقدس پر پہنچے' فرماتے ہیں:

''جب میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پہنچا تو وہ میری نظروں میں ایسی بزرگ و محترم معلوم ہوئیں کہ میں ان کی طرف نظر نہ اُٹھا سکا پھر میں گھر کی طرف پشت کر کے اُلٹے قدم ان کے پاس گیا اور میں نے کہا:

''آپ کو بشارت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کو پیام دوں۔''

پیام سننے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''میں اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتی جب تک کہ میں اپنے رب عزوجل سے مشورہ نہ کرلوں۔'' اور پھر اُٹھ کر مصلے پر پہنچیں' سر مبارک کو سجدہ میں رکھا اور بارگاہِ بے نیاز میں عرض نیاز کی:

''اے اللہ! تیرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری خواستگاری فرماتا ہے اگر میں اس کی زوجیت کے لائق ہوں تو مجھے ان کی زوجیت میں دے دے۔''

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم' اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مصروفِ گفتگو تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار نمودار ہوئے پھر جب وحی کھل گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے:

''کوئی ہے جو زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس جا کر انہیں بشارت دے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آسمان پر مجھ سے ان کا نکاح کرا دیا ہے۔'' اور پھر سورۂ احزاب کی آیاتِ مبارکہ پڑھیں جن کا ترجمہ ہے:

''جب زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو اے نبی! ہم نے اس مطلقہ خاتون کا نکاح تم سے کر دیا تا کہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں

marfat.com

کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے یہی اللہ کی سنت ان انبیاء کے معاملے میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔''

سلمیٰ نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں' انہوں نے سنا تو وہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی طرف دوڑیں تاکہ ان کو بشارت سنائیں۔

قرآنی آیات سننے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''میرے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے کیونکہ ہمارے ہاں ان کے حسن و جمال کی خبریں آتی رہتی تھیں۔ علاوہ ازیں سب سے عظیم وافضل بات یہ تھی کہ حق تعالیٰ نے آسمان پر ان کا نکاح کرایا تھا۔ میں سوچتی تھی کہ وہ اس نکاح سے ہم پر فخر کیا کریں گی۔''

سلمیٰ جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گئیں تو وہ ہنوز سربسجود تھیں اور بولیں:

''اے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا! مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آسمانوں پر کر دیا ہے۔''

جب یہ عظیم ترین خوش خبری سنی تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو زیور اس ہنگام میں پہن رکھے تھے' وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ سلمیٰ کو عطا فرما دیئے اور سجدہ شکر بجا لائیں اور نذر مانی کہ میں دو ماہ روزہ دار رہوں گی۔ یہ نکاح ذیقعد ۵ ہجری میں ہوا جبکہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۳۶ سال تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بارگاہِ صمدیت میں خاص قرب و مقام حاصل تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا جو اعلان وحی کے ذریعے کیا گیا' وہ قیامت تک نمازوں اور تلاوتوں میں گونجتا رہے گا۔

جب رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح آسمانوں پر اپنی بندی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کر دیا تو آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم ان

marfat.com

کے ہاں تشریف لے گئے اور اجازت نہیں لی اس وقت وہ سر برہنہ تھیں جب اپنے آقا و شوہر کو دیکھا تو عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! اللہ تعالیٰ نکاح کرنے والا ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام گواہ ہیں۔''

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دُلہن بنا کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کا کھانا تیار کروایا اور یک بکری کا ولیمہ کیا اس قدر ولیمہ کسی اور زوجہ محترمہ پر نہیں کیا گیا تھا۔

حضرت اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں' انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا:

''انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج دولہا ہیں اور میرے خیال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صبح کا کھانا بھی نہیں' ذرا یہ برتن تو اُٹھالاؤ۔''

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برتن اُٹھا کر اپنی ماں کو دیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جیس تیار کیا جو عمدہ قسم کی کھجوروں سے تیار کیا گیا تھا اور اتنا ایک لگن میں بھر دیا جتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ کے لیے کافی ہو اور پھر بولیں:

''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ۔''

ماں کے حکم کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھانے کا لگن لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت تک ابھی پردے کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ والدہ صاحبہ نے بھیجا ہے۔''

فرمایا،

marfat.com

''رکھ دو''

چنانچہ انہوں نے برتن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور دیوار کے درمیان رکھ دیا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ابوبکر' عمر' عثمان اور علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بُلا لاؤ۔''

اور چند دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی نام لیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''مجھے حیرت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے سارے آدمی بلوا لیے ہیں اور کھانا تھوڑا سا ہے۔''

بہرکیف وہ حسب الارشاد سب کو بُلا لائے تو پھر حکم ہوا:

''اگر کوئی مسجد میں ہو تو اسے بھی بُلا لاؤ۔''

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لے گئے اور وہاں نماز پڑھنے اور سونے والوں سے کہا:

''آج ولیمہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ لوگوں کی دعوت کی ہے۔''

وہ سب لوگ آ گئے حتیٰ کہ گھر لوگوں سے بھر گیا۔

''مسجد میں کوئی باقی تو نہیں رہا؟''

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

''نہیں!''

انہوں نے عرض کیا تو پھر ارشاد ہوا:

''جو راستہ میں ہو اسے بھی بُلا لاؤ۔''

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے اور راہ والوں کو بھی بُلا لائے اب حجرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھر مخاطب کر کے دریافت فرمایا:

''کوئی باقی تو نہیں رہا؟''

''نہیں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''

marfat.com

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا تو حکم ہوا:

''لگن اُٹھالاؤ''

چنانچہ انہوں نے لگن اُٹھا کر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں تین انگلیاں رکھیں اور اسے دبایا اور لوگوں کو فرمایا:

''بسم اللہ کر کے کھاؤ۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے دیکھا کہ کھجوروں کا بنا ہوا جیس اُبل رہا تھا جیسے چشموں کا پانی اُبلتا ہے' گھر اور حجرے میں بھرے ہوئے تمام لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور لگن میں اتنا ہی باقی تھا جتنا میں لے کر آیا تھا پھر میں نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے لے جا کر رکھ دیا اور یہ حیرت انگیز مشاہدہ جو میں نے کیا تھا' اپنی والدہ محترمہ کو سنانے کے لیے گھر چلا گیا اور جو دیکھا تھا ان کے گوش گزار کیا تو وہ بولیں،

''تعجب نہ کرو اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مدینہ والوں کو کھلانا چاہتے تو انہیں بھی کافی ہو جاتا۔''

اور پھر پوچھا:

''تمہارے اندازے کے مطابق کتنے آدمی ہوں گے؟''

تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

''تین سو آدمی''

کھانا کھانے کے بعد کچھ لوگ وہاں بیٹھے باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی لیکن فرطِ مروت سے خاموش تھے۔ بعدازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر باہر تشریف لے گئے اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے پاس جا کر سلام کرنے لگے۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے پوچھا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا؟''

اسی مکان میں جہاں وہ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے' اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں ان کا چہرۂ مبارک دیوار کی طرف تھا۔

marfat.com

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری ازواج کے مکان میں جا کر بیٹھ گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد ورفت کو دیکھ کر وہاں پر موجود لوگوں کو اس امر کا احساس ہوا تو اُٹھ کر چلے گئے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر اطلاع دی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ لوگ چلے گئے ہیں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو پردہ کے متعلق وحی نازل ہوئی جو سورۂ احزاب کا حصہ ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اے ایمان والو! نبی کے گھروں پر مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بُلایا جائے تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اُٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے۔ سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگو۔''

چنانچہ آیات پردہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہوگئی۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں، وہ یہ ہیں:

(۱) جاہلیت کی ایک رسم کہ متبنیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے، مٹ گئی اور حق تعالیٰ نے یہ فرما کر:

لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج اولیائھم

خاص شریعت وضع فرمائی تا کہ مسلمانوں پر ان کے لے پالکوں کی بیبیوں کے لیے کچھ حرج نہ رہے۔''

(۲) مساوات اسلامی کا عظیم الشان منظر نظر آیا جس سے آزاد غلام کی تمیز اُٹھ گئی۔

marfat.com

(۳) پردہ کا حکم ہوا۔
(۴) نکاح کے لیے وحی الٰہی آئی۔
(۵) ولیمہ میں تکلف ہوا۔

اس بناء پر اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھیں۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں جو بیبیاں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں' ان میں صرف حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں' خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں:

''ازواج میں سے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں۔''

جب حق آتا ہے تو وہ باطل کا ستیاناس کر دیتا ہے' حق و صداقت کی مضبوط چٹانوں کے سامنے کذابوں اور جھوٹوں کی تعمیر کردہ ریت کی دیواروں کی کوئی وقعت و حقیقت نہیں۔ یہود و مشرکین و منافقین کی مسلسل و پیہم شکستوں نے انہیں بوکھلا دیا تھا اور حق کے مقابل وہ بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔ خصوصاً شوال ۳ ہجری اور غزوۂ بنی قریظہ ۵ ہجری کے درمیان جب یہ معاندین اسلام داعی اسلام کے خلاف ہر حربہ آزمانے کے باوجود جس ذلت و ہزیمت سے دوچار ہوئے تھے اس نے ان کے سینوں کے اندر آتشیں انتقام کو بھڑکا دیا تھا اب وہ اس تاڑ میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کے اندر ایسے کمزور پہلو تلاش کیے جائیں جن کو بنیاد بنا کر وہ مسلمانوں کے خلاف فضا قائم کر سکیں لیکن ان بدبختوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی خواہش سے نطق بھی نہیں فرماتے اور جو کچھ کرتے ہیں' وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اذن و حکم سے کرتے ہیں۔

منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح فرمانے کی دیر تھی کہ معاندین اسلام' مستشرکین' مشرکین' کفار اور منافقین کی زبانیں دراز ہو گئیں انہوں نے

marfat.com

مسلمانوں، اسلام اور ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ شروع کر دیا اور ہرزہ سرائی اور خباثت میں انتہا کر دی لیکن حق وصداقت کا چراغ نہ کبھی کفر وضلالت کی آندھیوں سے بجھا ہے نہ بجھ سکے گا لہٰذا انہیں اس میں بھی منہ کی کھانی پڑی۔

سب سے بڑا اعتراض انہیں یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلاق شدہ عورت سے شادی کی جو معاشرے کی قدیم ترین مسلمہ روایت کے صریحاً خلاف تھا کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہو تھی لیکن قرآن نے ان کے اس باطل طرز استدلال کا ردیہ فرما کر:

"ما کان محمد ابا احدمن رجالکم"

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے والد نہیں ہیں۔

معترضین کے منہ پر چپت رسید کر دی اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا:

"ادعوھم لا بائھم ھو اقسط عنداللہ"

یعنی لوگوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو۔

اس کے بعد زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم، زید بن حارثہ بن گئے اور یہ بات ایک بے بصیرت شخص بھی جانتا ہے کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا لیکن اعتراض کرنے والوں کی عقلوں پر پردہ پڑ گیا تھا۔

جب مخالفین ومنافقین نے دیکھا کہ اس اعتراض سے جو شگاف وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں اور عاشقوں کے دلوں اور ذہنوں میں ڈالنا چاہتے تھے تاکہ ان کی وفا شعاریاں شک وشبہات کا شکار ہو جائیں، وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے تو انہوں نے دوسرا رخ اختیار کیا اور بظاہر مسلمانوں کی خیر خواہی کا روپ دھارا اور کہنے لگے:

"یہ درست ہے منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا اور اس کی بیوی بھی حقیقی بہو نہیں ہوتی لیکن وقتی مصلحت کا تقاضا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی نہ کرتے اگرچہ یہ جائز وحلال ہے۔"

لیکن ان عقل کے اندھوں کو اس بات کی سمجھ نہ آئی کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح باری تعالیٰ نے خود آسمان پر کیا جس کی گواہی

marfat.com

سورۂ احزاب میں قیامت تک موجود رہے گی۔ بھلا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اللہ کا حکم کیسے نہ مانتے اور نہ ہی یہ نبی و رسول کی شان ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے حکم و رضا کے خلاف کوئی کام کرے۔

ایک اعتراض ان دشمنانِ اسلام کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدادِ ازواج پر تھا اور وہ اس آیتِ مبارکہ کا سہارا لیتے تھے جس میں فرمایا گیا ہے،

''جو عورتیں تم کو پسند آئیں' ان میں سے دو دو' تین تین' چار چار سے نکاح کرلو لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔''

لیکن یہ حکم عام لوگوں کے لیے تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ تھے۔ سورۂ احزاب میں ہے:

''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے تمہارے لیے حلال کر دیں تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کیے ہیں اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیاں میں سے تمہاری ملکیت میں آئیں اور تمہاری چچا زاد' پھوپھی زاد' ماموں زاد' خالہ زاد بہنیں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کیا ہو اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے نکاح میں لینا چاہیں' یہ رعایت خالصتاً تمہارے لیے ہے' دوسرے مومنوں کے لیے نہیں ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ عام مومنوں کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں کیا حدود عائد کی گئیں' تمہیں ان حدود سے اس لیے مستثنیٰ کیا ہے تاکہ تمہارے اوپر کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔''

اگر مستشرقین کے تمام اعتراضات کو بفرضِ محال درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ بات یہ ہے کہ جو اصول و قواعد عوام پر حاوی ہوتے ہیں' ان کا اطلاق خواص پر نہیں ہو سکتا جب ہم خواص کو مستثنیٰ قرار دے سکتے ہیں تو انبیاء بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ قرار دیئے جائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو شخصوں کو باہم دست و گریبان دیکھا' ان میں سے ایک ان کا ماننے والا تھا اور دوسرا مخالف۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیچ بچاؤ میں مخالف کو جان سے مار ڈالا۔ عام قانون کی رو سے یہ ہلاکت آفریں اقدام جائز نہ تھا کیونکہ نہ جنگ چھڑی ہوئی تھی اور

marfat.com

نہ اس کے مشابہ کوئی حالت تھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس قانون کا اطلاق نہیں ہوتا تھا اور ان کا یہ اقدام پیغمبرانہ عظمت کے منافی نہ تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ان اصول فطرت کے منافی تھی جو سلسلہ توالد و تناسل میں قریب قریب ناگزیر قرار دیئے جاتے ہیں۔ روح القدس علیہ السلام نے انسانی صورت میں ان کی والدہ کے سامنے ظاہر ہو کر تولد پسر کی بشارت دی۔ حضرت مریم علیہ السلام کو اس بشارت سے حیرت ہوئی اور بولیں:

''اللہ اسے اپنے بندوں کے لیے حجت قرار دینا چاہتا ہے۔''

جب وضع حمل کا زمانہ قریب پہنچا تو حضرت مریم علیہ السلام نے کہا:

''کاش! اس سے پہلے مجھے موت آ گئی ہوتی اور لوگ مجھے بھول جاتے۔''

فرشتے نے ان کے قدموں کے نیچے سے آواز دی:

''غمگین نہ ہو' اللہ نے تمہارے قدموں تلے چشمہ جاری کر دیا ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد لوگ حضرت مریم علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''یہ عجیب شے ہے جو ظہور میں آئی ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پہلے کہ ان کی والدہ جواب دیتیں' ان لوگوں سے کہا:

''میں اللہ کا بندہ ہوں۔''

اگرچہ یہودیوں نے اس چیز سے انکار کر دیا تاہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصی عظمت سے یہ چیز پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اللہ نے ان کی خاطر طبیعت اور خلقت کے قوائد و ضوابط بدل دیئے تھے لیکن ایک ایسے واقعہ سے متعلق جو اس کے مقابلہ میں کچھ زیادہ عجیب نہیں ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرتے ہیں حالانکہ اکابر سے ایسے واقعات کا ظہور ممکن ہے جو رسوم اجتماع اور قوانین طبیعت کے خلاف ہوں۔ معاندین اسلام اور منافقین جو بے سروپا باتیں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرتے ہیں وہ سرے سے غلط ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی سے اس

marfat.com

کی نفی ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان سے اس قسم کی باتوں کو کوئی مناسبت بھی نہیں ہے۔

تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دل و جان سے چاہتی تھیں ہر ایک اس کوشش میں رہتی تھیں کہ ان کی توجہ کا مرکز بنیں۔ باری کے سلسلہ میں بھی وہ بڑی حساس تھیں اور یہ بھی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب و معیت حاصل کرنے کے لیے دوسری زوجہ محترمہ کے لیے اپنی باری بھی قربان کر دیتی تھیں جیسے اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا تھا۔ یہی وہ جذبۂ محبت تھا جو بعض اوقات کوئی بات کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا۔

ایک مرتبہ تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے بنت رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اور ان سے ہماری طرف سے بات کریں۔ ایک دن ہادیٔ برحق نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارک میں تشریف فرما تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ رحمۃ للعالمین نے اپنی لختِ جگر کو اندر بُلا لیا اور پوچھا:

''کیا بات ہے بیٹی!''

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی ازواج نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے''۔

بنت رسول اللہ صلی اللہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

''کس لیے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو بولیں:

''وہ آپ سے ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی میں برابری کی خواست گار ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو ارشاد فرمایا:

''پیاری بچی! کیا میری محبوب شے تم کو محبوب نہیں؟''

marfat.com

''کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لحہ بھر توقف کیے بغیر عرض کیا۔

''تم عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو محبوب رکھو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپس لوٹ گئیں اور دوسری ازواج کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنا دیا تو وہ کہنے لگیں:

''تم نے ہمارے لیے کچھ نہیں کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ''۔

تو بنت رسول اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا:

''اللہ کی قسم! میں اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز بات نہیں کروں گی۔''

وقت گزرتا رہا جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آ گئیں تو وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مقابلے میں تھیں بقیہ ازواج نے ان سے اس سلسلہ میں بات کی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی موجود تھیں کہنے لگیں:

''میں پھر ابا جان صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ضمن میں بات کرتی ہوں۔'' حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی زور دے کر کہا تو وہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے گئیں اس دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارک میں تھے۔ چنانچہ اجازت لے کر اندر گئیں اور عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی بیویوں نے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا ہے اور وہ ابو قحافہ کی بیٹی میں مساوات کی طلب گار ہیں۔''

''زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے تمہیں بھیجا ہے؟''

آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

''زینب اور دوسری ازواج نے''

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا۔

''سچ بتاؤ کیا زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہی اس کی کرتی دھرتی ہیں؟''

marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

''جی ہاں!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو مسکرا دیئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپس لوٹ گئیں اور جو ہوا تھا اس سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہنکو مطلع کر دیا اس پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''اے بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے کچھ نہیں کیا۔''

پھر دوسری ازواج نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا:

''تم جاؤ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرو۔''

چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حجرۂ صدیقہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف تشریف لے گئیں تاکہ دوسری ازواج کی وکالت کریں۔ اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج میں عدل نہیں فرماتے۔ عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان زیادہ ہے' کیا یہ ہماری حق تلفی کے مترادف نہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہر بیوی کے لیے ایک دن اور ایک رات کی تخصیص نہیں کی؟''

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صرف اسی بات پر اکتفا نہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج میں عدل روا نہیں رکھتے بلکہ انہوں نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بھی جو سامنے ہی بیٹھی تھیں' کچھ سخت سست باتیں کیں۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دینے کی کوشش کی لیکن آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے خاموش رہیں مگر باوجود ان کی خاموشی کے وہ تلخ ترش باتیں کرتی رہیں۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی اپنی مدافعت میں کچھ کہنے کی اجازت دے دی پھر کیا تھا اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس انداز میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ

marfat.com

عنہا کی باتوں کی کاٹ کی کہ ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوئی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی کی زبان آوری پر دنگ رہ گئے اور فرمایا:

''یہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی ہیں۔''

محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نمازِ عصر کے بعد تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ہاں تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور پھر اس زوجہ محترمہ کے پاس چلے جاتے جس کی باری ہوتی تھی۔ ایک دن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو وہاں معمول سے قدرے زیادہ دیر لگ گئی' ان کے ہاں شہد آیا ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شیرینی پسند تھی لہٰذا وہ شہد کا شربت بنا کر پیش کیا کرتی تھیں اس وجہ سے وہاں تھوڑی دیر زیادہ بیٹھنا پڑتا تھا لیکن یہ بات دوسری ازواج کو پسند خاطر نہ تھی۔ جذبہ وہی کارفرما تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب زیادہ سے زیادہ نصیب ہو۔ چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جائیں تو ہر ایک یہی کہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔''

ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہد کا شربت نوش فرما کر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے مبارک سے نکلے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے مغافیر تناول کی ہے؟''

''نہیں! زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں شہد کا شربت پیا تھا۔''

یہاں سے آپ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مغافیر تناول نہیں کی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں شہد کا شربت پیا تھا۔''

بعد ازاں وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس

marfat.com

گئے تو وہ کہنے لگیں:

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں' کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغافیر پی ہے؟''

''نہیں!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور پھر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پہنچے تو انہوں نے بھی وہی کہا جو پہلی تینوں ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے کہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد اپنے اوپر حرام کرلیا۔

مغافیر ایک پھول کا نام ہے اس میں کچھ بساند ہوتی ہے اگر شہد کی مکھی اس کا رس چوسے تو اس کے اندر اس کا اثر آ جاتا ہے اور یہ حقیقت سب پر عیاں تھی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نہایت نفاست پسند تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے نفرت تھی کہ منہ سے بو آئے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد اپنے اوپر حرام کرلیا تو فوراً وحی آ گئی اور سورۃ تحریم کا آغاز ہی یہاں سے ہوتا ہے۔

''اے غیب بتانے والے نبی! تم اپنے اوپر کیوں حرام کیے لیتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی۔ اپنی بیبیوں کی مرضی چاہتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

چنانچہ اس آیتِ مبارکہ کے نزول سے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے متعلق ایک اہم اور بنیادی ضابطہ روشن ہوا کہ کون حلال کو حرام قرار دے سکتا ہے اور اس کا باعث بھی اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی بنیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ میں گوشت آیا' لوگ زیادہ تر ہدیہ اس دن بھیجا کرتے تھے جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں ہوتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس میں سے ہر زوجہ کو اس کا حصہ بھیج دو۔''

حکم کے مطابق انہوں نے سب کو ان کے حصے کا گوشت بھیج دیا لیکن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی وجہ سے واپس بھیج دیا۔

marfat.com

''اس میں کچھ اضافہ کر کے بھیج دو''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم دیا تو انہوں نے اس میں کچھ اور اضافہ کر کے بھیج دیا' گوشت پھر واپس آ گیا اس میں مزید اضافہ کیا گیا مگر اس دفعہ بھی گوشت لوٹا دیا گیا۔

''زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گوشت لوٹا دیا ہے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کی نگاہ میں گر جاؤں گا۔''

اور پھر ارشاد فرمایا:۔

''میں ایک ماہ تک تم لوگوں کے پاس نہیں آ ؤں گا۔''

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالا خانے پر تشریف لے گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک انصاری سے بھائی چارہ تھا' ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا:

''ایک بڑی خبر ہے۔''

''کیا شاہ غسان ہم سے لڑنے کے لیے آ رہا ہے؟''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

''اس سے بھی بڑی خبر ہے۔''

اس انصاری نے جواب دیا۔

''پھر کیا خبر ہے؟''

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔''

اس نے بتایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی طرف چل پڑے' لوگ اس طرح خاموش بیٹھے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکڑی کے زینہ پر چڑھے' دیکھا کہ دروازے پر ایک حبشی غلام ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے با آواز بلند کہا:

marfat.com

''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ' کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟''

حبشی غلام نے گھر کے اندر سر کر کے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے لیے ۔ ت طلب کی۔ جواب نفی میں ملا تو حبشی غلام نے انہیں واپس لوٹا دیا اور کہا:

'اجازت نہیں ہے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھوڑی دیر تو ٹھہرے رہے مگر دل کا صبر و قرار ٹ چکا تھا پھر زینہ کی دو سیڑھیاں چڑھ گئے اور سلام کر کے عرض کی:

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟''

حبشی غلام نے پھر اندر کی طرف دیکھا تو انہیں بھیجنے کے لیے فرمایا:

''حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر تشریف لے گئے دیکھا کہ سرورِ کونین' اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ننگی چٹائی پر دراز ہیں اور سر اقدس کے نیچے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے ہیں اور چٹائی کے نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کروٹ مبارک پر پڑے ہوئے تھے۔ یہ حال دیکھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں' پوچھا:

''عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! کیوں روتے ہو؟''

عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کسریٰ و قیصر جو اللہ کے دشمن ہیں' ریشم کے بستر بچھاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی اور اس کے برگزیدہ بندے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف ایک بوریا اور چمڑے کا ایک تکیہ ہے جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہیں اور سرہانے کھال ہے جس میں ہوا ہے۔''

''ان لوگوں کو دنیا ہی میں نعمتیں دی گئی ہیں۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

marfat.com

''یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی ہے؟''

فرمایا:

''نہیں!''

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے تکبیر کہی جسے مسجد والوں نے سنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہہ دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حسن تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے کہ ان کی ریس کر کے کوئی ایسی حرکت کرو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا باعث بنے۔''

یہ سنا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کو حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کوئی بات ناگوار گزرتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم شوق سے انہیں طلاق دے دیں' اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میرے مال اور اہل وعیال سے زیادہ پیارے ہیں۔''

سنا تو ارشاد فرمایا:

''عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! بندہ کبھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا نہ سمجھے۔''

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔''

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمر اوس بن خولی انصاری بھائی نے بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو چھوڑ دیا ہے تو اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے تھے اور ان سے کہا تھا:

marfat.com

''شاید تم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتی ہو لیکن دیکھو تمہارا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسا نصیبہ نہیں اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسا حسن نہیں ہے۔''

جب ۲۹ دن ہو گئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالا خانے سے اُتر آئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کی:

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں' میں نے معمولی سمجھ کر ایک بات کہی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کا تعین نہیں فرمایا تھا؟''

ارشاد فرمایا:

''مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔''

اور وہ مہینہ ۲۹ دن کا ہی تھا۔

غزوۂ خیبر ۷ ہجری میں وقوع پذیر ہوا تھا' یہ بہت بڑا شہر تھا جس میں متعدد قلعے اور بکثرت کھیتیاں تھیں۔ یہ مدینہ منورہ سے آٹھ برید کے فاصلہ پر شام کی جانب ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ محرم کے آخری دنوں میں تشریف لے گئے تھے' دس یا بارہ روز تک اس کا محاصرہ فرمایا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتح کرا دیا اس میں سے بہت مالِ غنیمت ملا' بہت سی کھیتیاں اور باغ قبضہ میں آئے۔ اہلِ خیبر کو ہی ان کی آہ زاری پر کھیتوں اور باغوں پر پیداوار کے آدھے حصے کے عوض مقرر کر دیا' وہ حصہ جو مسلمانوں کو ملا تھا اس میں سے اُم المومنین حضرت سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے سالانہ اسی (۸۰) وسق کھجوریں اور تیس (۳۰) وسق گیہوں یا جو عطا فرمایا کرتے تھے۔

فتح مکہ کے بعد مسلمان خاصے دنوں تک مکہ میں قیام پذیر رہے' انہیں یہ خوشی تھی کہ اللہ نے ان کی مدد کی اور زیادہ قتل و غارت کے بغیر اتنی بڑی فتح عطا فرمائی جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان کی مسحور کن آواز فضا میں اُبھرتی تو وہ نماز کے لیے خانہ کعبہ میں جمع ہو جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تشریف فرما ہوتے' لوگ ان کے

marfat.com

گرد جمع ہو جاتے تھے۔

فتح مکہ کے بعد مسلمان مطمئن تھے کہ اسلام کو اب استحکام حاصل ہو گیا ہے اور جہاد کے بیشتر مواقع پر انہیں فتح و کامرانی نصیب ہوئی ہے۔ وہ ابھی مکہ مکرمہ میں ہی تھے کہ انہیں ایسی خبریں ملنا شروع ہوئیں جو تشویش ناک تھیں۔

بنی ہوازن مکہ کے جنوب مشرقی پہاڑوں پر سکونت پذیر تھے جب انہیں فتح مکہ کا علم ہوا اور پتہ چلا کہ بتوں کو نیست و نابود کر دیا گیا ہے تو انہیں خدشہ ہوا کہ اب ان کی باری ہے مسلمان ان پر ٹوٹ پڑیں گے لہٰذا انہوں نے سوچا کہ اس متوقع حادثے سے بچاؤ اور مسلمانوں کی پیش قدمی کی روک کے واسطے کیا صورت اختیار کی جائے۔ چنانچہ مالک بن عوف نے بنی ہوازن اور بنی ثقیف کو جمع کیا' بنی نصر اور بنی جشم بھی ان میں شامل ہو گئے۔ بنی ہوازن میں سے بنی کعب اور بنی کلاب کے سوا کوئی قبیلہ پیچھے نہ رہا۔ بنی جشم میں درید بن صمہ بھی تھا' بہت بوڑھا ہو چکا تھا اس قابل نہ تھا کہ لڑائی میں حصہ لے سکے لیکن سالہا سال تک اس کی عمر جنگ کے میدانوں میں گزری تھی' وہ تجربے کی بناء پر مفید رائے دے سکتا تھا۔ یہ سب قبائل اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کے ساتھ جمع ہو گئے جب وہ میدان اوطاس میں جا کر اُترے تو درید نے اونٹوں کے بلبلانے' گدھوں کے رینگنے' بچوں کے چیخنے اور بکریوں کے ممیانے کی آوازیں سنیں تو اس نے مالک بن عوف سے پوچھا:

''جنگجو اپنے مال اور اہل و عیال کو کس لیے ہمراہ لائے ہیں؟''

''یہ اس لیے کہ جنگجو بہادروں کو غیرت و ہمت دلائی جا سکے۔''

مالک بن عوف نے جواب دیا تو درید نے کہا:

''کیا بھگوڑوں کو بھی کوئی چیز روک سکتی ہے؟ اگر جنگ کا فیصلہ تمہارے حق میں ہوا تو شمشیر زنوں اور نیزے بازوں کے سوا کوئی بھی کار آمد نہ ہو گا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا اور تمہیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا تو تمہارے اہل و عیال اور مال پر دشمن کا قبضہ ہو گا اور اس میں تمہاری رسوائی ہو گی۔''

اس مسئلہ پر مالک بن عوف اور درید میں اختلاف ہو گیا' لوگوں نے مالک کی رائے

marfat.com

کو ترجیح دی اور اسی پر عمل کیا۔ مالک تیس (۳۰) سال کی عمر کا تھا اور لوگ اسے پختہ ارادے اور محکم رائے کا مالک سمجھتے تھے لہٰذا وریدکثرت رائے کی مخالفت پر جم نہ سکا اور اپنی تجربہ کاری کے باوجود چاروناچار اسے بھی ان سے متفق ہونا پڑا۔

مالک نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ حنین کی چوٹیوں اور وادی کے درے میں جمع ہو جائیں، جونہی مسلمان یہاں پہنچیں، سب کے سب آن کی آن میں ان پر ٹوٹ پڑیں اور ان کی صفیں درہم برہم کر دیں تاکہ وہ بدحواسی میں آپس میں ایک دوسرے سے اُلجھ پڑیں اور مجبوراً زچ ہو کر راہِ فرار اختیار کریں۔ نیز فتح مکہ سے انہیں اپنی طاقت پر جوزعم ہو گیا ہے اس کا طلسم بھی پاش پاش ہو جائے گا اس طرح بلاد عرب میں قبائل حنین کو یہ فخر حاصل ہو جائے گا کہ انہوں نے اس قوت کو زیر کر لیا جو تمام بلاد عرب پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ تمام قبائل نے مالک کے حکم کی تعمیل کی اور وادئ حنین کے درے میں روپوش ہو کر بیٹھ گئے۔

مکہ میں دو ہفتے قیام کے بعد مسلمانوں کا لشکر جرار حنین کی طرف روانہ ہوا اس سفر میں اُمہات المومنین میں سے حضرت اُم سلمہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی ساتھ تھیں۔

تمام مسلمان فوجیوں کے دل خوشی سے بلیوں اُچھل رہے تھے کہ آج ہم اتنی تعداد میں ہوتے ہوئے مغلوب نہ ہوں گے، لشکر شام کے دھندلکے میں حنین کے مقام پر پہنچا۔ وادی سے باہر پڑاؤ ڈال دیا اور صبح تک وہیں ٹھہرے رہے پھر فوج نے حرکت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار لشکر کے پیچھے پیچھے تھے، یہ لشکر وادئ حنین کے درے سے داخل ہو کر تہامہ کی ایک وادی میں اُترا جونہی انہوں نے وادی میں قدم جمائے، مخالفین نے مالک بن عوف کی ہدایت کے بموجب ان پر اچانک حملہ کر دیا اور تیروں کی بارش برسانے لگے ابھی آخر شب کی تاریکی کافور نہیں ہوئی تھی، مسلمان اس ناگہانی آفت سے حواس باختہ ہو گئے اور بوکھلاہٹ کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی۔ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ نے کہا:

marfat.com

''آج ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لیں گے۔''

اس کا باپ غزوۂ احد میں مارا گیا تھا۔

کلاہ بن حنبل نے کہا:

''آج ان کا جادو ٹوٹ گیا۔''

تو اس کے بھائی صفوان نے جواب دیا:

''خاموش رہ! اللہ تیرا منہ بند کرے۔ بخدا اگر قریش کا کوئی ایک شخص مجھ پر فرماں روائی کرے تو اس سے بہتر ہے کہ مجھ پر ہوازن کے کسی شخص کی حکومت ہو۔''

اور پھر بنی ہوازن سیلاب کی طرح اپنی کمین گاہوں سے باہر نکل آئے اور وادی کے میدان میں صف آرا ہو گئے اس وقت تک مسلمان بھی سنبھل چکے تھے' سورج کی دو پہلی کرنوں نے آخر شب کے دھندلکوں کی تاریک چادر تار تار کر دی تھی اور پھر جنگ شروع ہو گئی۔ ہر لحہ جنگ میں شدت آتی جا رہی تھی' دشمنوں کے پرے کے پرے صاف ہو رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پکار اُٹھے:

''اب جنگ اپنے پورے شباب پر آئی ہے''

اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کنکریوں کی ایک مٹھی لے کر دشمنوں پر پھینکی اور فرمایا:

''چہرے بدہیئت ہو گئے۔''

مسلمان بڑھ بڑھ کر داد شجاعت دے رہے تھے اور جب بنی ہوازن و بنی ثقیف نے دیکھا کہ مقابلہ مفید نہیں اور بعید نہیں کہ سب موت کے گھاٹ اُتار دیئے جائیں تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور اپنے اہل و عیال اور مال کو پیچھے چھوڑ گئے۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ طائف کا رُخ کریں اور بنی ثقیف کا محاصرہ کریں جن کا سرغنہ مالک بن عوف تھا جب مسلمان وہاں پہنچے تو وہ قلعوں کے اوپر سے تیراندازی کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کو حکم دیا کہ وہ تیروں کی زد سے ہٹ کر اس جگہ قیام کریں جہاں طائف کی فتح اور اہل

marfat.com

طائف کے قبولِ اسلام کے بعد مسجد کی تعمیر عمل میں آئی۔

بنی ثقیف کے تیروں سے اٹھارہ مسلمان جامِ شہادت نوش کر چکے تھے' بہت سے مسلمان زخمی بھی ہوئے۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک لختِ جگر بھی شامل تھا اسی مقام کے ایک طرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے سرخ رنگ کے چمڑے کے دو خیمے بھی نصب کیے گئے تھے۔ یہ دونوں ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اس وقت سے جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے عزم سفر کیا تھا' ان تمام ہنگاموں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چلی آئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں خیموں کے درمیان نماز پڑھا کرتے تھے۔ غالباً مسجد طائف اسی جگہ تعمیر کی گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے وفد سے مالک بن عوف نصری کا حال پوچھا تو انہوں نے بتایا:

''وہ ابھی تک بنی ثقیف کے ساتھ طائف میں مقیم ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ اسے میرا پیغام دو۔

''اگر وہ اسلام قبول کر لے تو میں اسے اس کے اہل و عیال کے علاوہ سو اونٹ بھی دوں گا۔''

جب مالک بن عوف کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وعدے کی اطلاع ملی تو وہ فوراً اپنے گھوڑے پر زین کس کر بنی ثقیف سے بچ بچا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اس نے آخر اسلام قبول کر لیا اور اپنے اہل و عیال اور مال و منال کے علاوہ سو اونٹ بھی لے لیے۔

۲۵ ذیقعد ۱۰ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن جن میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں' کو ہمراہ لے کر حج کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے پیچھے وہ لوگ تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

marfat.com

کے ساتھ اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے شوق میں مدینہ میں جمع ہوئے تھے۔ ہر دل بیت اللہ کی زیارت اور حج اکبر کی ادائیگی کے خیال سے خوشی اور انبساط محسوس کر رہا تھا۔

زوال شمس کے بعد آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم قصوا اونٹنی پر سوار ہو کر میدانِ عرفات کے وسط میں تشریف لائے اور اونٹنی ہی پر بیٹھے ہوئے بلند آواز سے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ کا طریق یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فقرہ ارشاد فرما کر چپ ہو جاتے اور ربیعہ بن اُمیہ بن خلف اسے دہراتے پھر دوسرا فقرہ ارشاد فرماتے اور ربیعہ بن اُمیہ بن خلف اسے دوہراتے اس طرح تمام مجمع نے نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام خطبہ اچھی طرح سُن لیا بلکہ اسے ذہن نشین بھی کر لیا اس کے چند ایک اہم نکات یہ تھے،

(۱) شاید میں اس سال کے بعد اس جگہ تم سے پھر کبھی نہ مل سکوں۔

(۲) جس شخص کے پاس کسی کی کوئی امانت ہو وہ اس کے مالک کو لوٹا دے۔

(۳) آج سے ہر قسم کا سود ختم کیا جاتا ہے۔

(۴) جس قدر خون زمانہ جاہلیت کے تھے، سب ختم کیے جاتے ہیں۔

(۵) تمہیں اپنے دین کی شیطان سے حفاظت لازمی ہے۔

(۶) تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا بھی تم پر حق ہے۔

(۷) میں تم میں وہ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہیں کتاب اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

(۸) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ پس تم ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے باز رہنا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ختم کر چکے تو فرمایا:

''کیا میں نے اللہ کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا؟''

''یقیناً''

ہر طرف سے آواز آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔''

marfat.com

اُم المومنین حضرت سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا چھ سال کاشانۂ نبوت میں براہِ راست آفتاب و ماہتاب نبوت کی تجلیات و انوار سے مستفید ہوتی رہیں، اعلیٰ صفات واوصاف کی پہلے ہی حامل تھیں لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت وقرب نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سونے سے کندن بنا دیا تھا۔ اخلاقی و روحانی کمالات کا مرقع بن گئی تھیں، دین اسلام کی تعلیمات کے حصول اور اپنی حیات کو اسوۂ رسول کے نورانی سانچے میں ڈھالنے کے لیے شبانہ روز سعی جمیلہ فرماتی تھیں۔

ربیع الاوّل ۱۱ ہجری میں وہ عظیم حادثہ رونما ہوا جس کا مسلمانوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا، انہیں کیا خبر تھی کہ حجۃ الوداع کے بعد کچھ عرصہ ان کے درمیان رہنے کے بعد رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جدائی وفرقت کے داغ دے جائیں گے لہٰذا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی کے لمحات آ گئے تو ہر دل سوگوار اور آنکھ اشک بار تھی، کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب اعلیٰ کے پاس تشریف لے جانے کا یقین نہیں آتا تھا لیکن جو واقعہ عظیم ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا۔ اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس صدمہ جانکاہ کے بھاری پتھر اپنے دل پر اُٹھائے، آنکھوں سے آنسو بھی بہے جس ہستی کو راضی کرنا رب کریم کو راضی کرنا تھا، وہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئی تھی، دنیا اندھیر نظر آتی تھی۔ ''مگر اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' کی آواز بھی کانوں میں گونج رہی تھی۔ یہ عظیم صدمہ نہایت ہمت واستقلال سے برداشت کیا۔

اُم المومنین حضرت سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تین بھائی اور تین بہنیں تھیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدیم الاسلام تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں میں سے تھے، اپنی بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ بطرف حبشہ ہجرت کی تھی، حق و باطل کے پہلے معرکہ بدر میں بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ غزوۂ احد میں بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد کیا اور اسی میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے ماموں حضرت

marfat.com

حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی غزوہ میں شہید ہوئے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ماموں بھانجے کو ایک ہی قبر میں سپردِ خاک کیا۔

(۲) حضرت ابو احمد عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے شاعر تھے' اسلام کی خاطر ملک حبش کی طرف ہجرت کی تھی' ان کی زوجہ محترمہ حضرت فارعہ بنت ابوسفیان اموی رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ آپ نابینا تھے لیکن اپنی شاعری سے اسلام کا دفاع کیا اور اس کی مدح سرائی کی۔

(۳) عبیداللہ جو اوّلاً مسلمان تھے جب حبشہ ہجرت کر کے گئے تو وہاں مرتد ہو گئے۔ عیش وعشرت میں پڑ گئے' عیسائی مذہب قبول کر لیا' ان کی بیوی حضرت ابوسفیان کی لختِ جگر رملہ تھی جن کا نام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمانے کے بعد اُم حبیبہ رکھ دیا تھا اور اُمہات المومنین کے خطاب سے نوازی گئی تھیں۔

(۴) حضرت اُم حبیبہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تھی عشرہ مبشرہ میں سے تھے جنہیں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی تھی۔

(۵) حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا۔ وہ غزوۂ احد میں کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے' ان کا دوسرا نکاح حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا' ان میں سے دو فرزند محمد اور عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہما تولد ہوئے۔

جن دنوں اُم المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُمہات المومنین کے حلقہ میں شامل ہوئیں' یہ سرگوشیاں ہو رہی تھیں کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قافلہ سے بچھڑ کیوں گئی تھیں اور مدینہ میں صفوان ایسے جوان اور خوش رو کی معیت میں ان کے آنے کا کیا سبب ہے؟ مسلمانوں میں سے اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ حمنہ جو پہلے ہی اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صرف اس بناء پر جلتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

marfat.com

آپ کا مقام ان کی بہن سے زیادہ بلند کیوں ہے اس جھوٹی افواہ کو ہوا دینے میں پیش پیش تھیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بی بی حمنہ کے ہم نوا تھے۔ ابن ابی جس کے اندر نفاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا' ایسے موقع پر اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرنے سے کیسے باز آ سکتا تھا اس نے بھی بے پر کی اُڑائیں اور خوب دل کی بھڑاس نکالی۔ بنی اوس کے انصاری صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب یہ افواہیں سنیں تو انہوں نے اپنے ایمان کی پختگی کا ثبوت دیا اور اس اعتماد کی بناء پر جو انہیں اُم المومنین کی عفت و عصمت پر تھا' ان سرگرمیوں کی تردید میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی لیکن اس کے باوجود بات چل نکلی اور اس نے فتنہ کی صورت اختیار کر لی اور پھر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برات میں اٹھارہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دیگر اُمہات المومنین کی طرح حضرت سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی بقیہ زندگی اُمتِ مسلمہ کی روحانی تعلیم و تربیت اور ان کے اخلاق و اطوار کو انوارِ ہدایت سے روشن کرنے میں صرف کر دی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق محدثین کے پانچویں طبقے سے تھا جس سے چالیس یا چالیس سے کم احادیث مروی ہیں۔ آپ کی بیان کردہ احادیثِ مبارکہ کی تعداد گیارہ ہے جن میں سے دو متفق علیہ ہیں۔

فرماتی ہیں ایک مرتبہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا:

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' خرابی ہے عرب کے لیے اس آفت سے جو قریب آ گئی ہے' آج یاجوج ماجوج کے بند میں اتنا شگاف پڑ گیا ہے۔''

یہ فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی ملا کر حلقہ بنایا پھر میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم نیک لوگوں کی موجودگی کے باوجود ہلاک ہو جائیں گے؟''

marfat.com

''ہاں!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور پھر گویا ہوئے:

''جب فسق و فجور کی کثرت ہو جائے گی تو نیکوں کی موجودگی بھی ہلاکت و بربادی سے نہ بچا سکے گی۔''

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں دوسری بار اس موقع پر جب اُم المومنین حضرت سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی کا انتقال ہوا تو ان کے گھر گئی۔ انہوں نے خوش بو سنگھائی اور اس کے بعد فرمایا:

''واللہ! مجھے خوش بو کی کوئی حاجت نہیں تھی' بات دراصل یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برسر منبر فرماتے سنا ہے۔

''کسی عورت کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہے' جائز نہیں ہے کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔ سوائے خاوند کے کہ خاوند کے مرنے پر عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔''

کتب احادیث میں جو گیارہ روایات اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہیں' ان کے راویوں میں حضرت اُم حبیبہ' حضرت زینب بنت ابی سلمہ' محمد بن عبداللہ بن جحش' حضرت کلثوم بنت طلق اور مذکور غلام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم شامل ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مسعود میں انہوں نے اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عطیہ بھیجا جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بارہ ہزار درہم کا عطیہ آیا تو گویا ہوئیں:

''اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بخش دے' میری دوسری بہنیں یعنی اُمہات المومنین اس کی مجھ سے زیادہ حق دار ہیں۔''

لوگوں نے عرض کیا:

''ان کے لیے بھی بھیجا گیا ہے' یہ سب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کا ہے۔''

marfat.com

اس پر وہ بولیں:

''سبحان اللہ! پھر''

پھر اسے ایک کپڑے سے چھپا کر بولیں:

''بنت رافع! اس پر کپڑے ڈال کر خرچ کرو۔''

پھر بنت رافع سے کہا:

''اس کے اندر ہاتھ ڈال کر مٹھی بھر بھر کر فلاں فلاں کو دے آؤ۔''

ان میں سے کچھ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عزیز تھے اور کچھ یتیم تھے پھر بھی کپڑے کے نیچے کچھ رقم رہ گئی تو برزہ بنت رافع بولیں:

''اُم المومنین! اللہ آپ کو معاف فرمائے' اللہ کی قسم اس میں ہمارا بھی حق ہے۔''

فرمایا:

''جو کپڑے کے نیچے باقی ہے' سب تمہارا ہے۔''

پھر اس کو کپڑے کے نیچے سے ۸۵ درہم ملے۔ بعدازاں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا:

''اے اللہ! اس سال کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عطیہ مجھے نہ پائے۔''

دعا بارگاہِ صمدیت میں قبول ہوئی اور دعا کے کچھ عرصہ بعد وہ صاحب فراش ہوگئیں تو سمجھ گئیں کہ وقتِ آخر قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا کفن خود تیار کر لیا اور وصیت کی:

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک صدقہ کر دینا۔''

دوسری وصیت یہ تھی:

''میری لاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی یا تخت پر رکھ کر لے جانا اس سے قبل اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ لے جایا گیا تھا پھر تو جو عورت فوت ہوتی تھی اس کا جنازہ اس پر لے جایا جاتا تھا لیکن مروان بن حکم نے اپنے عہد میں حکم دے دیا تھا کہ بجز شریف مرد کے اس پر کوئی جنازہ نہ اُٹھایا جائے اور مدینہ میں

marfat.com

جنازے اُٹھانے کی چارپائی میں فرق کر دیا گیا۔

تیسری وصیت یہ تھی:

''میرے جنازے کے پیچھے آگ نہ لے جائی جائے اور میری لحد بقیع میں عقیل کے گھر کے اور ابن حنیفہ کے گھر کے درمیان کھودی جائے۔''

چوتھی وصیت یہ تھی:

''جب تم مجھے قبر میں اُتارو تو اگر میرا پٹکا خیرات کر سکو تو کر دینا۔''

جب وقتِ وصال قریب آیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال میں سے پانچ تھان بھیجے کہ ان میں سے جونسا کپڑا چاہیں' پسند فرمالیں۔ چنانچہ اسی میں آپ کفنائی گئیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن حمنہ نے اس کفن کو جو آپ نے اپنے لیے تیار کر کے رکھا تھا' خیرات کر دیا۔

جس دن اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارتحال ہوا اس دن مدینے میں سخت گرمی تھی۔ چنانچہ خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبر پر شامیانہ لگوا دیا تاکہ قبر کی تیاری اور سیدہ کی تدفین میں لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا شامیانہ تھا جو کسی قبر پر نصب کیا گیا تھا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ارتحال کا سانحہ ۲۰ ہجری میں ہوا تھا اس وقت سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک ۵۱ سال تھی۔

جنازہ کے ساتھ مرد اور عورتیں یکساں جایا کرتے تھے لیکن جب اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلان کر دیا:

''حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازے کے ساتھ ان کے گھر والوں میں سے عزیز واقارب ہی جائیں۔''

پھر حضرت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا بولیں:

''امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میں آپ کو ایک چیز نہ دکھاؤں جو میں نے حبشہ

marfat.com

میں دیکھا ہے۔ حبشی اسے اپنی عورتوں کے جنازے کے لیے تیار کرتے ہیں۔"

چنانچہ حضرت بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعش بنائی اور اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نعش دیکھی تو تعریف کی اور فرمایا:

"یہ کس قدر اچھی ہے اور کس قدر پردے والی ہے۔"

یہ پہلا تابوت تھا جو کسی خاتون کے لیے تیار کیا گیا تھا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلان کرا دیا:

"اے اہلِ مدینہ! اپنی ماں کے جنازے میں حاضر ہوں۔"

چنانچہ جنازے میں شرکت کے لیے لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔

جب سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنازہ قبر کے پاس لایا گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

جب سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار ہوئیں تو میں نے اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہن سے پچھوایا:

"ان کی تیمارداری کون کرے گا؟"

وہ بولیں:

"ہم کریں گے۔"

میرے خیال میں انہوں نے تیمارداری کا حق ادا کر دیا پھر ان کے انتقال کے بعد میں نے ان سے پوچھا:

"ان کے غسل اور تجہیز و تکفین کا کام کون کرے گا؟"

انہوں نے فرمایا:

"ہم سرانجام دیں گی۔"

میری رائے میں اس میں بھی انہوں نے کوتاہی نہیں کی پھر میں نے ان سے پچھوایا:

"انہیں قبر میں کون اُتارے گا؟"

marfat.com

انہوں نے جواب دیا:

''وہ جسے ان کے پاس ان کی زندگی میں آنا جانا حلال تھا۔''

میرے خیال میں اس بات میں بھی وہ حق بجانب ہیں پھر آپ نے چار تکبیروں کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد فرمایا:

''تم سب علیحدہ ہٹ جاؤ۔''

اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک کے پاس سے ہٹا دیا پھر محمد بن عبداللہ بن جحش بھانجا' عبداللہ بن ابی احمد بن جحش بھانجا' محمد ابن طلحہ بن عبیداللہ بھانجا جو حضرت حمنہ بنت جحش کا لڑکا تھا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبر میں اُترے اور اس عظیم ہستی کو قبر کی آغوش میں لٹا دیا جو جنت البقیع میں ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھوں سے آنسو بے اختیار بہہ رہے تھے' وہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر خیر کرنے لگیں اور ان کے لیے دعائے ترحم مانگنے لگیں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:

''زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی وصف بیان کریں۔''

فرمانے لگیں:

''زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک نیک عورت تھیں۔''

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا:

''خالہ جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسی بیوی سے زیادہ لگاؤ تھا؟''

تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا:

''میں اس کا خیال کرنے والی نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں زینب بنت جحش اور اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک مقام تھا اور میرے گمان میں میرے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی دونوں بہت محبوب تھیں۔

marfat.com

اُم المومنین حضرت جویریہ بنت الحارث
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حکمتِ نکاح

غزوہ مصطلق یا مریسیع میں حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گرفتار ہو کر آئیں تو گھریلو کام کاج کے لئے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے عم زاد کے حصے میں آئیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی قوم کے سب لوگوں کے لئے بڑی مبارک ثابت ہوئیں کہ جن کی بدولت انہیں غلامی سے آزادی نصیب ہوئی۔ علاوہ ازیں یہ بھی روشن ہوا کہ باندی سے بھی نکاح کرنا چاہیے۔

marfat.com

نصف دیں اُن کے توسط سے ملا ہے دوستو
چاندنی دین متیں ہیں اُمہات المؤمنین

marfat.com

حالاتِ زندگی

صدیوں پہلے کی طرح بحیرہ احمر آج بھی متلاطم و موجزن ہے جب اس کی سرکش لہریں ساحل سے ٹکراتی ہیں تو عجب پُرکیف سماں باندھ دیتی ہیں اور دل چاہتا ہے کہ پہروں کھڑے ہو کر اس کا نظارہ کیا جائے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہاں رنگ و بو میں تشریف لانے سے تقریباً پونے دو سو سال قبل ملکہ سبا کی قوم کا ایک شخص عمرو بن عامر جو یمن کا باشندہ تھا' اپنے اہل و عیال سمیت گھر سے نکلا اور ساحلِ سمندر کی طرف چل پڑا۔ وہ اپنا ملک چھوڑنے پر کیوں آمادہ ہوا اس کے بارے میں یقینی طور پر تو کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن چہرے پر نمودار ہونے والے آثار گواہی دے رہے تھے کہ کوئی ایسی قوت ہے جس نے اسے انجانی منزلوں کی طرف جانے پر مجبور کر دیا ہے۔

''ہم کیوں جا رہے ہیں؟''

عمرو کی بیوی نے پوچھا۔

''یہ تو میں بھی نہیں جانتا بس دل کہتا ہے کہ اس ملک کو چھوڑ دو۔''

عمرو نے جواب دیا تو اس کی بیوی پھر بولی:

''آخر ہم جائیں گے کہاں؟''

''جہاں قسمت لے جائے گی۔''

عمرو نے کہا تو اس کے تینوں بچے جفنہ' حارثہ اور ثعلبہ باپ کا منہ دیکھنے لے۔

اس گفتگو کے بعد ماحول میں خاموشی چھا گئی۔ سوائے ان لوگوں کے قدموں کی آواز کے جو ٹیڑھے میڑھے پتھروں پر پڑ رہے تھے' کسی کسی وقت ہوا میں اُڑنے والے

marfat.com

کسی پرندے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

''میرا کہا مانو تو واپس لوٹ چلو۔''

عمرو کی بیوی گویا ہوئی۔

''اب جو ارادہ کر لیا ہے اس میں تبدیلی نہیں آ سکتی۔''

عمرو نے کہا اور ساحلِ سمندر کی طرف دیکھنے لگا جو سامنے نظر آ رہا تھا حد نظر تک سمندر کا نیلگوں پانی پھیلا ہوا تھا۔

کنارے پر عمرو کا غلام کشتی کے ساتھ پہلے سے موجود تھا' یہ لوگ جاتے ہی کشتی میں سوار ہو گئے' غلام نے رسہ کھول دیا اور پھر کشتی آہستہ آہستہ گہرے پانیوں کی طرف بڑھنے لگی جیسے جیسے کشتی آگے بڑھ رہی تھی' سمندر کی لہروں میں تیزی و تندی آ رہی تھی لیکن اس کے سوار خاموش اور پُرسکون تھے' کئی دنوں کی مسافت کے بعد عمرو اور اس کے اہلِ خانہ سمندر کے دوسرے کنارے پر اُترے اور جزیرہ نمائے عرب کے علاقے میں جا کر آباد ہو گئے۔

عمرو کے بیٹے ثعلبہ کے ہاں دولڑکے پیدا ہوئے جن میں سے ایک کا نام اوس اور دوسرے کا نام خزرج تھا' ان کی اولاد مدینے میں آباد ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد وہ دامنِ اسلام سے وابستہ ہو گئے اور ہجرت کے وقت انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں کی دل کھول کر مدد کی۔ عمرو کے دوسرے بیٹے جفنہ کی اولاد شام کے علاقے میں آباد ہو گئی اور غسان کے نام سے مشہور ہوئی۔ عمرو بن عامر کا تیسرا بیٹا حارثہ سرزمین حجاز کے اس علاقے میں آباد ہوا جسے تہامہ کہتے ہیں اس کی اولاد بنی خزاعہ کے نام سے معروف و مشہور ہوئی' یہ بڑا طاقتور قبیلہ تھا اس کی ایک دوسری شاخ میں حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چھٹی پشت میں ایک شخص جزیمہ بن سعد کی اولاد بنی مصطلق کہلائی۔ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت یہ قبیلہ بحیرۂ احمر کے کنارے رابغ اور جدہ کے درمیان قدید نامی علاقہ میں آباد تھا جس چشمہ پر ان کی آبادی تھی اس کا نام مریسیع تھا اس قبیلے کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا اس کے

marfat.com

قریش مکہ سے بڑے دوستانہ مراسم تھے۔

ان واقعات کو پڑھنے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ قدرت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً دو صدیاں پہلے ہی اہتمام فرما دیا تھا کہ اوس وخزرج ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممدومعاون ثابت ہوں گے اور ایک خاتون کو اُم المومنین کے شرف سے نوازنا مقصود تھا اسی لیے کسی اَن دیکھی قوت نے عمرِو بن عامر کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنے ملک کو چھوڑ کر جزیرہ نمائے عرب میں آ کر آباد ہو جائے۔

بعثت سے دو سال پہلے حارث بن ابی ضرار کے ہاں ایک بیٹی نے جنم لیا' باپ نے اس کا نام برہ رکھا۔ بچی چندے آفتاب و چندے ماہتاب تھی جو ایک بار دیکھ لیتا پھر چہرہ سے نظر نہ ہٹاتا لہٰذا اس کی پرورش بڑے ناز ونعم میں ہونے لگی۔ بنی مصطلق کے سردار کی یہ بیٹی جوں جوں بڑی ہو رہی تھی اس کے حسن وخوب صورتی میں اور نکھار آتا جا رہا تھا' باپ بھی اس کی ہر خواہش کو مقدم رکھتا تھا اور جو کہتی تھی' اسے پورا کرتا تھا۔

وقت بڑی تیزی سے برہ کو بلوغت کی سرحدوں کے قریب لے جا رہا تھا اور پھر ایک دن بلوغت کی سرحد پر پہنچ کر اس کو عبور کر گئی تو اس کے بیاہ کی فکر دامن گیر ہوگئی۔

''برہ اب اس قابل ہے کہ اس کی شادی کر دی جائے۔''

بیوی نے ایک دن بات چھیڑی۔

''مجھے احساس ہے۔''

حارث ابن ابی ضرار نے جواب دیا۔

''نگاہ میں کوئی لڑکا ہے؟''

نظر میں خاندان کے چند ایک لڑکے ہیں لیکن ابھی فیصلہ نہیں کیا کہ کس کے ساتھ بات چیت کی جائے۔''

حارث نے کہا اور سوچنے لگا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

marfat.com

بیوی نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

میاں بیوی بیٹھے یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اسی اثناء میں صفوان آ گیا جوان کے اپنے قبیلے کا ہی مشہور شخص تھا۔

''کیا باتیں ہو رہی تھیں؟''

اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''برہ کی شادی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔''

حارث بن ابی ضرار نے کہا۔

''اس میں سوچنے کی کیا بات ہے' میں اپنے لڑکے مسافع کے لیے آیا ہوں۔''

''مسافع کے لیے؟''

حارث اور اس کی بیوی کے منہ سے یک بارگی نکلا۔

''ہاں!''

صفوان نے کہا تو دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے جیسے انہوں نے صفوان کی اس تجویز کو پسند کیا ہو اور پھر رشتہ طے ہو گیا اور جلد ہی مسافع اور برہ کی آپس میں شادی ہو گئی۔

مسافع اور برہ بڑی خوش گوار زندگی بسر کر رہے تھے' ایک دن برہ اپنی خواب گاہ میں آرام کر رہی تھیں' چاند آسمان کی پہنائیوں میں محوخرام تھا' ہر سو خاموشی محیط تھی' عالم خواب میں کیا دیکھتی ہیں کہ یثرب کی طرف سے چاند چلتا آ رہا ہے یہاں تک کہ وہ میری آغوش میں اتر آیا ہے۔ خواب دیکھنے کے بعد فوراً آنکھ کھل گئی اور اس پر غور کرنے لگیں۔

''اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟''

آپ سوچنے لگیں اور پھر ان کے کانوں میں قبیلے کے کئی لوگوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔

''محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین روز افزوں پھیلتا جا رہا ہے جو ایک بار حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے پھر اس پر مرمٹتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں اور

marfat.com

عاشقوں کی مثل دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔‘‘

اور پھر انہوں نے خود ہی خواب کی تعبیر لی اور مسکرا دیں۔ صبح جب وہ اُٹھیں تو انہوں نے رات کے خواب کا کسی سے ذکر نہیں کیا' چہرے پر عجیب طرح کی بشاشت تھی جو اس سے قبل کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ مسافع نے اس غیر معمولی بشاشت کی وجہ بھی دریافت کی لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

حارث بن ابی ضرار اور مسافع اسلام کے سخت مخالف تھے' ان کو اسلام کا پھیلنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ سرایا میں مسلمانوں کی کامیابی اور غزوۂ بدر میں کفار و مشرکین کی شکست وغیرہ نے حارث بن ابی ضرار کو اسلام اور مسلمانوں کا مزید مخالف بنا دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ دین حنیف پھیلے لہٰذا وہ اپنی قوم اور زیر اثر افراد میں گھوما پھرا اور انہیں اپنا ہمنوا بنانے کے لیے اسلام' مسلمانوں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُبھارا۔ قریش بھی مختلف قبائل کو اسلام کی جدید ریاست کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے اور ان کے تعلقات بنی مصطلق سے بھی بہت گہرے تھے' ان کو بھی قریش نے جنگ پر اُبھارا تھا لہٰذا حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر یلغار کی نیت سے تیاریاں شروع کر دیں۔

ایک دن رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے اطلاع دی:

’’یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بنی مصطلق خزاعہ میں سے تھے جو بنی مدلج کے حلیف تھے اس کے سردار حارث بن ابی ضرار نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔‘‘

’’بریدہ بن حصیب اسلمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہاں ہے؟‘‘

محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

’’میں حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!‘‘

حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھ کر سامنے کھڑے ہو گئے۔

’’تم بنی مصطلق جاؤ اور آ کر وہاں کی خبر دو۔‘‘

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو وہ فوراً مسجد سے باہر نکلے اور چل پڑے۔

marfat.com

چند دنوں کے بعد حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپس آ کر بارگاہِ نبوت میں عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جو خبر آپ کو پہنچی تھی' وہ درست ہے۔''

جب یہ ساعت فرمایا تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔

۲ شعبان ۵ ہجری کو اسلامی لشکر بنی مصطلق کی طرف سے روانہ ہوا جو مدینہ منورہ سے نو منزل پر ہے اس لشکر میں ایک ہزار مجاہدین تھے' مجاہدین کا جھنڈا حضرت صدیق اکبر اور انصار کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عطا فرمایا اس غزوہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اُمہات المومنین حضرت عائشہ و حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھیں۔ ادھر حارث بن ابی ضرار کو بھی اطلاع مل گئی تھی کہ اسلامی لشکر چل پڑا ہے اور یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس کا جاسوس قتل کر دیا گیا تھا جسے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا۔

اسلامی لشکر نے چل کر مریسیع میں قیام کیا۔ وہ لوگ جو اسلام دشمنی سے مغلوب ہو کر حارث بن ابی ضرار کے پاس جمع ہوئے تھے' انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمان ان کے سر پر پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ حارث نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ بھاگ جائے لیکن باقی اہلِ قبیلہ نے صف بندی کر لی اور مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے' مجاہدین اسلام نے بھی جواب تیروں سے دیا۔ تھوڑی دیر تک تیروں کا آپس میں تبادلہ ہوتا رہا اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یک بارگی حملے کا حکم دے دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں مشرکین کے کس بل نکل گئے' ان کے دس لوگ جنگ میں کام آئے جن میں مسافع بن صفوان' برہ کا خاوند بھی شامل تھا' مسلمانوں میں سے صرف ایک صحابہ حضرت ہشام بن صباحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔

اس غزوہ میں جو تاریخ میں غزوۂ بنی مصطلق یا مریسیع مشہور ہے' دو ہزار اونٹ' پانچ ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں ملیں اور دو سو گھروں کے چھ سو مرد' عورتیں اور بچے اسیر ہوئے

marfat.com

جن میں رئیس قبیلہ کی بیٹی برہ بھی شامل تھیں۔ مالِ غنیمت کو مجاہدین میں بانٹ دیا گیا اور قیدیوں کو لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ برہ بنت حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)، حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔

حالات نے ایک مشہور و معروف رئیس کی بیٹی کو کنیز بنا دیا تھا، یہ صورتِ حال ان کے لیے بڑی پریشان کن اور سوہان روح تھی۔

''میں آپ کی مکاتبہ بننے کے لیے تیار ہوں۔''

برہ بنت حارث نے حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔

''ٹھیک ہے! آپ مجھے نو اوقیہ سونا دے دیں میں آپ کو آزاد کر دوں گا۔''

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعدہ کر لیا۔

برہ بنت حارث بہت خوش تھیں کہ نو اوقیہ سونا جس کی رقم چار ہزار درہم بنتی تھی، ادا کر کے آزاد ہو جائیں گی لیکن معاً خیال آیا ''بحالت کنیز نو اوقیہ سونا کہاں سے آئے گا اگر کسی سے مانگوں تو کون دے گا؟

وہ سوچنے لگیں:

''مجھے لوگوں سے مکاتبت کی رقم مانگ کر ادا کر دینی چاہیے۔''

ایک خیال ذہن میں اُبھرا، غلامی کی حالت میں اس سے بہتر کوئی اور حل نظر نہیں آتا تھا۔

''مجھے سب سے پہلے رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر دستک دینا چاہیے جہاں سے کبھی کوئی نامراد نہیں لوٹا''

ایک اور خیال ان کے دل و دماغ میں لہرایا اس سے اطمینان و سکون کی کیفیت نے جلوہ گری کی۔

''حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کہاں ملیں گے؟''

برہ بنت حارث نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا۔
انہوں نے بتایا کہ آپ گھر سے باہر نکلیں اور مسجد نبوی کی طرف چل پڑیں۔

marfat.com

جب آپ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو حضرت صدیقہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی وہاں تشریف رکھتی تھیں' برہ بنت حارث ادب سے بیٹھ گئیں۔

''کون ہو اور کیسے آئی ہو؟''

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوئی ہوں۔''

برہ بنت حارث نے عرض کیا اور کلمہ پڑھا اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسولہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر خوشی کی لہر اُبھری۔ برہ پھر بولیں:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں جو اپنے قبیلے کا سردار تھا اب لشکر اسلام کے ہاتھوں قید ہوں اور (حضرت) ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آ گئی ہوں اس نے مجھے نو اوقیہ سونے پر مکاتبہ بنایا ہے' میں اسے ادا نہیں کر سکتی' میری اعانت و مدد فرمائیں تاکہ کتابت کی رقم ادا کر سکوں۔''

حارث بن ابی ضرار جو غزوۂ بنی مصطلق کے وقت بھاگ گیا تھا اسے جب پتہ چلا کہ اس کی بیٹی کو کنیز بنا کر لے گئے ہیں تو اپنی بیٹی کے فدیہ میں چند اونٹ لے کر مدینے کی طرف چل پڑا جب وہ اونٹ لے کو چلا تھا' ان میں سے دو اونٹ اسے بہت پسند تھے لہٰذا وہ اس نے وادی عقیق کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں چھپا دیئے اور باقی اونٹ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہنچا۔

جب وہ مدینہ منورہ پہنچا تو اس سے پہلے ان کی بیٹی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کی درخواست کر چکی تھیں۔ آپ باہر تشریف لائے تو حارث بن ابی ضرار نے عرض کی:

''میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی' میری شان اس سے بالاتر ہے' میں اپنے قبیلے کا سردار اور رئیس عرب ہوں' آپ اس کو آزاد کر دیں اور زرفدیہ لے لیں۔''

''وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم راستے میں چھپا آئے ہو؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اور اس گھاٹی کا نام بھی بتا دیا جہاں

marfat.com

انہیں چھپایا تھا۔

"آپ کو کس نے اطلاع دی؟"

حارث بن ابی ضرار نے حیرانگی سے پوچھا۔

"میرے رب نے"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

حارث بن ضرار نے کہا اور مسلمان ہو گیا' دوسرے کئی افراد بھی مسلمان ہو گئے اور پھر انہوں نے گھاٹی میں چھپائے ہوئے دو اونٹ بھی لا کر پیش خدمت کر دیئے۔

برہ بنت حارث جب آزاد ہو گئیں تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں ہی رہنے کو فوقیت دی اور والد کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برہ سے نکاح کا پیغام بھیجا جو انہوں نے بصد خوشی قبول کر لیا اور چار سو درہم حق مہر پر اپنی بیٹی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں دے دی۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔

مزید مہربانی فرماتے ہوئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت برہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبیلے کے چالیس غلام بھی آزاد کر دیئے۔ آپ نے برہ کا نام بدل کر جویریہ رکھ دیا اور اس طرح حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہ خواب سچا ثابت ہوا جو انہوں نے کئی سال پہلے دیکھا تھا کہ یثرب سے چلتا ہوا چاند ان کی آغوش میں آ گیا ہے اور جو تعبیر انہوں نے اس وقت نکالی تھی' وہی نکلی۔

برہ کا مطلب نیکی و احسان ہے لیکن اس لفظ کے استعمال سے منفی معنی بھی نکلتے ہیں مثلاً یہ کہا جائے کہ گھر میں برہ نہیں ہے یا برہ کے پاس سے نکل آئے ہیں اس لیے بقول حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس نام کو مکروہ جانتے تھے اور اسی بناء پر برہ کا نام بدل کر جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رکھ دیا تھا۔

جب لوگوں کو علم ہوا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت

marfat.com

حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کر لی ہے تو لوگ بولے:

''کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے غلام بنائے جائیں' ہرگز نہیں یہ محبت کے منافی ہے۔''

لہٰذا لوگوں نے بنی مصطلق کے تمام قیدی آزاد کر دیئے اس نکاح کی یہ برکت ہوئی کہ سو خاندان آزاد ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں،

''میں نے کسی عورت کو جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا' ان کے سبب بنو مصطلق کے تمام گھرانے آزاد کر دیئے گئے۔''

اُم المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھائی عبداللہ بن حارث بھی جنگ کے وقت فرار ہو گیا تھا' اسے علم نہیں تھا کہ مدینے میں حالات نے کیا پلٹا کھایا ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی بہن اُم المومنین بن چکی ہیں' والد غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہو چکا ہے اور قبیلے کے تمام افراد آزاد کیے جا چکے ہیں۔ وہ اپنی قوم کے قیدیوں کے سلسلہ میں بات چیت کرنے کے لیے آیا تو راستہ میں ایک پہاڑی کی گھاٹی میں اونٹنیوں اور ایک لونڈی کو چھپا دیا اور پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی:

''میں آپ کے پاس بنو مصطلق کے قیدیوں کی رہائی کے لیے حاضر ہوا ہوں اگر آپ مہربانی فرمائیں۔''

''فدیہ کے لیے کیا لائے ہو؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

''میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

عبداللہ بن حارث نے عرض کیا۔

''وہ اونٹنیاں جو لے کر آئے ہو اور ایک لونڈی جو فلاں جگہ چھپا کر آئے ہو؟''

عبداللہ بن حارث نے سنا تو حیران کن نظروں سے چہرۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنے لگا۔

''میرے [illegible] نہ تھا اور نہ ہی ادھر سے ابھی تک کوئی آیا ہے پھر یہ سب ان کو

marfat.com

کیسے پتہ چل گیا؟''

عبداللہ بن حارث دیر تک سوچتا رہا اور پھر حق اس پر روشن ہو گیا' قدموں میں گر کر معذرت خواہ ہوا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

اُم المومنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تمام بہن بھائی اور والد دولتِ اسلام سے مالا مال ہو گئے تھے اور وہ ان لوگوں کے زمرے میں شامل تھے جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ راضی اور وہ اس سے راضی تھے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے مسجد نبوی ﷺ کے قریب ہی اُمہات المومنین کے دوسرے حجرات سے متصل ایک نیا حجرہ تعمیر کرا دیا گیا تھا۔ بقول ابن سعد اس کی دیواریں کچی اینٹوں کی اور چھت کھجوروں کی شاخوں سے بنائی گئی تھی جسے گارے سے لیپ دیا گیا تھا' دروازے پر اونی ٹاٹ کا پردہ تھا جس کا طول تین ہاتھ اور عرض ایک ہاتھ تھا۔ ایک دن رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے تو حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی دوسری عورتیں مجھ پر فخر کرتی ہیں۔''

''کیا؟''

جب انہوں نے بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں نے تمہارے مہر میں بڑی رقم ادا نہیں کی؟ کیا میں نے تمہاری قوم کے چالیس غلام آزاد نہیں کیے؟''

حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب کاشانۂ نبوی میں داخل ہوئیں تو وہاں پہلے سے حضرت سودہ بنت زمعہ' حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق' حضرت حفصہ بنت حضرت عمر فاروق' حضرت زینب بنت جحش اور حضرت اُم سلمہ بنت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہن موجود تھیں' ان کے تعلقات باقی اُمہات المومنین سے نہایت خوش گوار تھے' آپس میں بڑا سلوک اور محبت تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی شیریں' موزوں اندام' ملیح اور صاحب حسن و جمال

marfat.com

عورت تھیں جو کوئی دیکھتا فریفتہ ہو جاتا تھا' ظاہری حسن و جمال کے علاوہ آپ باطنی حسن سے بھی مالا مال تھیں' بڑی زاہدہ' متقیہ' راست باز' عبادت گزار' قناعت پسند' مجسمہ صبر و رضا' بردبار و حلیم جود و سخا' عجز و انکساری' ایثار و اخلاص اور ذکر و تلاوت میں یکتا تھیں یہ سب خوبیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اور تعلق سے نکھر کر اُبھری تھیں۔

اہلِ سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر کے بعد سیدھے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے باہر تشریف لائے تو اس وقت وہ اپنے مصلے پر بیٹھی مشغولِ عبادت تھیں' نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت ان کے پاس تشریف لائے تو ان کو مصلے پر بیٹھے پایا تو فرمایا:

''جب سے باہر گیا ہوں اس وقت سے تم اسی جگہ یونہی بیٹھی ہو؟''

عرض کی:

''جی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

زوجہ محترمہ کی بات سنی تو ارشاد فرمایا۔

''جس وقت سے میں تمہارے پاس سے گیا ہوں اب تک چار کلمے میں نے پڑھے ہیں اگر ان کو ان کے ساتھ موازنہ کیا جائے جو تم نے اب تک پڑھے ہیں تو یقیناً وہ چار کلمے وزنی ہوں گے۔''

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان' وہ کون سے کلمات ہیں؟ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!''

حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا اور ہمہ تن گوش ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان اللہ عدد ما خلقہ

سبحان اللہ رضا نفسہ

سبحان اللہ زنۃ عرشہ

سبحان اللہ مداد کلماتہ

marfat.com

بتانے کا مقصود یہ تھا کہ اپنے ذکر میں ان کلمات کو بھی شامل کر لیں جو بظاہر کم ہیں لیکن مدلول زیادہ ہے۔

اُم المومنین سیّدہ حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا روحانی بالیدگی اور تزکیہ نفس کی خاطر نفلی روزے کا خاص اہتمام فرماتی تھیں' خاص طور پر جمعۃ المبارک کو روزہ رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ جمعۃ المبارک کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے گئے اس دن ان کا روزہ تھا' پوچھا:

''گزشتہ کل روزہ رکھا تھا؟''

''نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

انہوں نے جواب دیا۔

''کیا آنے والے کل کو روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔

''جی ارادہ تو نہیں ہے۔''

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا' سنا تو فرمایا:

''افطار کر دو۔''

حکم کی دیر تھی کہ انہوں نے روزہ افطار کر لیا۔

اس سے اُمت کی تعلیم مقصود تھی کہ کسی خاص دن کو نفلی روزے کے لیے مخصوص نہیں کر لینا چاہیے تاکہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت کا موجب نہ ہو جائے کیونکہ وہ معین دن کی تعظیم کرتے ہیں' یہ معین دن ہفتہ اور اتوار ہیں۔ نیز روزِ جمعہ روزِ عید ہے جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہوا ہے لہٰذا اس دن روزہ رکھنا مناسب نہ ہوگا۔

محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے لیے سراپا شفقت و محبت تھے' ہر ایک کی دلجوئی کا پورا پورا خیال رکھتے' عصر کے بعد ان کے ہاں تشریف لے جاتے' ہر ایک کے پاس تھوڑی دیر قیام فرماتے اور پھر ان کے ہاں تشریف لے جاتے جن کی باری ہوتی اور رات وہیں قیام فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ

marfat.com

علیہ وسلم، حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا:

''کچھ کھانے کو ہے؟''

''میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا، وہی رکھا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں''

انہوں نے عرض کیا تو فرمایا:

''اسے اٹھالاؤ کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا اس کو پہنچ چکا۔''

بروایت طبقات ابن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہر سال خیبر کی کھجوروں میں سے اسی (۸۰) وسق کھجوریں اور بیس (۲۰) وسق جو یا گیہوں عطا فرمایا کرتے تھے۔

اُم المومنین سیّدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے نور و نکہت سے بھرپور فضاؤں میں بے مثل زندگی گزار رہی تھیں، وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ یہ حسین و خوش گوار زندگی صرف چھ سالوں پر محیط ہے اور اس کے بعد وہ بیوگی و جدائی کا داغ دے کر اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے جائیں گے جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو دنیا اندھیر ہوگئی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ آنکھیں جو دیکھ رہی ہیں، وہ حقیقت ہے، دل میں ہول اُٹھتا تھا، آنکھوں سے اشک رواں تھے لیکن لبوں پہ یہ الفاظ تھے:

''اے باری تعالیٰ! تو جس حال میں مجھے رکھے، میں ویسے ہی راضی ہوں، مجھے حوصلہ عطا فرما۔''

اس وقت ان کی عمر مبارک چھبیس (۲۶) سال کی تھی، زندگی کی طویل راہیں سامنے پھیلی ہوئی تھیں، تھوڑے ہی فاصلے پر حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں محبت کرنے والا شوہر اللہ کا محبوب، رحمۃ للعالمین اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ابدی آرام فرما رہے تھے جب فراق و جدائی کی کسک بہت بے تاب کر دیتی اور ملاقات کو دل چاہتا تو اُم المومنین سیّدہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے حجرے سے نکل کر حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں تشریف لے جاتیں۔ سلام عرض کرتیں، قدموں میں بیٹھ جاتیں، بے اختیار

marfat.com

آنکھوں میں آنسوؤں کے ستارے جھلملانے لگتے' دل میں باتیں کرنے لگیں۔ یوں احساس ہوتا جیسے محبوب رب ودود صلی اللہ علیہ وسلم قریب بیٹھے باتیں سن رہے ہوں' دل تو نہیں چاہتا تھا کہ وہاں سے اُٹھیں لیکن بادل نخواستہ اُٹھنا پڑتا اور پھر اپنے حجرے میں تشریف لے جاتیں اور یادِالٰہی میں مصروف ہو جاتیں۔

وقت تیزی کے ساتھ محو پرواز تھا' خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور شروع ہوا تو شورشوں نے سر اُٹھایا' مانعین زکوٰۃ اور نبوت کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو گئے' تمام تر توجہ ان کا قلع قمع کرنے پر دی گئی' ان کو کیفر کردار تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ فتوحات کا سلسلہ بھی شروع ہوا تاکہ پھر ایسی شورشوں کو سر اُٹھانے کا موقع نہ ملے۔ خلیفہ ثانی امیرالمومنین سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو امن و انصاف وفتوحات نے ہر سو ڈیرے لگائے اور قیصر و کسریٰ جیسی عالمی قوتیں زمین بوس ہونے لگیں اور وہ مجاہدینِ اسلام کے سیل بے پناہ کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں۔ حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو اوّلین نصف دورِ خلافت فتوحات وامن پر پھیلا ہوا تھا اور نصف آخر سباح یہودی کی سازشوں کا شکار ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو سازشوں کو سمیٹنے اور حالات سازگار بنانے میں وقت گزرا اور خانہ جنگیاں بھی ہوئیں مسلمان نے مسلمان کے خلاف تلوار اُٹھا لی۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور صرف چھ ماہ پر محیط ہے اور پھر انہوں نے ازخود عنان حکومت حضرت امیر معاویہ ابن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دی تاکہ ملک میں امن وامان قائم ہو' تمام مسلمان دوبارہ متحد ہو گئے اور اسلام کی قوت پھر اُبھر کر دنیا میں اپنا کردار ادا کرنے لگی۔

حالات کچھ بھی تھے لیکن اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن جو موجود تھیں' ان کی بدرجہ اولیٰ عزت وتکریم کی گئی' ان کی ضروریات کا دھیان رکھا گیا' ان سے رہنمائی حاصل کی گئی اور ہر خلیفہ کی یہ کوشش رہی کہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی خدمت باعث افتخار وسعادت سمجھتے

marfat.com

تھے۔ انہوں نے حضرت سیّدنا جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار مقرر کر رکھا تھا اس کے علاوہ بھی تحائف ارسال کرتے رہتے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیّدہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جدا ہوئے پینتالیس (۴۵) سال ہوگئے اس وقت ان کی عمر ۷۱ سال تھی' یہ ربیع الاوّل ۵۶ ہجری کا واقعہ ہے۔ سوچ رہی تھیں کہ اسی مہینے میں' میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوئی تھی یہاں پہنچ کر ان کی سوچیں گہری ہوگئیں۔

''محبت اور اتباع کی یہ بھی تو صورت ہے کہ اسی مہینے بلاوا آ جائے۔''

اور پھر بُلاوا آ گیا' طویل جدائی کے بعد اب وصل کا وقت آ گیا تھا' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے سے تیار تھیں اور پھر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

ان دنوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مدینہ منورہ میں مروان بن الحکم حاکم تھا' انہوں نے اُم المومنین سیّدہ حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں آسودہ خراب ہوگئیں۔

کتب معتبرہ میں ان سے سات احادیث مروی ہیں جن میں سے دو بخاری شریف میں' دو مسلم شریف میں اور تین دیگر کتب میں ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بہن بھائی بھی مسلمان ہوگئے تھے' ان کے بھائی حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث پاک مروی ہے' کہتے ہیں:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے وقت نہ دینار چھوڑا نہ درہم' نہ غلام نہ لونڈی' نہ اور کوئی چیز صرف ایک سفید خچر تھا یا ہتھیار تھے یا کچھ زمین تھی جسے آپ نے صدقہ فرما دیا۔''

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن سے بھی درج ذیل حدیث مروی ہے

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا بظاہر بڑی شاداب اور شیریں معلوم ہوتی ہے۔''

marfat.com

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حکمتِ نکاح

ثابت کرنا تھا کہ اگر اسلام کی خاطر سر پر قیامت بھی ٹوٹ پڑے تو صبر و تحمل سے کام لے کر اس پر قائم رہنا چاہیے جس کا مظاہرہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خاوند کے مرتد ہونے اور مرنے کے بعد طویل عرصے تک حبشہ میں کیا۔ واپس آ نہیں سکتی تھیں کہ باپ ابوسفیان کٹر دشمن اسلام تھا۔

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو دین کی خاطر مصیبت کو مصیبت نہیں سمجھتے لہٰذا اس کے صلہ میں عالم خواب میں حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اُم المؤمنین بننے کی خوشخبری سنادی گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کی قربانیوں کو نظر انداز فرمانے والے نہ تھے۔ مجسم رحمت و رافت تھے اور ہیں۔ علم ہونے پر شاہِ حبشہ کو لکھ بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ سے کر دیں۔

اس نکاح سے بنی اُمیہ کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا۔ دشمنی محبت میں بدل گئی جو ترویج اسلام میں مددگار ثابت ہوئی۔

marfat.com

نصف دیں اُن کے توسط سے ملا ہے دوستو
چاندنی دین متیں ہیں اُمہات المؤمنین

marfat.com

حالاتِ زندگی

حدنظر تک ریگستان پھیلا ہوا تھا' زید بن عمرو مکہ معظمہ سے باہر ایک پتھر پر بیٹھا دُور اُفق میں سورج کے ڈوبنے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے صحرا کے کنارے آگ لگنے سے انگارہ ہو گئے ہیں' ماحول پر پُراسرار خاموشی مسلط تھی' معاً زید بن عمرو کے لبوں کو جنبش ہوئی اور اس کی پُرکشش بلند آواز فضا میں اُبھری:

ادبــــا واحـــدا ام الف رب

ادیـــن اذا لــقـبـسمـت الامـور

فـلا الـعـزی اذیـن ولا ابنتهـا

ولا ضـمـربـنـی طسم ادیـر

(ایک رب کو مانوں یا ہزاروں کو جبکہ امور تقسیم ہو گئے ہیں' میں نہ عزیٰ پر یقین رکھتا ہوں نہ اس کی بیٹیوں پر اور نہ بنی طسم کے بتوں پر)

زید بن عمرو کے اس نعرۂ مستانہ اور خدائے بزرگ و برتر کی وحدانیت کے روح افزا گیت نے عجیب سماں باندھ دیا تھا لیکن مکہ کے اندر جہاں کفر و شرک کے تیز جھکڑ چل رہے تھے اور ظلمتوں کے پہرے تھے' کوئی اس آواز کو سننا پسند نہیں کرتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''کیا اللہ آسمان سے مینہ اس لیے برساتا ہے' زمین سے سبزہ اس لیے اُگاتا ہے اور جانوروں کو اس لیے پیدا کرتا ہے کہ تم انہیں ان چراگاہوں میں چراؤ اور غیراللہ کے لیے ذبح کرو؟ اللہ کی قسم! مجھے اپنے سوا روئے زمین پر کوئی دین ابراہیم (علیہ السلام) پر نظر

marfat.com

نہیں آتا۔"

اور پھر لوگوں کو بت پرستی ترک کرنے کی تلقین کی۔ یہ الفاظ بجلی بن کر قوم کے قلوب واذہان پر گرے' کس میں تاب تھی کہ وہ اپنے معبودوں کے خلاف اعلانِ بغاوت سنتا سب اس کے دشمن ہو گئے اور طرح طرح کی اذیتیں دینے لگے لیکن زید بن عمرو کی لگن میں اضافہ ہوتا گیا جب اس میں اہلِ قوم کے مظالم سہنے کی سکت نہ رہی تو ہجرت کر کے حراء میں جا کر آباد ہو گیا۔

اب مکہ میں اللہ کی وحدانیت کی آواز بلند کرنے والا کوئی نہ تھا۔ زید بن عمرو کے چلے جانے کے بعد طاغوت والحاد کے اندھیرے اور گہرے ہو گئے' قتل وغارت گری کے بازار کھل گئے اور خرافات وعصیاں کے ہر سو مظاہرے ہونے لگے۔

طائرِ وقت محوِ پرواز تھا' ایک دن غلغلہ بلند ہوا کہ ابرہہ جو یمن وحبشہ کا بادشاہ تھا' کعبے کو ڈھانے کے لیے آ رہا ہے جس کے ساتھ آہن پوش عظیم لشکر اور ہاتھی ہیں' لوگ سخت پریشان تھے۔ پتہ چلا کہ اس نے صنعاء میں ایک کنیسہ بنایا تھا اور چاہتا تھا کہ حج کرنے والے مکہ مکرمہ کے بجائے یہاں آئیں۔ عرب کے لوگوں پر یہ بات بہت شاق تھی' قبیلہ بنی کنانہ کے ایک شخص نے اس میں نجاست کر دی اس پر ابرہہ کو بہت طیش آیا اور قسم کھائی کہ وہ کعبہ کو ڈھا دے گا۔ اہلِ مکہ اس کے مقابلے کی سکت نہیں رکھتے تھے' ہر شخص اپنے اپنے بت کے سامنے گڑگڑا رہا تھا اور مدد طلب کر رہا تھا۔

آخر ایک دن ابرہہ اپنے لشکر کے ساتھ مکہ کے قریب پہنچ گیا اور اہلِ مکہ کے جانور پکڑ لیے اس میں دو سو اونٹ حضرت عبدالمطلب کے بھی تھے' وہ ابرہہ کے پاس آئے' جسیم وپرشکوہ ابرہہ نے ان کی تعظیم کی پاس بٹھایا اور آنے کی وجہ دریافت کی:

"آپ کیسے تشریف لائے؟"

"میرے اونٹ واپس کیے جائیں۔"

حضرت عبدالمطلب نے کہا تو ابرہہ بڑا متعجب ہوا' حیرانگی سے بولا:

"میں خانہ کعبہ ڈھانے آیا ہوں جو تم لوگوں کے نزدیک بے حد محترم ومعظم ہے' تم

marfat.com

اس کے لیے کچھ نہیں کہتے؟''

سنا تو حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا:

''اونٹوں کا مالک میں ہوں لہٰذا ان کے بارے میں کہتا ہوں' کعبہ کا جو مالک ہے' وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔''

ابرہہ نے اونٹ واپس کر دیئے' عبدالمطلب واپس آئے اور قریش کو مشورہ دیا کہ وہ پہاڑوں کی گھاٹیوں اور چوٹیوں میں پناہ گزیں ہوں۔ چنانچہ قریش نے ایسا ہی کیا اور حضرت عبدالمطلب نے دروازہ کعبہ پر پہنچ کر بارگاہِ الٰہی میں یوں دعا کی:

''اے اللہ! یہ تیرا گھر ہے اس کی حفاظت فرما''

اور اپنی قوم کی طرف چلے گئے۔

ان دنوں ابوسفیان صخر بن حرب کی عمر دس سال تھی' وہ سوچ رہا تھا:

''حضرت عبدالمطلب نے ابرہہ کو کہا تھا کہ کعبہ جس کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت بھی کرے گا' وہ کون ہے جو کعبہ کا مالک ہے؟''

اس سے آگے وہ سوچنے سے قاصر تھا اس کے ذہن میں خیالات کا پھر ہجوم ہونے لگا۔

''ہمارے بت جن کی ہم پرستش کرتے ہیں' کیا وہ خانہ کعبہ کے مالک نہیں اگر یہ نہیں تو ظاہر ہے ان سے بڑا بھی کوئی خدا ہوگا۔''

اس سے آگے خیالات نے بڑھنے سے انکار کر دیا' سخت تذبذب میں تھا پھر ایک خیال اس کے ذہن میں اُبھرا:

''وہ بڑا خدا کون ہے؟''

لیکن مالکِ حقیقی کا پتہ بتانے والا کوئی نہ تھا' پہاڑ کی چوٹی سے اس نے مکہ پر نگاہ ڈالی جو اُجاڑ و ویران پڑا تھا اس کے لیے یہ سب کچھ بڑا عجیب تھا اس کی سوچیں مفلوج ہو گئی تھیں' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا:

''دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟''

marfat.com

ابرہہ نے صبح تڑکے اپنے لشکروں کو تیار کیا' محمود نامی ہاتھی دوسرے ہاتھیوں کا سردار تھا' اسے اُٹھانے کے لاکھ جتن کیے مگر وہ نہ اُٹھا اگر اسے کعبہ کے علاوہ دوسری طرف چلاتے تو اُٹھ کر چل پڑتا مگر جونہی اس کا رُخ کعبہ کی طرف کرتے تو فوراً بیٹھ جاتا اسی اثناء میں سمندر کی جانب سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے پرے کے پرے آتے دکھائی دیئے' تمام لشکری اور ابرہہ ادھر دیکھنے لگے۔ انجانے خوف سے ان کے دل سینوں کے اندر دھڑکنے لگے' دیکھتے ہی دیکھتے وہ پرندے جو ابابیل تھے' ابرہہ اور اس کے فوجیوں کے سروں پر پہنچ گئے۔ ہر پرندے کے پاس تین سنگ ریزے تھے' ایک ایک دونوں پاؤں میں اور ایک چونچ میں جس پر پرندے سنگ ریزہ چھوڑتے' وہ سنگ ریزہ اس کے خود کو توڑ کر سر سے نکل کر جسم کو چیر کر ہاتھی میں سے گزر کر زمین پر پہنچتا۔ اہلِ قریش پہاڑوں کی چوٹیوں پر کھڑے پرندوں کو آتے جاتے دیکھ رہے تھے۔ ابوسفیان صخر بن حرب بھی حیرت بدنداں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ کونسی قدرت ہے جو یہ کرشمہ دکھا رہی ہے۔

جس سال یہ واقعہ پیش آیا اس سے پچاس دن بعد اللہ کے حبیب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص رحمتیں برسنے لگیں اس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ حضرت عبدالمطلب کا پوتا اور حضرت عبداللہ کا نورِ نظر نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ابوسفیان صخر بن حرب کی صلب میں ایک ایسی بچی ہے جو دنیا جہان کے مومنین کی ماں ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اطہر ہوگی جن کے حضور لوگوں کے سر ادب ومحبت سے خم ہو جائیں گے۔

ابوسفیان صخر بن حرب کا تعلق بنو اُمیہ سے تھا' سردارانِ قریش سے تھے اور تجارت پیشہ تھے' ہر سال قریش کا مالِ تجارت لے کر شام اور قرب و جوار کے ممالک میں جاتے تھے اور سردارانِ قریش کا جھنڈا عقاب ان کی تحویل میں تھا جب بھی جنگ کی تیاری ہوتی تو قریش اکٹھے ہوتے اور علم لشکر کے سردار کے ہاتھ میں دے دیتے تھے' بڑے رعب و دبدبے کے مالک تھے۔ قریش میں تین اشخاص کو صاحب الرائے سمجھا جاتا تھا۔ قریش کے

marfat.com

قائم کردہ نظام ریاست میں ان کو بڑی اہمیت حاصل تھی' بالفاظ دیگر نظام جاہلیت کا دفاع ان کے ذمے تھا اوران کی عظمت و برتری کا اثر مکے کے معاشرے میں بڑا گہرا تھا۔ علاوہ ازیں تقسیم کار کچھ اس طرح تھی کہ مکہ کی ریاست کے خون بہا کے مقدمات کے فیصلے کرنے کا شعبہ خاندان بنی یتم کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا' سفارت کی ذمہ داری خاندان بنی عدی کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھی۔ شعبہ مالیات خاندان سہم کے حارث بن قیس کے پاس تھا' کعبہ کی کلید برداری و تولیت کا حق عثمان بن طلحہ کے پاس تھا' حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت بنی ہاشم کے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھی اور فوجی سواروں کی افسری کی ذمہ داری بنی مخزوم کے ولید بن مغیرہ کے پاس تھی۔

ابوسفیان کی شادی صفیہ بنت ابوالعاص بن اُمیہ سے ہوئی جوان کے چچا کی بیٹی تھی اور حضرت عثمان غنی بن عفان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھوپھی تھیں' دونوں میاں بیوی بھرپور ازدواجی زندگی بسر کر رہے تھے۔

معاشرے میں عزت و وقار و دبدبہ تھا' ایک دن آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے' موسم خوش گوار تھا' صفیہ اور ابوسفیان بیٹھے محو گفتگو تھے:

''ہماری زندگی کس قدر مثالی ہے؟''

ابوسفیان بولا۔

''لیکن نظر نہ لگا دینا''

صفیہ نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہبل ولات وعزیٰ ہمیں یونہی ہنستا مسکراتا رکھیں۔''

ابوسفیان بولا اسی اثناء میں ایک عورت اندر داخل ہوئی۔

''یہ کون ہے؟''

ابوسفیان نے پوچھا۔

''دائی ماں''

marfat.com

''دائی ماں؟ اس کا یہاں کیا کام ہے؟''

''ہے''۔

صفیہ نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا اور دائی ماں کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ ابوسفیان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر اٹھ کر باہر چلا گیا' خوشیاں اس کے دل ودماغ میں رقص کناں تھیں۔ سوچ رہا تھا کہ ہمارے معبودوں نے چاہا تو لڑکا ہوگا جو میرا دست وبازو بنے گا لیکن معبودِ حقیقی کو کچھ اور منظور تھا۔ وقت گزرتا رہا' ایک دن ابوسفیان گھر لوٹا تو راستے میں ایک دوست مل گیا' کہنے لگا:

''تمہارے ہاں بچی نے جنم لیا ہے۔''

''بچی......''

ابوسفیان نے دوست کی بات کو دوہرایا۔

''ہاں!''

دوست نے جب دوبارہ بچی کا لفظ کہا تو ابوسفیان تھوڑی دیر کے لیے سوچوں کے گہرے پانیوں میں اُتر گیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

دوست نے اسے کسی خیال میں گم دیکھا تو کہا۔

''کچھ نہیں''

''جو خواب دیکھا تھا' وہ پورا نہیں ہوا۔''

دوست نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں اور ابوسفیان کے چہرے پر نمودار ہونے والے تاثرات کا جائزہ لینے لگا۔

''کون جانتا ہے کہ یہ بچی میرے لیے کتنی مبارک ثابت ہو؟''

ابوسفیان نے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سوئے گھر روانہ ہوا۔

گھر میں کئی عورتیں موجود تھیں' ابوسفیان سیدھا اندر گیا جہاں اس کی بیوی صفیہ اپنی نومولد بچی کے ساتھ موجود تھی وہ بچی کی طرف دیکھنے لگا۔ صفیہ خاوند کے چہرے پر

marfat.com

اُبھرنے والے اُتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہی تھی۔

''میرا دل کہتا ہے یہ بہت مبارک بچی ہے۔''

صفیہ نے کہا۔

''ہوں! ہاں' ہاں!''

ابوسفیان خیالات سے چونکا۔

''بھولپن کے ساتھ اس کے چہرے میں عجیب طرح کا نور جھلک رہا ہے یقیناً یہ بچی میرے سب خاندان کے لیے باعثِ رحمت ثابت ہوگی۔''

ابوسفیان نے کہا اور پھر اسے پیار کرنے لگا۔

''اس کا نام کیا رکھا جائے؟''

صفیہ نے پوچھا۔

''نام......؟''

ابوسفیان سوچنے لگا۔

''یہ رملہ ہے۔''

''رملہ''

صفیہ نے دوہرایا تو ابوسفیان نے کہا:

''ہاں! رملہ''

بعض روایات میں ابوسفیان صخر بن حرب کی اس بیٹی کا نام ہند یا ہندہ بھی آیا ہے لیکن معروف رملہ ہی ہے۔

رملہ بنت ابوسفیان جب اس جہان رنگ و بو میں پیدا ہوئی تو اس وقت ابوسفیان کی عمر تینتیس (۳۳) برس تھی اور سال فیل کو گزرے تیئس (۲۳) سال بیت چکے تھے۔

عرب میں ایک پیغمبر کی بعثت اور اس کے ظہور سے متعلق جو تذکرے زبانوں پر تھے' بعض لوگ اس پر زیادہ دھیان دینے لگے تھے۔ چنانچہ ایک دن ابوسفیان نے اُمیہ بن ابی الصلت کو سخت وست کہا اور یہ بات بھی کہی:

marfat.com

''تم راہبوں کی کہی ہوئی باتیں دہراتے رہتے ہو حالانکہ راہب یہ باتیں صرف اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں اپنے دین سے کوئی واقفیت نہیں ہے' انہیں پیغمبر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن ہم نے بتوں کو بارگاہِ الٰہی میں قرب وتقرب کا ذریعہ و وسیلہ تسلیم کرلیا ہے' ہمیں کسی پیغمبر کی احتیاج نہیں۔ ایسی باتیں جہاں کہیں بھی سن جائیں' ان کی تردید کردینی چاہیے۔''

ابوسفیان نے یہ بات بربنائے تعصب اور بت پرستی کے غرور میں کہی تھی وہ یہ نہیں سمجھ سکے تھے کہ سرورِ کونین' خیرالرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا وقت آ پہنچا ہے اور وہ اس وقت مکہ مکرمہ میں موجود پاک ومطہر زندگی بسر کررہے ہیں۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ حضرت عبدالمطلب کا پوتا اور حضرت عبداللہ کا نور عین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی آخرالزماں ہیں جن کے مبعوث ہونے سے قبل ہی ان کے تذکرے زبان زد خاص وعام ہوگئے تھے اور جب وہ اعلانِ نبوت فرمائیں گے تو عرب میں جو اصنام پرستی کا مرکز بنا ہوا ہے' عنقریب وہاں شمع توحید کی لو سے قمقمے فروزاں ہوں گے اور اس روشنی سے تمام عالم بقعہ نور بن جائے گا۔

رملہ سب کی نظروں کا تارا بنی ہوئی تھی' ماں باپ اس کی تمام خواہشات پوری کرتے تھے' وہ خوشیوں کے گہوارے میں پروان چڑھنے لگی اس کی ذرا سی تکلیف پر ابوسفیان اور صفیہ دونوں پریشان ہو جاتے تھے۔ وقت کی تیز رفتاری کے ساتھ ساتھ رملہ بنت ابوسفیان صخر بن حرب بھی بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی کی منازل کی طرف بڑھنے لگیں اور پھر وہ بالغ ہوگئیں' بہت خوب صورت تھیں۔ صحیح مسلم شریف میں خود ابوسفیان کی زبانی منقول ہے کہ میرے ہاں عرب کی حسین ترجمیل تر عورت موجود ہے۔

بچی جوان ہو جائے تو والدین کو اس کی شادی کا غم کھانے لگتا ہے۔ ابوسفیان قریش کا سردار تھا' چاہتا تھا کہ اس کی لخت جگر کی شادی بھی کسی ایسے شخص سے ہو جو اس کی لاڈلی بچی کے لائق ہو۔ ایک دن ابوسفیان اور صفیہ بیٹھے رملہ کی شادی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی' باہر جا کر دیکھا تو جحش بن رباب کھڑا تھا جو بنی اسد

marfat.com

بن خزیمہ کے خاندان سے تھا اور حرب بن اُمیہ کا حلیف تھا۔

جحش بن رباب کی زوجہ محترمہ اُمیمہ حضرت عبدالمطلب کی صاحب زادی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، تعلق اونچے گھرانے سے تھا۔ ابوسفیان بڑی خندہ پیشانی سے جحش بن رباب الاسدی سے ملے اور اندر لے جا کر بٹھایا، خوب خاطر مدارت کی اور پھر آنے کی وجہ دریافت کی۔

''خاص کام سے آیا ہوں، امید ہے انکار نہیں کرو گے۔''

جحش بن رباب نے لبوں کو جنبش دی۔

''کہو تو کام کیا ہے؟''

ابوسفیان سنبھل کر بیٹھ گئے اور ہمہ تن گوش ہو گئے۔

''میرے بیٹے عبیداللہ کو تو جانتے ہو؟''

جحش بن رباب نے کہا۔

''ہاں! کیا ہوا اسے؟''

ابوسفیان جحش کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہوا کچھ نہیں اس کے لیے تیری بیٹی رملہ کا رشتہ مانگنے آیا ہوں۔''

جحش بن رباب نے کہا تو ابوسفیان صخر بن حرب کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

''تیرے آنے سے قبل میں اور صفیہ اسی کی شادی کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔''

اس نے بتایا اور پھر صفیہ کو آواز دی، وہ آئی تو ابوسفیان نے پُرمسرت لہجے میں کہا:

''سنتی ہو جحش کیا کہتا ہے؟''

''کیا؟''

صفیہ نے کہا اور متوجہ ہو گئی۔

''اپنے بیٹے عبیداللہ کے لیے رملہ کا رشتہ مانگتا ہے۔''

صفیہ نے سنا تو اس کا چہرہ بھی خوشی سے کھل اُٹھا اور پھر خاوند کی طرف دیکھنے لگی۔

''تم نے کچھ جواب نہیں دیا؟''

marfat.com

جحش بن رباب نے میاں بیوی کو قدرے خاموش دیکھا تو ان کے جواب کا انتظار کرنے لگا پھر ابوسفیان مخاطب ہوا:

''میں کہتا ہوں جحش تمہیں یہ پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ رملہ بھی تو تمہاری بیٹی ہے۔''

ابوسفیان نے جواب دیا تو جحش بن رباب کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا اور پھر وہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔

''کب بیٹے کی بارات لے کر آؤں؟''

جحش بن رباب نے سوالیہ نظروں سے ابوسفیان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہاری امانت ہے' جب چاہو آ کر لے جاؤ۔''

''ٹھیک ہے۔''

جحس بن رباب نے کہا اور پھر شادی کی تاریخ طے کر لی۔

جحش بن رباب کے تین بیٹے ابواحمد' عبیداللہ اور عبداللہ تھے اور تین بیٹیاں زینب' اُم حبیبہ اور حمنہ تھیں۔ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا عالم عالمیان' ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آئی تھیں اور اُم المومنین کا اعزاز پایا تھا۔

ابوسفیان صخر بن حرب کے گھر آج بڑی رونق و چہل پہل تھی' اکابرین قریش موجود تھے' آج اس کی پیاری بیٹی رملہ کی شادی تھی' بچیاں خوشی کے گیت گا رہی تھیں' تھوڑی دیر کے بعد جحش بن رباب اپنے بیٹے عبیداللہ کی بارات لے کر آ گیا اور پھر وہ رملہ کو بیاہ کر لے گیا۔ سردار کی بیٹی میکے سے سسرال چلی گئی' اپنے پیچھے اداسی چھوڑ کر ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے کے لیے اور پھر گھر میں آئے ہوئے مہمان بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ صفیہ اور ابوسفیان کو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے رملہ اپنے ساتھ گھر کی ساری رونقیں بھی لے گئی ہو اور وہ بیٹی کے خوش آئند مستقبل کی باتیں کرنے لگے۔

رملہ بنت ابوسفیان اور عبیداللہ بن جحش دنیا جہان کی خوشیاں دامن میں سمیٹے زندگی کے دن گزار رہے تھے مگر مکہ کی سیاسی و مذہبی فضا میں روز افزوں تبدیلی آتی جا رہی تھی۔

marfat.com

بنواُمیہ اور بنو ہاشم حصولِ اقتدار کے لیے کوشاں تھے اور اس سلسلہ میں ہر ممکن تدبیر اختیار کر رہے تھے اس باہمی اختلاف نے یہود و نصاریٰ کو زبان دے دی تھی' وہ کھلم کھلا بت پرستی کی مذمت کرنے لگے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اہلِ مکہ اور قریش کی ایک کثیر تعداد یہود و نصاریٰ کی ہم خیال ہوگئی اور وہ بتوں سے شدید نفرت کرنے لگی۔

ایک روز عید کی تقریب پر قریش ایک نخلستان میں جمع ہوئے' ان میں سے چار اشخاص زید بن عمرو' عثمان بن حویرث' عبیداللہ بن جحش اور ورقہ بن نوفل مجمع سے الگ ہٹ کر یہ کہنے لگے:

''یہ بت پرست لوگ بے خبر اور گمراہ ہیں' پتھر کیا ہیں جن کا یہ لوگ طواف کرتے ہیں' نہ یہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ نفع وضرر پر قدرت رکھتے ہیں' ان بتوں کے لیے قربانی کی جاتی ہے۔ آؤ ہم ان سے کٹ کر الگ اپنے دین کی بنیاد ڈالیں۔''

ان میں سے ورقہ بن نوفل اور عثمان بن حویرث نے مسیحیت قبول کر لی۔ زید بن عمرو نے نہ یہودیت اور نہ مسیحیت اختیار کی البتہ اسے اپنے آبائی مذہب سے نفرت ضرور ہوگئی۔ رملہ کا شوہر عبیداللہ بن جحش ذہنی کشمکش کا شکار ہوگیا اور کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

وقت کا دھارا بہتا رہا' عبیداللہ بن جحش ہنوز تذبذب کا شکار تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سال فیل کے چالیس برس بعد اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور وہ درپردہ تبلیغ فرمانے لگے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب والے مثلاً زوجہ محترمہ حضرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' دوست حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' عم زاد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قرب والوں کے قرب والے حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے جو شخص اسلام قبول کرتا وہ آگے صرف اس شخص کو دعوت اسلام دیتا جس پر اسے اعتماد و یقین ہوتا تھا اس طرح خاموشی کے ساتھ چراغ سے چراغ روشن ہونے لگے۔

ایک دن عبیداللہ بن جحش گھر میں چپ چاپ بیٹھا تھا' چہرے پر گہری سوچ وفکر کے آثار تھے' رملہ بڑے غور سے خاوند کی طرف تک رہی تھیں اس طرح کافی دیر ہوگئی۔

marfat.com

عبیداللہ کی حالت میں ذرہ بھر تبدیلی رونما نہ ہوئی' آخرکار بولیں:

''عبیداللہ! کیا فکر لاحق ہے؟''

''میں نے آج ایک بڑی عجیب بات سنی ہے۔''

وہ خیالات کے گہرے پانیوں سے اُبھرا۔

''کیا؟''

رملہ نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کہتے ہیں میں اللہ کا نبی ہوں۔''

''یہ بات تو بڑے عرصہ سے مکے کی فضاؤں میں گردش کر رہی تھی کہ اللہ کا آخری برگزیدہ نبی مبعوث ہونے والا ہے۔''

رملہ نے کہا تو عبیداللہ گویا ہوا:

''ہاں! بات تو تم نے ٹھیک کہی ہے۔''

''ہر آدمی محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر لحاظ سے بے داغ و پاکیزہ زندگی کی قسم کھا سکتا ہے' صادق و امین مشہور ہیں' کوئی بعید نہیں کہ اللہ نے ان کو نبوت عطا فرمائی ہو۔''

رملہ نے کہا جب عبیداللہ نے کوئی جواب نہ دیا تو بولیں:

''ہمیں جو بھی فیصلہ کرنا ہے' بہت جلد کرنا چاہیے۔ ہدایت ہر دروازے پر دستک دے رہی ہے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔''

عبیداللہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا:

''تو پھر جلدی پتہ کرو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک کس طرح رسائی حاصل کی جا سکتی ہے تاکہ اس سعادت سے جلد بہرہ ور ہو سکیں۔''

رملہ نے آہستہ آواز میں کہا۔ عبیداللہ نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا' مسکرایا اور گھر

marfat.com

سے باہر نکل گیا اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اور اس کی بیوی اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ضرور لبیک کہیں گے۔

چند دن گزر گئے' رملہ پر ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری تھا۔ منتظر تھیں کہ کب عبیداللہ مژدہ جانفزا سناتا ہے کہ بارگاہِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر دولتِ اسلام سے مالامال ہوتے ہیں۔ ایک دن عبیداللہ بن جحش خلافِ معمول جلد گھر لوٹ آیا اور رملہ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا اور پھر دونوں میاں بیوی گھر سے باہر نکل گئے۔ رملہ کا دل بلیوں اُچھل رہا تھا' دل چاہتا تھا کہ اُڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں پہنچ جائیں۔ شام کا ملگجا چھا رہا تھا حتیٰ الامکان لوگوں کی نظروں سے بچتے چلے جا رہے تھے' ایک جگہ پہنچ کر عبیداللہ نے پلٹ کر دیکھا اور پھر دائیں بائیں نظریں دوڑائیں' کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا لہٰذا وہ اپنی بیوی کو لے کر ایک مکان کے اندر داخل ہوگئے۔

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء وعشاق کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے' عبیداللہ اور رملہ کو آتے دیکھا تو چہرۂ اقدس پر بشاشت نمودار ہوئی' وہاں تشریف فرما حضرات نے راستہ دے دیا' دونوں قدموں کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔

''کیسے آئے ہو؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک لبوں کو جنبش دی۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! صدہا مقام شکر وامتنان ہوگا اگر ہمیں اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔''

عبیداللہ بن جحش نے عرض کیا:

''کس کی بیٹی ہو؟''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رملہ سے دریافت فرمایا۔

''ابوسفیان صخر بن حرب کی''

رملہ نے عرض کیا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو سن کر بے حد خوشی ہوئی اور پھر دونوں میاں بیوی کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے وہاں موجود حاضرین کی بھی

marfat.com

خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔

جب دونوں میاں بیوی نورِ اسلام سے منور ہو کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے تو ان کی دنیا یکسر بدل چکی تھی' دونوں بہت شاداں وفرحاں تھے' دونوں کو کونین کی دولت جو مل گئی تھی۔

اب ان دونوں میاں بیوی کے شب و روز کا رنگ بدل گیا تھا' کفر کے اندھیرے غائب ہو گئے تھے اسلام کی روشنی دلوں اور گھر کے اندر پھیل گئی تھی۔ ابوسفیان جس کو اپنی بیٹی کی شائستہ عادات و خصائل پر بڑا ناز تھا' اس نے قدیم جاہلی روایات سے بغاوت کر کے حق و صداقت کے نور سے اپنے سینے کو منور کر لیا تھا اور ابوسفیان بے خبر تھا کہ اس کے اپنے گھر کے اندر کتنا بڑا انقلاب آ گیا ہے۔

بیٹی کا خیال تھا کہ اس کا باپ جو صائب الرائے' تعلیم یافتہ اور قریش کا سردار ہے اس پر بھی حق بہت جلد روشن ہو جائے گا اور محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق قبول کر لے گا لیکن اسے کیا خبر تھی کہ وہ اسلام' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کا سب سے بڑا دشمن ہوگا اور ان کی ایذاء رسانیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے گا۔

نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی خفیہ تبلیغ تین سالوں پر محیط تھی' دامنِ اسلام سے وابستہ ہونے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا تھا لیکن ان میں اضافہ کی تعداد بہت کم تھی اور تبدیلی مذہب کا اعلان کر کے اہلِ مکہ کو دشمن بنانے کی بات تھی اس لیے اکثریت اس کا اظہار نہ کرتی تھیں۔

اپنے قرابت داروں کو دعوتِ اسلام دینے کے بعد اہلِ مکہ کو دین کی دعوت دینے لگے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا تک گئے اور وہاں پہنچ کر آواز دی:

''اے گروہ قریش!''

قریش نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر آواز دے رہے ہیں۔ چنانچہ وہ صفا کے دامن میں پہنچے اور دریافت کیا:

marfat.com

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس لیے ہمیں آواز دی ہے؟''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟''

قریش نے جواب میں کہا:

''ہم کیوں نہیں مانیں گے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم صادق وامین ہیں۔''

سنا تو ارشاد فرمایا:

''میں تم سے اس کے سوائے اور کچھ نہیں چاہتا کہ تم لا الہ الا اللہ کہو۔''

یہ سنا تو قریش بھڑک اُٹھے اور بولے:

''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غرض سے ہم کو جمع کیا تھا؟''

اور پھر منتشر ہو گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آوازہ حق بعض دلوں میں ایمان کا بیج بو گیا۔ بعض نے صریحاً کفر وانکار کی راہ اختیار کی اور بعض نے منافقت کی راہ اپنا لی۔

معبودانِ باطل کے پرستاروں کی برداشت سے باہر تھا کہ کوئی ان کے مخالف کسی اور دین کا پرچار کرے۔ انہوں نے مسلمانوں پر ظلم واستبداد اور جور وستم کے دروازے کھول دیئے' نفرتوں کے جال بُن دیئے' شدائد کے نت نئے طریقے ایجاد کر لیے لیکن مسلمانوں کے پائے استقلال میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا۔ وہ اپنے دین پر جمے رہے اور کفار ومشرکین ان پر مشق ستم کرتے رہے جب مسلمانوں پر معاندین اسلام کی چیرہ دستیوں کی انتہا ہو گئی تو رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بطرف ملک حبشہ ہجرت کی اجازت عطا فرما دی۔ پہلی ہجرت نبوت کے پانچویں سال وقوع پذیر ہوئی۔ اس قافلہ میں ۱۱ مرد اور ۴ خواتین تھیں۔ اس قافلہ کی روانگی کے بعد لوگ متواتر ہجرت کرتے رہے یہاں تک کہ حبشہ میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہو گئی۔ ان لوگوں کے جانے پر قریش نے مزاحمت نہیں کی اور یہ قافلہ بغیر کسی رکاوٹ کے منزلِ مقصود پر پہنچ گیا لیکن ان پندرہ مسلمانوں کی ہجرت نے کفارِ مکہ کی آتش غضب کو مزید بھڑکا دیا اور مسلمانوں پر ان کے

marfat.com

شدائد کئی گنا ہو گئے۔ اندریں حالات نبوت کے چھٹے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی مگر اس مرتبہ پہلی ہجرت کی طرح آسانی سے قافلہ کا جانا دشوار تھا' کفار نے سخت مزاحمت کی' طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا شروع کیں۔ یہ قافلہ ۶۸ مردوں اور ۱۹ خواتین پر مشتمل تھا' ان میں عبیداللہ بن جحش اور ان کی اہلیہ محترمہ رملہ بنت ابوسفیان صخر بن حرب بھی شامل تھیں۔

اس وقت ان کی عمر ۲۳ برس تھی اور حاملہ تھیں' قافلے والوں نے رضائے الٰہی کی خاطر خویش واقرباء اور گھر بار کو چھوڑا تھا' مکہ والوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ ان سے چھپتا چھپتا سوئے منزل قدم بڑھاتا رہا۔

حبشہ جسے ایتھوپیا اور ابی سینیا بھی کہتے ہیں' براعظم افریقہ کا ایک ملک ہے جس کا شمالی علاقہ ملک یمن کے بالمقابل بحیرہ قلزم کے اس پار واقع ہے جس کا سیاسی نظام بادشاہت تھا' ان دنوں وہاں اصحمہ نامی بادشاہ کی حکومت تھی جو مذہباً عیسائی تھا چونکہ شاہانِ حبشہ کا لقب نجاشی تھا اس لیے وہ اسی نام سے معروف تھا اور اس کا اصل نام لقب کے نیچے دب کر رہ گیا تھا۔

کئی دنوں کی مسافت طے کرنے کے بعد ستاسی (۸۷) مردوں اور عورتوں کا قافلہ بحیرہ قلزم کے کنارے پہنچا' حد نظر تک نیلگوں سمندر کا پانی پھیلا ہوا تھا جس میں چھوٹی بڑی لہریں اُٹھ رہی تھیں جن کے باہم ٹکرانے سے فضا میں نغمگی بکھر رہی تھی' ساحلِ سمندر پر زیادہ عرصہ انتظار نہیں کرنا پڑا جلد ہی کشتیوں کا انتظام ہو گیا' سب لوگ ان میں سوار ہو گئے اور کشتیاں سینہ آب پر رقص کناں حبشہ کی طرف بڑھنے لگیں۔ عبیداللہ اور رملہ دونوں رنگینی قدرت کا مشاہدہ کر رہے تھے' کافی دیر تک دونوں خاموش رہے اور پھر عبیداللہ بن جحش کے لبوں پر یہ الفاظ تیر گئے:

''قدرت کس قدر حسین وخوب صورت ہے۔''

''میرے باپ ابوسفیان کو جب پتہ چلا ہوگا کہ میں مسلمان ہو گئی ہوں تو اس کی کیا حالت ہوئی ہوگی؟''

marfat.com

رملہ خیالات کے دوش پر مکہ پہنچ گئیں۔ عبیداللہ ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے بولے:

''جو زخمی شیر کی ہوتی ہے۔''

''وہ تو تصور بھی نہیں کرتے ہوں گے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گی۔''

وہ پھر بولیں۔

''کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معاملات انسان کی توقعات کے بالکل اُلٹ رونما ہو جاتے ہیں۔''

عبیداللہ نے کہا اور پھر دُور اُفق میں جھانکنے لگا' تھوڑی دیر کے بعد پھر بولا:

''کیسا ہوگا ملک حبشہ۔ شاید بہت خوب صورت' میرا تو جی چاہتا ہے وہیں رہ جائیں۔''

''کیا کہہ رہے ہو' ہم وقتی طور پر یہاں آئے ہیں جونہی حالات سازگار ہوئے' واپس لوٹ جائیں گے' اپنا ملک اپنا ہی ہوتا ہے۔''

رملہ بنت ابوسفیان نے جذباتیت کے رنگ میں کہا اور پھر وہ بھی دُور سمندر میں دیکھنے لگیں۔ کشتیاں ہر لحظہ ساحل حبشہ کے قریب ہوتی جا رہی تھیں اور پھر وہ کنارے جا کر لگ گئیں' سب نے سکھ کا سانس لیا۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں آنے کا حکم صادر فرمایا تھا اور ان کے حکم کی تعمیل ہو گئی تھی۔

حبشہ قریش کی پرانی تجارت گاہ تھی جہاں وہ تجارت سے خوب نفع کماتے تھے اسی وجہ سے مہاجرین کو وہاں کسی قسم کی تکلیف و پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ انہیں وہاں مذہبی آزادی حاصل تھی اور وہ اپنے دین کے مطابق خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کرتے تھے اور نہ ہی وہاں کے لوگ ان پر کوئی ناخوشگواری کا اظہار کرتے تھے جبکہ ان کے اپنے ملک میں وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی وہاں کوئی ان سے اس بناء پر نفرت کرتا تھا۔

قریش مکہ بھی ہر وقت ٹوہ میں لگے رہتے تھے ۔ رمہاجرین کے بارے میں معلومات

marfat.com

حاصل کرتے رہتے تھے‘ ان کے بس میں ہوتا تو وہ مسلمانوں کو وہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیتے مگر ان کا بس نہ چلتا تھا‘ انہیں جب اس بات کا علم ہوا کہ مسلمان حبشہ میں بڑے امن وسکون سے زندگی کے دن بسر کر رہے ہیں تو انہیں سخت ذہنی کوفت ہوئی۔ ان کے اکابرین اور سرداروں نے اس ضمن میں صلاح مشورے کیے اور متفقہ فیصلہ کیا کہ کسی طرح مہاجرین کو مکہ واپس لایا جائے اس کے لیے انہوں نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو بیش بہا قیمتی تحفے دے کر شاہ حبشہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ اسے اس بات پر راضی کریں کہ وہ مسلمانوں کو واپس بھیج دے۔

قریش مکہ کے بھیجے ہوئے دونوں افراد بڑے زیرک و دانا تھے‘ حبشہ پہنچ کر انہوں نے اپنی اولین فرصت میں شاہی دربار کے اعیان و ارکان سے تعلق استوار کیے‘ تحفے تحائف ان کی نذر کیے اور انہیں اس امر پر اپنا ہموا بنا لیا کہ وہ بھی بادشاہ سے سفارش کریں گے کہ مسلمانوں کو واپس بھیج دینا چاہیے۔ ان انتظامات کے بعد وفد شاہ حبشہ کے دربار میں حاضر ہوا‘ انہوں نے جاتے ہی بادشاہ کو سجدہ کیا اور پھر اس کے دائیں بائیں مخصوص کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

”آنے کا مدعا بیان کرو۔“

شاہ حبشہ نے ان کو مخاطب کر کے کہا۔ ان میں سے ایک اُٹھ کر بادشاہ کی کورنش بجا لایا اور پھر عرض گزار ہوا:

”اے بادشاہ! ہمارے ملک کے کچھ لوگ یہاں آ کر رہ رہے ہیں‘ انہوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا ہے‘ آپ انہیں ہمارے ساتھ بھیج دیں۔“

اور پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ نجاشی نے اہلِ دربار کی طرف دیکھا اور رائے طلب کی۔ اے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کی حرکات کا علم ہو گیا تھا کہ انہوں نے بطارقہ کو اپنا ہموا بنا لیا ہے‘ بادشاہ کا ایک مصاحب اپنی کرسی سے اُٹھا اس نے جھک کر بادشاہ سے قریش کے وفد کے مؤقف کی حمایت کی اور کہا:

”بادشاہ سلامت! ہمیں مسلمانوں کو واپس بھیج دینا چاہیے‘ ہم نہیں چاہتے کہ قریش

marfat.com

کے ساتھ ہمارے تجارتی تعلقات خراب ہوں۔''

چند ایک اور لوگوں نے بھی قریش کے وفد کی حمایت میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اب دربار میں مکمل خاموشی تھی تھوڑی دیر کے بعد نجاشی کی آواز دربار میں گونجی:

''مہاجرین کو پیش کیا جائے۔''

شاہ کا فرستادہ فوراً مہاجر مسلمانوں کے پاس گیا اور کہا:

''شاہِ حبشہ آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔''

''کس لیے؟''

حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

مہاجرین حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں دربار میں تشریف لائے' ان میں عبیداللہ بن جحش بھی تھے۔ مسلمانوں نے حسب دستور بادشاہ کو سجدہ تعظیمی نہیں کیا اور سیدھے اپنی اپنی کرسیوں پر جا کر بیٹھ گئے۔

''شاہی آداب نہ بجالانے کی وجہ؟''

شاہِ حبشہ نے مسلمانوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ زیرلب مسکرائے کہ بادشاہ ناراض ہو کر مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دے گا۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

''ہم اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔''

''تمہارا کونسا دین ہے' جس کے باعث تم نے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا اور تمہارا جدید مذہب ہم سب لوگوں کے مذہب سے نرالا ہے؟''

نجاشی نے پوچھا۔ اس کا جواب حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا۔ بولے:

''ایھا الملک! ہم جاہل قوم تھے' بتوں کو پوجتے تھے' مردار خور تھے' فواحش میں مبتلا تھے' قطع رحم کرتے' پڑوسیوں کے ساتھ برا برتاؤ رکھتے تھے' ہمارا زبردست زیردست کو کھا جاتا تھا' ہماری یہ حالت تھی کہ ہم میں اللہ نے ایک ایسے پیغمبر کو مبعوث کیا جس کے صدق' عفاف' امانت سب کو ہم جانتے ہیں اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا

marfat.com

کہ ہم صرف اسی کی پرستش کریں اور اپنے اور اپنے بڑوں کے بتوں کی پوجا چھوڑیں اس نے ہم کو سچ بولنے' امانت ادا کرنے' صلہ رحمی کرنے' پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے' حرام باتوں اور خوں ریزی سے دور رہنے کا حکم دیا اور فواحش سے' جھوٹ بولنے سے' یتیموں کا مال کھانے سے' عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا کہ اس میں کسی کو شریک نہ کریں اور صوم وصلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا' ہم نے اس کو مانا اور اس پر ایمان لائے اب جبکہ ہم نے شرک چھوڑ کر اللہ کی پرستش اختیار کی اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی کہ ہم اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر اصنام پرستی شروع کر دیں۔''

نجاشی نے جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گفتگو سنی تو بولا:

''اللہ کا کلام تم کو کچھ یاد ہے؟''

''ہاں!''

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔

''سناؤ!''

نجاشی نے کلام الٰہی سننے کی تمنا کی۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے **کھیعص** (سورۂ مریم) کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا جس کو سُن کر نجاشی اور اس کے درباری اسقف اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔ نجاشی گویا ہوا:

''یہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں۔''

اور پھر عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو مخاطب کر کے شاہانہ رعب سے کہا:

''تم دونوں چلے جاؤ' یہ لوگ کسی طرح تمہارے حوالے نہیں کیے جا سکتے۔''

جب یہ دونوں اپنے مقصد میں ناکام ہوئے تو ایک اور تدبیر سوچی کہ نجاشی کے سامنے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے۔ عیسائی ان کو ابن اللہ کہتے ہیں اور مسلمان عبداللہ بتائیں گے' ان کے اس عقیدہ کا اثر نجاشی

marfat.com

پر بُرا پڑے گا۔ لہٰذا دوسرے دن یہ لوگ پھر شاہِ حبشہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور عمرو بن العاص نے کہا:

''اے بادشاہ سلامت! یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بہت غلط عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کرتے ہیں، ہمارے اس قول کی تصدیق آپ ان کو بُلا کر کر سکتے ہیں۔''

نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بُلا بھیجا۔ یہ آزمائش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی تاہم ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ قرآن پاک میں جو کچھ حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مذکور ہے، وہی نجاشی کے سامنے بیان کریں گے خواہ اس کا نتیجہ خراب ہی کیوں نہ ہو۔ الغرض مسلمان دربار میں حاضر ہوئے، نجاشی نے سوال کیا:

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو؟''

حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً کہا:

''ہمارے قرآن کی رو سے وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کی روح تھے۔''

نجاشی نے سنا تو زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اُٹھایا اور کہا:

''جو تم کہتے ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے سے ذرّہ برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔''

اس پر بطارقہ بہت چیں بہ جبیں ہوئے قریش کی سفارت ناکام رہی لہٰذا قریش کا بھیجا ہوا وفد واپس لوٹ گیا۔

اب مسلمان بڑے اطمینان وسکون سے زندگی کے دن بسر کر رہے تھے، مکہ سے آنے جانے والوں کی معرفت وہاں کے حالات سے آگاہی ہوتی رہتی تھی اور انہیں اپنی قوم کے رویے اور اسلام کے خلاف معاندانہ روش پر دلی صدمہ ہوتا تھا کہ کس طرح وہ حق کے خلاف نبرد آزما ہیں اگرچہ سفارت کی ناکامی کے بعد مشرکین مکہ کی مخالفت میں تیزی آ گئی تھی لیکن اس کے باوجود ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ آخر محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں وہ کونسی جاذبیت اور کشش ہے کہ جو ایک بار ان کی دعوت پر

marfat.com

لبیک کہہ دیتا ہے پھر وہ جان تو قربان کرسکتا ہے مگر اس سے پھر نہیں سکتا اور وہ خونی رشتوں کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات اُبھرتی تھی کہ اس نئی دعوتِ توحید کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں لیکن اس میں ان کے پندار کی موت تھی لہٰذا وہ پھر اپنی اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو جاتے تھے۔

عبیداللہ بن جحش اور رملہ ہنسی خوشی زندگی کے دن گزار رہے تھے کہ انہی دنوں ان کے ہاں ایک بیٹی نے جنم لیا' باپ نے اس کا نام حبیبہ رکھا اور پھر سب لوگ رملہ کو اُم حبیبہ کے نام سے منسوب کرنے لگے۔ یہ کنیت نام پر اس قدر غالب آئی کہ لوگ ان کا اصل نام بھول گئے اور سب انہیں اُم حبیبہ کے نام سے ہی پکارنے لگے۔ گھر کے آنگن میں ایک خوب صورت پھول کھلا تھا' اُم حبیبہ ہر وقت بیٹی کی ناز برداریوں میں لگی رہتی' وقت گزرتا رہا۔

ایک دن اُم حبیبہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھیں' محسوس کر رہی تھیں کہ کچھ دنوں سے عبیداللہ کا رویہ بدلا بدلا سا ہے' پہلے جیسی گرمجوشی ومحبت نہیں رہی۔ وہ اس کی وجہ جاننے کی کوشش کر رہی تھیں' بظاہر کوئی وجہ بھی نظر نہیں آتی تھی۔

''شاید میرا وہم ہو''

اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے خیال میں یہ جملہ اُبھرا' از خود مسکرا دیں اور پھر بچی کے ساتھ مشغول ہو گئیں۔

رفتہ رفتہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں فکروں اور سوچوں نے گھر بنانا شروع کر دیا۔ عبیداللہ کا رویہ بہت بدل چکا تھا' زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارتا تھا' اِدھر اُدھر سے پتہ چلتا رہتا تھا کہ وہ عیش وعشرت میں پڑ گیا ہے۔ یہی بات ان کے لیے پریشان کن تھی۔

رات دبے گام گزر رہی تھی۔ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا آرام فرما رہی تھیں کہ عالم رویاء میں پہنچ گئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ عبیداللہ کی نہایت کریہہ ومکروہ شکل ہے' فوراً آنکھ کھل گئی'

marfat.com

دل و دماغ میں خیالات کا ہجوم ہونے لگا۔ سوچنے لگیں:

''عبیداللہ کی حالت بدل گئی ہے۔''

اب نیند آنکھوں سے کوسوں دُور تھی، صبح ہوئی تو عبیداللہ نے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے کہا:

''اے حبیبہ کی ماں! میں نے دین کے بارے میں بہت سوچا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ تمام مذاہب میں نصرانیت بہترین ہے۔ چنانچہ میں اس کی طرف مائل ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود میں نے اسلام کو اختیار کر لیا تھا کیونکہ اس کی وجہ میں خود بھی نہیں جانتا لیکن اب میں نے نصرانیت کی طرف رجوع کر لیا ہے۔''

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنا تو بولیں:

''اس میں تمہاری کوئی بھلائی نہیں ہے بلکہ سراسر نقصان ہے۔''

''میں نے ہر پہلو سے غور کیا ہے اور یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نصرانیت اچھی ہے اور شاہی مذہب سے متاثر ہو کر عیسائی ہو گیا ہوں۔''

عبیداللہ نے جواب دیا تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ نہا نے کہا:

''عبیداللہ ابھی وقت ہے کہ اس خیال کو چھوڑ دو، رات میں نے خواب میں تمہیں نہایت بھیانک اور مکروہ شکل میں دیکھا ہے۔''

سمجھانے کے باوجود عبیداللہ اپنے خیال سے باز نہ آیا، دینِ اسلام سے مرتد ہو گیا تھا لہٰذا میاں بیوی میں علیحدگی ہو گئی۔ طرفہ تماشا دیکھیں کہ عبیداللہ نے نجاشی کے مذہب سے متاثر ہو کر اسلام ترک کر دیا تھا لیکن اس کے برعکس جب ۶ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو اسلام قبول کرنے کا دعوت نامہ بھیجا تو وہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آیا اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور اسی سن ہجری میں عبیداللہ مذہب عیسائیت پر اس جہان سے کوچ کر گیا۔

اب حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی پر بیوگی کے سائے پھیلے ہوئے تھے، پردیس میں یکہ و تنہا تھیں۔ ہجرت کے وقت ان کے ساتھ عبیداللہ کے بھائی حضرت

marfat.com

عبداللہ بن جحش اور ماموں زاد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے مگر یہ دونوں حضرات ہجرت مدینہ سے قبل ہی دوسرے چند مہاجرین کے ہمراہ مکہ واپس چلے گئے تھے۔

ایک دن افسردہ و مغموم تھیں' حبیبہ کھیل رہی تھی کہ طائر خیال پرواز کرتا ہوا مکہ پہنچ گیا۔ سب سے پہلے جو چہرہ آنکھوں کے سامنے اُبھرا وہ ان کے باپ ابوسفیان صخر بن حرب کا تھا جو اسلام کا بدترین دشمن تھا' قدم قدم پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا اس کا شیوہ تھا۔ ایک دفعہ اشراف قریش ابوسفیان کی معیت میں ابوطالب کے پاس گئے اور کہا:

''آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کی مذمت کرتا ہے' ہمارے دین پر اعتراض کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہماری عقل پر ہنستا اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ خیال کرتا ہے اسے سمجھا دیں ورنہ ہم خود نبٹ لیں گے۔''

ابوطالب نے ان کو مناسب الفاظ میں سمجھا دیا اور بات آئی گئی ہوگئی اگر کوئی اسلام قبول کرتا تو اس سے جھگڑتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پتہ چلا کہ اسلام قبول کر لیا ہے تو اس پر ٹوٹ پڑے مگر ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی دعوت کا دائرہ دن بدن وسیع ہو رہا تھا جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے' وہ بھی اپنے دل میں سوچنے لگے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں صراط مستقیم کی دعوت دے رہے ہیں' آیا وہ جو وعدہ ہم سے کرتے ہیں' درست اور صحیح ہے۔ اس خیال سے ابوسفیان' ابوجہل اور اخنس نے رات کو الگ الگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانے کا رُخ کیا۔ یہ تینوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے اور یہ چاہتے تھے کہ چھپ چوری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں۔ غرض تینوں اشخاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے کے متصل مختلف گوشوں میں چھپ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کا بیشتر حصہ بیداری اور قرآن خوانی میں گزارا'

marfat.com

صبح سویرے یہ تینوں اشخاص اپنے اپنے گھروں کو جاتے ہوئے راستے میں ایک دوسرے سے ملے۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہا اور یہ عہد کیا کہ اس قسم کا اقدام آئندہ نہیں کرنا چاہیے اگر ہماری قوم کے کسی کوتاہ فہم نے ہمیں اس سمت آتے جاتے دیکھ لیا تو دل میں کیا خیال کرے گا اس عہد کے باوجود دوسری رات کو پھر کوئی جذبہ ان تینوں کو کشاں کشاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے کے قریب لے آیا۔ یہ تینوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید سننا چاہتے تھے۔ صبح کو واپسی پر پھر تینوں کی ملاقات ہوئی اور پھر ایک دوسرے کو ملامت کی۔ تیسری رات کو پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ آخر یہ سوچ کر کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتے یہ پختہ عہد کیا کہ آئندہ ہم ان کے مکان کے آس پاس بھی نہیں پھٹکیں گے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے یہ تینوں جو قرآنی آیات سُن چکے تھے، وہ ان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اُتر گئی تھیں اور ان کے بارے میں یہ تینوں آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنے دین کی عظمت برقرار نہیں رکھ سکیں گے، قوم بھی اس دعوت کے آگے سپر ڈال دے گی اور رفتہ رفتہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر آمادہ ہوں گے۔

اگرچہ ابوسفیان اور اس کے ہمنوا اپنے آبائی دین پر جمے ہوئے تھے تو اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ اس کی صداقت پر یقین نہیں رکھتے تھے یا اس کی تہہ میں انہیں کوئی حقیقت مضمر نظر نہیں آتی تھی بلکہ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے آبائی دین کی بدولت کثیر دولت اور بلند مراتب حاصل کیے تھے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ہم مال و دولت سے تہی دامن ہو جاتے ہیں تو پھر ہمارے لیے زندگی میں کوئی کشش اور دلچسپی باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ ایمان لانا تو درکنار ابوسفیان حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگوں میں قریش کا ساتھ دیتا تھا اور احد و خندق کی جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ یہ صورتِ حال حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے بڑی تکلیف دہ تھی، اپنے باپ کے ان واقعات کو یاد کر کے ان کے چہرۂ مبارک پر نفرت و حقارت کے آثار نمودار ہوئے، ان کی برداشت سے

marfat.com

باہر تھا کہ کوئی محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا باعث بنے۔

باپ کے چہرے کے بعد حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذہن میں بھائیوں کے چہرے اُبھرے۔ سب سے پہلے حقیقی بھائی برید بن ابوسفیان جو یزید الخیر کے نام سے مشہور تھے اور پھر باپ شریک بھائی امیر معاویہ یاد آئے۔ قبولِ اسلام سے پہلے یہ دونوں ہستیاں کسی مقام' کسی جنگ اور کسی مخالف اسلام سرگرمیوں میں دکھائی نہیں دیتیں۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے درپردہ اسلام کو بہت پہلے قبول کر لیا تھا لیکن بظاہر وہ فتح مکہ والے دن سے خاندان کے دوسرے افراد کے ہمراہ اسلام کے دامن سے وابستہ ہوئے ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے لے کر ۸ ہجری تک ۲۱ سالوں میں مشرکینِ مکہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفانہ سرگرمیوں میں کہیں نہ کہیں دکھائی دیتے اور نہ ہی انہوں نے باپ کے ہمرکاب کوئی قدم اُٹھایا ہے۔ بھائیوں کی پوری زندگی کا نقشہ بہن حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے گھوم رہا تھا' چہرہ مبارک پر ان بھائیوں کی محبت کا رنگ پھیلا ہوا تھا' محبت کی ایک لہر تھی جو قلب و روح میں اُبھر رہی تھی اور پھر باپ شریک بہنوں کا خیال آیا۔ یہ چار تھیں جویریہ' فارعہ اور اُم حکیم۔ یہ ہند بنت عقبہ سے تھیں۔ ہند اور صحرہ یہ صفیہ بنت ابی عمرو سے تھیں۔ اور میمونہ یہ حبابہ بنت ابی العاص سے تھی۔ یکے بعد دیگرے ان کے چہرے بھی سامنے آئے مگر ایسی کوئی بات دیکھی نہ سنی تھی کہ انہوں نے کوئی ایسا قدم اُٹھایا ہو جس سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ظاہر ہوتی ہو۔

''آخر میرے باپ کو کیا ہو گیا ہے؟''

خیالات کا دھارا پھر ابوسفیان کی طرف مڑ گیا اور اداسی مزید گہری ہو گئی۔

رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی' ہر سو خاموشی محیط تھی۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آرام فرما رہی تھیں کیا دیکھتی ہیں کوئی شخص آتا ہے اور اُم المومنین کہہ کر خطاب کرتا ہے فوراً آنکھ کھل گئی۔ یہ زندگی کا بہترین خواب تھا جو انہوں نے دیکھا تھا۔ غور فرمانے کے بعد یہ تعبیر نکالی کہ تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حبالہ عقد میں لے آئیں گے اس

marfat.com

کے بعد نیند آنکھوں سے غائب تھی' بار بار اس خواب جانفزا کا خیال آتا تھا اور اُم المومنین کا لفظ آہستگی سے لبوں پر مچل جاتا تھا۔ صبح اُٹھیں' اللہ کے حضور شکر بجا لائیں' چہرے مبارک پر عجیب طرح کی رونق و تازگی تھی' تمام پچھلے دُکھ درد جو پردیس میں سہے تھے' ہوا ہو گئے تھے اب اس وقت اور لمحے کا انتظار تھا کہ کب کوئی پیغام لے کر آتا ہے۔

محبوبِ کبریا' رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں علم ہوا کہ وہ کن حالات میں زندگی بسر کر رہی ہیں تو حضرت عمر بن اُمیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور کہا:

''تم ابھی حبشہ روانہ ہو جاؤ اور اس کے بادشاہ کو میرا خط پہنچاؤ۔''

حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خط کو بصد ادب ہاتھوں میں لیا اور پھر سوئے حبشہ چل پڑے۔

شاہِ حبشہ دربار میں بیٹھا تھا کہ اطلاع ملی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے ہیں' سنا تو تخت سے اُٹھ بیٹھے۔ حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بڑی محبت سے استقبال کیا اور قریب لا کر بٹھایا۔ قاصد نے خط پیش کیا تو اسے سر آنکھوں پر رکھا اور پھر کھول کر پڑھا' لکھا تھا:

''میری طرف سے اُم حبیبہ کو پیام شادی دو۔''

خط پڑھنے کے بعد شاہِ حبشہ نے اپنی باندی ابرہہ کو طلب کیا جو ملبوسات وعطریات کی منتظمہ تھی' اسے کچھ ہدایات دیں اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھیجا۔

ابرہہ تیز تیز قدم اُٹھاتی جا رہی تھی' جلد ہی وہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر جا کر رُکی اور دروازے پر دستک دی۔

''کون ہے؟''

اندر سے آواز آئی۔

''ابرہہ! شاہِ حبشہ کی باندی''

marfat.com

''اندر آ جاؤ''

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا تو ابرہہ اندر چلی گئی اس کا چہرہ ہی بتا رہا تھا کہ بہت بڑی خوش خبری لے کر آئی ہے۔

''عدت ختم ہوگئی آپ کی؟''

''ہاں! آج ہی ختم ہوئی ہے مگر تم کیوں دریافت کر رہی ہو؟''

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''بادشاہ سلامت نے بھیجا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ خط پوچھا ہے کہ کیا آپ ان کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں شامل ہونے پر آمادہ ہیں؟''

''شاہ حبشہ سے کہو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رحمت سے نوازے' مجھے کوئی عذر نہیں۔''

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا تو باندی پھر گویا ہوئی:

''آپ کی جانب سے وکیل کون ہوگا؟''

''حضرت خالد بن سعید بن العاص''

یہ جواب سُن کر ابرہہ واپس جانے لگی تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے روک لیا اور چاندی کے دو کنگن' دو جھانجھن جو آپ کے پیروں میں تھیں اور انگلیوں میں جتنی چاندی کی انگوٹھیاں تھیں' اُتار کر سب دے دیں کیونکہ وہ بہت بڑا مژدہ لے کر آئی تھی' یہ اس کا انعام تھا جب وہ واپس چلی گئی تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خیالات کی جولانگاہ میں کھو گئیں۔

انہیں وہ خواب یاد آ گیا جو چند دن قبل دیکھا تھا اس کی تعبیر کس قدر جلد نکلی تھی اس وقت ان کے چہرے مبارک پر خاص قسم کا نور اور طمانیت رقصاں تھی۔

شام کو تقریب نکاح کا انتظام کیا گیا' نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہاں جو مسلمان تھے' سب کو بلا بھیجا جب سب جمع ہوگئے تو شاہ حبشہ نجاشی نے حاضرین سے خطاب کر کے کہا

marfat.com

''مجھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھجوایا تھا کہ میں ان کا نکاح حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پڑھا دوں اسی سلسلہ میں آپ کو یہاں بُلایا ہے۔''

اور پھر اصحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاہِ حبشہ نے جن کا لقب نجاشی تھا' خطبہ نکاح پڑھا جس کا مطلب تھا:

''تمام خوبیاں اور بڑائیاں اس اللہ کے لیے مخصوص ہیں جو بادشاہ ہے اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے جو سلام ہے' امن دینے والا ہے' غلبہ والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی حق دار عبادت نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی۔ امابعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لکھا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کرادوں' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بجا لانے کے لیے کھڑا ہوا ہوں' میں نے مہر میں حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چار سو دینار دینے کا تہیہ کرلیا ہے۔''

پھر نجاشی نے وہ دینار لوگوں کے سامنے رکھ دیئے۔

ان کے بعد حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وکیل تھے' خطبہ دیا:

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' میں اس کی بڑائی بیان کرتا ہوں اور اسی سے اپنے ہر کام میں نصرت و اعانت مانگتا ہوں اور میں گواہ ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی حق دار عبادت نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب فرما دے اگرچہ مشرکوں کو بُرا معلوم ہو۔ امابعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا پر لبیک کہتا ہوں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نکاح میں برکت عطا فرمائے۔''

نجاشی نے چار سو دینار حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیئے پھر

marfat.com

جب لوگوں نے اُٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی بولا:

''ابھی آپ لوگ تشریف رکھیں کیونکہ انبیاء کی یہ ایک قدیمی سنت ہے کہ نکاح کے موقع پر لوگوں کی دعوت کی جائے۔''

چنانچہ اس نے کھانا منگوا کر سب کے سامنے چنوا دیا اور جب لوگ کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو گھروں کو تشریف لے گئے۔

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہر کے چار سو دینار حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پیش کر دیئے' نکاح کے وقت سیّدہ موصوفہ کی عمر مبارک ۳۶ سال اور سن ۶ ہجری تھا۔

جب ان کو رقم مل گئی تو انہوں نے ابرہہ کو بُلوایا جب وہ آئی تو انہوں نے کہا:

''ابرہہ! جس دن تو نے مجھے بشارت دی تھی اس وقت میرے پاس نقد رقم نہ تھی' یہ پچاس دینار لے لے اور اپنی ضروریات پوری کر۔''

اس نے رقم لینے سے معذرت طلب کی تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ ڈبہ نکالا جس میں نجاشی کی دی ہوئی تمام رقم تھی اور وہ ساری رقم اس کو دے دی مگر اس نے یہ کہہ کر لوٹا دی:

''بادشاہ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں آپ کی اس رقم میں ذرا سی بھی کمی نہ آنے دوں۔''

پھر بادشاہ کی طرف سے بہت سی قیمتی خوشبوئیں بطور تحفہ سیّدہ موصوفہ کی خدمت میں پیش کیں اور پھر بولی:

''میں بھی آپ کے دین کی پیروی کرتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسلمان ہوگئی ہوں۔ آپ سے گزارش ہے کہ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں میرا اسلام پہنچا دیں اور بتا دیں کہ ابرہہ نے اسلام کو سینے سے لگا لیا ہے۔''

نکاح کے بعد حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جتنے روز حبشہ میں مقیم رہیں' ابرہہ

marfat.com

بڑے لطف و مہربانی سے پیش آتی تھی۔ اکثر کہتی رہتی تھی کہ میرا کام نہ بھولیے گا اور روانگی تک یاد کراتی رہی۔

حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہِ حبشہ کے نام سیّدہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے نکاح کا پیغام لے کر آئے تھے اس کے ہم آہنگ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ شاہِ حبشہ سے کہیں کہ وہ اپنے ملک میں موجود مہاجرین کو مدینہ منورہ بھیجنے کا مناسب انتظام کر دے۔

چنانچہ بادشاہ نے دو کشتیوں کا بندوبست کر دیا۔

جن مسلمانوں نے ان کشتیوں میں سوار ہو کر ایک عرصہ دراز کے بعد اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہونا تھا' ان کی تعداد حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ سولہ تھی۔ خوشی کی ایک لہر ان کے خون کے اندر دوڑ رہی تھی' ایک مدت کے بعد وہ اپنے لوگوں سے ملیں گے اور سب سے بڑی بات یہ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و قرب میں رہیں گے جس سے بڑھ کر کوئی اور سعادت ہو نہیں سکتی تھی۔

مقررہ روز مسلمانوں کا یہ قافلہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا۔ ویسے تو تمام مسلمان حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت کے لیے موجود تھے لیکن اس کے باوجود نجاشی نے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطورِ خاص ان کی دیکھ بھال اور خدمت پر مامور فرما دیا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا بھی یہی تھا۔

کشتیاں سمندر کی لہروں پر ہچکولے کھاتیں مدینے کی بندرگاہ جار کی طرف بڑھ رہی تھیں' منزلِ مقصود پر پہنچنے سے بہت پہلے ہر شخص ذہنی طور پر وہاں پہنچ چکا تھا لیکن حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہر لمحہ ایک نئی مسرت و ذمہ داری سے ہمکنار کر رہا تھا۔ بالآخر کشتیاں مدینے کی بندرگاہ جار پر جا کر رُکیں' مسافر ان سے اُترے' تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر اونٹوں پر سوار ہو کر سوئے مدینہ منورہ چل پڑے۔

ہجرتِ حبشہ سے لے کر آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ کر مدینے واپس

marfat.com

آنے تک تیرہ سال حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حبشہ میں رہیں جب وہ مدینہ منورہ پہنچیں تو ان دنوں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی مہم پر تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کچھ دوسرے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے سوئے خیبر روانہ ہوگئے۔ اُم المومنین سیّدہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینے میں ہی رُک گئیں اور اپنے شوہر نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار فرمانے لگیں۔

جب نور مجسم' ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس تشریف لائے تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شدت سے چشم براہ تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے خیبر کی کھجوروں میں سے ۸۰ وسق کھجوریں اور ۲۰ وسق جو مقرر فرما دیئے۔ بیٹی حبیبہ ان کے ساتھ تھیں جس نے آغوشِ نبوت میں تربیت پائی اور جب بڑی ہوئی تو قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم داؤد بن عروہ بن مسعود کو منسوب ہوئیں۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نجاشی کی باندی ابرہہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا ہے۔"

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کا پیغام دیا۔

"وعلیہا السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا اور پھر حبشہ کے حالات دریافت فرمانے لگے۔

جب سیّدہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئیں تو اس وقت جو پہلے سے خواتین حرم مقدس میں بحیثیت اُمہات المومنین موجود تھیں' ان میں حضرت سیّدہ سودہ بنت زمعہ' حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ' حضرت سیّدہ حفصہ' حضرت سیّدہ زینب بنت جحش' حضرت سیّدہ اُم سلمہ' حضرت سیّدہ جویریہ بنت حارث اور حضرت سیّدہ صفیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہن شامل تھیں جب ابوسفیان صخر بن حرب کو پتہ چلا کہ اس کی بیٹی اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہوگئی ہیں تو کہا

marfat.com

''یہ وہ جواں مرد ہے جو اپنی آن پر حرف نہیں آنے دے گا۔''

ہجرت کے چھٹے سال ماہِ ذی قعدہ کے چاند کو دوشنبہ کے دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ کے قصد سے حدیبیہ جانا ہوا۔ یہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے' یہ مقام حل وحرم کا جامع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چودہ سو سے اوپر صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم موجود تھے' مشرکینِ مکہ نے عمرہ سے روک دیا اور ایک صلح نامہ لکھا گیا جس کی شرائط یہ تھیں:

(۱) اس سال آپ یہاں سے لوٹ جائیں اور آئندہ سال عمرہ کے لیے تشریف لائیں اور دس سال تک ہمارے اور آپ کے درمیان صلح رہے گی' شہری امن وسلامتی سے رہیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعرض نہیں کریں گے' حلیف اور ہم عہد ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں گے۔

(۲) سال آئندہ جب آئیں تو تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں گے اور یہ کہ تلواریں نیام میں رہیں گی۔

(۳) جو کوئی ہماری جانب سے ازخود تم میں چلا جائے' اسے ہماری طرف لوٹا دیں گے اگرچہ مسلمان ہو کر ہی پہنچے اور جو کوئی آپ کی طرف سے آ جائے گا' اسے ہم نہ لوٹائیں گے۔

معاہدہ حدیبیہ کے مطابق یہ چیز طے پائی تھی کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کرنا چاہے' اسے آزادی ہے اور جو شخص قریش سے قول وقرار کرنا چاہے' اسے بھی اختیار ہوگا۔ بنی خزاعہ اور بنی بکر میں دیرینہ عداوت چلی آتی تھی لیکن قرار داد حدیبیہ کے بعد جب سے دونوں قبیلوں میں سے ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ ایک فریق سے عہد کر لیا تھا اس وقت سے ان کی پرانی عداوت کی بساط اُلٹ گئی تھی جب غزوہ موتہ برپا ہوا تو قریش کو یہ گمان ہوا کہ مسلمانوں کا پہلا سا وقار قائم نہیں رہا لہٰذا بنی بکر کی ایک شاخ بنی دیل نے خیال کیا کہ اب بنی خزاعہ سے انتقام لینا چاہیے۔ قریش کے بعض لوگوں نے بھی انہیں اس بات پر آمادہ کیا جن میں عکرمہ بن ابوجہل کے علاوہ بعض سردارانِ قریش

marfat.com

بھی شامل تھے' انہوں نے بنی بکر کو اسلحہ فراہم کیا۔ چنانچہ ایک رات جب بنی خزاعہ اپنے ایک چشمہ وتیر نامی پر آرام کر رہے تھے' بنی بکر ناگہاں ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے بعض آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

اس واقعہ کے بعد بنی خزاعہ مکہ کی طرف بھاگ آئے اور بذیل بن ورقا کے گھر میں پناہ لی اور شکایت کی کہ قریش اور بنی بکر نے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا' وہ توڑ ڈالا ہے۔ عمرو بن سالم خزاعی بہ عجلت تمام مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔ عمرو بن سالم خزاعی نے سارا واقعہ سنا کر مدد کی درخواست کی تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عمرو! ہم تمہاری مدد ضرور کریں گے۔''

بعد ازاں بذیل بن ورقا بنی خزاعہ کے چند آدمیوں کے ہمراہ مدینہ آیا اور اپنی سرگزشت سنائی اور عرض کیا:

''قریش نے ہمارے خلاف بنی بکر کو امداد دی ہے۔''

اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ قریش کی اس عہد شکنی کا بدلہ یہی ہے کہ مکہ کو فتح کیا جائے۔

قریش کے مدبر اور دانا افراد کو جلد ہی اس امر کا احساس ہو گیا کہ عکرمہ اور اس کے ساتھیوں نے ہمیں خطرے میں ڈال دیا ہے کیونکہ یہی ہیں جنہوں نے قرارداد حدیبیہ کی تنسیخ کی ہے۔

''محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی خزاعہ کا انتقام ضرور لیں گے لہٰذا ان کے مقدس شہر کو سخت خطرہ لاحق ہے۔''

اہل قریش کے سرکردہ افراد بیٹھے سوچ رہے تھے' بہت سوچ بچار کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا اور ابوسفیان صخر بن حرب کو مخاطب کر کے کہا:

''تم مدینہ جاؤ اور قرارداد کو مستحکم کرو اور توسیع کرواؤ تاکہ مزید دس سال تک یہ نافذ

marfat.com

العمل رہے اگر ضرورت پڑے تو اپنی بیٹی اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مدد لینا جو اس وقت اُمہات المومنین میں شامل ہیں۔"

قریش کے فیصلے کے بعد ابوسفیان مدینے کی طرف چل پڑا جب عسفان کے مقام پر پہنچے تو ان کی ملاقات بذیل بن ورقا اور ان کے ساتھیوں سے ہوئی۔ ابوسفیان کو یہ خطرہ تھا کہ شاید بذیل نے مدینہ پہنچ کر پہلے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات سے باخبر کر دیا ہے اور اگر یہ بات ہے تو پھر معاہدہ کی مدت میں توسیع کی بات بنتی نظر نہیں آتی۔

"بذیل! کیا تم نے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملاقات کی ہے؟"

ابوسفیان نے دریافت کیا۔

"نہیں!"

اس نے انکار کر دیا لیکن ابوسفیان نے اونٹنی کی مینگنیوں سے اندازہ کر لیا کہ وہ ضرور مدینہ پہنچا ہے۔

"مجھے براہِ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں کرنی چاہیے۔"

ابوسفیان نے سوچا اور پھر جب وہ مدینہ پہنچا تو اپنی بیٹی حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی طرف چل پڑا۔

قریش کے خلاف سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خیالات تھے' ان سے اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے خبر نہ تھیں البتہ مکہ کے بارے میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے تھے' ان سے واقف نہ تھیں۔ ابوسفیان نے بیٹی کے حجرے اقدس کے دروازے پر دستک دی۔

"کون؟"

"ابوسفیان!"

"اندر آ جائیں"

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تو ابوسفیان حجرۂ مبارک کے اندر چلے

marfat.com

گئے' چودہ سال کے عرصہ دراز کے بعد باپ بیٹی کی ملاقات ہوئی تھی اور پھر انہوں نے بستر پاک پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے فوراً لپیٹ دیا۔

''کیا تم نے اپنے باپ کو اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ وہ بستر پر ہی بیٹھ سکے؟''

ابوسفیان نے حیرانگی وحیرت سے پوچھا۔

''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک ہے اور آپ ابھی شرک کی نجاست سے آلودہ ہیں' میں نہیں چاہتی کہ آپ کے بیٹھنے سے اس بستر کے تقدس میں فرق آئے۔''

ابوسفیان نے سنا تو غصے سے چہرہ تمتما اُٹھا اور بڑبڑاتا ہوا بیٹی کے گھر سے باہر نکل گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ اپنی بیٹی یہ سلوک روا رکھے گی لیکن اسے کیا خبر تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو فوقیت واہمیت نہیں دی جا سکتی تھی خواہ وہ باپ ہو یا کوئی اور۔ وہ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی زندہ جاوید مثال تھیں کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک میری محبت اس کو اس کی اولاد' والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔

بیٹی کے گھر سے نکل کر ابوسفیان سیدھے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور قرارداد حدیبیہ اور اس کی مدت میں توسیع سے متعلق گفتگو کی مگر حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

''آپ میری طرف سے اس ضمن میں اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں۔''

مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا پھر وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہی درخواست کی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی تھی تو وہ بولے

''ابوسفیان! کیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہاری سفارش کروں گا؟ بخدا اگر چیونٹی اور صرف چیونٹی میری پشت پناہ رہ جائے اور کوئی بھی معاون ومددگار نہ ہو اس

marfat.com

صورت میں بھی میں تم سے لڑے بغیر نہ رہوں گا۔"

یہاں سے مایوس ہو کر ابوسفیان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی وہاں تشریف فرما تھیں، ابوسفیان نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفارش کے لیے کہا تو جواب ملا:

"حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی ارادہ فرما لیتے ہیں تو پھر کوئی ان کو اس سے باز نہیں رکھ سکتا۔"

جب کہیں شنوائی نہ ہوئی تو اس کا دل اس خفت سے ڈوبا جا رہا تھا جو اسے مدینہ منورہ میں اُٹھانی پڑی تھی اور خصوصیت سے ان لوگوں کے ہاتھوں جو ہجرت سے قبل مکہ میں اس کی عنایت کے طالب اور اس کی خوشنودی کے خواستگار رہا کرتے تھے اور پھر وہ مکہ مکرمہ کی طرف بوجھل دل کے ساتھ لوٹ گیا سوچ رہا تھا کہ وہ قریش کو کیا جواب دے گا جو اس کی آمد کا بڑی شدومد سے انتظار کر رہے تھے۔

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی راسخ العقیدہ، پاک باز، سمجھ دار، عالی ہمت، سلیقہ شعار، جواد، اوصافِ حمیدہ کی مالک تھیں اور رضائے الٰہی و رسولہ کے سامنے کسی کو ترجیح نہ دینے والی خاتون تھیں، عمل بالحدیث کی بہت پابند تھیں اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتی تھیں۔ ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انہوں نے ستو کھا کر کلی کی تو بولیں تم کو وضو کرنا چاہیے کیونکہ جس چیز کو آگ پکائے اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اس قسم کی حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات میں بھی ہے لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا یعنی پہلے تھا پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی نہیں رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے اور اگر پہلے سے وضو ہوتا تو دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے ہی وضو سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ سنا کہ جو شخص بارہ رکعت نفل روزانہ پڑھے گا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ فرماتی ہیں "فما برحت اصلیھن بعد" میں

marfat.com

ان کو ہمیشہ پڑھتی ہوں اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے شاگرد اور بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو بن اویس اور عمرو کے شاگرد نعمان بن سالم سب اپنے اپنے زمانہ میں برابر یہ نمازیں پڑھتے تھے۔

ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا جس پر سورہ "انا فتحنا لک فتحا مبینا" ناطق ہے۔ لشکر اسلام مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اس لشکر کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اس سے قبل اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ عظیم الشان لشکر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح بڑھا چلا جا رہا تھا جس جگہ پڑاؤ ڈالتا تھا تمام سطح زمین روپوش ہو جاتی تھی۔

جس وقت مسلمان مرالظہر ان میں فروکش ہوئے تو قریش کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ خطرہ قریب آ پہنچا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جو ابوسفیان صخر بن حرب اور بذیل بن ورقا اور حکیم بن حزام کو جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریبی عزیز تھے، سراغ رسانی کے لیے بھیجا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سفید خچر پر عازم مکہ تھے انہوں نے ایک مقام پر ابوسفیان اور بذیل بن ورقا کو مصروف گفتگو دیکھ لیا اور ان کی یہ بات بھی سنی:

"میں نے کسی رات اس قسم کی روشن آگ اور اتنی بھاری فوج نہیں دیکھی۔"

ابوسفیان کہہ رہے تھے۔

"بخدا یہ بنی خزاعہ کے لوگ ہیں جو لڑنے کے لیے آ پہنچے ہیں۔"

بذیل نے کہا۔

"نہیں! یہ لشکر بنی خزاعہ کا نہیں ہو سکتا، ان کے پاس اتنی طاقت اور ان کا ایسا شکوہ کہاں؟"

ابوسفیان نے یقین کے ساتھ کہا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز سے پہچان لیا کہ ابوسفیان ہیں کیونکہ وہ بذیل کے ساتھ اندھیرے میں چھپ کر کھڑے تھے۔

"ابو حنظلہ!"

marfat.com

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان کو کنیت سے پکارا۔

''کون ابوالفضل؟''

ابوسفیان نے بھی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کینت سے ہی مخاطب کیا۔

بعدازاں دونوں ایک دوسرے کے نزدیک ہو گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گویا ہوئے:

''ابوسفیان! تیرابُرا ہو' لشکر اسلام آ پہنچا ہے اور سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہمراہ ہیں اگر یہ لشکر جرار مکہ میں اپنی طاقت کے بل بوتے پر داخل ہو گیا تو قریش پر قیامت گزر جائے گی۔''

''میرے ماں باپ تجھ پر قربان اب کیا صورت اختیار کی جائے؟''

ابوسفیان نے سنا تو پریشان ہو گیا۔

''تم میرے پیچھے خچر پر سوار ہو جاؤ۔''

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو وہ ان کے پیچھے بیٹھ گیا اور وہ انہیں لشکر کی طرف لے گئے اور ان کے دوسرے دوساتھیوں کو مکہ واپس بھیج دیا۔

مسلمانوں نے خچر دیکھتے ہی پہچانا اور اسے آگے بڑھنے کے لیے راستہ دیا۔لشکر اسلام نے اہلِ مکہ کو مرعوب کرنے کے لیے آگ روشن کر رکھی تھی جب یہ خچر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب سے گزرا تو انہوں نے دیکھتے ہی ابوسفیان کو پہچان لیا اور سمجھ گئے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں پناہ دینا چاہتے ہیں لہٰذا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ مبارک میں پہنچے اور درخواست کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ابوسفیان کا سر قلم کرنے کی اجازت دی جائے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سنی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

marfat.com

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان کو میں نے امان دے دی ہے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا:

''تم ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور صبح سویرے میرے پاس لے آنا۔''

جب صبح ہوئی تو حسب الارشاد ابوسفیان کو بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا:

''ابوسفیان! تیرا بُرا ہو گیا اب بھی تجھ پر یہ حقیقت روشن نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

ابوسفیان نے سنا تو بولا:

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے متحمل' کریم النفس اور اقرباء نواز ہیں۔ بخدا میرا خیال ہے کہ اگر اللہ کے ماسوا کوئی اور معبود بھی ہوتا تو اب تک معاملہ کسی نہ کسی انتہا کو پہنچ چکا ہوتا۔''

''تیرا بُرا ہو ابوسفیان! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو جان لے میں اللہ کا رسول ہوں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ابوسفیان نے جواب دیا:

''میرے ماں باپ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قربان ہوں' آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑے متحمل' کریم النفس اور اقرباء پرور ہیں۔ بخدا یہ معاملہ ایسا ہے کہ ابھی تک اس بارے میں میرا دل مطمئن نہیں ہوا۔''

اسی اثنا میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور ابوسفیان کو مخاطب کر کے کہا:

''قبل اس کے کہ تمہارا سر قلم کر دیا جائے' تمہیں چاہیے کہ اقرار توحید و رسالت کے بعد اسلام لے آؤ۔''

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دل سے چاہتے تھے کہ ابوسفیان دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے لہٰذا انہوں نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان ایسا شخص ہے جو سرداری اور سربلندی پسند

marfat.com

کرتا ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کمزوری کا لحاظ فرمائیں۔''

چچا کی بات سُن کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگیا' اسے امان دے دی جائے گی اور جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لے گا اس کے لیے بھی امان ہے جو کعبہ میں داخل ہوگا' وہ بھی مامون ہے۔''

ارباب سیر کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں جبکہ ابتدائے نبوت میں مشرکینِ مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتے تھے اس وقت ابوسفیان اپنی پناہ میں لے کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لے آیا تھا۔ آج حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعزاز و اکرام فرمانا ابوسفیان کے اس دن کے بدلے اور جزا میں اور ان کے غرور و تکبر کو توڑنے کے لیے تھا اور دوسروں کے لیے بھی امن کا حکم ساتھ ہی دیا تاکہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ یہ فضیلت اسی کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ یہ ایسا احسانِ عام ہے کہ وہ اس عموم میں داخل ہے۔

ابوسفیان جب جانے لگا تو محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''اسے مکہ مکرمہ نہ جانے دو بلکہ اپنے ساتھ رکھو اور کسی تنگ جگہ میں رکھو تاکہ لشکر اسلام اس کی نظر کے سامنے سے گزرے اور رعب و ہیبت اسلام اس کے دل میں جاگزیں ہو اور اس کے نخوت و عناد کا سر کچلے۔''

''اے ابوحنظلہ! ٹھہر جاؤ اور لوٹ آ''

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز دی تو ابوسفیان واپس لوٹ آیا اور کہنے لگا:

''اے بنی ہاشم! کوئی عذر دل میں رکھتے ہو؟''

''اہلِ بیت نبوت عذر و بے وفائی نہیں کرتے۔''

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اور اسے ایک تنگ گزرگاہ میں لے جا کر

marfat.com

کھڑے ہوگئے۔

جب لشکر اسلام فوج درفوج باعزت وشوکت گزر رہا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر ایک کی ابوسفیان سے تعریف کرتے رہے اور آتش حسد وغیرت سے اس کا دل جلاتے رہے جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کے قریب پہنچے تو پورے جاہ وحشم کے ساتھ باآواز بلند تکبیر کہی جس سے ابوسفیان کی روح پر زلزلہ طاری ہو گیا اور جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کے قریب سے گرے تو فرمایا:

''اے ابوسفیان! آج کا دن خون بہانے اور قتل کرنے کا ہے' آج حرمت حرم کو حلال بنا دیا گیا ہے' آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل وخوار کر دیا۔''

اور پھر اوس وخزرج کے لوگوں کی طرف رُخ پھیر کر کہا:

''آج روز احد کا انتقام تم قریش سے لے لو۔''

جب ابوسفیان نے یہ سنا تو خوف ودہشت سے لرز اُٹھا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

''اے عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آج تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بہت قوی وعظیم ہوگئی ہے۔''

تو انہوں نے جواب دیا:

''افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! یہ رسالت ونبوت ہے' بادشاہت وسلطنت نہیں ہے۔''

اور پھر ابوسفیان آہ وفغاں کرتا ہوا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اپنی قوم کے قتل کرنے کا حکم دے دیا ہے؟''

''نہیں!''

marfat.com

''حضرت عبادہ نے کہا ہے؟''

ابوسفیان بولا۔

''اس نے یہ بات سہو وخطا سے کہہ دی ہوگی' آج تو لطف ومرحمت کا دن ہے' آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت دے گا اور حق تعالیٰ اپنے گھر کی عظمت اور بڑھائے گا' تم سب خاطر جمع رکھو اور ایمان لے آؤ۔''

ابوسفیان مسلمان ہو گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''تمہیں مکہ مکرمہ جانا چاہیے اور قریش کو ڈرانا چاہیے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور قتل و اسیری سے نجات پائیں ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔''

ابوسفیان نے سنا تو دوڑتا ہوا مکہ مکرمہ آیا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا اعلان فرمایا کہ کہاں' کہاں امان ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان اور ان کے خاندان کے دوسرے افراد نے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کیا۔

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب باپ کے قبولِ اسلام کا علم ہوا تو بڑی مسرت ہوئی کیونکہ وہ جانتی تھیں ابوسفیان مخالفتِ اسلام میں کس قدر شدید تھے۔

حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ایمان لائے اور عفونبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مناظر کا مشاہدہ کیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے دل سے قائل ہو گئے اور اپنے قلبی تاثرات کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین میری نگاہ میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا لیکن آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ کی تعلیمات میرے نزدیک سب سے زیادہ محترم اور محبوب ہیں۔''

پھر انہوں نے اسلام دشمنی کا داغ دھونے کے لیے غزوۂ حنین میں شرکت کی جو ۸ ہجری میں لڑا گیا تھا۔ حنین ایک چشمہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے تین رات کی مسافت پر

marfat.com

واقع ہے اور طائف کے قریب ہے۔ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ کمان اسلامی سپاہ میں شامل ہو کر خوب دادِ شجاعت دی۔

مالک بن عوف ثقیف و ہوازن کے مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ حنین سے فرار ہو کر طائف چلا گیا اور اس کے قلعہ میں پناہ لی جہاں اس نے پہلے ہی سے سازوسامان تیار کر رکھا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ملی تو اس قلعہ کو فتح کرنے کا ارادہ فرمایا اس میں بھی حضرت ابوسفیان خوب لڑے۔ دورانِ جنگ ایک تیر آ کر آنکھ میں لگا جس سے وہ ضائع ہو گئی جب طائف فتح ہوا تو بقول اہلِ سیر تمام نقدیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع کیا گیا۔ حضرت ابوسفیان بن حرب جو مؤلف القلوب میں سے تھے، آ گئے اور عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج آپ تمام قریش سے زیادہ تونگر ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو تبسم فرمایا تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے:

''اس میں سے کچھ مجھے عطا فرمایئے۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ ان کو انعام میں دو اس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

''میرے بیٹے یزید کو بھی حصہ عنایت فرمایئے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ اور دے دو۔''

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر عرض گزار ہوئے:

''حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دوسرے بیٹے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی حصہ دیجیے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ اور دے دو۔''

marfat.com

اس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ جنگ میں بھی کریم ہیں اور زمانہ امن میں بھی بہت کریم ہیں۔''

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تقریباً چار سال محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے جب انہیں مفارقت کا داغ لگا تو اس وقت ان کی عمر مبارک چالیس (۴۰) برس تھی۔ دنیا اندھیر ہوگئی جب کبھی ملاقات کو دل چاہتا تو حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں تشریف لے جاتیں، وہاں بیٹھتیں اور پھر واپس تشریف لے آتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی روحانی اولاد ان کے ادب واحترام میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتی تھی۔ خلیفہ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی معاشی ضروریات کے لیے وظیفے مقرر کر دیئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے وظائف ان کی دینی خدمات میں سبقت کی بنیاد پر مقرر کیے تو اس معاملے میں سب سے زیادہ فوقیت واہمیت اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو دی، ان میں اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں جنگ یرموک ہوئی اس میں اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہوئے اور خوب دادِ شجاعت دی۔ وہ زور زور سے کہہ رہے تھے:

''اے اللہ کی مدد! ہمارے پاس آ، ہمارے قریب آ''

سواروں کے بڑے جتھوں کے سامنے کھڑے ہو کر انہیں اُکساتے اور کہتے:

''اللہ اللہ تم عرب ہو اور اسلام کے مددگار ہو اور تمہارے دشمن رومی ہیں اور کفر کے مددگار ہیں۔ اے اللہ! آج کا دن تیرے دنوں میں سے ہے، اے اللہ! تو اپنے بندوں پر اپنی فتح نازل فرما۔''

marfat.com

اسی اثنا میں ایک تیر آ کر ان کی آنکھ میں لگا اور وہ نابینا ہو گئے کیونکہ ایک آنکھ ان کی غزوۂ طائف میں ضائع ہو گئی تھی اس معرکہ میں جب دشمن سپاہ کا دباؤ بڑھا اور مسلمان مجاہدین پیچھے ہٹنے لگے تو مسلمان خواتین بھی میدانِ جنگ میں کود پڑیں' ان میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں جو اپنے خاوند کے ساتھ اس معرکے میں شریک ہوئی تھیں۔

عہد عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جب اسلام دشمن قوتوں اور بد باطنوں نے حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تو ضرورت کی کوئی چیز گھر کے اندر جانے نہیں دیتے تھے۔ اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اس روحانی بیٹے کی حالت وکیفیت جان کر مضطرب ہو گئیں لہٰذا ہر طرح کے خطرات کو پس پشت ڈالتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی کا ایک مشکیزہ اور کچھ کھانا لے کر اپنے گھر مبارک سے نکلیں اور خچر پر سوار ہو کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاشانۂ اقدس کی طرف چل پڑیں۔ کھانے کی اشیاء کو انہوں نے چھپا رکھا تھا تاکہ جہنمی بلوائی چھین نہ لیں مگر فسادیوں میں سے بعض لوگوں نے انہیں روک لیا اور خچر کے منہ پر دو ہنٹر مارے۔
اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

''مجھے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جانے دو۔''

''تم نہیں جاسکتیں''

ایک لعنتی نے گستاخانہ کہا اور تلوار سے خچر کی رسی کاٹ دی جس سے وہ خچر سے گرتے گرتے بچیں' انہیں بلوائیوں کے اس رویہ پر سخت ملال ہوا' کچھ لوگوں نے انہیں گھر واپس پہنچا دیا۔

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان صخر بن حرب کا انتقال حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مسعود میں ۳۳ ہجری میں ہوا اس وقت ان کی عمر ۹۲ سال تھی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی جب تین دن گزر گئے تو اُم المومنین سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ

marfat.com

تعالیٰ عنہا نے خوشبو منگا کر اپنے دونوں ہاتھوں اور رخساروں پر ملی اور فرمایا:

''مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات نہ سنی ہوتی کہ عورت کے لیے جس کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہے' حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی مرنے والے پر اظہارِ غم کرے بجز شوہر کے کیونکہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے' میں خوشبو نہ لگاتی۔''

وقت گزرتا رہا' اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے محبوب شوہر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کردہ علم وعرفان اپنے روحانی بیٹوں اور بیٹیوں میں تقسیم فرماتی رہیں۔ آپ سے کتب متداولہ میں ۶۵ احادیث مروی ہیں' ان میں سے دو متفق علیہ' ایک تنہا مسلم شریف میں اور باقی دیگر کتب میں ہیں۔ راویوں کی تعداد بھی کم نہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں: حبیبہ (دختر) معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پسران ابوسفیان' عبداللہ بن عتبہ' ابوسفیان بن سعید ثقفی (خواہر زادہ) سالم بن سوار (مولیٰ) ابوالجراح' صفیہ بنت شیبہ' زینب بنت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ابوصالح السمان اور شہر ابن حوشب۔ حضرت اُم المومنین سیّدہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد چار چار رکعت نماز ادا کی' اللہ تعالیٰ اس پر آگ حرام کر دے گا۔''

جب اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دَم واپسیں آیا تو انہوں نے اُمہات المومنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ اور سیّدہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو بُلا بھیجا جب وہ تشریف لائیں تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''مجھے ان امور میں معاف کر دو جو ایک شوہر کی ازواج کے درمیان ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ میری جانب سے تمہارے متعلق واقع ہوا ہوا سے معاف کر دو۔''

جب وہ کہہ چکیں جو ان آخری لمحات میں کہنا تھا تو دونوں اُمہات المومنین رضی اللہ

marfat.com

تعالیٰ عنہن نے بیک زبان کہا:

''اے اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! حق تعالیٰ تمہارے بوجھ کو بخشے اور معاف کرے، ہم بھی معاف کرتے ہیں۔''

یہ سنا تو اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرۂ اقدس پر رونق اُبھر آئی۔ بولیں:

''اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں خوش رکھے، تم نے مجھے خوش کر دیا ہے۔''

اور پھر دار بقاء کی طرف رخصت کا پیغام آ گیا اور اس دنیا کو خیر باد کہہ کر فردوس کے باغوں کی طرف تشریف لے گئیں۔

جب اُم المومنین حضرت سیّدہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی تو اس وقت آپ کی عمر مبارک ۷۴ سال تھی۔ سن ۴۴ ہجری اور عہد خلافت ان کے باپ شریک بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔

آپ کے مدفن کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ استیعاب کے مطابق حضرت سیّدنا اُم المومنین اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں تھی۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا اس پر لکھا تھا:

''یہ رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت صخر کی قبر ہے۔''

امام نووی تہذیب الاسماء واللغات میں حافظ ابوالقاسم کی تاریخ دمشق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دمشق میں اپنے بھائی سے ملنے تشریف لے گئی تھیں اور وہیں سانحہ ارتحال پیش آیا ان کی قبر مبارک وہیں ملک شام میں ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال مدینہ طیبہ میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئیں۔

marfat.com

اُم المومنین حضرت صفیہ بنت حیی
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حکمتِ نکاح

حضرت صفیہ بنت حیی بڑے فہم و فراست کی مالکہ تھیں۔ جانتی تھیں کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر اس کے باپ کا انجام کبھی بخیر نہیں ہوسکتا۔ جب اس کو بنی قریظہ کے مردوں کے ساتھ قتل کیا گیا تو حضرت صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو قطعاً ملال نہیں ہوا۔ وہ دل و جان سے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کر چکی تھیں۔

غزوۂ خیبر میں ان کے خاوند کو مسلمہ بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی کے عوض قتل کر دیا گیا۔ حضرت صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) لونڈی بن کر آئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عرض کرنے پر کہ صفیہ بنتِ حیی بن نضیر و قریظہ کی رئیسہ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں لہٰذا وہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق ہی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوتِ اسلام دی اور فرمایا کہ بصورت دیگر آزاد کر کے اسے اپنی قوم میں جانے دیا جائے گا۔ انہوں نے خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے خود کو وابستہ کرنا پسند کیا۔ اس طرح نہ صرف یہودیوں کی تالیف قلب ہوئی بلکہ آئندہ کے لئے ان کی اسلام دشمنی میں بھی قدرے کمی واقع ہوئی۔

marfat.com

نصف دیں اُن کے توسط سے ملا ہے دوستو
چاندنی دین متیں ہیں اُمہات المؤمنین

marfat.com

حالاتِ زندگی

فضا حسین و دلکش گانوں سے معمور تھی' ساز اور دف کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں' مشہور شاعر عروہ عبسی کی بیوی جو حسن و جمال میں عجوبہ روزگار تھی اس کی مترنم اور دل آویز آواز کی لہروں پر اُبھرنے والے گیت جادو جگا رہے تھے۔ نوجوانوں کا ایک ہجوم تھا جو اس کے گرد سرمستی و سرخوشی کے عالم میں جھوم رہا تھا' چھ سو اونٹوں پر سوار بچوں' عورتوں' نوجوانوں اور مردوں کے چہروں سے یوں لگتا تھا جیسے انہیں بہت بڑی خوشی ملی ہو۔

دوسری طرف مدینہ منورہ کے مسلمان بچے' عورتیں اور مرد ان ناچنے گانے والے لوگوں کی طرف حیرت و استعجاب سے تک رہے تھے' وہ سوچ رہے تھے:

''کیا کوئی اپنی رسوائی و ذلت پر بھی جشن مناتا ہے؟''

''کیا حمیت و غیرت کے جنازے ایسے بھی نکلتے ہیں؟''

''کیا ندامت و شرمندگی کے آنسوؤں کو ایسے بھی چھپایا جا سکتا ہے''

''کیا جلاوطن ہونے والے ایسے ہی سرشار و مست ہوتے ہیں جیسے نضیری عورتیں اور مرد ہو رہے ہیں؟''

مسلمانوں کے دل و دماغ میں یکے بعد دیگرے سوالات اُبھر رہے تھے لیکن ان کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ شاید یہی سوالات بنی نضیر سے پوچھے جاتے تو وہ بھی ان کے جوابات نہ دے سکتے۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب ضمیر مردہ ہو جاتے ہیں تو ہر بُرائی اچھائی کا روپ دھار لیتی ہے۔ یہی کیفیت یہودی قبیلے بنی نضیر کی اس وقت تھی' وہ احساسِ

marfat.com

ذلت و رسوائی سے بے نیاز ساز و آواز کی مدھری لے پر جھوم رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔

خوب صورت و جوان یہودی عورتوں کے گیتوں اور ساز کی آوازوں میں لحظہ بہ لحظہ تیزی آتی جا رہی تھی' ان میں جذباتیت بھی تھی اور دعوت بھی جس سے نوجوانوں کے جذبات زیر و بم ہو رہے تھے لیکن اس تمام ہنگامہ ہاؤ ہو سے صرف ایک ہستی بے زار و متنفر تھی اور وہ چودہ سالہ نو بیاہتا صفیہ بنت حیی بن اخطب تھی' وہ کچھ کرنے سے قاصر تھی اس کی نیک سیرت نے اس بات کو بسر و چشم قبول کر لیا تھا کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کی جلاوطنی کا جو فیصلہ صادر فرمایا تھا' بالکل درست تھا اور یہ بنی نضیر کے اپنے کرتوت تھے جن کی وجہ سے انہیں یہ دن دیکھنا پڑا تھا۔

اس جلاوطنی کا پس منظر یہ تھا کہ غزوۂ بدر میں جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ ایمان کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور معاندینِ اسلام کے ایک ہزار افراد پر مشتمل لشکر کو جو حربی آلات سے کلی طور پر لیس تھے' عبرت ناک شکست سے دوچار ہونا پڑا جس میں ان کے بڑے بڑے سردار واصل جہنم ہوئے تو یہودیوں کے سازشی و مکارانہ ذہن نے اسے قبول نہیں کیا بلکہ وہ مسلمانوں کی مخالفت میں دانت اور تیز کرنے لگے' حسد و انتقام کی آگ نے جوان کے سینوں کے اندر شعلہ بداماں تھی اس نے ان کی سوجھ بوجھ اور سوچ و بچار کی قوتوں کو یکسر جلا کر خاکستر کر دیا تھا اور وہ ہر لحظہ مسلمانوں اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے۔

مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو مشہور قبیلے رہتے تھے' ایک بنو قینقاع اور دوسرا بنو نضیر۔ اول الذکر قبیلہ باہر سے ہجرت کر کے آیا تھا یا یہیں کا کوئی عرب قبیلہ تھا جس نے یہودیت قبول کر لی تھی اس قبیلہ کے لوگ عام طور پر صناع اور زراعت پیشہ تھے۔ خصوصیت سے آہنگری اور زرگری ان کا خاص پیشہ تھا' خود ان کا نام بھی ان کے پیشوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ قین عربی میں لوہار کو کہتے ہیں اور قاع اس ہموار اور نرم زمین کو کہتے ہیں جس میں کھیتی کی جا سکے جس سے ان کی دونوں خصوصیتیں معلوم ہوتی ہیں۔

marfat.com

مدینہ طیبہ کے دوسرے یہودی قبائل کے مقابلہ میں یہ زیادہ مضبوط اور طاقت ور تھے' سب سے پہلے اسی قبیلہ نے معاہدہ شکنی کی تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد تمام قبائل سے اجتماعی معاہدے کیے تھے جن میں یہودیوں کے قبیلے بھی شامل تھے۔

معاہدے کی رو سے انہیں جان و مال کا تحفظ دیا اور ان کی مذہبی آزادی کو تسلیم کیا اس میثاق کی رو سے رضا کارانہ طور پر انہیں اس امر کا پابند کیا کہ سب آپس میں امن کے ساتھ مل جل کر رہیں گے اور اس نئی ریاست پر بیرونی حملے کی صورت میں سب متحد ہو کر اس کا دفاع کریں گے لیکن سب سے پہلے معاہدے کی عہد شکنی بنو قینقاع نے کی اسے اپنی طاقت وقوت پر گھمنڈ تھا' آہن گر ہونے کی وجہ سے اس کا بچہ بچہ مسلح تھا' سات سو جنگجوان کے اندر موجود تھے اور بنی خزرج کے ساتھ ان کے حلیفانہ تعلقات تھے۔

بنی قینقاع کے لوگ لوہار' ظروف ساز اور سنار تھے اس لیے اہلِ مدینہ کو اکثر ان کے بازار میں خرید وفروخت کے سلسلہ میں جانا پڑتا تھا۔ غزوۂ بدر کے بعد اپنی سرشت سے مجبور ہو کر ان لوگوں نے اپنے بازار میں آنے جانے والے مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا' خاص طور پر عورتوں کو بہت ستاتے اور چھیڑتے تھے۔

ان کی اخلاق سے گری ہوئی حرکتوں کو لوگ برداشت کرتے رہے کہ وہ خود ہی باز آ جائیں گے مگر ان کا زعم باطل انہیں ایسی قبیح حرکات پر مجبور کرتا تھا۔ وقت گزرتا رہا' ایک دن کا ذکر ہے کہ ان بدبختوں اور بے حیاؤں نے ایک مسلمان عورت کو سرعام برہنہ کر دیا اب یہ بات برداشت سے باہر تھی لہٰذا فساد ہو گیا۔ یہودی اور مسلمان آمنے سامنے ہو گئے اور اس ہنگامے میں ایک یہودی اور ایک مسلمان مقتول ہوئے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو سربراہِ ریاست ہونے کی وجہ سے بنی قینقاع کے محلے میں تشریف لے گئے' لوگوں کو جمع کیا اور ارشاد فرمایا:

''تم لوگوں کو اپنے معاہدے کا پاس کرنا چاہیے اور ایسی حرکات سے اجتناب کرنا چاہیے جس سے امن عامہ کی فضا خراب ہو۔''

marfat.com

لیکن طاقت کی قوت نے انہیں اندھا کر رکھا تھا۔ چہ جائیکہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے' اُلٹا بولے:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! شاید آپ نے ہمیں قریش سمجھ لیا ہے' وہ لڑنا کیا جانیں اگر ہم سے سابقہ پڑا تو معلوم ہو جائے گا کہ مرد کیسے ہوتے ہیں؟''

یہ اعلان معاہدے کی صریحاً خلاف ورزی پر مبنی تھا لہٰذا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مجاہدینِ اسلام نے ان کا محاصرہ کر لیا اور وہ اپنے علاقے میں قید ہو کر رہ گئے۔

محاصرہ پندرہ دن جاری رہا جیسے جیسے دن گزر رہے تھے' بنی قینقاع کا غرور و گھمنڈ خاک میں ملتا جا رہا تھا اور پھر ایک دن ان سورماؤں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بغیر جنگ کیے ہی ان کے کس بل نکل گئے تھے' ان کے تمام لوگ جو جنگ کرنے کے قابل تھے' ان کو رسیوں سے باندھ دیا گیا' ان کا گناہ تو ایسا تھا کہ بنی قینقاع کے ان گرفتار شدگان کی گردنیں مار دی جاتیں لیکن محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر رحم و کرم فرمایا اور حکم دیا:

''بنی قینقاع کے لوگ اپنا تمام مال و اسباب اور اسلحہ چھوڑ کر مدینے سے نکل جائیں۔''

یہ سات سو اشخاص تھے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ کو خیر باد کہا اور شام کی طرف چلے گئے جہاں اردعات کے ضلع میں جا کر آباد ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں یہودیوں کا دوسرا بڑا قبیلہ بنو نضیر کا تھا' یہ قبیلہ صدیوں پہلے بنو قریظہ کے ہمراہ ملک شام سے آیا تھا اور مدینہ کے جنوب مشرق میں وادی بطحان کے پاس آ کر آباد ہو گیا تھا۔ یہ اس علاقے کی سب سے بڑی وادی تھی۔

یاقوت نے بطحان کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بنو نضیر اس وادی کے قریب آ کر آباد ہوئے لیکن ایک جگہ مقام بویرہ کو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بنو نضیر کی آبادی اسی جگہ پر ہے۔''

marfat.com

بویرہ ایک کنویں کا نام تھا' عین ممکن ہے کہ یہ کنواں وادی بطحان کے قریب ہی ہو اس بناء پر دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ سے بھی معاہدہ کیا تھا لیکن انہوں نے بھی معاہدہ شکنی کی۔

تاریخ ہمیشہ ان قوموں کے لیے دہرائی جاتی ہے جو تاریخ کو فراموش کر دیتی ہیں۔ بنی نضیر والوں نے بنو قینقاع کی جلاوطنی سے کوئی سبق نہیں سیکھا تھا اور وہ اپنی اسلام دشمنی کی معاندانہ روش پر گامزن تھے۔

ایک مرتبہ سیّد المرسلین' خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے چند اصحاب کے ان کے علاقے میں تشریف لے گئے۔ مقصد یہ تھا کہ خون بہا کی ادائیگی کے سلسلہ میں ان سے گفتگو کی جائے۔ بظاہر بنی نضیر کے لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی چکنی چپڑی باتیں کرنے لگے اور اندرونِ خانہ انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک خوف ناک سازش تیار کی۔

سازش یہ تھی کہ انہوں نے ایک شخص عمرو بن حجاش کو بُلایا اور کہا:''

''جب مسلمانوں کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم اس مکان کی دیوار کے ساتھ بٹھا دیں تو تم چھت پر سے ایک بھاری پتھر ان پر گرا دینا تا کہ ہمیشہ کے لیے معاملہ ختم ہو جائے۔''

چنانچہ وہ شخص اس مکان کی چھت پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ کب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آتے ہیں۔ سلام بن مشکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا شدید مخالف و دشمن تھا اور وہ اس دشمنی کی وجہ سے کسی بھی اخلاقی حد کو پھلانگنے میں عار محسوس نہیں کرتا تھا اسے جب علم ہوا کہ اس کے قبیلے والوں نے اس طرح کا منصوبہ بنایا ہے تو اس نے اپنے لوگوں سے کہا:

''ایسا نہ کرو جو تم نے ارادہ کیا ہے' اللہ اس کی خبر انہیں دے دے گا' یہ عہد کی خلاف ورزی ہے۔''

ابھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مکان کی دیوار کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ

marfat.com

حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی:

''اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس دیوار سے ہٹ جائیے' یہود نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔''

چنانچہ فوراً وہاں سے اُٹھے اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے پاس ایک قاصد بھیجا جس نے جا کر اس قبیلہ کے سردار حیی بن اخطب سے کہا:

''تم نے جو منصوبہ بنایا تھا' مجھے اس کا علم ہو گیا تھا لہٰذا دس دن کے اندر اندر مدینے سے کہیں اور چلے جاؤ اس کے بعد اگر تم یہاں ٹھہرے رہے تو جو شخص بھی تمہاری بستی میں پایا جائے گا اس کی گردن اُڑا دی جائے گی۔''

بنی نضیر پر جو فردِ جرم عائد کی گئی تھی' درست تھی لہٰذا ان کو عائد کردہ الزام کی تردید تک کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور مدینے سے کوچ کر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

عبداللہ بن ابی امیر المنافقین تھا' بظاہر یہ خود کو مسلمان کہتا تھا لیکن اعمال سے اسلام دشمنی آشکارا تھی اسے جب علم ہوا کہ بنی نضیر کو جلاوطنی کا حکم مل گیا ہے اور وہ قبیلہ جانے پر آمادہ بھی ہے تو اس نے حیی بن اخطب کے پاس پیغام بھیجا:

''میں دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کروں گا اور یہودیوں کا قبیلہ قریظہ اور جنگجو قبیلہ بنی غطفان بھی تمہارے دوش بدوش لڑے گا لہٰذا تم مسلمانوں کے مقابلے پر ڈٹ جاؤ اور اپنی بستی کو مت چھوڑو۔''

حیی بن اخطب کو جب امیر المنافقین کا پیغام ملا تو اس کا قبیلہ شیر ہو گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا:

''ہم یہاں سے نہیں جائیں گے' آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جو جی چاہے' کریں۔''

جب یہ پیغام رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو فوراً تیاری کا حکم دیا اور ربیع الاول ۴ ہجری میں اس بستی کا محاصرہ کر لیا۔

marfat.com

بنی قینقاع کی جلاوطنی سے سبق نہ سیکھنے کی وجہ سے تاریخ نے خود کو بنی نضیر کے لیے دہرایا اور چند روز کے محاصرے نے ان کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے۔ چنانچہ وہ مندرجہ ذیل شرط پر مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔

اسلحہ کے سوا جو کچھ بھی وہ اپنے اونٹوں پر لاد کر لے جا سکے' لے جائیں گے۔''

علاوہ ازیں بنی نضیر کے سردار حیی ابن اخطب نے اللہ کو ضامن بنا کر یہ بھی عہد کیا:

''آئندہ وہ اہلِ اسلام کی خود حفاظت کرے گا اور کسی طاقت کو ان کے خلاف نہیں اُبھارے گا۔''

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات مان لی اور آج وہ قبیلہ بڑی سج دھج اور ساز و آواز کی لَے پر چھ سو اونٹوں پر سوار مدینہ کو چھوڑنے کے لیے کھلے میدان میں جمع ہو رہا تھا۔

جب قلعہ نما بستی سے نکل کر قبیلہ بنی نضیر کے تمام لوگ میدان میں جمع ہو گئے تو سب سے آخر میں حیی ابن اخطب جو اس قبیلے کا سردار تھا' آیا تھا اسے دیکھ کر گانے والیاں اور ترنگ سے گانے لگیں اور پھر چھ سو اونٹوں پر مشتمل قافلہ حرکت میں آیا اس کا رُخ مدینے سے آٹھ منزل کے فاصلے پر واقع خیبر کی طرف تھا جس کے عبرانی زبان میں معنی قلعہ کے ہیں اور وہ نخلستان جہاں وہاں کے یہودی آباد تھے' بڑا سرسبز و شاداب تھا' یہودیوں نے یہاں بڑے مضبوط و مستحکم قلعے تعمیر کر رکھے تھے۔

مؤرخ کہتے ہیں کہ اس شان و شوکت اور طمطراق کا قافلہ لوگوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مدینہ منورہ کے مسلمان کیا عورتیں' بچے اور جوان سب ان کو جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے جو آہستہ آہستہ ان کی نظروں سے دُور ہوتا جا رہا تھا جب وہ بنی نضیر کے چھوڑے ہوئے مکانوں کی طرف دیکھتے تو انہیں احساس ہوتا جیسے ویرانیاں منہ کھولے اپنے مکینوں کو تلاش کر رہی ہیں اور گھروں کے آنگنوں اور در و دیوار سے وحشت ٹپک رہی تھی اور شیطان کھڑا قہقہے لگا رہا تھا جس نے بنی نضیر کو معاہدہ شکنی پر اُبھارا تھا اور پھر جب لوگوں نے قافلہ کی طرف دیکھا تو وہ بہت دُور جا چکا تھا اور لحظہ بہ لحظہ مٹتے ہوئے دھبے کی طرح

marfat.com

دکھائی دے رہا تھا۔

خیبر شمالی حجاز میں یہود کا دوسرا بڑا مرکز تھا جو ملک شام کے راستہ میں واقع ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں کی یہودی آبادی کہیں سے ہجرت کر کے آئی تھی یا یہیں کی خود عرب آبادی تھی جس نے یہودیت قبول کر لی تھی لیکن قرآن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ قدیم آبادی تھی۔ یہی بستی خیبر بن قانیہ کی طرف منسوب ہے اس لحاظ سے ان کے اور انصار کے جداعلیٰ ایک ہی تھے۔ انصار کا جداعلیٰ یثرب بن قانیہ تھا جس کے نام سے یثرب منسوب تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کی ساتویں پشت میں تھا اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائے تو یثرب مدینۃ النبی کے نام سے پکارا جانے لگا۔

خیبر کے یہودیوں کو بنی نضیر کی جلاوطنی کی اطلاع مل گئی تھی اور انہیں یہ بھی اطلاع تھی کہ وہ کسی وقت بھی خیبر آ سکتے ہیں لہٰذا وہ اس کا بڑی شدومد سے انتظار کر رہے تھے۔

ایک دن شور مچ گیا کہ حیی بن اخطب اپنے قافلے کے ساتھ آ رہا ہے' لوگ اس راستے پر کھڑے ہو گئے' قافلہ دور سے آتا ہوا دکھائی دے رہا تھا جو رفتہ رفتہ قریب ہو رہا تھا۔

اہل خیبر نے قبیلہ بنی نضیر کا والہانہ استقبال کیا' ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ خیبر کے یہودیوں نے حیی ابن اخطب کو اپنا سردار تسلیم کر لیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نہ صرف توریت کا متبحر عالم تھا بلکہ سیادت' علمی وجاہت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے کی وجہ سے عرب کے تمام یہودیوں میں اسے ایک اہم اور منفرد مقام حاصل تھا۔

صفیہ بنت حیی ابن اخطب کا قد زیادہ دراز نہیں تھا' حسین وجمیل تھیں' اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا' دوسروں کی خیرخواہی اور ہمدردی سے ان کا دل لبریز تھا' دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ اٹھتی تھیں' مصیبت زدگان کی مدد دل کھول کر کرتی تھیں' جودوسخا میں مشہور تھیں' نہایت' فاضلہ اور حکیم تھیں' بردبار اور خوش خلق بھی تھیں'

marfat.com

قناعت پسند بھی تھیں اور پیکر صبر و رضا بھی۔ زہد و ریاضت میں بھی مشغول رہتی تھیں، محاسن اخلاق کا مجموعہ تھیں، انبیاء کی اولاد میں سے تھیں، باپ خود توریت کا بہت بڑا عالم تھا لہٰذا علم وفضل میں بھی ممتاز تھیں، سب سے بڑی بات یہ تھی کہ روشن خیال تھیں، حق کو تسلیم کرنے میں لیت ولعل سے کام نہیں لیتی تھیں اسے فوراً قبول کر لیتی تھیں۔

آپ ہجرت سے دس سال قبل مدینے میں تولد ہوئیں، نام زینب رکھا گیا۔ صفیہ نام اس وقت پڑا جب جنگِ خیبر میں خاص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئیں تھیں۔ عرب میں غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا، صیغہ کہتے تھے۔ ماں کا نام برہ تھا جو سموال رئیس قریظہ کی بیٹی تھی۔ قریظہ اور نضیر بنو اسرائیل کے تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

جس گھر میں انہوں نے جنم لیا تھا اس میں مال و دولت کی فراوانی تھی لہٰذا پرورش بڑے ناز ونعم اور لاڈ پیار سے ہوئی تھی، علمی گھرانہ ہونے کی وجہ سے ذہنی و اخلاقی صلاحیتوں کو نشوونما پانے کا خوب موقع ملا تھا، حق و باطل میں تمیز کرنے کا ملکہ پیدا ہو گیا تھا، اپنی اچھی اور دل پسند عادات اور پاکیزہ اطوار کی وجہ سے خاندان میں ہر دل عزیز تھیں۔ خود فرماتی ہیں:

''میرا باپ اور چچا اپنی تمام اولاد سے زیادہ مجھ سے محبت و پیار کرتے تھے اور جب میں ان کے پاس آتی تو وہ سب کام کاج چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔''

صفیہ بنت حیی کی پہلی شادی ماں کے قبیلے بنی قریظہ کے مشہور و نامور شہسوار سلام بن مشکم سے ہوئی تھی۔ شاعر بھی تھا لہٰذا اپنی تلوار اور زبان دونوں سے مسلمانوں کے خلاف کام لیتا تھا، اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا لیکن اس کے پلے جو عورت پڑی تھی وہ بڑی نیک سیرت اور خوش اطوار تھی۔ آگ اور پانی کا ملاپ زیادہ دیر برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ صفیہ جس قدر اچھی صفات کی مالک تھیں، سلام بن مشکم اس کے اُلٹ تھا لہٰذا وہ جوڑی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتی تھی لہٰذا وہی ہوا جو دو مختلف الخیال و افکار اور مختلف

marfat.com

اعمال و کردار کے افراد کے درمیان ہوتا ہے لہٰذا سلام بن مشکم نے صفیہ کو طلاق دے دی۔

سیّدہ صفیہ ایک دن تنہا بیٹھی تھیں' طائر خیال بیتے لمحات کی وادیوں میں محو پرواز تھا' ایک مقام پر پہنچ کر طائر خیال کی پرواز رُک گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ختم المرسلین خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تھے اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کی قریبی بستی قبا میں قیام فرما تھے۔

جب حیی بن اخطب کو اطلاع ملی کہ وہ ہستی جس نے دعویٰ نبوت کیا تھا' مکہ سے ہجرت کر کے ان دنوں قبا میں تشریف فرما ہے تو اس نے اپنے بھائی ابو یاسر بن اخطب کو بُلایا اور کہا:

''ابو یاسر! سنا ہے وہ ہستی جو کہتی ہے اللہ کا نبی ہوں' یہاں مدینے میں آ گئی ہے اور ان دنوں قبا میں ہے۔''

''پھر کیا خیال ہے؟''

ابو یاسر نے پوچھا۔

''اسے ملنے نہ چلیں؟''

حیی بن اخطب نے کہا۔

''کس لیے؟''

ابو یاسر نے معنی خیز نظروں سے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہماری کتابوں میں آخری نبی کی نشانیاں مذکور ہیں' دیکھیں کیا یہ وہی ہیں۔''

حیی بن اخطب نے جواب دیا۔

''جیسے آپ کی مرضی''

ابو یاسر نے کہا اور پھر قدرے توقف کے بعد بولا:

''اگر یہ ہستی وہی آخری نبی ہوئے تو؟''

''یہ مسئلہ بعد کا ہے ابھی کیا کہا جا سکتا ہے۔''

marfat.com

حیی بن اخطب نے جواب دیا اور پھر بھائی کو ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ چنانچہ دونوں بھائی قبا کی طرف چل پڑے۔

محبوبِ کبریا عالم عالمیان رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے' عاشق ہالہ کیے بیٹھے تھے کہ اسی اثناء میں یہ دونوں بھائی بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیی ابن اخطب اور اس کے بھائی کو عزت سے بٹھایا اور مختلف سوالات کرتے رہے پھر وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس واطہر محفل میں سارا دن موجود رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک' لوگوں سے میل ملاقات اور رشد و ہدایت کے انداز کا بغور جائزہ لیتے رہے اور پند و نصائح کے طور طریقے کا بغور مشاہدہ کرتے رہے اور پھر غروبِ آفتاب کے بعد واپس گھر لوٹ آئے۔

دونوں بھائی خاموش تھے' گہری سوچوں میں مستغرق تھے' راستے میں انہوں نے کوئی بات نہیں کی صرف ان باتوں پر غور وخوض کرتے رہے جو انہوں نے تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلِ اقدس میں دیکھا اور سنا اور مشاہدہ کیا تھا۔

واپسی کے بعد جب دونوں بھائیوں کو تنہائی میسر آئی تو وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ صفیہ بنت حیی بھی کہیں قریب ہی تھیں' جن کی موجودگی کا انہیں احساس نہیں ہوا اس وقت ان کی عمر گیارہ سال کی تھی لیکن ذہانت و فطانت سے مالا مال تھیں' اتنا شعور بیدار تھا کہ خیر اور شر' حق او رناحق میں تمیز کر سکیں۔

تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہنے کے بعد ابویاسر بن اخطب گویا ہوا:

''کیوں بھائی! کیا محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی وہی نبی مرسل ہیں جن کا ذکر ہماری کتابوں میں ہے؟''

''بخدا وہی نبی برحق ہیں جن کے متعلق ہم اپنی کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں۔''

حیی بن اخطب نے پورے وثوق و یقین کے ساتھ کہا۔

''کیا تم کو اس پر پورا یقین ہے یہ آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟''

ابویاسر بن اخطب نے تشفی وتسلی کے لیے دریافت کیا۔

marfat.com

''بالکل یقین ہے اور جو نشانیاں ہماری کتب میں مذکور ہیں' وہ تمام کی تمام ان پر صادق آتی ہیں۔''

حیی بن اخطب نے اپنے الفاظ دہرائے ہوئے یقین دہانی کرائی تو ابو یاسر نے کہا:

''پھر کیا ارادہ ہے؟''

''کیسا ارادہ؟''

ابن اخطب نے بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''یہی کہ ہمیں ان کو مان لینا چاہیے۔''

ابو یاسر نے کہا تو وہ چہرے پر خفگی کے آثار پیدا کر کے غصے میں بولا:

''میں مرتے دم تک ان کی مخالفت کروں گا اور کوشش کروں گا کہ ان کی راہ میں جتنے روڑے اٹکا سکوں' اٹکاؤں۔''

بھائی کی دو ٹوک بات سن کر ابو یاسر بن اخطب خاموش ہو گیا اور اٹھ کر چلا گیا۔

سیدہ صفیہ نے جب باپ اور چچا کی رازدارانہ گفتگو سنی تو سوچوں کے بحر ناپیدا کنار میں کھو گئیں' انہیں باپ کے طرز عمل پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ سوچنے لگیں:

''میرا باپ توریت کا بہت بڑا عالم ہے' انبیاء کی اولاد میں سے ہے اور حق روشن ہونے کے باوجود وہ اسے تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے' کیوں؟''

اس کیوں کے بعد صفیہ کو کوئی بات سجھائی نہیں دے رہی تھی پھر ایک خیال ان کے ذہن کے پاتال پر رقص کرنے لگا:

''کیا میرے باپ پر یہ بات مخفی ہے کہ آج تک جس نے اللہ کے نبی کی مخالفت کی ہے اور معاندانہ رویہ اختیار کیا ہے' وہ کبھی سرخرو اور کامیاب نہیں ہوا اور جلد یا بدیر ذلت و رسوائی اس پر مسلط کر دی جاتی ہے۔''

اور پھر فرعون بدانجام کا واقعہ یاد آ گیا جس پر نبی علیہ السلام کی دشمنی و مخالفت کی پاداش میں عذاب مسلط کر دیا گیا تھا اور اسے بمعہ ساتھیوں کے پانی میں غرق کر دیا گیا تھا اور پھر سیدہ صفیہ کی نگاہ میں باپ کا مقام گر گیا' وہ انہیں بہت پست نظر آنے لگا تھا' باپ کا

marfat.com

قد بہت چھوٹا ہو گیا تھا۔

اس واقعہ نے سیّدہ صفیہ بنت حیی بن اخطب کو ذہنی طور پر اسلام اور محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کر دیا تھا اس کے بعد وہ اپنے خیالات کی دنیا سے واپس لوٹیں اس واقعہ کو رونما ہوئے تین سال ہو گئے تھے لیکن اسے یاد کر کے یوں محسوس ہوتا جیسے کل کی بات ہو اور ان کا باپ اپنے بھائی ابو یاسر کے ساتھ بیٹھا راز دارانہ انداز میں محوِ گفتگو ہو۔

حیی بن اخطب بنی نضیر اور خیبر کے یہودیوں کا سردار تھا اور ماں بنو قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی اب یہ کیسے ممکن تھا کہ ان کی لختِ جگر کو طلاق ہو جائے اور اس کی شادی کا کہیں سے پیغام نہ آئے۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں بعد کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق کا پیام آیا اس کا تعلق بنی نضیر سے تھا اور جلاوطن ہو کر آیا تھا۔ ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا' شعر بھی کہتا تھا' ماں باپ نے رشتہ قبول کر لیا اور پھر صفیہ بنت حیی کنانہ کے حبالہ عقد میں آ گئیں۔ ماتھے پر پھر شادی کا جھومر سج گیا اور اپنے خاوند کے ساتھ زندگی کے دن گزارنے لگیں۔

وہ بڑا ہی پُر کیف و روح پرور منظر تھا جب نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ انصار ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ قبیلہ بنو نجار کی لڑکیاں خوشی و شادمانی میں دف بجاتیں اور گاتی تھیں۔

مدینہ منورہ میں یہود کے کئی قبائل رہتے تھے اور توریت کے بڑے بڑے عالم بھی موجود تھے سب سے پہلے جس یہودی عالم نے اسلام قبول کیا وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے' وہ اپنے اسلام قبول کرنے کا قصہ خود بیان کرتے ہیں' فرماتے ہیں:

''جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں حاضری کے لیے سبقت کرنے لگے لہٰذا میں بھی ان کی ہمراہی میں آ گیا جب میری پہلی نظر ان کے چہرۂ اقدس پر پڑی تو فوراً میرے ذہن میں

marfat.com

آیا:

''واللہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔''

پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

''لوگو! اسلام کو پھیلاؤ' کھانا کھلاؤ' اپنے قریبی رشتہ داروں کو ملاؤ' رات میں نمازیں پڑھو اور شب خیزی کرو جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔''

یہ پہلا وعظ تھا جو فرمایا گیا۔

دوسری مرتبہ میں نے تنہائی میں حاضری دی اور تین سوال کیے جن کا بجز نبی کے اور کوئی جواب نہیں دے سکتا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے تو میں فوراً کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوشانِ اسلام ہو گیا پھر میں نے بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہود ایسی قوم ہے جو کذب و بہتان میں اپنا جواب نہیں رکھتی باوجودیکہ وہ مجھے علم و سیادت اور سرداری میں مسلم جانتے ہیں اور کہتے ہیں میں ان کا سردار' ان کے سردار کا بیٹا' ان میں سب سے زیادہ عالم اور ان کے سب سے زیادہ عالم کا فرزند ہوں جب وہ سنیں گے کہ میں ایمان لے آیا ہوں تو وہ بہتان باندھیں گے اور اپنے اعتقاد کے خلاف کہیں گے۔ چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ ان پر میرا ایمان لانا ظاہر ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا امتحان لے لیجیے' میرے بارے میں ان سے دریافت فرمائیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔''

چنانچہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پوشیدہ مقام میں بٹھا دیا اور یہودیوں کو طلب فرمایا اور انہیں وعظ و نصیحت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' اسے تم خوب جانتے ہو اور تم نے توریت میں پڑھا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور حق تعالیٰ نے مجھے ایمان و حق کے ساتھ بھیجا ہے لہٰذا تم مسلمان ہو جاؤ۔''

marfat.com

''ہم نہیں جانتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

یہودیوں نے بیک آواز جواب دیا پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عبداللہ بن سلام تمہارے درمیان کیسے ہیں؟''

وہ کہنے لگے:

''وہ ہمارے سردار' ہمارے سردار کے فرزند' ہم میں زیادہ عالم' ہمارے سب سے زیادہ عالم کے فرزند' ہمارے پیشوا' ہم میں بہترین' ہم میں دانا ترین اور ہمارے دانا ترین کے فرزند ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اوران کے آباؤ اجداد سب کے سب بزرگ و سردار رہے ہیں۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سنی تو فرمایا:

''کیا خیال ہے اگر وہ مسلمان ہو جائیں؟''

وہ کہنے لگے:

''حق تعالیٰ ان کو محفوظ رکھے کہ وہ اسلام لائیں۔''

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کو بار بار دہرایا اور وہ یہی جواب دیتے رہے اس کے بعد فرمایا:

''اے ابن سلام! باہر آؤ۔''

اس کے بعد ابن سلام کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور فرمانے لگے:

''اے گروہ یہود! اللہ سے خوف کرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ کیونکہ تم یقینی طور پر جانتے ہو کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

جب گروہ یہود نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سنی تو کہنے لگے:

''تم جھوٹ کہتے ہو' ہم نہیں جانتے۔''

اور پھر ابن سلام کے بارے میں زبان کھولی اور بولے:

''یہ ہم میں بدترین' بدترین کے فرزند' جاہل ترین اور جاہل ترین کے فرزند ہیں۔''

marfat.com

حالانکہ اسی نشست میں تھوڑی دیر پہلے کہہ رہے تھے:

''سیدنا' ابن سیدنا' علمنا' ابن اعلمنا۔''

حقیقت یہ ہے کہ جب ابتدا میں انصار کے گھروں سے صبح سعادت نے طلوع فرمایا تو یہود نا بہبود کی رگ' انصار سے دشمنی وعداوت کے تعلق سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب پھڑکنے لگی تھی اور بعض نے اظہارِ عداوت میں بڑی کوششیں کیں اور جس حد تک ان سے ممکن تھا' اپنی ہلاکت میں کوتاہی نہ کی۔ ان میں حیی بن اخطب اور اس کا بھائی ابو یاسر ابن اخطب کہ یہ اپنی قوم میں شدید عداوت اور خبث انسانی میں گرفتار تھے اور ان اشقیاء کے گروہ میں سے بعض نے نفاق کو اپنا حیلہ اور دنیاوی مال وزر کے جمع کرنے کا ذریعہ اور حیات فانی کی حفاظت کا وسیلہ بنایا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ یہود کی شریعت کی بہترین تصویر کشی کی تھی کہ سیدہ صفیہ کے والد حیی بن اخطب اور اس کے بھائی ابو یاسر نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے کے باوجود کہ اللہ کے رسول ہیں' ان کو ماننے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ ان کے خلاف دشمنی وعداوت کے محاذ کھول دیئے لیکن رحمۃ للعالمینی کا تقاضا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا فیاضانہ سلوک روا رکھا اور دعوتِ اسلام دینے میں خصوصی توجہ اور عنایت سے کام لیا۔ مثلاً

جب یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان پر خاص توجہ فرماتے اور ان کے ذہنوں سے بے بنیاد شک وشبہات دُور کرنے کی سعی جمیلہ فرماتے۔

یہودیوں کے وہ خاندان اور قبائل جن کا معاشرتی مرتبہ دوسروں کے مقابلے میں کمتر تھا' انہیں برابر کا مقام دیا۔

امن وسلامتی کا معاہدہ کیا اور انہیں جان ومال اور مذہبی آزادی کا تحفظ فراہم کیا لیکن وہ اسلام دشمنی کی روش پر بدستور قائم رہے اور آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کا عناد محض اس وجہ سے تھا کہ وہ نسلی غرور کے مرض میں شدید مبتلا تھے' وہ خود کو تمام نوع انسانی سے افضل وبہتر سمجھتے تھے اور غیر اسرائیلی دینی یا سیاسی امامت وقیادت کو تسلیم کرنے

marfat.com

کے لیے تیار نہ تھے۔

بنونضیر کے وہ سردار جو مدینے سے جلاوطن ہو کر خیبر میں آباد ہوئے تھے' انہوں نے ماضی کے حالات سے کوئی سبق نہیں سیکھا تھا اور تاریخ پھر خود کو ان کے لیے دہرانے کی تیاری کر رہی تھی۔

ان سرداروں نے سیّدہ صفیہ کے والد حیی ابن اخطب کی سربراہی میں پورے ملک کا دورہ کیا اور قریش' بنوغطفان' قبیلہ ہذیل اور دوسرے بہت سے قبائل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ سب مل کر بڑی جمعیت کے ساتھ مدینے پر ٹوٹ پڑیں حالانکہ سیّدہ صفیہ کے باپ نے مدینے سے نکلتے وقت وعدہ کیا تھا کہ وہ اہلِ اسلام کے خلاف کسی قسم کی تحریک میں حصہ نہیں لے گا لیکن اپنی بدسرشت کے تحت وہ تمام وعدے بھول چکا تھا اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالنے کے لیے دن رات سرگرم عمل تھا اور تقدیر حیی ابن اخطب اور اس کے حلیفوں پر مسکرا رہی تھی۔

غزوۂ خندق جو غزوۂ احزاب کے نام سے بھی مشہور ہے اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قریش کے ساتھ دشمنی کی بناء پر یہود کے متعدد قبائل اور ان کے گروہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ و قتال میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے عزائم کا علم ہو گیا تھا کہ اسلام دشمن قوتوں کا ایک عظیم لشکر مدینہ پر حملہ کی غرض سے آ رہا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فارس والوں کو جب دشمن گھیرتے ہیں تو خندق کھودتے ہیں۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور سلع کی جانب خندق کھودنے کا حکم فرمایا۔ عرب میں اس سے پہلے ایسا رواج نہ تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود بھی خندق کھودنے میں شریک ہوئے۔

حیی ابن اخطب کی سربراہی میں جانے والا وفد سب سے پہلے قریش کے سردار ابوسفیان سے ملا اور کہا:

marfat.com

''ہم اس لیے آئے ہیں کہ تمہارے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور ان کی قوت شکنی میں عہد و پیمان کریں۔''

''مرحبا''

ابوسفیان نے خوشی کے لہجے میں کہا اور پھر بولا:

''ہمارے نزدیک اس سے بہتر کیا بات ہوگی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت و دشمنی پر ہماری مدد کی جائے۔''

اس کے بعد کعبہ کے پردوں کے قریب آئے اور عہد باندھا۔ ابوسفیان کہنے لگا:

''اے گروہ یہود! تم اہلِ کتاب میں ہو اور علماء و احبار میں سے ہو' بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا۔ ہم وہ لوگ ہیں جو خانہ کعبہ کی تعمیر میں کوشش کرتے اور بڑے بڑے کوہان والے اونٹوں کو ذبح کرتے ہیں' بیت اللہ کے حاجیوں کو کھانا پانی اور دودھ دیتے ہیں اور بتوں کی پوجا کرتے ہیں جو ہمارے باپ دادا کی رسم ہے لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نیا دین ظاہر کیا' بتاؤ ہم راہ راست پر ہیں یا وہ؟''

یہود جو دین و دنیا دونوں کو بیچ ڈالنے والے ہیں' بولے:

''تم بہ نسبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیادہ راہ راست پر ہو۔''

قریش سے عہد و پیمان کرنے کے بعد یہ وفد مکہ سے نکل کر قبیلہ غطفان کی طرف گیا جو قیس کا قبیلہ تھا' ان کو بھی برانگیختہ کیا اور معاہدہ کیا کہ ایک سال کی خیبر کی کھجوریں ان کو دیں گے۔

اس طرح حیی بن اخطب کے ورغلانے پر دس ہزار کا لشکر جرار مدینہ کی طرف روانہ ہوا جبکہ مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی' یہ واقعہ ۵ ہجری کا ہے۔

اب دشمنوں اور مسلمانوں کے درمیان صرف خندق حائل تھی اس کے بعد سیّدہ صفیہ کے باپ حیی بن اخطب کے کہنے سے اور اپنی اس ذاتی عداوت سے جو اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی جو بنی نضیر کی جلاوطنی سے اسے حاصل ہوئی تھی' کعب کے پاس آیا جو بنو قریظہ کی طرف سے صاحب عہد و پیمان تھا اور کہا

marfat.com

''تم قریش کے ساتھ مل جاؤ۔''

چونکہ بنی قریظہ کا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد تھا لہٰذا کعب نے جواب دیا:

''ایسا نہیں ہو سکتا۔''

اور اس پر دروازہ بند کر دیا اور پھر کعب نے حیی بن اخطب کو گالی دیتے ہوئے کہا:

''اے بدبخت! ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عہد کر رکھا ہے' ہم اس عہد کو توڑ نہیں سکتے۔''

حیی بن اخطب نے پھر دروازہ کھولنے پر اصرار کیا' حیلے بہانے بنائے اور کعب پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا:

''شاید تو اس ڈر سے دروازہ نہیں کھولتا کہ کہیں میری ضیافت نہ کرنی پڑے۔''

چونکہ عرب کے درمیان بخل و کنجوسی سے زیادہ بُری کوئی اور خصلت نہیں لہٰذا یہ بات کعب پر بڑی گراں گزری اس نے دروازہ کھول دیا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

ہر چند حیی ابن اخطب اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالف پر اُبھارتا رہا اور عہد شکنی پر اُکساتا رہا مگر وہ نہ مانا اور مسلسل انکار کرتا رہا لیکن ابن اخطب بھی حیلہ گری میں آدھا شیطان تھا' مکروفریب میں پھانس کر اپنا مدعا نکال لیا اور وہ عہد شکنی پر آمادہ ہو گیا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ' حضرت سعد بن عبادہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کو بھیجا اور فرمایا:

''جاؤ اور بنی قریظہ کو پند و نصیحت کر کے عہد شکنی سے باز رکھیں۔''

جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے ان کو خبیث ترین اور بدترین حالت افعال میں پایا تو واپس آ کر بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں سارا ماجرا عرض کیا۔

اس سے حالات کی سنگینی میں اور شدت پیدا ہو گئی تھی لہٰذا صورتِ حال سے نبرد آزما ہونے کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

marfat.com

تین سو افراد کے ساتھ مدینہ منورہ کے مکانات اور گھروں کی حفاظت کے لیے روانہ کر دیا۔

قریش اور اس کے حلیفوں نے مدینے کا محاصرہ بیس سے زیادہ دنوں تک جاری رکھا' دونوں لشکروں کے درمیان مختلف صورتوں میں جنگ ہوتی رہی۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے قریب کفار نے جنگ شروع کر رکھی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے کھڑے تھے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردِ عظیم اور طویل القامت تھے' وہ تنگ اور چھوٹی سی زرہ پہنے ہوئے تھے جو ہاتھ اور پاؤں کے لیے پوری اور کافی نہ تھی جب وہ خندق کے کنارے پہنچے تو حبان بن العرق نے کفار کی صف سے نکل کر ان پر ایک تیر پھینکا اور کہا:

''لو اس تیر کو روکو' میں عرقہ کا بیٹا ہوں۔''

وہ تیر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکحل پر کھایا۔

اکحل ایک رگ کا نام ہے جو کہنیوں کے جوڑ میں ہوتی ہے جب وہ کٹ جائے تو آدمی کے جسم سے سارا خون نکل جاتا ہے اس رگ کو عرق الحیوۃ اور ہفت اندام بھی کہتے ہیں۔ ہر عضو میں اس کی شاخیں ہیں' ہاتھ میں اس رگ کا نام اکحل ہے اور پشت میں ابہر اور ران میں نسا' عرق النساء جو ایک مرض کا نام ہے اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔

جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہو گئے تو سمجھے کہ اس زخم سے بچنا مشکل ہے تو بارگاہ احدیت میں دعا کی:

''اے اللہ! اگر تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے ساتھ اور بھی جنگ لڑنی ہے تو مجھے نہ مارنا کہ ان کے ساتھ میں جنگ کروں ورنہ اس تیر کو جو مجھے لگا ہے' میری شہادت کا ذریعہ بنا لیکن اتنی مہلت دے کہ میں بنو قریظہ کی عہد شکنی کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔''

دعا قبول ہوئی اور اسی وقت ان کے زخم سے خون بہنا بند ہو گیا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے۔

marfat.com

سیّدہ صفیہ کا والد حیی ابن اخطب جس نے قریظہ کو نقض عہد پر آمادہ کیا تھا' یہ ان کے ساتھ ہی رہ پڑا تھا۔ تقدیر نے اسے گھیر لیا تھا جب آندھی کے طوفان سے کفار کا لشکر تتر بتر ہو گیا اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لائے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا:

''یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ کو مہلت نہیں دینی چاہیے۔ مزید برآں میں نے اور میرے ساتھ بہت سے فرشتوں نے ابھی ہتھیار نہیں اُتارے۔''

جونہی اللہ تبارک و تعالیٰ کا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پیغام پہنچایا تو فوراً اپنے لشکر کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف چل پڑے اور جاتے ہی ان کا محاصرہ کر لیا جو پندرہ دن تک جاری رہا۔

جب بنی قریظہ محاصرہ سے تنگ آ گئے تو وہ مطیع ہو کر قلعہ سے اُتر کر باہر آنے پر راضی ہو گئے۔ وہ بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مجبور ہو گئے اور طے پایا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو فیصلہ کریں گے' تسلیم ہے۔

پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ ان یہودیوں کے مردوں کے ہاتھوں کو ان کی گردن سے باندھ دو اور حضرت ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ ان کی عورتوں' بچوں اور ان کے مال و متاع کو جمع کرو۔

جب یہ کام ہو گیا تو اسی لمحے قبیلہ اوس کے لوگوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس طرح بنی قینقاع کے بارے میں رحم و کرم فرمایا تھا اور ان کے سات سو آدمیوں کو بخش دیا تھا اب بنی قریظہ کے بارے میں جو ہمارے حلیف ہیں اور عہد شکنی پر پریشان و شرمندہ ہیں' کرم گستری فرمائیں اور ان کے جرموں سے درگزر فرمائیں۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اوس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا شان بے نیازی دکھائی اور پھر کسی سے فرمایا:

''حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بلاؤ۔''

marfat.com

چنانچہ جس شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا' وہ بھاگا بھاگا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا جو زخمی ہونے کی وجہ سے اس غزوہ میں شرکت سے پیچھے رہ گئے تھے۔ چنانچہ وہ دراز گوش پر سوار چل پڑے۔

جب وہ بنی قریظہ کے نواح میں پہنچے تو قبیلہ اوس کے لوگوں کی ایک جماعت ان کے پاس گئی اور کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کا فیصلہ آپ پر چھوڑا ہے اور بنی قریظہ آپ کے حلیفوں میں سے ہیں' انہوں نے سب سے منہ موڑ کر اپنی امیدیں آپ سے وابستہ کر رکھی ہیں۔''

ان کے علاوہ قبیلہ اوس کے لوگوں نے بھی طرح طرح سے منت وساجت کی مگر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا۔

جب ان کی منت وساجت حد سے بڑھ گئی تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے مجرموں کی سفارش کی جائے۔''

اس پر وہ ناامید ہو گئے اور سمجھ لیا کہ ان کے قتل کا حکم ہوگا۔

جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محفل مبارک کے قریب پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔''

چنانچہ اوس کی جماعت کھڑی ہو گئی اور انہیں دراز گوش سے اُتار کر لائے اور ان کے نیچے چمڑے کا فرش بچھایا گیا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل مبارک میں بیٹھ گئے تو ان کے زخم سے خون رُک گیا۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے پھر وہی نرمی کرنے کی بات شروع کر دی اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق تم سے ہے کہ جو کچھ میں حکم کروں گا' تم سب راضی ہو

marfat.com

گے۔''

سب نے جواب دیا:

''بے شک ہم راضی ہوں گے۔''

اربابِ سیر کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کو کلی طور پر ملحوظ رکھ کر آپ کو خاص طور پر خطاب کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رُخ کو متوجہ کرنے سے اجتناب کیا اور کہا:

''جو کوئی بھی یہاں موجود ہے' میرے حکم پر راضی ہے۔''

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حکم وہی ہے جو تم حکم کرو گے۔''

چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

''بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کیا جائے' ان کی عورتیں اور بچے غلام و باندی بنائے جائیں اور ان کے ساز و سامان اور اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ان کے بارے میں تم نے وہ حکم دیا ہے جو حق تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے حکم کیا ہے۔''

حکم کی تعمیل کی گئی جب سیّدہ صفیہ کے والد حیی ابن اخطب کو ہاتھ باندھ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو فرمایا:

''اے اللہ کے دشمن بالآخر حق تعالیٰ نے تجھے میرے ہاتھ میں قید کرا دیا اور تجھ پر ذلت وخواری مسلط کر دی اور مجھ کو تجھ پر غالب کر کے حاکم بنایا۔''

اب بھی وہ شقی القلب شوخی اور بے ادبی سے باز نہ آیا اور بولا:

''میں اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی و عداوت میں ملامت نہیں کرتا لیکن جس کو اللہ رسوا کرے' اسے کوئی عزت نہیں ملتی' میں نے اپنی عزت تلاش کی' حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظفر مند فرما دیا۔''

marfat.com

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حیی ابن اخطب کے لیے ذوالفقار کھینچی تو حیی ابن اخطب نے گردن سامنے کر دی یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیغ مار کر اسے اسفل السافلین میں پہنچا دیا۔

سیّدہ صفیہ نے اپنی فراست سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ جس طرح ان کا باپ مسلمانوں کے خلاف اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و دشمنی میں اندھا ہو گیا ہے اس کا انجام بخیر نہیں ہو سکتا خاص طور پر انبیاء و مرسلین کی مخالفت کر کے۔ چنانچہ جب انہیں اطلاع ملی کہ ان کے والد کو بنی قریظہ کے مردوں کے ساتھ واصل جہنم کر دیا گیا ہے تو انہیں اس انجام پر کوئی اچنبھا نہیں ہوا' صرف ذہن میں اتنا خیال آیا:

''آخر میرا باپ میری ماں کے خاندان والوں کو بھی لے ڈوبا۔ بے شک بنی قریظہ کا خون میرے باپ کی گردن پر ہے۔''

حیی ابن اخطب کے قتل کے بعد خیبر کی یہودی ریاست کی سربراہی کنانہ بن ربیع کے چچا ابورافع بن ابی الحقیق کے حصہ میں آئی اس بدبخت نے بھی تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا تھا اس نے حیی بن اخطب کے اسلام دشمنی کے مشن کو جاری رکھا اور اس کے لیے اپنی پوری توانائیاں صرف کر دیں بالآخر وہ بھی حق کی مخالفت میں تگ و دو کرتا ہوا واصل جہنم ہوا۔ موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا تھا اس کے بعد سیّدہ صفیہ کے شوہر کنانہ بن ربیع کے ہاتھ خیبر کی قیادت آئی اور وہ بھی اپنے پیشرووں کے راستے پر آگے بڑھنے لگا۔

اس زمانے میں عورت کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ امور سلطنت میں کوئی مشورہ دے سکے۔ خاص طور پر جب آنکھوں پر عداوت کے پردے پڑے ہوئے ہوں تو پھر کوئی بات سمجھ میں بھی نہیں آتی کیونکہ سوچ بچار کی قوتیں سلب ہو چکی ہوتی ہیں لیکن سیّدہ صفیہ کو یہ یقین تھا کہ اگر یہودی اسی روش پر قائم و دائم رہے تو ان کا حشر بہت بُرا ہوگا۔ چنانچہ کنانہ بن ربیع نے بھی بنی غطفان کی مدد سے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنایا۔

یہودیوں کی اسلام دشمن حرکات وسکنات کی وجہ سے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ان

marfat.com

کی جانب سے مطمئن نہیں تھے خاص طور پر ان سے جو مدینہ کے شمال میں واقع خیبر میں رہتے تھے۔ صلح حدیبیہ کی بناء پر قریش کی دست درازیوں سے محفوظ تھے۔ جنوبی علاقے کی طرف سے بھی کسی یورش کا خطرہ نہیں تھا' خیبر کے یہودی کسی حد تک بھی جا سکتے تھے۔ عین ممکن تھا کہ ہرقل یا کسریٰ ان سے ساز باز کر کے ان کے دلوں میں قریظہ' بنی نضیر اور بنی قینقاع کے ان یہودیوں کی یاد تازہ کر دیتے جس سے یہود خیبر کی آتش انتقام بھڑک اُٹھتی۔ علاوہ ازیں قریش کی نسبت یہودیوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عناد تھا کیونکہ انہیں اپنے مذہب سے زیادہ وابستگی تھی لہٰذا ان سے صلح حدیبیہ ایسی شرائط پر مشتمل کوئی معاہدہ کرنا آسان نہ تھا لہٰذا اندریں حالات ان کی طرف سے عدم توجہی نہیں برتی جا سکتی تھی۔

جیسا کہ کنانہ بن ربیع بنی غطفان اور دوسرے قبائل سے ساز باز کر رہا تھا ان کی طرف سے خطرے کا ہمیشہ کے لیے سدباب ضروری تھا لہٰذا پیغمبرانہ بصیرت کی روشنی میں ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے واپسی کے پندرہ دن بعد مسلمانوں کو خیبر کی تیاری کا حکم دے دیا۔ غزوہ میں شرکت کی اجازت صرف ان لوگوں کو تھی جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے' ان کے علاوہ باقی اصحاب میں سے ہر شخص کو اس میں شامل ہونے کی اجازت تھی جو اپنی مرضی سے شریک ہونا چاہے' غنیمت میں سے کسی حصے کے خواستگار اور منافقین کو اس میں شرکت کی اجازت نہیں تھی۔

یہ کل سولہ سو نفوس قدسی تھے جنہوں نے مدینہ سے خیبر تک آٹھ منزلیں صرف تین دن میں قطع کر لیں اور راتوں رات مسلمانوں نے ان کے قلعوں کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا جب خیبر کے یہودی صبح اُٹھ کر باہر کھیتوں میں جانے لگے تو اسلامی لشکر کو دیکھ کر چیختے چلاتے ہوئے بھاگے اور شور مچا دیا:

''اسلامی لشکر آ گیا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فقرہ سنا تو ارشاد فرمایا:

''جب ہم کسی قوم پر جا پڑتے ہیں تو ان لوگوں کا بُرا حال ہو جاتا ہے جنہیں اللہ کے

marfat.com

عذاب سے ڈرایا جاتا تھا۔''

خیبر کے یہودیوں کو پہلے ہی یہ توقع تھی کہ مسلمان ان پر حملہ آور ہوں گے اور اس سے بچاؤ کی تدبیریں بھی سوچ رہے تھے' ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ وہ وادیٔ القریٰ اور تیماء کے یہودیوں سے مل کر مدینہ پر حملہ کر دیں اور بعض کا خیال تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر لینا چاہیے تاکہ اس صورت میں وہ کدورت محو ہو جائے جو مسلمانوں اور بالخصوص انصار کے دلوں میں اس نازیبا حرکت کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی جو غزوۂ خندق کے موقع پر حیی بن اخطب نے مدینہ پر جبراً قابض ہونے کی نیت سے کی تھی لیکن یہودیوں کی اکثریت ثانوی تجویز کے حق میں نہ تھی کیونکہ ان کے سینے آتش انتقام سے لبریز تھے۔

مسلمان پوری فوجی تیاریوں کے ساتھ خیبر کے قلعوں کے سامنے کیل کانٹے سے لیس ہو کر کھڑے تھے' یہودیوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا۔ سیدہ صفیہ بنت حیی کے پہلے شوہر سلام بن مشکم نے یہ رائے دی کہ ہمیں اپنا مال و متاع اہل و عیال وغیرہ وطیح اور سلالم کے قلعوں میں محفوظ کرنا چاہیے جمع شدہ پونجی قلعہ ناعم میں بحفاظت تمام پوشیدہ رکھیں' جنگجو بہادر قلعہ نطاۃ میں رہیں' سلام بن مشکم نے جو قوم کے سرداروں میں سے تھا' خود اسی قلعہ میں رہنا پسند کیا تاکہ انہیں جنگ کے لیے آمادہ کرتا رہے۔

الغرض قلعہ نطاۃ کے آس پاس فریقین کی فوجیں صف آرا ہوئیں گھمسان کا رَن پڑا اس معرکے میں سلام بن مشکم موت کے گھاٹ اُتر گیا اس کے بعد حارث بن ابی زینب نے قیادت سنبھالی۔ قلعہ ناعم سے یہ سردار مقابلے کے لیے نکلا لیکن بنی خزرج کی پامردی نے اسے اُلٹے پاؤں لوٹ جانے پر مجبور کر دیا اس معرکہ میں جو سلام بن مشکم سے ہوا تھا' پچاس مجاہدین اسلام زخمی ہوئے جبکہ یہود کے زخمیوں کی تعداد بے شمار تھی۔

کنانہ بن ربیع ریاست خیبر کا حکمران تھا اس کی مصروفیت کا عالم قابل دید تھا لیکن ان تمام واقعات سے بے نیاز سیدہ صفیہ کو وہ خواب یاد آ رہے تھے جو انہوں نے کچھ عرصہ پہلے دیکھے تھے۔

marfat.com

پہلا خواب یہ دیکھا تھا کہ وہ اس ہستی کے ساتھ ہیں جنہیں لوگ اللہ کا رسول کہتے ہیں اور ایک فرشتہ ان دونوں کو پروں میں چھپائے ہوئے ہے۔ خواب سے بیدار ہو کر سیّدہ صفیہ نے اس کا ذکر اپنے گھر والوں سے کیا تو انہوں نے اسے بُرا بھلا کہا۔

دوسرا خواب انہوں نے یہ دیکھا کہ یثرب سے ایک چاند طلوع ہوا اور ان کی گود میں آ گرا ہے اس خواب کا ذکر انہوں نے اپنے شوہر کنانہ بن ربیع سے کیا' وہ غضب ناک ہو گیا۔ بولا،

''اچھا تو مدینے کے بادشاہ کی ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی ہے۔''

اور پھر اس بدبخت نے زور سے ان کے منہ پر طمانچہ مارا جس کا نشان ان کے چہرے پر پڑ گیا اور ہنوز بڑا واضح تھا۔ بے اختیار ان کا ہاتھ اُٹھا اور وہ اپنی انگلی کو اس نشان پر پھیرنے لگیں۔ ان خوابوں کو یاد کر کے ان کی سوچیں اور گہری ہو گئی تھیں اور باہر میدان کارِزار گرم تھا' تلواریں انسانی خون سے اپنی پیاس بجھا رہی تھیں اور سر تن سے جدا ہو رہے تھے۔

فریقین میں جھڑپیں ہوتی رہیں مگر فیصلہ کن نتیجہ برآمد نہ ہوا' قلعہ ناعم کی حفاظت قلعہ کے سردار حارث بن ابی زینب کے ذمہ تھی' وہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ پہلے دن قیادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی گئی' مسلمانوں نے بڑی دلیری سے جنگ لڑی مگر قلعہ سر نہ ہوا دوسرے دن اس قلعہ کی تسخیر کے لیے قیادت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی گئی اس دن بھی جنگ زوروں پر رہی مگر قلعہ فتح نہ ہوا تیسرے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام پر متعین کیا گیا جب آپ قلعہ کے قریب پہنچے' یہودی فوراً باہر نکل آئے اور یک دَم جنگ میں شدت آ گئی اور پھر قلعہ ناعم فتح ہو گیا اس کے بعد جنگ۔ کے شعلے تیزی سے بھڑک اُٹھے۔

جب مسلمانوں نے بہت سے قلعوں پر قبضہ کر لیا تو یہودی مایوس ہو گئے اور جان بخشی کی شرط پر صلح پر آمادہ ہو گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرط قبول کر لی اور ان کی جو زمین مسلمانوں کے قبضے میں آ ئی تھی اس شرط پر یہودیوں کو واپس کر دی کہ وہ

marfat.com

اس میں کاشت کریں گے اور اس کی پیداوار کا نصف انہیں دیا جائے گا۔

مسلمانوں کو کسی طرح علم ہو گیا تھا کہ بنی نضیر کے خزانے سیّدہ صفیہ کے شوہر کنانہ بن ربیع کے پاس ہیں لہٰذا اسے بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں طلب کیا گیا جب وہ آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''ابوالحقیق کا خزانہ کہاں ہے؟''

''وہ تو ہم خرچ کر چکے ہیں۔''

کنانہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری یقین دہانی کرانے کی کوشش کی اور قسم کھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر اس کے بعد اس کے خلاف ظاہر ہوا تو تمہارا خون مباح ہوگا اور امان سے نکل جاؤ گے۔''

''بے شک''

کنانہ بن ربیع نے کہا تو حضرات شیخین' حضرت علی رضوان اللہ علیہم اور یہود کی ایک جماعت کو اس پر گواہ بنالیا۔

جس زمانہ میں قلعہ نطاۃ فتح ہوا تھا اس مال کو اس نے ایک ویرانہ میں مدفون کر دیا تھا' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دے دی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو طلب کیا اور فرمایا:

''آسمانی خبر کے حکم سے تو جھوٹا نکل آیا ہے۔''

اس کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ اس ویرانہ میں بھیجا یہاں تک کہ کھود کر اس مال کو وہاں سے نکال لائے۔

جب یہودیوں کی غداری ظاہر ہوگئی تو اس شرط وعہد کی رو سے جو انہوں نے کیا تھا' ان سے امان اٹھ گئی اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ بن ربیع کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے عوض قتل

marfat.com

کردیں۔ چنانچہ اس کی گردن ماردی گئی۔

خیبر کی فتح کے بعد جب گرفتار شدہ قیدی جمع کیے گئے تو حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک لونڈی عطا فرمائیں۔''

''جسے چاہیں' اپنے لیے پسند کرلیں۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو انہوں نے اپنے لیے سیّدہ صفیہ بن حیی کو منتخب کرلیا اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! صفیہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کی رئیسہ ہیں' شرافت و نجابت اور عزت و وقار ان کی شخصیت میں نمایاں ہے' ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور اس کے لائق نہیں۔''

اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بھیجا کہ وہ صفیہ بنت حیی کے ساتھ حاضر ہوں۔ حکم ملتے ہی وہ حاضر خدمت ہوگئے۔ حضرت وحیہ کلبی رضی الہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس بات کا حساس ہوگیا تھا لہٰذا صفیہ کے عوض انہیں کوئی اور لونڈی عطا کر دی گئی پھر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم صفیہ بنت حیی کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا:

''اے خاتون! میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اگر خوشی سے قبول کرتی ہوں تو میں تجھے عزت و احترام سے اپنے پاس رکھ لوں گا اور اگر تجھے اپنا آبائی مذہب پسند ہے تو بھی تجھے آزاد کر کے تیری قوم کے پاس بھیج دیا جائے گا' فیصلے کی تجھے پوری آزادی ہے۔''

جب سیّدہ صفیہ نے سنا تو عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے دعوتِ اسلام دینے سے بہت پہلے میں اسلام کی صداقت و حقانیت کی قائل ہو چکی ہوں اور اس کی محبت میرے دل میں موجزن

marfat.com

ہے۔ علاوہ ازیں خاندان میں اب میرا رہا ہی کون ہے؟ میرا یہودیوں سے کیا واسطہ وتعلق، میں پورے خلوص سے خود کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن محبت سے وابستہ کر چکی ہوں''۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ صفیہ کو اپنے حبالہ عقد میں لے آئے اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ شادی کی تقریب جمادی الاول ۷ ہجری میں ہوئی، ان دنوں وہ عورتوں کی مخصوص حالت میں تھیں۔

خیبر کی فتح کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز وہاں قیام فرمایا اور امن وامان مکمل طور پر بحال فرمایا۔ یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی آپ ان کی سرشت وفطرت سے بخوبی واقف تھے لیکن مروت واحسان کے جذبے کے تحت ان کی دعوت کو قبول فرما لیا۔ سیدہ صفیہ بنت حیی کے پہلے شوہر سلام بن مشکم کی دوسری بیوی زینب بنت حارث جو اب بیوہ ہو چکی تھی اس نے گوشت میں زہر ملا دیا جس طرح سلام بن مشکم مسلمانوں کا شدید دشمن تھا اس کی دوسری بھی بھی اسلام دشمنی میں کم نہ تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلا لقمہ دہن مبارک میں رکھا تو فوراً تھوک دیا اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بشر بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کھانے میں شامل تھے انہوں نے ایک لقمہ چبا کر نگل لیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''گوشت مجھ سے کہہ رہا ہے کہ میں زہر آلود ہوں۔''

چنانچہ زینب زوجہ سلام بن مشکم کو بلایا گیا اور پوچھا اس نے جرم کا اعتراف کر لیا۔

''تم نے ایسا کیوں کیا؟''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو بولی:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری قوم کا جو حال کیا ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے، میں نے سوچا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عام بادشاہ ہیں تو اس زہر

marfat.com

کے ذریعے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نجات مل جائے گی اور اگر واقعی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب اس زہر کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل جائے گی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جرم پر خاتون سے اپنی ذات کی خاطر انتقام نہ لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اسے کچھ نہ کہا لیکن جب دو تین دن کے بعد حضرت بشر بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ زہر کے اثر کی وجہ سے شہید ہو گئے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قصاص میں مجرمہ زینب کو قتل کرا دیا۔

خیبر کے معاملات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ واپس جانے کا پروگرام بنایا اس وقت تک حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہا کر پاک و صاف ہو چکی تھی۔ چنانچہ مدینہ واپسی کے لیے اونٹ لایا گیا تاکہ آپؓ اس پر سوار ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہونے کے لیے اپنی ران مبارک کو زینہ بنایا تاکہ اس پر پاؤں رکھ کر اونٹ پر چڑھ جائیں۔

''میں اس طرح اونٹ پر سوار نہیں ہوں گی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

''کیوں؟''

محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

''یہ ادب کے خلاف ہے کہ میں اپنا پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھ کر اونٹ پر چڑھوں'' اور پھر انہوں نے اپنا گھٹنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر رکھا اور اونٹ پر سوار ہو گئیں۔

جب سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوار ہو گئیں تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے پردے کا اہتمام کیا اور انہیں اپنی چادر اوڑھ کر اس کے کونے اپنے پیر مبارک کے نیچے باندھ لیے اور دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرح انہیں سواری پر پردے کے ساتھ بٹھا کر سوئے مدینہ چل پڑے، تمام مجاہدینِ اسلام ہمرکاب تھے۔

خیبر سے چھ میل دُور ایک منزل تھی جس کا نام تبار تھا اس مقام پر تھوڑی دیر کے لیے

marfat.com

قیام فرمایا اور سیدہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خلوت چاہی لیکن انہوں نے انکار فرما دیا اس سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں قدرے ملال پیدا ہوا۔

اگلی منزل صہباء تھی جو خیبر سے کئی برید دُور تھی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

''صفیہ کو دُلہن بنائیں۔''

حضرت اُم سنان اسلمیہ اور حضرت آمنہ بنت ابی القیس غفاریہ بھی وہاں موجود تھیں' ان تینوں خواتین نے مل کر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنگھی کی' چوٹی باندھی اور عطر میں بسایا اس وقت ان کی عمر سترہ برس تھی اور بھڑکدار زینت پسند فرماتی تھیں۔

بعدازاں رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل کر ان کی طرف گئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُٹھ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھ کر استقبال کیا اور متذکرہ تینوں خواتین خیمہ سے باہر تشریف لے گئیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت فرمایا:

''تبار میں کیا ہوا تھا؟''

تو اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہودیوں کے قریب ہونے کی وجہ سے ڈر تھا کہ کہیں وہ اپنی بدفطرت کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔''

جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قدر اور بھی بڑھ گئی۔

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں کہیں انتقام کی آگ نہ بھڑک اُٹھے کیونکہ غزوۂ خیبر میں ان کا شوہر اور دوسرے عزیز واقرباء مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اس لیے حفظ ماتقدم کے طور پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے گرد ننگی تلوار ہاتھ میں لیے رات گزار دی' صبح کے وقت جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو دریافت فرمایا:

marfat.com

''کیا بات ہے؟''

انہوں نے جواب دیا:

''مجھے سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے خدشہ تھا اور وہ اس بناء پر کہ ابھی کل کی بات ہے کہ ان کا باپ' شوہر اور ان کی قوم کے کچھ لوگ ہمارے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں اور انہوں نے بھی حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے ایسا نہ ہو کہ کسی سوچی سمجھی سکیم کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وار کر بیٹھے۔''

یہ خیال حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا تھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت بھی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سیّدہ صفیہ اُم المومنین صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بننے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر دَم تک وفادار اور وفا کیش رہیں۔

صبح کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس کے پاس کھانے پینے کی بچی ہوئی چیزیں ہوں' وہ ہمارے پاس لے آئے۔''

چنانچہ کوئی ستو لایا' کوئی کھجوریں اور کوئی گھی اس طرح اچھا خاصا کھانے پینے کا سامان جمع ہو گیا پھر لوگوں نے جیس بنایا اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے پینے لگے۔ یہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ۔

یہ عام معمول تھا کہ جب بھی اسلامی لشکر واپس مدینہ آتا تو جونہی انہیں مدینہ کے مکانوں کی دیواریں نظر آتی تھیں تو اپنی سواریاں دوڑا دیا کرتے تھے۔ غزوۂ خیبر سے بھی واپسی پر ایسا ہی ہوا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی سواری کو تیز کیا۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا پاؤں پھسل گیا اور دونوں میاں بیوی گر پڑے۔

حضرت انس بن مالک اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بالکل قریب تھے' حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سواری سے اُتر کر فوراً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا:

marfat.com

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے چوٹ تو نہیں آئی؟''

''صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی خبر لو۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی چادر اپنے چہرے پر ڈالی اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف بڑھ کر ان پر چادر ڈال دی۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُٹھ کر کھڑی ہوگئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی سواری پر بٹھالیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سوار ہوگئے اور چل پڑے جب مدینہ کی پشت پر پہنچے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا پڑھنے لگے:

''ہم لوٹنے والے ہیں' اللہ سے توبہ کرنے والے ہیں' اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد بیان کرنے والے ہیں۔''

جب سیدہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک گھر میں لے جا کر ٹھہرایا تو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے بہت سے لوگ حاضر تھے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اُم المومنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے ہٹ جاؤ۔''

پھر وہ لوگ شام کے وقت آئے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دامن میں ڈیڑھ مدعمدہ کھجوریں لے کر باہر تشریف لائے اور فرمایا:

''یہ اُم المومنین کے ولیمہ کا کھانا ہے۔''

سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی مدینہ شہر میں پیدا ہوئیں' جوان ہوئیں' شادی ہوئی اور پھر باپ کی حرکات کی وجہ سے قبیلے کے ساتھ جلاوطن ہوکر خیبر گئیں۔ مدینہ کی خواتین کے لیے یہ اجنبی نہیں تھیں لیکن جب انہوں نے سنا کہ اب وہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ کی حیثیت سے تشریف لائی ہیں تو جوق در جوق عورتیں انہیں دیکھنے آئیں۔ بعض نے ان کے حسن و جمال کا سُن رکھا تھا اس لیے وہ بھی بھاگی آئیں

marfat.com

لہٰذا بہت سی عورتیں جمع ہو گئیں۔

حضرت اُم سنان اسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اُمہات المومنین حضرت زینب بنت جحش، حضرت حفصہ، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت جویریہ رضوان اللہ علیہن کو دیکھا کہ نقاب اوڑھے اور چادر لپیٹے تشریف لائیں اور سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا حضرت اُم سنان اسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سنا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہہ رہی تھیں:

''اے حارث کی بیٹی! میرے خیال میں یہ لڑکی عہد رسالت میں ہم پر غالب آ جائے گی۔''

''ہرگز نہیں!''

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہچان لیا جب وہ باہر نکلیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر ہٹا کر پوچھا:

''اے حمیرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تم نے صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو کیسا دیکھا؟''

بولیں:

''میں نے یہودیہ کو دیکھا۔''

ارشاد فرمایا:

''عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! ایسا مت کہو، وہ صدق دل سے ایمان لائی ہے۔''

اُم المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملاقات کے لیے آقائے دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر، لاڈلی سیّدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تشریف لائیں۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے حسن و محبت کے ساتھ پیش آئیں اور اپنے کانوں سے قیمتی جھمکے اُتار کر سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

''یہ لو''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ازواج کی طرح مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

کے قریب ہی ایک علیحدہ مکان سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فراہم کر دیا۔ یہ کچی اینٹوں کا بنا ہوا تھا لیکن یہاں جو طمانیت وسکینہ، اطمینان و راحت اور امن وسکون تھا، وہ ان محلوں میں نہیں تھا جہاں اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی سے قبل اپنی زندگی کے دن گزارے تھے۔

فتح خیبر کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے ہر ایک کے لیے اسی (۸۰) وسق کھجور اور بیس (۲۰) وسق جو سالانہ مقرر فرما دیئے تھے۔ مساوات و برابری کے لیے سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے بھی اسی قدر مقدار مقرر فرما دی اور اس سالانہ وظیفے کے خرچ کے سلسلے میں وہ بالکل آزاد و خود مختار تھیں کہ جس طرح چاہیں، خرچ کریں اور دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرح ان کی بھی باری مقرر فرما دی۔

اگرچہ سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پرورش بڑے ناز و نعم میں ہوئی تھی اور گھر میں کام کاج کے لیے لونڈی غلاموں کی کمی نہ تھی لیکن اس کے باوجود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خانہ داری میں ید طولیٰ رکھتی تھیں اور بڑی سلیقہ شعار تھیں۔ کھانے بڑے لذیذ بناتی تھیں خصوصاً اپنے آقا و مولا اور شوہر نامدار کے لیے ان کے دل پسند اور مرغوب کھانے تیار کرتی تھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری ازواج کے ہاں ہوتے تو کھانا پکا کر تحفتاً ان کے پاس بھیجا کرتی تھیں۔ سیدہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ میں جو کھانا ڈال کر بھیجا تھا اس کا تو ذکر بخاری شریف اور نسائی میں بھی آیا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"عمدہ اور مزے دار کھانا تیار کرنے میں صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے بڑھ کر میں نے کسی اور عورت کو نہیں دیکھا۔

دوسری ازواج کی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نہایت مشفقانہ ومحبت آمیز تھا۔ ایک مرتبہ باری کے دن حضور اکرم صلی

marfat.com

اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دیکھا کہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رو رہی ہیں' ارشاد فرمایا:

''صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! کیوں رو رہی ہو؟''

عرض کیا:

''حفصہ و عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کہتی ہیں کہ وہ مجھ سے بہتر و افضل ہیں کیونکہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کی شرافت حاصل ہے۔''

سنا تو ارشاد فرمایا:

''تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام میرے باپ ہیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر ہیں اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔''

لہٰذا انہوں نے رونا بند کر دیا اور مسکرا دیں اس طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔

ایک سفر میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کئی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں جن میں سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں' سوئے اتفاق ان کا اونٹ جس پر وہ سوار تھیں' بیمار پڑ گیا اور اس پر سفر جاری رکھنا ممکن نہ رہا۔ سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس سفر میں ہمراہ تھیں اور ان کے پاس ایک اونٹ فالتو تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا اونٹ بیمار ہو گیا ہے اسے اپنا اونٹ دے دو تاکہ وہ منزل تک پہنچ جائیں۔''

سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی فیاض' سخی اور بامروت خاتون تھیں لیکن اس وقت نہ جانے ان کا منہ سے کیوں نکل گیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ بات پسند خاطر نہ ہوئی' ان سے خفا ہو گئے اور ذی الحجہ اور محرم کے دو ماہ تک ان سے تعلق منقطع رکھا۔ سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی نے مجھے قریب قریب ناامید کر دیا تھا اور پھر خود سے عہد کیا:

"آئندہ ایسی بات کبھی نہ کہوں گی۔"

اور پھر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی خطا بڑی مشکل سے معاف کرائی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق میں کسی کی رعایت نہ فرماتے تھے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں باہمی محبت وسلوک تھا لیکن کبھی کبھی ان میں ایسی بات بھی ہو جاتی تھی جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قد وقامت کے بارے میں چند ایک جملے کہے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم نے یہ ایسی بات کہی ہے کہ اگر دریا میں ڈالیں تو اس کا رنگ بدل جائے۔"

سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد عشق ومحبت تھی۔ شرع محبت میں محبوب کی ذرہ برابر خفگی و ناراضگی محب کو بے کل و مضطرب کر دیتی ہے۔ یہی صورتِ حال سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیش آئی۔ ایک مرتبہ کسی وجہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ناراض ہو گئے بس پھر کیا تھا' تڑپ اٹھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ناقابلِ برداشت تھی' سوچنے لگیں کہ اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح منایا جائے۔ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بڑے قریب تھیں لہٰذا آپ ان کے ہاں گئیں' چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

"صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! کیا بات ہے' پریشان دکھائی دیتی ہو؟"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت فرمایا۔

"حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے خفا ہیں اور یہ میرے بس سے باہر ہے کہ وہ ناراض ہوں۔"

marfat.com

سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا۔

''پھر میں کیا مدد کر سکتی ہوں؟''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا۔

''تم جانتی ہو میں اپنی باری کسی قیمت پر کسی کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوتی مگر میں تمہیں دیتی ہوں۔ شرط یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راضی کر دو۔''

''ٹھیک ہے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اور پھر زعفران میں رنگا ہوا ایک دوپٹہ لیا اس پر ہلکا ہلکا پانی چھڑکا تاکہ اس کی خوشبو کی مہک فضا کو معطر کر دے اور پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! آج تم یہاں کیسے؟ یہ تو تمہاری باری کا دن نہیں ہے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑے ادب سے عرض کیا:

''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔''

اور پھر پورا واقعہ عرض کیا جس پر محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راضی ہو گئے۔

ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کوئی بات کرنے کے لیے وہاں تشریف لے گئیں۔ بعد ازاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی کو گھر پہنچانے کے لیے ساتھ ہوئے، راستے میں دو شخص ملے جو انصار کے قبیلہ میں سے تھے جب انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو لوٹ گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ادھر آؤ''

وہ واپس آئے تو ارشاد فرمایا:

''میرے ساتھ صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہے۔''

marfat.com

انہوں نے عرض کیا:

''نعوذ باللہ! سبحان اللہ! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''شیطان کے وسوسے انسانوں کے خون کے ساتھ داخل ہو جاتے ہیں۔''

۱۰ ہجری میں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کعبہ کے لیے رختِ سفر باندھا اس سفر میں تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی ہمراہ تھیں۔ حضرت سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ساتھ تھیں' دورانِ سفر ان کا اونٹ بیٹھ گیا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو و زار و قطار رو رہی تھیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا اور آخری حج تھا' چاہتے تھے کہ لوگ آخری خطبہ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اسی لیے ہر جملہ پر توقف فرماتے تھے اور حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے بلند آواز سے دہراتے تھے۔ خطبہ کو مزید ذہن نشین کرانے کے لیے اثنائے تقریر میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضرین سے بعض سوالات بھی کرتے جاتے تھے۔ مثلاً

''کیا تم جانتے ہو کہ آج کونسا دن ہے؟''

حاضرین جواب دیتے:

''آج حجِ اکبر کا دن ہے۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

''یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک تمہارے خون اور تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام کیے ہیں جس طرح اس نے اس دن اور اس مہینہ کی حرمت کو قائم کیا ہے۔''

جب آپ خطبہ ختم کر چکے تو فرمایا:

''کیا میں نے اللہ کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا؟''

ہر طرف سے آواز آئی

marfat.com

''یقیناً''

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔''

اور پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر وعصر کی نمازیں ادا فرمانے کے بعد مقامِ صخرات میں جا کر اُترے تو وحی نازل ہوئی۔

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کر لیا۔''

تمام حاضرین نے بڑے غور سے خطبہ سنا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک ایک بات پلے باندھ لی کیونکہ تمام حاضرین پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین اسلام کے سلسلہ میں بہت بڑی ذمہ داری عائد ہونے والی تھی۔

ایامِ حج بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوئے اور وہ بے شمار افراد جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشایعت میں حج کی ادائیگی کا شرف حاصل ہوا تھا' اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ہو گئے اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

جو شخص عبادت اور دیگر شعبہ ہائے حیات میں میانہ روی کو ملحوظ رکھتا ہو' خواہشات نفسانی سے دُور بھاگنے کے ساتھ صحت وصفائی کے ادنیٰ سے ادنیٰ اصولوں پر پوری طرح کاربند ہو۔ مزید برآں اس کا جسم پیدائشی طور پر مضبوط اور توانا ہو' وہ بیماریوں سے محفوظ کیوں نہ رہے گا۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیّدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر اچانک بیماری کا حملہ ہوا تو سارے مدینہ میں تشویش واضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا بھی فکرمند ہونا قدرتی امر تھا لہٰذا انہیں بھی تشویش تھی۔

جب مرض نے شدت اختیار کی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج کی رضا و رغبت سے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ اقدس میں منتقل ہو گئے۔ تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن تیمارداری وخدمت کے لیے وہیں چلی جاتی تھیں۔

marfat.com

ایک دن تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو محبوبِ ربِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے حد محبت و پیار تھا۔ چنانچہ آپ بولیں:

''کاش! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری مجھ کو ہو جاتی۔''

دوسری ازواج نے سنا تو ایک دوسری کی طرف دیکھا اور آنکھوں سے اشارے کیے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس حرکت کو پسند نہ کیا اور ارشاد فرمایا:

''اللہ کی قسم! صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنے دعویٰ میں صادق ہے۔''

دینِ اسلام کی تکمیل کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ماہِ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری میں واپس بُلا لیا تو عاشقانِ رسول کی دنیا اندھیر ہو گئی، انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قیامت تک کے لیے جدا ہو گئے ہیں جس وقت یہ سانحہ عظیم برپا ہوا تو اس وقت سیّدہ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۲۱ اور ۲۲ سال کے درمیان تھی اور اپنے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں تقریباً چار سال گزارے تھے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے کے بعد زندگی کا لق و دق صحرا نگاہوں کے سامنے پھیلا ہوا تھا اب تو صرف ایک ہی مقصدِ حیات تھا کہ اپنے روحانی بیٹوں اور بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کریں لہٰذا دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے زمانے میں علم کا مرکز تھیں۔ مدینے کی خواتین تو مختلف مسائل کی تشریح و وضاحت کے لیے حاضرِ خدمت ہوتیں مگر باہر سے بھی وفود آ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی و خانگی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کیا کرتے تھے۔

حضرت صہیرہ بنت جیفر رضی اللہ تعالیٰ عنہا حج کر کے سیّدہ اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمتِ عالیہ میں مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے وہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضرت صہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی یہی مقصد تھا اس لیے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے۔ ایک فتویٰ نبیذ کے

marfat.com

متعلق تھا' حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنا تو فرمایا:

''اہلِ عراق اس مسئلے کو اکثر پوچھتے ہیں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی اور دینِ اسلام کی خدمت میں شب و روز گزر رہے تھے کہ عہد فاروقی آ گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُم المومنین حضرت سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سالانہ وظیفہ ۱۲ ہزار درہم مقرر فرمایا۔

دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا وظیفہ بھی اتنا ہی تھا۔

سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک کنیز تھی' ایک دن وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

''اے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اب بھی یہودیت کی بو پائی جاتی ہے' وہ اب بھی ہفتہ کے دن کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں سے قلبی تعلق رکھتی ہیں اور انہیں مال دیتی دلاتی رہتی ہیں۔''

سنا تو امیر المومنین بہ نفس نفیس خود اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں تشریف لے گئے تا کہ اس شکایت کی تصدیق کر سکیں جب بیٹھ گئے تو پوچھا:

''اے اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا! ہفتہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

جواباً فرمایا:

''جب اللہ عزوجل نے مجھے ہفتہ کی جگہ جمعہ عنایت فرمایا ہے تو ہفتے کو اچھا سمجھنے اور اسے دوست رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

سنا ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہودیوں سے لگاؤ ہے؟''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا تو بولیں:

''ہاں! یہودیوں سے لگاؤ ضرور ہے' وہ میرے خونی رشتے دار ہیں' مجھے صلہ رحم کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔''

خلیفہ ثانی سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُم المومنین کی صاف گوئی سے مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔

marfat.com

ان کے . نے کے بعد سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی کنیز سے دریافت فرمایا:

''امیر المومنین سے شکایت تم نے کی تھی؟''

''ہاں!''

کنیز نے کہا۔

''کس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر اُکسایا تھا؟''

اُم المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت فرمایا۔

''شیطان نے''

کنیز نے جواب دیا تو فرمایا:

''جا میں نے تجھے اللہ کی راہ میں آزاد کیا۔''

زندگی رواں دواں رہی' اپنے روحانی بیٹوں اور بیٹیوں کی تربیت کا جو بیڑا سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُٹھایا تھا اس کی تکمیل جاری تھی کہ عہد عثمانی آ گیا۔ ۳۵ ہجری میں بدانجاموں نے حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کر لیا۔ اُم المومنین حضرت سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علم ہوا تو بے چین ہو گئیں' وہ تو کسی کا دُکھ دیکھ نہیں سکتی تھیں جب ان پر ضروریاتِ زندگی مسدود کر دی گئیں تو اب صبر کا یارا نہ تھا۔ چنانچہ وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کی ضروریاتِ زندگی کا سامان پہنچانے کے لیے چل پڑیں۔ سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ان کا غلام کنانہ بھی تھا۔

جب وہ خلیفہ سوئم امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے قریب پہنچیں تو بلوائیوں کے سرغنہ اشتر نخعی نے کنانہ کو دیکھ کر پہچان لیا' بھاگا آیا اور خچر کو مارنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک طرف کو جھک گئیں اس کم بخت کو اس عظیم ہستی کا بھی خیال نہ آیا' حالات اس قدر مخدوش ہو چکے تھے کہ ان جہنمی باغیوں کا مقابلہ ممکن نہ تھا۔ چنانچہ فرمایا:

''مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں' میں واپس جاتی ہوں' میرے خچر کو چھوڑ دو۔''

باغی' جہنمی اشتر نے خچر چھوڑ دیا تو اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپس لوٹ گئیں

marfat.com

اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلوا بھیجا جب وہ آئے تو ان سے فرمایا:

''حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم آ کر کھانے پینے کا سامان مجھ سے لے جایا کرو اور محصور خلیفۃ المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچا دیا کرو۔''

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حامی بھر لی اور خورد ونوش کا سامان لے جا کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچاتے رہے لیکن طبقات میں ہے کہ سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے اور محصور خلیفہ کے گھر کی دیواروں پر لکڑی کا ایک تختہ رکھ کر آنے جانے کا راستہ بنا لیا تھا اور اسی راہ سے انہیں با آسانی خورد ونوش کا سامان پہنچا دیا کرتی تھیں۔

شک انسان کی زندگی میں تلخیاں گھول دیتا ہے' شبہ کے مقام سے بچنے کے متعلق سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت ہے اور وہ اس کے متعلق ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے اور سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے کسی کام کے سلسلے میں ملنے گئیں تھیں' ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر چھوڑنے آئے تو دو انصاریوں نے دیکھا' ان کو بُلا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

''یہ صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہیں۔''

انہوں نے عرض کیا تھا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم کوئی غیر بات سوچ سکتے ہیں؟''

تو ارشاد فرمایا:

''شیطان انسان کے جسم میں خون کی گردش کی مانند ہے' خوف پیدا ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی شبہ نہ ڈال دے۔''

لہٰذا فرمایا کرتی تھیں کہ انسان کو ہمیشہ ایسے مقامات سے بچنا چاہیے۔

اگرچہ سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک متفق علیہ ہے اور بقیہ دوسری کتب احادیث میں ہیں لیکن ان کے راویان میں حضرت زین العابدین' حضرت اسحاق بن عبداللہ بن حارث' حضرت مسلم بن صفوان' حضرت کنانہ اور حضرت یزید بن معتب جیسے مشہور تابعین شامل ہیں۔

marfat.com

وقت اپنے قدم آگے بڑھاتا رہا اور وہ حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ادوار میں سے ہوتا ہوا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک دور میں پہنچا تو اُم المومنین حضرت سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کا وقت آگے بڑھنے سے رُک گیا۔

یہ ۵۰ ہجری کا زمانہ تھا اور خلیفۃ المسلمین حضرت امیر معاویہ کاتب وحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' ہر طرف امن و امان کی فضا قائم تھی اور فتوحات کا سلسلہ دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے جو نقصان ملتِ اسلامیہ کو پہنچا تھا اس کی بہت حد تک تلافی ہو چکی تھی اور مسلمان پھر ایک جھنڈے تلے بحر و بر میں گھوڑے دوڑا رہے تھے۔

جب دَم واپسیں آیا تو سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت فرمائی کہ میری ایک لاکھ درہم کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد میں سے ایک تہائی میرے یہودی بھانجے کو دیا جائے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا جو ذاتی مکان تھا' وہ پہلے ہی اللہ کی راہ میں دے چکی تھیں جب وصیت فرما چکیں تو آنکھیں آخرت کے جھروکوں میں جھانکنے لگیں اور پھر مدینہ کے گلی کوچوں میں شور مچ گیا۔

''اُم المومنین حضرت سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا انتقال فرما گئیں۔''

بوقتِ وصال آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ساٹھ (۶۰) سال تھی اور پھر اُم المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنازہ اُٹھا' لوگوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت اُم سلمہ' حضرت جویریہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن اپنی بہن کے جنازے کو لے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور پھر اسے لے جا کر جنت البقیع میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

اُم المومنین حضرت سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وصیت کے اس حصے پر جس کے تحت ایک تہائی یہودی بھانجے کو دینے کے لیے کہا گیا تھا' تامل کیا گیا جب اس کی خبر اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہوئی تو ارشاد فرمایا:

''لوگو! اللہ سے ڈرو اور صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی وصیت پوری کرو۔''

اور پھر اس ارشاد پر وصیت کی تعمیل کر دی گئی۔

marfat.com

اُم المومنین حضرت میمونہ بنت حارث
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حکمتِ نکاح

حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریش کے اکثر معزز خاندانوں سے نہایت قریبی رشتے کے تعلقات تھے۔ اہل مکہ کو ڈر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شادی کی وجہ سے وہ خاندان اسلام سے وابستہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس شادی کی وجہ سے نجد کے علاقے پر بڑے مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ اہل نجد سے قرابت داری کی وجہ سے ان کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی و عداوت پر قائم رہنا ممکن نہ رہا۔ لوگوں کے دلوں میں اسلام کی روشنی پھیلنے لگی۔ مشہور معززین دامن اسلام سے وابستہ ہونے لگے۔ قبیلہ ہلال بن عامر نے اپنی وفاداریاں اسلام اور اہل اسلام کے لئے وقف کر دیں اور اطاعت کا اعلان کیا۔

marfat.com

نصف دیں اُن کے توسط سے ملا ہے دوستو
چاندنی دین متیں ہیں اُمہات المؤمنین

marfat.com

حالاتِ زندگی

صدیوں پرانی بات ہے مکہ سے جو راستہ مدینہ منورہ کو جاتا ہے اس سے دس میل کے فاصلے پر ایک موضع سرف ہے' وہاں ایک چبوترے کے نیچے ایک مزار پاک تھا جس کے آثار تو اہلِ نجد نے مٹا دیئے تھے لیکن اس کا نشان ہنوز موجود ہے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ اور مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جو لوگ آتے جاتے تھے وہ جب اس موضع میں پہنچتے تو ان کے سرادب وعقیدت ومحبت سے جھک جاتے اس مزار اقدس پر جاتے اور نظریں جھکا کر بیٹھ جاتے تو ان کے قلوب وارواح پر طمانیت وسکینہ کی جلوہ گری ہونے لگتی' سکون و اطمینان سے سینہ معمور ہو جاتا' غموں کے بادل اور پریشانیوں کے اندھیرے نہ جانے کہاں غائب ہو جاتے کیونکہ انہیں یہ احساس گھیر لیتا تھا کہ وہ اپنی ماں کے مبارک قدموں کی جنت میں بیٹھے ہیں جہاں سکھ' طمانیت اور راحت کے سوا کچھ نہ تھا اور جب وہ اپنی ماں کے قدموں سے اُٹھ کر جانے لگتے تو انہیں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان کا تہی دامن مرادوں سے بھر گیا ہو' یہ مزار پاک اُم المومنین سیدہ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا۔

وقت کے بہتے ہوئے دھارے میں حالات وواقعات مختلف روپ دھارتے رہے' صدیوں کے فاصلوں نے لوگوں کے خیالات وافکار پر گہرے نقوش ثبت کیے' سوچوں میں تبدیلیاں رونما ہوگئیں۔ اور پھر ایسے لوگوں کی بہتات ہوگئی جو سرف کے مقام سے گزر کر اپنی اپنی منزلوں کی طرف رواں دواں رہتے ہیں لیکن انہیں اس کا خیال تک نہیں آتا کہ چند لمحے اپنی ماں کے قدموں میں رُک کر ان کے حضور سلام پیش کریں جہاں انوار

marfat.com

وتجلیاتِ الٰہیہ کی ہر وقت برسات لگی رہتی ہے لیکن آج بھی وہ لوگ جن کے دلوں میں احترام اہلِ بیت موجود ہے وہ اپنی ماں کے قدموں میں حاضر ہوئے بغیر موضع سرف سے گزر جانے کو سوئے ادب تصور کرتے ہیں لہٰذا وہ وہاں پہنچ کر ادب وعقیدت سے سرنگوں کر لیتے ہیں اور پھر رحمتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے اپنی اپنی راہوں پر بڑھنے لگتے ہیں۔ یہ ادب واحترام اور عقیدت ومحبت کا سلسلہ کئی صدیوں سے جاری وساری ہے اور تا قیام قیام برقرار رہے گا۔

اُم المومنین سیدہ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس جہانِ فانی سے کوچ فرمایا تو ان کے حقیقی بھانجے مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کے علاوہ دوسرے بھانجوں حضرت زید بن اصم' حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید اور حضرت عبیداللہ الخولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی خالہ کے مقدس جسد کو لحد میں اُتارا اس وقت ان کا سر مبارک ایک طرف کو جھک گیا' اسے سیدھا کرنے کے لیے سرِاقدس کے نیچے چادر رکھ دی گئی تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''سر مبارک کے نیچے سے چادر نکال کر اس کی جگہ ایک پتھر رکھ دو۔''

قبیلہ قیس بن عیلان کے حارث عامر یہ ہلالیہ اپنی زوجہ ہند بنت عوف کے ساتھ جو قبیلہ حمیر سے تھیں' بڑی خوش گوار زندگی بسر کر رہا تھا۔ دونوں میاں بیوی میں بڑا پیار اور سلوک تھا' ان کے ہاں حضور اکرم سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت فرمانے سے سولہ سال قبل ایک بچی نے جنم لیا جس کا نام انہوں نے برہ رکھا۔

بچی بڑی خوب صورت تھی' وقت کے ہم آہنگ جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی تو اپنی بھولی بھالی شرارتوں اور پیاری پیاری باتوں کی وجہ سے ماں باپ کی نگاہوں کا مرکز بنتی چلی گئی۔ وہ اس کا بڑا خیال رکھتے تھے اور اس کی ننھی منی خواہشوں کو پورا کرنے میں ہمہ وقت تیار رہتے تھے لیکن وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ آنے والے وقت میں یہ بچی کس قدر عظیم عورت ہوگی کہ جب اس کا نام لیا جائے گا تو نام سننے والوں پر اس کا ادب

marfat.com

واحترام لازم ہو جائے گا اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ ایک ایسی عظیم ہستی کے حبالہ عقد میں آ جائے گی جو خدائے بزرگ و برتر کا محبوب اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔

جب ہادیٔ برحق ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے فاران کی چوٹیوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کا نعرہ بلند کیا اور اعلانِ نبوت فرمایا تو اس وقت برہ بنت حارث کی عمر سن شعور میں داخل ہو چکی تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ عابہ وسلم کی آواز نے مکہ کے گلی کوچوں کے اندر ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔ یہ آوازۂ حق برہ بنت حارث کے کانوں میں بھی پہنچا تھا جس میں ایک عجیب طرح کی کشش و مقناطیسیت تھی لیکن گردونواح میں پھیلے ہوئے کفرو الحاد کے اندھیروں کی وجہ سے وہ ان کے پار نہ دیکھ سکی جہاں نور و نکہت، روشنیوں، راحتوں اور خوشبوؤں کی حکمرانی تھی۔

جب بچی جوان ہو جائے تو والدین کو فکر ستانے لگتی ہے کہ اس کی جلد سے جلد کسی اچھی جگہ پر شادی ہو جائے لہٰذا برہ بنت حارث جب سن بلوغت کو پہنچیں تو بیٹی کی شادی کے لیے ان کے والدین نے رشتہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ رشتہ تلاش کرتے وقت رُتبے اور قبیلے کا خیال رکھا جاتا تھا لہٰذا یہ عہد جاہلیت کی بات ہے کہ مسعود بن عمر بن عمیر ثقفی کا رشتہ آیا، والدین نے برہ کی شادی اس سے کردی اور انہوں نے ایک نئی زندگی کا آغاز کر دیا۔

زندگی کی گاڑی سہانے سپنوں کے جلو میں شب و روز کی پٹڑی پر اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگی لیکن کچھ ہی عرصے بعد زندگی کے سہانے خواب بکھرنے لگے اور ازدواجی زندگی میں تلخیوں کا زہر گھلنے لگا۔ باہمی نااتفاقی نے میاں بیوی کے درمیان فاصلے پیدا کر دیئے اور پھر ایک دن برہ بت حارث کو طلاق ہوگئی اور وہ اپنے والدین کے گھر آ کر بیٹھ گئیں۔ ازدواجی زندگی کا وہ خواب جو شادی سے قبل دیکھا تھا، وہ چکنا چور ہو چکا تھا اب وہ مطلقہ تھیں۔

طائر وقت محو پرواز تھا اور نہ جانے کن اَن دیکھی منزلوں کی طرف اُڑا چلا جا رہا تھا۔ برہ بنت حارث کی زندگی کی گاڑی ایک ایسے مقام پر آ کر رُک گئی تھی جس کے بارے

marfat.com

میں انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ ان کے والدین جو بیٹی کو بیاہنے کے بعد اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے تھے انہوں نے پھر بیٹی کا گھر آباد کرنے کے لیے اس کے رشتے کی تلاش شروع کر دی۔ تھوڑے عرصے کے بعد قبیلہ بنی عامر بن لوی کے ابورہم بن عبدالعزیٰ کا رشتہ آیا۔ والدین نے جب ہر لحاظ سے اسے اہل پایا تو بیٹی کو اس کے ساتھ بیاہ دیا اور برہ کی زندگی کی گاڑی جو مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی کے بعد ایک ویرانے میں جا کر رک گئی تھی، وہ پھر کسی خوش گوار اور حسین منزل کی طرف چل پڑی۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ گردشِ زمانہ انہیں ایسی منزل کی طرف لے جا رہی ہے جس کا کوئی ثانی نہیں تھا لیکن وہ منزل ہنوز مستقبل کے پردوں میں پوشیدہ تھی۔

ابورہم بن عبدالعزیٰ کے ساتھ برہ بنت حارث کی زندگی بڑی پُرسکون گزر رہی تھی۔ پہلے اور دوسرے شوہر میں سے ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں لیکن ابورہم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس کا دوسری بیوی سے ایک لڑکا تھا جس کا نام حضرت ابوبرہ بن ابورہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، یہ قدیم الاسلام تھے اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابیوں میں سے تھے جب اعلانِ نبوت کے بعد کفار و مشرکین مکہ نے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر شدائد و مصائب اور اذیتوں کے پہاڑ توڑ دیئے تھے تو حضرت ابوبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کی تکالیف سے محفوظ نہیں تھے اور جب ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو یہ بھی مہاجرین میں شامل تھے۔ سیر کی کتب میں مرقوم ہے کہ انہوں نے حبشہ اور مدینہ پاک کی طرف دو ہجرتیں کی تھیں۔ مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عقد مواخات حضرت سلامہ بن وقش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کرا دیا تھا۔

حضرت ابوبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام غزوات میں شرکت کی اور خوب دادِ شجاعت دی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ غلام ہونے کے ناطے سے ہر محاذ پر دشمنوں سے جنگ کی اور جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت ابوبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل مکانی فرما کر مکہ مکرمہ میں جا کر

marfat.com

آباد ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔

ابورہم اور ان کی اہلیہ برہ بنت حارث زندگی کے دن گزار رہے تھے' ان کے اردگرد جگہ جگہ اسلام کے چراغ روشن ہو رہے تھے لیکن ان کی روشنی ابھی ان کے آنگن میں داخل نہیں ہوئی تھی' ابھی وہاں کفر کے اندھیرے محیط تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ برہ بنت حارث کے ذہن میں اسلام کی روشنی کبھی کبھار لہر کی شکل میں اُبھرتی اور پھر جلد ہی کہیں غائب ہو جاتی۔

وقت ان دونوں میاں بیوی کو اس دور میں لے گیا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائے سات برس گزر چکے تھے اس وقت برہ بنت حارث کی عمر ۳۶ سال تھی کہ ابورہم بن عبدالعزی بن ابی قیس کی کتابِ زندگی کا اختتام ہو گیا۔ یہ صدمہ پہلے صدمے سے زیادہ شدید تھا اب ان کی زندگی نے بیوگی کا روپ دھار لیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے شب و روز ایک جگہ پہنچ کر رُک گئے ہوں۔

برہ بنت حارث کی سرپرست اب ان کی بہن حضرت اُم الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جنہیں انہوں نے اپنی دیکھ بھال اور شادی کے معاملات کا اختیار دے رکھا تھا کہ جہاں مناسب سمجھیں' اس کی شادی کر دیں۔ بیاہ کے یہ اختیارات حضرت اُم الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ دیئے تھے۔

ذی القعد ۶ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغرض عمرۃ القضاء مکہ مکرمہ تشریف لے گئے لیکن کفار و مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمراہی اصحاب کو اس کی اجازت نہ دی اور صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق طے پایا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرامؓ اگلے سال آ سکتے ہیں لہٰذا بغیر عمرہ کے یہ مقدس جماعت واپس مدینہ منورہ لوٹ گئی۔

خیبر کی فتح کے بعد مسلمان مدینہ منورہ میں اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے اور

marfat.com

قدرت نے جو نعمتیں انہیں عطا کی تھیں' ان سے بہرہ اندوز ہو رہے تھے اس عرصے میں انہیں جنگ کا خیال تک بھی نہیں آیا۔ ہاں البتہ اگر کوئی ان کے حقوق پر دست درازی کرتا تو اس کی سرکوبی کے لیے کبھی کبھی کوئی فوجی دستہ بھیجنا پڑتا تھا۔ الغرض جب سال اختتام پذیر ہوا اور ماہ ذیقعدہ ۷ ہجری کا آغاز ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی معیت میں قرارداد حدیبیہ کے بموجب عمرۃ القضاء کرنے کی نیت سے عازم مکہ ہوئے تاکہ ان لوگوں کی آتشِ شوق سرد ہو جائے جو بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے مثل ماہی بے آب تھے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عمرۃ القضاء کی بجا آوری کے لیے جس سے وہ گزشتہ سال روک دیئے گئے تھے' تیاری کا حکم دیا اس امر کا اندازہ لگانا آسان نہیں کہ اس حکم کے سنتے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے کس شوق و جذبہ کا اظہار کیا ہوگا' دلوں کی کیفیت کیا ہوگی اور خیالات کی پرواز کہاں کہاں پہنچی ہوگی۔ ان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں مہاجرین بھی تھے جنہیں مکہ مکرمہ کو چھوڑے ہوئے سات سال کی مدت گزر چکی تھی اور انصار بھی جن کے اہلِ مکہ سے تجارتی تعلقات و روابط تھے' ان دونوں حضرات کو بیت اللہ کی زیارت کا اشتیاق فراواں تھا اور اس شوق و اشتیاق کا اندازہ صرف اس ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ گزشتہ سال یعنی ۶ ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے والوں کی تعداد ۱۴۰۰ تھی جبکہ اس سال یہ تعداد بڑھ کر ۲۰۰۰ ہو گئی تھی۔

قرارداد حدیبیہ کے مطابق عمرۃ القضاء کے لیے آنے والوں کو بجز ایک تلوار کے اور وہ بھی نیام میں ہو' کوئی اور ہتھیار ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدشہ تھا کہ قریش کوئی بھی فریب دے سکتے ہیں لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو سواروں پر مشتمل ایک جماعت تیار کی جس کی امارت حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی اس دستے کو ہراول کے طور پر پہلے بھیج دیا گیا اور امیر دستہ کو فرما دیا:

marfat.com

''تم حرم مکہ میں داخل نہیں ہو گے بلکہ وادی مرالظہران میں ٹھہرو گے۔''

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو سر تسلیم خم کر دیا اور پھر اپنے دستہ کو ساتھ لے کر منزل کی طرف رواں ہو گئے۔

مسلمانوں کے ہمراہ ستر (۷۰) اونٹنیاں بھی تھیں' یہ قافلہ مدینہ منورہ سے اس صورت میں روانہ ہوا کہ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصوا پر ان کے آگے آگے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلو میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا قافلہ تھا جسے بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف کا جذبہ کشاں کشاں لیے جا رہا تھا۔

مہاجرین میں سے ہر شخص اپنے منشا و مولد اور اس مقام کو دیکھنے کا متمنی تھا جہاں اس نے بچپن کے دن گزارے تھے اور جوانی کی منزل میں قدم رکھا تھا۔ ان کے دلوں میں یہ تمنا بھی کروٹ لے رہی تھی کہ وہ اپنے دوستوں سے ملاقات کریں اور اپنے وطن کی فضا میں کچھ دن سانس لیں۔ وہ اس مبارک سرزمین کی خاک احتراماً اپنے جسم و چہرے پر ملنے کے لیے بے قرار و مضطرب تھا جس کی آغوش میں ان کے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں کھولی تھیں اور جسے اسلام میں سب سے پہلے مقام نزولِ وحی ہونے کا شرف حاصل تھا۔

قافلہ تیزی سے چلا جا رہا تھا' منزل جیسے جیسے قریب آ رہی تھی' دل و دماغ کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی' سینے میں جذبات کا تلاطم تھا اور جب یہ قافلہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ کر رُکا اور اونٹوں کو بٹھایا تو لوگ اپنے آخری ایام اور عہد طفولیت کے متعلق گفتگو کرنے لگے اس دوران میں ان دوستوں اور جائیداد کا بھی ذکر ہوا جو انہوں نے ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ میں صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے چھوڑی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے سات سال پیچھے چھوڑے ہوئے ماضی میں کھو گئے تھے اور مکہ میں گزارے ہوئے ایک ایک لمحہ کی تصویر نگاہوں کے سامنے گھوم رہی تھی۔ کبھی انہیں عہد جاہلیت کا نقشہ نظر آتا تو دل سینے کے اندر ڈوبنے لگتا اور جب انہیں دامنِ اسلام سے وابستہ ہونے پر اپنے دوستوں اور عزیزوں کے شدائد اور سختیاں یاد آتیں تو ان کی بے عقلی

marfat.com

پر اظہارِ تاسف کرتے اور جب انہیں رسول رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی رافت و رحمت اور اندھیروں سے روشنیوں کی طرف لانے کا عظیم احسان یاد آتا تو گردنیں عقیدت و محبت سے جھک جاتیں اور ان کے لبوں پر بے ساختہ یہ الفاظ تیر جاتے:

''اے اللہ جل جلالہ! تیرا کس طرح شکر ادا کریں کہ تو نے ہمیں اپنا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمایا اور ہمیں کفر و الحاد اور گمراہی کے گہرے غاروں سے نکال کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور قدوم ممنیت لزوم میں بیٹھنے کی سعادتِ عظمیٰ عطا کی جس کا کبھی شکر ادا ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اے اللہ! تو کس قدر رحیم و کریم ہے۔''

قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی آمد کا علم ہو گیا تھا تو وہ قرار دادِ حدیبیہ کے مطابق مکہ مکرمہ سے باہر آ گئے۔ انہوں نے شہر کے قریب ٹیلوں پر اپنے خیمے نصب کر لیے' بعض نے درختوں کے زیر سایہ پناہ لی۔ اہلِ مکہ نے بوقیس' حرا اور مکہ پر بلند مقام سے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ کل جس ہستی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے مکہ مکرمہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا تھا' اپنے اصحاب کے ہمراہ مکہ میں داخل ہو رہی ہے اور کوئی مزاحم نہیں ہوتا۔ مسلمان مکہ میں شمال کی جانب سے داخل ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے باقی جو پاپیادہ اور شتر سوار تھے' ان کے عقب میں تھے۔ جونہی بیت اللہ شریف پر ان کی نظر پڑی تمام مسلمانوں نے یک زبان ہو کر فلک شگاف نعرہ لگایا:

''لبیک! اللھم لبیک!''

انہوں نے اپنے دل و دماغ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا' ان کے دل امیدوں اور تمناؤں سے پُر اور اس ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے جذبے سے بھرپور تھے جس نے انہیں ہدایت ربی اور دین حق سے سرفراز فرمایا تھا۔

انصاف کی بات یہی ہے کہ یہ ایک ایسا بے نظیر منظر تھا جس پر تاریخ کو بجا طور پر فخر

marfat.com

ہے اور جس نے انتہائی سنگ دل مشرکین کو اسلام کی حقانیت کی طرف مائل کر دیا۔ اہلِ مکہ کی آنکھیں یہ نظارہ بڑے تعجب و حیرت سے دیکھ رہی تھیں اور لبیک لبیک کے جانفزا نعرے جو زبانوں سے ہی نہیں بلکہ دلوں کی گہرائیوں سے بلند ہو رہے تھے ان کے کانوں سے گزر کر دل و دماغ کی خلوت سراؤں میں گونج رہے تھے۔ ان نظارہ کرنے والوں میں برہ بنت حارث بھی تھیں جو اسلام کی شان و شوکت، نظم و انصرام اور کردار و اخلاق کا بے مثال مظاہرہ دیکھ رہی تھیں، روح کی گہرائیوں سے وہ دینِ اسلام کی حقانیت کی مداح و گرویدہ ہو چکی تھیں اگر یوں کہا جائے کہ دل ہی دل میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گرویدہ و غلام بن چکی تھیں تو یہ زیادہ درست ہے۔ ان جذبوں نے ان کے وجود بابرکت کے اندر عجیب طرح کی طمانیت و سکون کی کیفیت پیدا کر دی تھی، ماضی کے اندھیرے ان کی نظروں کے سامنے سے غائب ہو گئے تھے اور اب حدِ نظر تک روشنیاں ہی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

جب حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک ایک طرف سے اپنے بائیں کندھے پر ڈال کر اور دوسری طرف سے داہنی بغل کے پیچھے سے گزار کر اپنے جسم اقدس واطہر پر ڈال لی اور اپنا دایاں بازو باہر نکال کر فرمایا:

''اے اللہ تبارک و تعالیٰ! اس شخص پر رحم فرما جو آج دشمنوں کو اپنا زورِ بازو دکھائے۔''

پھر آپ نے حجر اسود کے قریب رُکن یمانی کو مس کیا اور سعی فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہی بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سعی میں شریک ہو گئے جب رُکن یمانی کو چھو چکے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آہستہ چلے اور حجر اسود کو چھوا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ سعی فرمائی اور تین بار طواف فرمایا لیکن باقی طواف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ روی سے کیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعی فرماتے تو دو ہزار جانثاران و عاشقان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بھی ہمراہ دوڑتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ

marfat.com

وسلم کی رفتار آہستہ ہوتی تو ان کی رفتار بھی مدہم پڑ جاتی۔

قریش یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حیران ہو رہے تھے اس سے پہلے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے بارے میں ایسی باتیں کیا کرتے تھے جن کی بنیاد نہیں ہوتی تھی۔ مثلاً وہ کہا کرتے تھے:

''مسلمانوں کی حالت کچھ اچھی نہیں ہے اور دن خستہ حالی کے عالم میں گزار رہے ہیں۔''

لیکن جب انہوں نے یہ نقشہ دیکھا تو ان کے خیالات کے دھارے بدل گئے' جوش وخروش میں آ کر حضرت عبداللہ بن روحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش کو جنگ کا چیلنج دینا چاہا مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اس سے باز رکھا اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اے ابن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! صبر کرو اور یہ کہو سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں ہے جس نے اپنے بندے کی مدد کی' لشکر اسلام کی لاج رکھی اور گروہ قریش کو ذلت و خواری کے گڑھے میں دھکیلا۔''

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ الفاظ بلند آواز کے ساتھ دہرائے اور اس کے بعد تمام مسلمانوں نے ان کا اعادہ کیا۔ اس آواز سے تمام وادی گونج اٹھی اور اردگرد کے پہاڑوں اور ٹیلوں پر جو لوگ قیام پذیر تھے' ان کے دل اس آواز کی ہیبت سے لرز اٹھے مگر برہ بنت حارث کے کانوں میں جب یہ آواز ہوا کے دوش پر سوار پہنچی تو انہیں اس میں بڑی مقناطیسیت محسوس ہوئی وہ کافی دیر تک اس آواز کی سحر انگیزی میں محو رہیں اور آنکھیں خود مسلمانوں پر جمی تھیں جو اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا پر محبتوں کے پھول نچھاور کر رہے تھے' اتباع میں جوش و جذبہ کا اظہار کر رہے تھے اور حکم کے آگے سرنگوں کیے ہوئے تھے۔

جب مسلمان طواف کعبہ سے فارغ ہوئے تو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو صفا و

marfat.com

مروہ کی طرف لے گئے اور رسوم عرب کے بموجب ان کے مابین سات بار سعی فرمائی۔ بعدازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کے نزدیک قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا اور اپنے بال مبارک ترشوائے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مراسم عمرہ کی ادائیگی سے فراغت حاصل کی۔

اگلے دن سید المرسلین، خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کعبے میں داخل ہوئے اور نمازِ ظہر تک وہاں قیام فرمایا ابھی تک بت کعبہ میں تھے تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر نمازِ ظہر کے لیے اذان دی۔ عجیب دل نواز منظر تھا' اذانِ بلالی میں ایسا درد' ایسی محبت اور ایسا عشق تھا کہ دل مسحور ہو رہے تھے اس روز سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہزار مسلمانوں کی معیت میں سات سال کے بعد کعبۃ اللہ میں اسلامی طریقہ سے نماز ادا کی تھی۔

معاہدہ حدیبیہ کی رو سے مسلمانوں نے تین دن تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا تھا' اہلِ مکہ شہر سے باہر خیموں میں تھے' مسلمان جہاں چاہتے' جاتے تھے اور اپنے ہمراہ انصاری دوستوں کو بھی لے جاتے تھے۔ گویا اس پُرامن شہر پر انہیں کا قبضہ تھا۔

سب کے سب احکام اسلام پر کاربند تھے' روزانہ نمازیں ادا کرتے' غرور نفس کو پامال کرنے کی سعی کرتے تھے' ان میں جو طاقت ور تھے' وہ کمزوروں اور ناتوانوں کی دستگیری اپنا فرض سمجھتے تھے' دولت مند اور امراء محتاجوں اور حاجت مندوں سے حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ان کے درمیان ایک مہربان و مشفق باپ کی سی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے خوش طبعی فرماتے اور کسی سے مزاح لیکن حقیقت کے خلاف کوئی لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر نہ آتا' یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہ تھی۔ قریش اور اہلِ مکہ اپنے اپنے گھروں کی چھتوں سے یہ دل فریب و تاریخی اہمیت کا حامل منظر بغور دیکھ رہے تھے' ان کی نگاہوں کے سامنے وہ لوگ تھے جن کے اخلاق بلند اور جن کے اطوار شائستہ تھے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر و فیض تھا کہ وہ ہر طرح کی بُری علت سے پاک تھے' نہ شراب

marfat.com

پیتے تھے اور نہ کسی مکروہ گناہ کا ارتکاب کرتے تھے۔ خورد و نوش کی عام مشغولیتوں کے علاوہ فتنہ و فساد کی آلودگیوں سے ان کا دامن داغ دار نہ تھا' کوئی چیز انہیں حق و صداقت کی راہ سے منحرف نہ کر سکتی تھی' وہ کسی قیمت پر بھی احکامِ خداوندی سے سرتابی نہ کرتے تھے اور انہیں جو حکم دیا جاتا تھا اس کی بجا آوری کے لیے پوری تندہی سے کوشاں رہتے تھے۔ محبت کے ساتھ' ادب کے ساتھ' یہ نظارہ جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی عظمت پوری بلندیوں پر نظر آتی تھی اور جس کا تصور اہلِ مکہ اور قریش کے ذہن میں کبھی آ ہی نہیں سکتا تھا' زندگی کے اس انداز نے انہیں بے حد متاثر کیا اور ان کے دلوں پر گہرے نقوش ثبت کیے۔

ایک روز شافع یوم نشور صلی اللہ علیہ وسلم احرام کھولنے کے بعد تشریف فرما تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے' ادب سے بیٹھ گئے اور عرض گزار ہوئے:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں' برہ بنت حارث اسی سال کے ابتدا میں بیوہ ہو گئی تھی۔''

یہ کہہ کر انہوں نے قدرے سکوت فرمایا اور پھر ان کی گزشتہ زندگی پر سے پردہ اٹھایا اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ برہ بنت حارث کو اپنے حبالہ عقد میں لے لیں۔''

''ٹھیک ہے میں اسے اپنے حبالہ زوجیت میں لے لیتا ہوں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجویز پر صاد کیا اور چار سو درہم مہر پر برہ بنت حارث کو اپنی زوجیت میں لینا قبول کر لیا اور ان کا نام تبدیل کر کے میمونہ رکھ دیا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۶۰ برس تھی۔

بعض مؤرخین کے مابین یہ اختلاف چلا آ رہا ہے کہ آیا یہ نکاح حالت احرام میں کیا

marfat.com

تھا یا احرام سے نکل آنے کے بعد یہاں اس کی وضاحت ضروری ہے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں جنم لینے والے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو۔ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم شریف میں ایک باب کا عنوان باندھا ہے۔ ''بحالتِ احرام نکاح کرنا حرام اور نکاح کا پیغام دینا مکروہ ہے۔''

اس باب کے تحت کئی روایات ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''محرم (احرام کی حالت میں) نہ اپنا نکاح کرے اور نہ کسی دوسرے کا نکاح کرے۔''

حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بھانجے یزید بن اصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اس حالت میں نکاح کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام میں نہیں تھے۔''

امیر المومنین حضرت عمر بند عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں جب اس مسئلہ پر بحث وتکرار ہوئی تو انہوں نے جزیرہ کے گورنر میمون کو لکھا کہ وہ حضرت یزید بن اصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کر کے لکھیں تو انہوں نے بتایا:

''حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی مبارک بغیر احرام کی حالت میں ہوئی اسی حالت میں رخصتی ہوئی اور اسی حالت میں مقام سرف پر رسم عروسی ادا کی گئی۔

رئیس التابعین حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے کہا:

''عکرمہ کا خیال ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم المومنین سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے احرام کی حالت میں نکاح کیا تھا تو حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''وہ جھوٹا ہے۔''

اسے جا کر ڈانٹا۔

اور پھر حدیث پاک بیان کی:

marfat.com

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور احرام کھولنے کے بعد نکاح کیا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی مبارک کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔

ایک روایت ہے کہ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے سے اپنے خادم حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت اوس بن خولی کے ساتھ وکیل بنا کر بھیجا اور انہوں نے ایجاب وقبول کیا۔ حضرت قتادہ وعکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالوں سے روایت ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا نفس ہبہ کر دیا تھا۔ ایک تیسری روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب نکاح کا پیغام پہنچا تو اس وقت حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ پر سوار تھیں، جواب دیا:

''اونٹ اور جو کچھ اس پر ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔''

مگر درست روایت وہی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خود درخواست کی تھی کہ وہ برہ بنت حارث سے نکاح فرمالیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرف قبولیت بخشا تھا۔

قرارداد حدیبیہ کے مطابق مسلمانوں کے سہ روزہ قیام مکہ کی مدت ختم ہو چکی تھی لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کی تقریب کے سلسلے میں کچھ اور مہلت طلب کرنا چاہی اسی اثنا میں سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ قریش کی جانب سے پہنچے اور عرض کی:

''مدت قیام ختم ہو گئی ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی مدینہ واپس تشریف لے جائیں۔''

سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں نے برہ جس کا اب نام میمونہ ہے، سے شادی کر لی ہے اگر مزید مہلت مل

marfat.com

جائے تو ولیمہ یہیں کروں اور تمہیں بھی اس ضیافت میں شرکت کا موقع دوں۔''

اس فرمان کا مقصد وحید یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر تھی کہ عمرہ قضا نے اہلِ مکہ کے دلوں پر گہرے نقوش مرتب کیے ہیں اور ان کی عداوتیں اور رنجشیں بہت حد تک کم ہو گئی ہیں۔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی جانتے تھے کہ اگر ان لوگوں نے ضیافت قبول کر لی اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفت وشنید کی تو مکہ کے دروازے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھل جائیں گے۔ سہیل اور حویطب کو بھی اس بات کا خدشہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے صاف صاف جواب دیا:

''ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کی ضرورت نہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحال یہاں سے تشریف لے جائیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مطالبے کو تسلیم کر لیا اور مسلمانوں کو روانگی کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے چل پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مولیٰ حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں چھوڑا تاکہ وہ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مقامِ سرف پر لے آئیں۔

عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کی اخلاقی' روحانی' معاشرتی لحاظ سے منزہ پاکیزہ زندگیوں کے مظاہرے نے کفار ومشرکین مکہ کو باور کرا دیا تھا کہ اسلام حقیقتاً ایسا دین ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے اور جو اس کا پیروکار بن جاتا ہے' وہ نہ صرف اپنی ذات کی بلکہ دوسروں کی کردار سازی بھی بطریق احسن سرانجام دے سکتا ہے۔ آنکھوں دیکھے واقعات کو جھٹلانا کسی کے بس کا روگ نہ تھا اس کا نتیجہ جو منطقی طور پر نکل سکتا تھا' وہ یہی تھا کہ وہ دلی طور پر اس دینِ حقہ اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کے معترف ہو چکے تھے۔

ان اثرات کے علاوہ وہ جن کا اب شکار تھے ان کے لیے ایک بات توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی اور وہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کرنا تھی۔ انہیں اپنے وہ کرتوت یاد آ رہے تھے جو انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

سے روا رکھے تھے‘ ان کا جینا دوبھر کر دیا تھا‘ گھاٹی میں محبوس ہونے پر مجبور کر دیا تھا اور آج سے سات سال قبل خفیہ طور پر ہجرت کر جانے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ رہا تھا۔ آج وہی ہستی ان کے شہر کی ایسی خاتون کو بیاہ کر ساتھ لے جا رہی تھی جس کے قریش کے اکثر معزز خاندانوں سے نہایت قریبی رشتے کے تعلقات تھے اور وہ چشم تصور سے دیکھ رہے تھے کہ آج نہیں تو کل حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عزیز واقرباء بھی وابستگان اسلام میں شامل ہو جائیں گے۔ یہی وہ سوچ اور فکر تھی جو انہیں مضطرب و بے چین کیے ہوئے تھی اور وہ کرب کے دہکتے انگاروں پر لوٹ رہے تھے‘ ان کے لیے یہ منظر سوہان روح سے کم نہ تھا کہ جس ہستی کو وہ خانہ کعبہ میں اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہ تھے‘ آج وہی عظیم و عالی مرتبت ہستی اپنے ہزاروں پیروکاروں کے ہمراہ اسی مقدس شہر میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جہاں چاہتے‘ تشریف لے جاتے تھے جبکہ اس شہر کے مکیں اپنے گھروں سے دُور ٹیلوں اور پہاڑوں پر خیمہ زن تھے۔

اس کرب انگیز کیفیت کی وجہ سے قریش مکہ کی طرف سے مختلف قسم کا ردعمل ظاہر ہوا۔ ایک جماعت وہ تھی جو اس انقلاب زمانہ کے اسباب وعلل پر تعمق کرنے کی بجائے جذبات سے کام لے رہی تھی جس کا وہ برملا اظہار کر رہی تھی اور وہ ناملائم لفظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کر رہی تھی اور اس نے اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بھی نازیبا الفاظ کہے۔ یہ الفاظ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنے تو انہیں سخت رنج ہوا لہٰذا ان لوگوں کو مخاطب کر کے انہوں نے فرمایا:

''تم کیا چاہتے ہو؟''

اس جماعت کے چند سرپھروں نے جنہوں نے اپنے خبث باطن کا اظہار کیا تھا‘ حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات سن تو منتشر ہو گئے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی مکہ مکرمہ میں جہاں انقلاب بپا کرنے کا موجب بنی وہاں اس کے مثبت اثرات نجد کے

marfat.com

علاقے میں بھی ظاہر ہوئے اور وہ یہ تھے کہ اہلِ نجد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری قائم ہوگئی تھی جس کے بعد ان کے لیے دشمنی و مخالفت کی روش پر قائم رہنا ممکن نہ رہا اور اس میں نمایاں حد تک تبدیلی آ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کا یقین تھا کہ عمرہ قضا نے قریش اور باقی تمام اہلِ مکہ کے دلوں پر گہرا اثر کیا ہے اور جلد ہی اس کا کوئی نتیجہ برآمد ہوگا لہٰذا تاریخ کے اوراق اس بات پر شاہد ہیں کہ مکہ سے واپسی کے تھوڑے ہی دنوں بعد (حضرت) خالد بن ولید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو قریش کے مشہور شہسوار تھے' انہوں نے ایک دن اپنے حلقہ احباب میں کہا:

''ہر دانش مند شخص پر یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ساحر ہیں نہ شاعر اور نہ مجنون' ان کی باتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں ہیں لہٰذا ہر عقل مند کا فرض ہے کہ وہ ان کی اطاعت واتباع کرے۔''

عکرمہ بن ابوجہل نے یہ بات سنی تو پریشان ہوگیا' وحشت اس کے چہرے پر نمایاں ہوگئی اور کہا:

''اے خالد! تو صابی ہوگیا ہے۔''

(حضرت) خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو فرمایا:

''صابی نہیں بلکہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔''

عکرمہ اور بھنایا۔ بولا:

''قریش میں سے جس شخص کی زبان سے ایسے الفاظ کی توقع نہ تھی' وہ تو تھا۔''

(حضرت) خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا:

''آخر اس کا سبب؟''

عکرمہ گویا ہوا:

''کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے باپ کو زخمی بھی کیا اور ذلیل وخوار بھی اور جنگِ بدر میں تیرا چچا اور اس کا بیٹا مسلمانوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ

marfat.com

اُترے۔ واللہ اگر تیری جگہ میں ہوتا تو ہرگز اسلام قبول نہ کرتا اور نہ اس قسم کے الفاظ میرے منہ سے نکلتے' تو نہیں جانتا کہ قریش اس سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عکرمہ بن ابوجہل کی بات سنی تو فرمایا:

''یہ معاملہ ایام جاہلیت کی عصبیت اور حمیت پر مبنی ہے لیکن اب تو حقیقت مجھ پر آشکارا ہو چکی ہے' میں نے دل و جان سے اسلام کو سینے سے لگا لیا ہے۔''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند گھوڑے آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کر دیئے تھے اور اپنے قبولِ اسلام کی اطلاع بھی بھجوا دی تھی جب اس کی اطلاع ابوسفیان کو ہوئی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوا بھیجا اور پوچھا:

''جو افواہیں تیرے متعلق گرم ہیں' کیا سچ ہیں؟''

''ہاں!''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا اور پھر بولے:

''جسے یہ پسند نہیں وہ بے شک خفا ہو جائے۔''

یہ سنا تو ابوسفیان ان پر ٹوٹ پڑا مگر عکرمہ بن ابوجہل نے جو وہاں موجود تھا' اسے روکا اور کہا:

''اے ابوسفیان! تمہیں جو خدشہ ہے' وہی مجھے بھی ہے ورنہ میں بھی وہی بات کہتا جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہی ہے اور میں بھی اسلام قبول کر لیتا۔''

ابوسفیان نے سنا تو عکرمہ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ عکرمہ پھر اس سے مخاطب ہوا:

''تم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس عقیدے کی بناء پر جو اس نے اختیار کیا ہے' قتل کر دینا چاہتے ہو؟''

''ہاں!''

ابوسفیان نے کہا۔

''یہ بات ہے تو سُن لو شاید تمہیں معلوم نہیں کہ قریش کے تمام لوگوں کا زاویہ نظر

marfat.com

بدل چکا ہے اور وہ بھی کچھ اسی قسم کے خیالات دلوں میں لیے بیٹھے ہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ ایک سال بھی گزرنے نہ پائے گا کہ تمام اہلِ مکہ اس عقیدے کے پیرو ہو جائیں گے۔''

اس واقعہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہو گئے اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت عمرو بن العاص اور کعبے کے پاسبان حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ان کی وجہ سے اور بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے جس سے اسلام کی قوت وشکوہ میں بہت اضافہ ہوا۔ ان باتوں سے ہر شخص سمجھ رہا تھا کہ وہ وقت دُور نہیں جب مکہ مکرمہ کے دروازے ہمیشہ کے لیے مسلمانوں پر کھل جائیں گے۔ یہ تھے وہ دُور رس نتائج جو عمرہ قضا اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کی وجہ سے مرتب ہوئے۔

جب تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے عمرہ قضا کے بعد روانہ ہوئے تو حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چند دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا تھا کہ وہ بعد میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے کر قافلے سے جا ملیں۔

شافع یوم نشور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سیدنا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دراقدس کی طرف چل پڑے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کی گاڑی جو دوسرے شوہر کی وفات پر بیوگی کے مقام پر آ کر رُک گئی تھی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں زوجیت میں قبول کرنے کی وجہ سے پھر متحرک ہو گئی تھی لیکن اب اس گاڑی کا رُخ جس منزل کی طرف تھا اس سے بڑھ کر کوئی دوسری منزل عظیم واعلیٰ نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کے وہم وگمان میں بھی

marfat.com

نہیں تھا کہ زندگی میں دو حادثات جو طلاق اور بیوگی کی شکل میں نمودار ہوئے تھے' ان کا انجام اس قدر خوب صورت اور حسین ہوگا اور وہ اُم المومنین کے مرتبہ پر فائز ہوں گی۔ اُم المومنین ایسا مقدس و اعلیٰ لقب جس کے مدمقابل تمام القابات کوئی معنی نہیں رکھتے اس کے نتیجے میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہ صرف اس کارگہ عالم میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہوگی بلکہ اخروی زندگی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و ہم نشینی حاصل ہوگی اب وہ زوجۂ رسول' اُم المومنین اور دوسری اُمہات المومنین کی صف میں شامل تھیں جن کا احترام اور عزت کرنا ہر مسلمان پر لازم و فرض ہے اور جو ان کا گستاخ و بے ادب ہے' وہ دائرۂ بارگاہِ خداوندی و مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر ہے۔

اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیست کی ناؤ ایک ایسے کنارے پر جا کر لگ گئی تھی جہاں صبح و شام اللہ عزوجل کی رحمتوں اور نوازشوں کا نزول ہوتا تھا اور ہو رہا ہے یہاں ہر طرف نور ہی نور پھیلا ہوا تھا' حسن ہی حسن تھا جو حد نظر تک بکھرا ہوا تھا' ہر سو خوشبو ہی خوشبو نے مہکار مچا رکھی تھی اور نظر نواز رنگ موجود تھے اور یہ شرف صرف اور صرف راحت انس و جن' ابد قرار' رسولِ عربی' تاجدارِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ اطہر کے ساتھ وابستہ ہونے کی برکت تھی۔

''یارب العالمین! یارب رحمۃ للعالمین! میں تیرا کس منہ سے اور کس طرح شکر ادا کروں کہ تو نے مجھے جس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمایا ہے اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔''

وہ سوچنے لگیں۔ چہرۂ اقدس پر نور تہہ در تہہ پھیلا ہوا تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں تشریف فرما تھے کہ اسی اثناء میں حضرت ابو رافع اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا کیونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ تھے' انہیں عزت سے بٹھایا اور تواضع کی۔

marfat.com

''فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ان کی امانت اُم المومنین سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لینے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچادوں۔''

حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نوید اپنی زوجہ محترمہ حضرت اُم الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنائی تو گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی کی فوراً تیاریاں شروع کر دیں، وہ اپنی بہن کو دُلہن بنانے لگیں، وہ انہیں سجا کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجنا چاہتی تھیں اس وقت ان کی دوسری بہنیں بھی موجود تھیں۔

''تمہیں بے حد مبارک ہو میمونہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! جس مقدس ہستی کے دامن کے ساتھ تم بندھ گئی ہو اس سے بڑی اور عظیم اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔''

ایک بہن نے کہا۔

''تم نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی راحت و آرام کے لیے کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھنی۔''

دوسری بہن نے کہا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور ان کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے، ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیے کوشاں رہنا۔''

تیسری بہن نے کہا۔

جب حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تیار ہو گئیں تو انہیں اونٹنی پر سوار کرا دیا اور محبتوں اور خوشیوں کے پھولوں کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔ اس سفر میں اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن اور ان کی بیٹی ساتھ تھیں۔ حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوہ تھیں اور حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی بیٹی تھیں جو ابھی تک غیر شادی شدہ تھیں۔

marfat.com

عمارہ اور ان کی والدہ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دنوں مکہ میں تھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ کے لیے مکہ تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کیوں اپنے چچا کی بیٹی کو مشرکین کے رحم و کرم پر چھوڑ کر جائیں؟''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ روکا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ساتھ لے گئے۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور چل پڑے۔ اونٹنی کا اُٹھنے والا ہر قدم اسے منزلِ مقصود کے قریب لے جا رہا تھا' اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عالمِ تصورات میں مگن تھیں' ہر گزرنے والا لمحہ انہیں اپنے محبوب شوہر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لے جا رہا تھا اور اہلِ مکہ قریش کی اس نامور خاتون کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ابھی سرف میں ہی مقیم تھے کہ اہلِ قافلہ نے دُور سے حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آتے دیکھا' خوشی کی ایک لہر تھی کہ دوڑ گئی۔

''یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لا رہی ہیں۔''

کسی نے اطلاع دی۔

''انہیں خیمے میں اُتار دو۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے ایک خیمہ نصب کرا رکھا تھا' اطلاع دینے والا بھاگ گیا۔

اسی اثناء میں حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت قریب آ گئے' وہ اونٹنی کو اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خیمہ کے قریب لے گئے اور بٹھایا۔ وہ اونٹنی سے اتر کر خیمے کے اندر تشریف لے گئیں تو حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے

marfat.com

ساتھی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، حکم کی تعمیل ہو چکی ہے، اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت اپنے خیمہ میں تشریف فرما ہیں۔''

مقام سرف پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پڑھا گیا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ولی تھے اور پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرف میں ہی رسم عروسی ادا فرمائی اور ولیمہ کیا۔

مختصر قیام کے بعد مسلمانوں کا یہ مبارک قافلہ مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوا' اُم المومنین سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خوشی وانبساط کا ٹھکانہ نہ تھا' وہ اپنی قسمت پر جس قدر بھی ناز کرتیں' اتنا ہی کم تھا' انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مل گیا تھا جن کے مقابل دنیا وآخرت کی نعمتیں ہیچ تھیں۔ ان کی نظر میں حقیقی زندگی وہی تھی جس کا آغاز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کے بعد ہوا تھا اس سے قبل کی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں سمجھتی تھیں اور حق بھی یہی تھا اب ان کی زندگی کو دوام مل گیا تھا۔

قافلہ ہر لحظہ مکہ مکرمہ سے دُور اور مدینہ منورہ کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ معاً اُم المومنین سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی بہنوں کا خیال آ گیا۔

سب سے پہلے ان کے ذہن میں حضرت اُم الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خیال ہے' ان کا اصل نام لبابہ بنت حارث تھا اور کنیت اُم الفضل تھی اور یہی نام زبانِ زد خاص وعام تھا۔ یہی خاتون لبابۃ الکبریٰ کہلاتی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد یہ دوسری خاتون تھیں جو ایمان لائی تھیں اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں۔ ان کے ہاں چھ بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام فضل' عبداللہ' معبد' عبیداللہ' قثم اور عبدالرحمٰن تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مفسر قرآن زیادہ مشہور ہوئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لاتے اور دن کو قیلولہ فرماتے تھے۔ یہ ان نجیب خواتین میں شمار ہوتی تھیں جنہوں نے چھ بیٹوں کو جنم دیا تھا اس عہد میں

marfat.com

یہ شرف صرف انہیں کو حاصل ہوا۔ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے بارے میں اشعار کہے تھے جن کا ترجمہ ہے:

''کسی نجیب عورت نے ایک جوانمرد سے اس طرح چھ لڑکے نہیں جنے جس طرح کہ اُم الفضل کے بطن سے چھ بیٹے تولد ہوئے۔ وہ خاتون اپنی کہولت اور عمر رسیدہ بزرگ کی وجہ سے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قابلِ احترام چچا ہے' کتنی معزز اور مکرم ہے۔''

انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دودھ بھی پلایا تھا' ان کا وصال حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا اور انہوں نے ہی ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری ہمشیرہ لبابۃ الصغریٰ تھیں' ان کی شادی ولید بن مغیرہ سے ہوئی تھی' ان کے بطن سے حضرت خالد بن ولید سیف اللہ نے جنم لیا تھا جو نامور فوجی جرنیل تھے۔

تیسری بہن کا نام عصماء تھا' یہ قریش کے مشہور سردار ابی بن خلف کے نکاح میں تھیں جو غزوۂ احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔

چوتھی بہن حفیدہ تھیں' یہ عبداللہ بن مالک ہلالی کے نکاح میں تھیں جو قبیلہ ہلال بن عامر کا سردار تھا۔ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس بہن کا نام سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم میں عزہ لکھا ہے لیکن صحیح بخاری شریف کی روایات میں حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی اس خالہ کا نام حفیدہ بتاتے ہیں۔

اس شادی کے بعد قبیلہ ہلال بن عامر نے پورے اخلاص کے ساتھ اپنی وفاداریاں اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ مخصوص کر دیں اس قبیلے کے نمائندہ وفد نے مدینے حاضر ہو کر اپنی اطاعت کا اعلان کیا اسی وفد میں حضرت حفیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحب زادے حضرت زیاد بن عبداللہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے' وہ اپنی خالہ اُم المومنین سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر ملاقات کے لیے حاضر ہوئے جب

marfat.com

وہ اپنی خالہ کے پاس موجود تھے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' وہاں ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر ناراض ہوئے اور واپس جانے لگے تو اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی:

''یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ شخص تو میرا حقیقی بھانجا ہے۔''

یہ سنا تو ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم' زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے اوران پر شفقت کا اظہار فرمایا۔

ان چار حقیقی بہنوں کے علاوہ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چار ماں شریک بہنیں بھی تھیں۔ حقیقی بہنوں کی یاد کے بعد حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان بہنوں کا بھی خیال آیا جنہیں نامور غازیانِ اسلام اور جانثاروں کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا جنہوں نے دینِ اسلام کو دوسرے ادیان پر غالب کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ہند کا اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد حارث کے سوا پہلے ایک شوہر تھا اس کا نام عمیس خثعمی تھا اس سے تین لڑکیاں تھیں۔ ایک اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو صاحبہ حسن و جمال مشہور عورت تھیں۔ پہلے وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں تھیں' جنگ موتہ میں ان کی شہادت ہوئی' ان سے عبداللہ تھے پھر یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں آئیں' ان سے محمد تھے اور جب ان کا وصال ہوا تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی کرلی تو ان سے عون نے جنم لیا۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سسرال کے لحاظ سے اکرم الناس تھیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایسے لوگ ان میں شامل تھے۔

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

سے کہا:

''اگر ہمیں ہجرت میں تم پر فوقیت حاصل نہ ہوتی تو تمہاری قوم کی فضیلت میں کوئی شبہ نہ تھا۔''

انہوں نے اس کا ذکر بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تمہیں یہ کہنا چاہیے تھا کہ تم نے ایک کے بجائے دو ہجرتیں کی ہیں' مکہ سے حبشہ تک اور حبشہ سے مدینہ تک۔''

ان کی دوسری بہن کا اسم مبارک سلمٰی بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا' ان کا نکاح سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا جن سے عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ غزوۂ احد میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد انہوں نے شداد بن اسامۃ الہادی سے نکاح کر لیا جن سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔

تیسری بہن سلامۃ بنت عمیس تھی' ان کی شادی عبداللہ بن کعب ہوئی تھی۔

چوتھی بہن حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جن کی پہلی شادی طفیل بن حارث سے ہوئی تھی' طلاق کے بعد حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں آئی تھیں جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں شرکت کی اور اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن پر جان نثار کر دی پھر ان سے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی کی جب ان کی شہادت ہو گئی تو پھر وہ اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کی صف میں شامل ہو گئیں۔

یہ جماعت ہند اُم میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دامادوں کی ہے۔ یہ چار بہنیں تھیں اور ان کے چھ داماد تھے۔ ولید بن مغیرہ جو کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد تھے وہ بھی ان کے داماد تھے لیکن اس کو شمار نہیں کرتے کیونکہ وہ مشرک تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ

marfat.com

وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تینوں بہنیں مومنہ ہیں یعنی میمونہ' اُم الفضل اور اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔''

اُم المومنین سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوچ رہی تھیں ان کی بہنوں' بھانجوں کا نقشہ ان کی نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا اور قافلہ چل رہا تھا۔ چند دنوں کی مسافت کے بعد اہلِ ایمان کا قافلہ مدینہ منورہ پہنچا اور اُم المومنین سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کاشانۂ نبوت میں رونق افروز ہوئیں اس وقت آٹھ اُمہات المومنین حضرت سودہ' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت حفصہ' حضرت اُم سلمہ' حضرت زینب بنت جحش' حضرت جویریہ' حضرت اُم حبیبہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن پہلے سے موجود تھیں جو براہِ راست انوارِ نبوت سے فیض یاب ہو رہی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرح سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی رہائش کے لیے ایک علیحدہ مکان عطا فرما دیا جو مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملک شام کی سمت واقع تھا' گزر اوقات کے لیے بطور نان و نفقہ خیبر کی کھجوروں سے ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر فرما دیئے' ان اجناس کے خرچ کے معاملے میں وہ خود مختار اور آزاد تھیں۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے کے فوراً بعد اُم المومنین سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سارے دُکھ' درد اور غم و الم خواب و خیال ہو گئے تھے اب ہر لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے خنک و مشکبار سایوں سے گھرا ہوا تھا' اطمینان تھا' سکون تھا اور راحت تھی۔ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام و دلجوئی و رضا کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتی تھیں' کوشاں رہتی تھیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی ادائیگی میں شمہ بھر بھی سرتابی نہ ہو اور اطاعت و اتباع میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ اپنی باری کا بڑا خیال رکھتی

marfat.com

تھیں جس دن باری ہوتی تو خاص اہتمام فرماتی تھیں۔ اُم المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود روایت فرماتی ہیں کہ میری باری کی ایک رات تھی، تھوڑی دیر رکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر باہر تشریف لے گئے لہٰذا میں نے دروازہ بند کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور دروازے پر دست کی۔

''دروازہ کھولو۔''

میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لیکن میں نے نہ کھولا تو ارشاد فرمایا:

''میمونہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! تمہیں قسم ہے دروازہ کھولو۔''

میں نے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو فرمایا:

''تم نے دروازہ کیوں بند کر لیا تھا؟''

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے وہم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری باری کی رات میں دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے پاس تشریف لے جاتے ہیں۔''

سماعت فرمایا تو مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایسا نہیں ہے میں حاجت ضروریہ کے لیے باہر گیا تھا۔''

سنا تو میں نے عرض کیا:

''مجھے معاف کر دیں میں نے بے وجہ وہم کیا۔''

بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم اور اس کی رعایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی کیونکہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے طلب کیا تھا اور وہ رنجیدہ تھیں۔ مذہب حنفیہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قسم کی رعایت فرمانا بہ سبیل کرم

marfat.com

وتفضل تھا اور اس میں اتنی رعایت وکرم فرماتے گویا واجب ہے۔

ایک دن حضرت اُم سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں' اتنے میں حضرت ابن مکتوم آ گئے اس واقعہ سے پہلے پردے کے احکامات اُتر چکے تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان سے پردہ کرو۔''

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو نابینا ہیں اور نہ ہمیں پہچانتے ہیں''

سنا تو ارشاد فرمایا:

''کیا تم بھی نابینا ہو؟ کیا تم انہیں دیکھتی نہیں ہو؟''

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے حلیفوں کے ساتھ تعرض نہ کریں گے۔ چنانچہ بنی بکر قریش کے ہم سوگندی میں داخل ہوئے اور خزاعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان میں آئے اور بنی خزاعہ پہلے ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع ہو رہے تھے اگرچہ وہ ایمان نہیں لائے تھے اور بنی بکر اور بنی خزاعہ کے درمیان زمانہ جاہلیت سے نزاع واختلاف اور عداوت قائم تھی اور آپس میں بہت کچھ جنگ وجدال واقع ہو چکا تھا۔

ایک دن بنی بکر کا ایک شخص سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کر رہا تھا' قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص وہاں کھڑا تھا اس نے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا اس پر وہ جوش اور غصہ میں آ گیا اور اس کے سر اور منہ کو توڑ دیا اس نے بنی بکر سے جا کر فریاد وفغاں کی۔ نفاثہ جو بنی بکر کی شاخ تھی' خزاعہ کے ساتھ جنگ کے لیے کھڑے ہو گئے اور بنی مدلج سے مدد مانگی۔ بنی مدلج نے ان کی مدد کرنے سے انکار کر دیا پھر انہوں نے قریش سے مدد مانگی۔ قریش کے نادان لوگوں کی ایک جماعت نے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موروثی عداوت رکھتی تھی' اپنی ہیئت بدل کر اور اپنے چہروں پر موٹی نقاب ڈال کر بنی بکر کی حمایت ورفاقت میں خزاعہ پر شبخون مارا اور خوب جنگ وقتال کیا یہاں تک کہ جنگ کرتے ہوئے زمین حرم

marfat.com

میں داخل ہو گئے۔ بنی خزاعہ نے بلند آواز سے نوفل بن معاویہ سے جو بنی بکر کا سردار تھا' کہا:

''خدا کا خوف کرو اور حرم کی حرمت کا لحاظ کرو۔''

نوفل بن معاویہ نے کہا:

''یہ بات اگرچہ بُری ہے اور میں اسے جانتا ہوں لیکن آج اس پر عمل کرنے کی فرصت نہیں پاتا۔''

اس جنگ میں خزاعہ کے بیس آدمی مارے گئے تھے۔ قریش نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ کسی نے ان کو پہچانا نہیں ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی رات خبر دے دی گئی تھی۔ جس رات میں بنی بکر اور بنی خزاعہ کا واقعہ ہوا تھا اس کی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتایا:

''اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! مکہ مکرمہ میں یہ حادثہ واقع ہوا ہے اور قریش نے عہد شکنی کی ہے۔''

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے کہ قریش عہد شکنی میں دلیری دکھائیں گے حالانکہ شمشیروں نے ان کو فنا کر دیا ہے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انہوں نے عہد کو اس معاملہ کے لیے توڑا ہے جسے اللہ نے ان کے ساتھ چاہا ہے۔''

سنا تو پھر دریافت کیا:

''یہ معاملہ خیر ہے یا شر؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''انشاء اللہ خیر ہی ہوگا۔''

marfat.com

اس سے چند دنوں بعد حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات سنا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرماتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا:

''لبیک! لبیک''

اور پھر تین مرتبہ کہا:

''نصرت! نصرت' میں مدد کرتا ہوں' میں مدد کرتا ہوں۔''

اتنے میں اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئیں تو عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باتیں کرتے ہوئے سنا ہے' کیا کوئی شخص تھا جس سے آپ گفتگو فرما رہے تھے؟''

زوجہ محترمہ کی بات سنی تو ارشاد فرمایا:

''یہ راجز بنی کعب تھا جو قبیلہ بنی خزاعہ سے ہے' وہ مجھ سے مدد مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ قریش نے بنی بکر کی مدد کی یہاں تک کہ ہم پر شبخون مارا ہے۔''

اس کے تین دن بعد عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کے ہمراہ مکہ سے مدینہ آیا اور جو کچھ واقعہ پیش آیا تھا' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں بیان کیا اور عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نصرت و اعانت فرمائیں۔''

اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ مبارک سے اُٹھ کھڑے ہوئے اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چادر مبارک زمین پر گھسیٹ رہے تھے اور فرمایا:

''میری مدد نہ ہوگی اگر میں نے تمہاری مدد نہ کی جس طرح میں اپنی مدد کرتا ہوں اسی طرح تمہاری مدد کروں گا۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والوں کی تسلی و تشفی فرمائی پھر ارشاد فرمایا:

''تم اپنے گھروں کو جاؤ اور غم و فکر نہ کرو کیونکہ فتح و نصرت کے دن قریب آ گئے ہیں۔''

marfat.com

اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ابوسفیان آیا ہوا ہے اور وہ صلح کی مدت بڑھانے اور اس کی تجدید کی درخواست کر رہا ہے اور خائب و خاسر ہو کر مکہ لوٹ گیا ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۲ رمضان المبارک ۸ ہجری بعد نمازِ عصر مدینہ طیبہ سے سوئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور جب مکہ مکرمہ پہنچے تو دس ہزار کا عظیم لشکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلو میں تھا۔ اہلِ عرب تمام اطراف و اکناف میں چشم براہ تھے کہ اگر یہ ہستی مقدس یعنی ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں واپس تشریف لے آئے اور یہ بلد معظم اور بیت مکرم ان کے قبضہ اقتدار میں آ جائے تو ہم بھی داخل ہو کر توقف و تردد کی قید سے نجات پائیں گے اور جب نصرت عظیم و فتح مبین وجود میں آئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑتے بھاگتے حاضر ہو کر اسلام کو گلے سے لگانے لگے۔ دراصل اس فتح کی بنیاد عمرہ قضا کے وقت ہی رکھ دی گئی تھی جب مسلمانوں کی زندگی کے مناظر دیکھ کر ان کے ذہنوں اور دلوں میں انقلاب عظیم برپا ہو چکا تھا اس موقع پر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے سیدہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ تھیں اور ایک دوسرے قول کے مطابق اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہمراہ تھیں۔

کاشانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیل ونہار جو گزر رہے تھے اس کی مثال نہیں ملتی جہاں ہر وقت اور ہر لحظہ محبت، شفقت، رحمت اور انوار و تجلیات کی بارش ہوتی رہتی تھی۔ وقت گزر رہا تھا کہ ۱۰ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا اس حج کو حجۃ الاسلام اور حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں اس بناء پر کہ اس میں لوگوں کو حج کے مسائل اور احکام سکھائے اور سفر آخرت کے ساتھ رخصت فرمایا اور کہا:

''مجھ سے مناسک حج معلوم کر لو ممکن ہے کہ آئندہ سال میں حج نہ کروں اور سفر آخرت اختیار کروں۔''

marfat.com

اسی بناء پر حجۃ الوداع کا اطلاق احادیث اور کتب سیر میں واقع ہے۔

آخر ذیقعدہ میں جبکہ اس مہینہ کی پانچ راتیں باقی تھیں، خلق کثیر کے ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اس سفر میں اتنے اصحاب شامل تھے کہ جس طرف نظر اُٹھتی تھی، لوگ ہی لوگ نظر آتے تھے۔ یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحابِ رسول رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے جو اپنے محبوب و آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور معیت میں بسوئے مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے۔ اُمہات المومنین جن میں سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں، اس سفر میں شامل تھیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باآوازِ بلند کہتے تھے یہاں تک کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سُن لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بلند آواز سے تلبیہ کہو کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احرام میں بلند آواز سے تلبیہ کہنے کا حکم دیں۔''

اور جب سوا لاکھ کا مجمع باآوازِ بلند تلبیہ کہتا تو عجیب کیف آور سماں بندھ جاتا تھا۔

جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ عسفان میں پہنچے تو فرمایا:

''حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام اس وادی سے گزر رہے تھے، ان کی سواری میں دو سرخ اونٹ ہیں اور کھجوروں کے پتوں کی لگام ہے، ان کے تہبند اونی عبا کے ہیں اور ان کی چادریں اونی ہیں اور حج کا تلبیہ پڑھتے جا رہے ہیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ارزق میں پہنچے تو ارشاد فرمایا:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گزرتا دیکھ رہا ہوں، اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے کانوں میں رکھے بلند آواز سے تلبیہ کہہ رہے ہیں۔''

علماء فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو اسی حال میں ملاحظہ فرمایا جو وہ اپنی حیات میں رکھتے تھے اور یہ وہ عالم ہے جہاں ماضی و مستقبل نہیں ہے،

marfat.com

سب حال ہی حال ہے اور یہ بات بعض ارباب کشف کے رسائل میں زمان و مکان کی تحقیق میں مذکور و مستور ہے۔ (واللہ اعلم)

چلتے چلتے یہ نورانی قافلہ مقامِ سرف میں پہنچا اس مقام کے ساتھ اُم المومنین سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ آج سے تین سال قبل ۷ ہجری میں یہیں سے ان کی لافانی زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی زندگی کا آغاز اور یہ وہ رفاقت تھی جس کا تسلسل آخرت میں بھی برقرار رہے گا۔ عالم تصور میں وہ لمحات گھوم گئے جب حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ اس مقام پر دلہن کے روپ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں۔

الغرض ۴ ذوالحجہ کو یہ مبارک و مسعود قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا' عجیب روح پرور منظر تھا جو آج تک چشم نے نہ دیکھا تھا اس حج کے موقع پر اُم المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دودھ شریک بہن حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں اور حقیقی بہن لبابۃ الکبریٰ اُم الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی موجود تھیں۔

وادیٔ عرفات میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں وصایا' حقوق و مسائل کا ذکر تھا اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں ایستادہ تھے کہ حضرت اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دودھ کا ایک پیالہ بھیجا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالہ کو لے کر اس کا دودھ نوش فرمایا کہ تمام لوگوں نے دیکھا اور جان لیا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے نہیں ہیں۔

محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں ہی تھے کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

"الیوم اکملت لکم دینکم"

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رمز شناس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس

marfat.com

سے قرب زمانہ رحلت اور حلول مدت فرقت سمجھا اور ان کے دل دہل گئے اور شکستہ خاطر ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔

بروز سوموار ۲۹ صفر المظفر ۱۱ ہجری حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے سے واپس تشریف لائے تو راستہ میں ہی سر درد شروع ہو گیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے کیونکہ یہ ان کی باری کا دن تھا جب دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو پتہ چلا کہ ان کے محبوب شوہر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں درد ہے تو تیمار داری کے لیے ان کے ہاں تشریف لے آئیں جب مرض نے شدت اختیار کی تو حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں کل کس کے ہاں رہوں گا؟''

اور اس بات کو مکرر فرمایا اور پھر اپنی زبان مبارک کو جنبش دی اور فرمایا:

''یہ مشکل ہے کہ میں مرض کی حالت میں تمہارے گھروں کا پھیرا کروں اور اپنی باری کی رعایت کروں اگر تمہاری مرضی ہو تو مجھے اجازت دے دو کہ میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رہوں اور اس جگہ تم سب میری تیمار داری کرو۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہی ملجاء دین و ایمان تھی' ہر ایک کی یہی دلی تمنا اور آرزو تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے راضی و خوش رہیں لہٰذا بہ یک زبان سب نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی خوشی میں ہی ہماری خوشی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہی گھر میں اقامت فرمائیں۔''

اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے اہلِ بیت میں سے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے کندھوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر اس طرح تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ہائے مبارک

marfat.com

زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے اور سر اقدس پر کپڑا بندھا ہوا تھا اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے۔

مرض کے ابتدائی ایام کا واقعہ ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سینہ کے درد سے بے ہوش ہو ہو جاتے تھے اگر چلنے کا قصد فرماتے تو پائے اقدس حرکت نہ کر سکتے تھے۔ لوگوں نے یہ گمان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ درد ذات الجنب یعنی غونیہ کا ہے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے، عورتوں میں اُم سلمہ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھیں۔ غونیہ کا علاج ان شہروں میں عام لوگ جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ارود نامی دوا تیار کی اور چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس میں ڈالیں۔ ہر چند کہ ارشاد فرماتے کہ یہ دوا نہ ڈالیں مگر وہ باز نہ آئیں اور گمان کیا یہ انکار دوا سے مریض کی ناگواری کی وجہ سے ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو فرمایا:

''یہ کام کس نے میرے ساتھ کیا ہے؟''

اور پھر ارشاد فرمایا:

''غالباً ان عورتوں نے کیا ہے جو حبشہ سے آئی ہوئی ہیں۔''

اور پھر حضرت اُم سلمہ اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف رُخ کر کے ارشاد فرمایا:

''اے عورتو! تم نے میرے ساتھ ایسا عمل کیوں کیا باوجودیکہ میں تم کو اس سے منع کرتا رہا۔''

انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، ہمارا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذات الجنب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا مریضوں کی عادت کی بناء پر ہے کہ وہ دوا کو ناپسند کرتے ہیں۔''

marfat.com

اس کے بعد عورتوں نے عذر خواہی میں کہا:

''حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کس چیز سے دوا تیار کی تھی؟''

انہوں نے عرض کیا:

''عود ہندی اور کچھ درس اور چند قطرے زیتون کے تیل سے دوا تیار کی تھی۔''

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ذات الجنب شیطان سے ہے اور حق تعالیٰ نے شیطان کو قدرت نہیں دی کہ وہ مجھ پر غالب آ سکے۔''

اس کے بعد حکم فرمایا:

''گھر میں جو موجود ہے اس کے منہ میں یہ دوائی ٹپکائی جائے بجز میرے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔''

حکم کی تعمیل میں وہ دوا سب کے منہ میں ٹپکائی گئی اس وقت اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی وہاں موجود تھیں اور روزے سے تھیں مگر دوا ان کے منہ میں بھی ٹپکائی گئی۔

ان عورتوں کے منہ میں اس دوا کا ٹپکانا از قبیل قصاص و سزا تھا جو احکامِ شریعت میں سے ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اُمت کو آخر وقت میں بھی دائرہ سیاست سے باہر نہ کریں اور احکامِ شریعت جاری فرمائیں اور جو کوئی کسی کی رضامندی کے بغیر غلط گمان سے اس کے ساتھ عمل کرے خصوصاً ناواقفیت کی وجہ سے کوئی علاج کرے اس پر اس کا قصاص واجب ہے اور یہ اختیار ہے کہ چاہے قصاص لے لے یا اسے معاف کر دے۔

شریعت مطہرہ میں حکم ہے کہ اگر کوئی طب نہیں جانتا اس میں مہارت نہیں رکھتا تو وہ

marfat.com

جاہل ہے اور جہالت کے ساتھ دوسروں کا علاج کرتا ہے اور اس سے نقصان پہنچتا ہو تو اس پر قصاص لازم ہے اور حدیث پاک میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو معالجہ کرتا ہے اور وہ پہلے سے طب نہیں جانتا تو وہ ضامن ہے۔''

اگرچہ یہ تمام عورتیں اس فعل میں شریک و ہم مشورہ نہ تھیں لیکن سب کو اس بناء پر سزا دی کہ وہ اس عمل میں رضامند تھیں یہاں تک کہ منع کرنے کے باوجود وہ باز نہ آئیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا کہ کل قیامت میں یہ عورتیں اس حال میں آئیں کہ ان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء رسانی کا جرم عظیم ہو اور بے ادبی و جرأت پر ان سے مواخذہ ہو اس بناء پر اس کو قصاص لے کر پاک وصاف فرمایا اگرچہ معاف فرما دینے کی بھی گنجائش تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ اپنے لیے قصاص نہیں لیتے تھے لیکن مقصود ادب سکھانا تھا' نہ کہ انتقام لینا۔

ایک دن شدتِ درد کی وجہ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کو نیند نہ آئی' گرمی کا موسم تھا' خوش گوار ہوا چل رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام ابومویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلا بھیجا تو وہ فوراً حاضر خدمت ہو گئے تو فرمایا:

''اے ابومویہ! مجھے بقیع الغرقد کے مدفون کے لیے دعائے مغفرت کا حکم دیا گیا ہے تم بھی میرے ساتھ چلو۔''

چنانچہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے' وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور اہل قبور کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو جس حالت میں تم ہو' یہ تمہیں مبارک رہے۔ یہ حالت اس حالت سے بہت بہتر ہے جس میں لوگ گرفتار ہیں۔ دیکھو فتنے اس طرح یکے بعد دیگرے چلے آ رہے ہیں جس طرح اندھیری رات کے پردے' ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا۔ آخر کا فتنہ پہلے سے بدر جہا بڑھ کر ہوگا۔''

marfat.com

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبور کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ بعدازاں حضرت ابومیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے ابوموبیہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ میں دنیا کے خزانوں' حیات جاوداں اور جنت میں سے کسی ایک کو پسند کرلوں' میں نے حیاتِ جاودانی اور دنیا کے خزانوں کے مقابلہ میں اپنے رب کی ملاقات کو پسند کیا ہے۔''

سنا تو حضرت ابوموبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دنیا کے خزانوں اور دنیا کی زندگی کو اختیار فرمائیں اس کے بعد اپنے رب سے ملاقات کی تمنا فرمائیں۔''

سماعت فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں نے رب تعالیٰ کی ملاقات کو اختیار کیا ہے۔''

جس رات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے اس سے اگلے دن صبح کو بیماری شدت اختیار کرگئی جس پر لوگوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باری باری تمام ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کو وصیت فرمائی۔ حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئیں اور وصیت سنی اور دل و جان سے اس پر عمل کرنے کا ارادہ فرمایا۔

آخرکار جدائی کا وہ لمحہ آ گیا جس کو برداشت کرنے کی تاب نہ تھی۔ واقدی کی بعض کتب میں مرقوم ہے کہ پہلا کلمہ جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں زمانہ رضاعت میں فرمایا' وہ تھا:

''اور آخری کلمہ جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ادا فرمایا' وہ تھا:

''والرفیق الاعلیٰ''

marfat.com

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اللہ تعالیٰ کے پاس ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری میں تشریف لے گئے تو سب کی نظروں میں دنیا اندھیر ہوگئی۔ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غم واندوہ کی تصویر بن گئیں لیکن یہ صدمہ جانکاہ بڑے صبر وتحمل اور تسلیم ورضا کی ایمانی قوت سے برداشت کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوا تین سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ومعیت میں رہیں اور اپنے محبوب شوہر اور آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ و التفات اور محبت سے سعادت اندوز ہوتی رہیں اس وقت ان کی عمر مبارک ۳۹ سال تھی۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی کا بہت بڑا صدمہ تھا جو انہیں اُٹھانا پڑا اور اس سے عظیم صدمہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا لیکن اس کے باوجود اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کی گاڑی اس مقام پر آ کر گزشتہ واقعات کی طرح رُک نہیں گئی تھی بلکہ اس کا سفر جاری رہا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وقتی جدائی سے یہ رشتہ منقطع نہیں ہوگیا تھا کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں اور دنیا کے بعد آخرت میں بھی زوجہ ہوں گی۔

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اُم المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طبیعت اور مزاج میں اس دنیائے فانی سے بے رغبتی اور بے تعلقی کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی' دنیا کی زیب وزینت اور اس کے سامان سے کافی حد تک بے نیاز ہوگئی تھیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مسواک پانی میں پڑی رہتی تھی اگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کام یا نماز میں مشغول ہوتیں تو خیر ورنہ مسواک لے کر کرنے لگتی تھیں' لباس بے حد سادہ زیب تن فرماتی تھیں' ان کے تربیت یافتہ حضرت عبداللہ الخولانی بیان کرتے ہیں کہ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لباس اکثر ایک دوپٹے اور ایک لمبی سی قمیص پر مشتمل ہوتا تھا' وہ اتنا لمبا ہوتا تھا کہ چہرۂ اقدس کے سوا سارے جسم کو ڈھانپ لیتا تھا اور اسی لباس سے وہ نماز بھی پڑھ لیتی تھیں۔ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت یزید بن اصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میری خالہ اپنے بالوں پر بھی اتنی توجہ نہ دیتی تھیں شاید اس

marfat.com

لیے کہ دنیا ان کی نظروں میں ہیچ ہو گئی تھی۔

اُم المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و ارشادات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی و عائلی زندگی کی تفصیلات دوسروں تک پہنچانے کا کام پوری ذمہ داری اور حزم و احتیاط سے انجام دینا شروع کر دیا جہاں تک مسئلے مسائل کا تعلق ہے تو حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت کم منقول ہیں اس لحاظ سے ان کا شمار مقلین میں ہوتا ہے اور اس میں دوسری چند ایک اُمہات المومنین بھی شامل ہیں۔

جو ذمہ داری سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ذمہ لی تھی کہ وہ اُمتِ مسلمہ کی تربیت فرمائیں گی، بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دی جن بزرگوں نے اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے، ان کے نام یہ ہیں:

بھانجے: حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن شداد بن الہاد، حضرت عبدالرحمٰن بن السائب، حضرت یزید بن اصم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

ربیب: اس میں حضرت عبیداللہ الخولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل ہیں۔

کنیز: اس میں ندبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شامل ہیں۔

غلام: حضرت عطاء بن یسار، حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہما غلام حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابراہیم بن عبداللہ معبد بن عباس اور کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ان کے علاوہ حضرت عبیدہ بن سباق، حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور حضرت عالیہ بنت سبیع رضوان اللہ علیہم شامل تھے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۷۶ احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک صحیح بخاری شریف پانچ صحیح مسلم شریف میں اور باقی احادیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ ان احادیث میں بعض ایسی بھی ہیں جن سے اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فقاہت کا پتہ

marfat.com

چلتا ہے۔

محدثین کرام رحمہم اللہ نے روایت حدیث کے لحاظ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے پانچ طبقے قرار دیئے ہیں اور تقریباً ہر طبقے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ صحابیات بھی شامل ہیں۔

اوّل طبقہ: یعنی وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شمار اس طبقے سے ہے۔

دوسرا طبقہ: یعنی وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی روایات کی تعداد پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ ہیں اس میں کوئی صحابیہ شامل ہیں۔

تیسرا طبقہ: یعنی وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم ہیں۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس میں شامل ہیں۔

چوتھا طبقہ: یعنی وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی تعداد روایات چالیس سے سو تک ہے اس طبقہ میں بکثرت صحابیاتؓ شامل ہیں۔ مثلاً اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ اُم المومنین حضرت میمونہؓ حضرت اُم عطیہ انصاریہؓ اُم المومنین حضرت حفصہؓ حضرت اسماء بنت ابوبکر اور حضرت اُم ہانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہن شامل ہیں۔

دین اسلام میں قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک کی بڑی اہمیت ہے۔ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک کنیز تھی' انہوں نے اسے اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گھر میں نہ پایا تو پوچھا:

''میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! کنیز کہاں ہے؟''

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اسے اللہ کی خوشنودی و رضا کے لیے آزاد کر دیا ہے۔''

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی:

''کنیز صحت مند اور توانا تھی اگر تم اسے اپنے کسی عزیز کو دے دیتیں تو بہتر ہوتا۔''

marfat.com

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس فرمانِ عالیہ کو اپنے دل و دماغ میں مرتسم کر لیا اور اسے زندگی کا ایک رہنما اصول سمجھ کر اپنا لیا لہٰذا عزیز و اقرباء اور رشتہ داروں کے ساتھ فیاضانہ اور ہمدردانہ سلوک اور ان کی حاجت براری ان کا محبوب نصب العین بن گیا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منکرات سے سخت نفرت تھی اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ' حدیث پاک اور شریعت کے منافی دیکھتیں تو اس سے سخت بے زاری و نفرت کا اظہار فرماتی تھیں اس ضمن میں کسی سے رو رعایت نہیں برتتی تھیں۔ ایک بار حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی عزیز گھر میں آیا تو اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے سخت ڈانٹا اور فرمایا:

''یہاں سے چلے جاؤ اور آئندہ خبردار جو اس حالت میں میرے گھر آنے کی جرأت کی۔''

ایک دن اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر میں تشریف فرما تھیں کہ ایک عورت حاضر خدمت ہوئی اور عرض کی:

''اے اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا! میں سفر پر جا رہی ہوں' اجازت لینے کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔''

''کس لیے جا رہی ہو؟''

سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت فرمایا تو وہ بولی:

''ایک بار میں شدید علیل ہوگئی' زندگی کی امید باقی نہ رہی اس عالم یاس و ناامیدی میں میں نے منت مانی کہ اگر صحت یاب ہوگئی تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی اب اسی غرض سے وہاں جا رہی ہوں۔''

سماعت فرمایا تو اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ازراہِ محبت و شفقت ارشاد فرمایا:

''تم بیت المقدس جانے کی بجائے مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہی نماز

marfat.com

پڑھ لو اس طرح منت بھی پوری ہو جائے گی اور ثواب بھی زیادہ حاصل ہوگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو مسجد اقصیٰ سے مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیادہ محبوب ہے۔''

چنانچہ ارشاد کے مطابق اس عورت نے مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جا کر نماز پڑھی اور سفر کی کوفت و تکلیف سے نہ صرف مامون رہی بلکہ ثواب بھی زیادہ حاصل کیا۔

کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ خاص دنوں میں اگر عورت کسی چیز کو ہاتھ لگا دے تو وہ بھی گندی ہو جاتی ہے اس سے گھریلو زندگی میں کئی نوع کی مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ ایک دن حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے' ان کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کسی اُلجھن میں ہیں۔

''کیا بات ہے آج تمہارے چہرے اور حالت سے آثار پریشانی نمایاں ہیں؟''

انہوں نے اپنے بھانجے سے پوچھا تو بولے:

''خالہ جان! میری بیوی ہی میرے بالوں میں کنگھا کیا کرتی تھیں' آج کل وہ خاص ایام کی حالت میں ہیں اس لیے مناسب نہ سمجھا کہ اس سے کنگھا کراؤں۔''

جب بھانجے کی پریشانی کی وجہ سے معلوم ہوئی تو فرمایا:

''واہ بیٹے! کبھی ہاتھ بھی ناپاک ہوتے ہیں۔''

جب بھی میری یہ حالت ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھی ہوتی اور وہ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے رہتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس حالت میں مصلیٰ لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی جگہ پر لا کر بچھا دیتی تھی۔ علاوہ ازیں اگر ایسی حالت والی خاتون کے جسم سے کوئی چیز یا کپڑا لگ جائے تو وہ نجس و ناپاک نہیں ہوتا' کئی بار ایسا ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں اس حالت میں ہونے کے باوجود قریب لیٹی رہتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک میرے جسم سے مس ہو جاتی تھی۔''

marfat.com

اس سے یہ ہوا کہ یہ بات جس جس تک پہنچی وہاں آسانیوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔

کفرانِ نعمت سے نعمت روک لی جاتی ہے' اناج کی بے حرمتی و ضیاع معاشی ناہمواریوں کا باعث بنتی ہے اور انسان کے لیے معاشی مشکلات اپنا راستہ بنا لیتی ہیں۔

ایک مرتبہ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انار کے چند دانے زمین پر پڑے دیکھے تو فوراً قریبی لوگوں کو بُلایا اور فرمایا:

''اللہ تبارک وتعالیٰ بگاڑ کو پسند نہیں فرماتا۔ بظاہر انار کے چند دانوں کا ضیاع معمولی بات نظر آتی ہے لیکن اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس سے کئی اخلاقی' روحانی اور معاشی بے اعتدالیاں وابستہ ہیں جو آخر کار ایسے بگاڑ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں جو خالقِ کائنات کے حضور پسندیدہ نہیں ہے۔''

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آگ پر پکائی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جب مومنوں کی ماں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا:

''ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر بکری کے شانے کا پکا ہوا گوشت تناول فرمایا پھر نماز ادا فرمائی اور وضو نہیں کیا۔''

ایک بار حضرت عطاء بن یسارؒ نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پنیر کے بارے میں دریافت کیا تو ارشاد فرمایا:

''چھری لے کر کاٹ لو اور اللہ کا نام لے کر کھا لو۔''

جو حاجت مند آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درِاقدس پر آ جاتا' خالی ہاتھ نہیں لوٹتا تھا۔ ایک بار ان پر بھاری قرض ہو گیا' کسی نے کہا:

''اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا! یہ قرض کیسے اُترے گا؟''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

''میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت

marfat.com

رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ خود اس کا قرض ادا کرنے کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔''

الغرض متعدد ایسے واقعات احادیث کی کتب میں مرقوم ہیں جن سے زندگی کے مختلف شعبوں پر روشنی پڑتی ہے اور زندگی میں آسانیاں نصیب ہوتی ہیں۔

اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اسد الغابہ میں اس امر کی روایت ملتی ہے کہ ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن شداد ان کی گود میں پل کر جوان ہوئے تھے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت متقی و پرہیزگار تھیں' خدا ترسی اور صلہ رحمی ان کا خصوصی امتیاز تھا' بڑی وسیع القلب تھیں' فیاضی اور کشادہ دستی میں مشہور تھیں' قرضے لے کر حاجت مندوں کی حاجت پوری کر دیا کرتی تھیں' نماز و روزہ کی بے حد پابند تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات و ارشادات کی سخت پابند تھیں اور ان کی ادائیگی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتی تھیں۔ اُم المومنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرماتی ہیں:

''میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اللہ تبارک وتعالیٰ سے بہت ڈرتی اور صلہ رحمی کرتی تھیں۔''

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''میری ازواج کی حفاظت کرنے والا سچا اور نیک ہے۔''

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُمہات المومنین کے ساتھ سفر میں رہا کرتے تھے اور انہیں ایسی گھاٹی میں ٹھہرایا کرتے تھے جس میں کوئی سوراخ وغیرہ نہ ہو اور ان کے ہودجوں پر ریشمی چادریں ڈالتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۳ ہجری میں اپنا آخری حج کیا تو اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہن نے بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حج کی اجازت مانگی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دے دی اور ان کے حج کی تیاری کا حکم دے دیا۔ انہیں ہودجوں میں جن پر سبز پردے تھے' سوار کیا گیا اور ان کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن

marfat.com

بن عوف اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھیجا گیا۔ ان ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سواری پر ان کے آگے آگے چل رہے ہوتے تھے اور کسی کو ان کے قریب نہ آنے دیتے تھے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سواری پر ان کے پیچھے پیچھے چل رہے ہوتے تھے اور کسی کو ان کے قریب نہ آنے دیتے تھے اور اُمہات المومنینؓ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہر منزل میں ٹھہرتی تھیں۔

جب خلیفہ سوئم حضرت عثمان غنی ذوالنورین خلیفہ سوئم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد پاک آیا تو اُم المومنین حضرت اُم سلمہ' اُم المومنین حضرت میمونہ اور اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن جمع ہوئیں اور انہوں نے آدمی بھیج کر خلیفہ سوئم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حج کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے جواباً فرمایا:

''میں بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح آپ کو حج کرا دوں گا' آپ میں سے جو حج کرنا چاہیں' میں بھی ان کے ساتھ حج کو چلا جاؤں گا۔''

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حج کرایا' وہ اُمہات المومنینؓ کے آگے آگے چلتے تھے اور اگر کسی کو ان کے قریب آتا دیکھتے تو باآوازِ بلند فرماتے:

''ہٹ جاؤ! ہٹ جاؤ''

اُم معبد بنت خالد بن خلیف رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دورانِ سفر حج' میں اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے پاس گئی تو انہیں دیکھ کر رونے لگی۔ وہ بولیں:

''کیوں روتی ہو؟''

اس نے عرض کیا:

''آپ کو دیکھ کر مجھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم یاد آ گئے ہیں۔''

یہ سن کر اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی رونے لگیں پھر حضرت اُم معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے سامنے اونٹ کا گوشت اور دودھ پیش کیا انہوں نے سب کا

marfat.com

سب قبول فرمالیا اور ہر ایک نے اسے کچھ نہ کچھ دیا اور سب نے کہا:

''اُم معبد! جب ہم انشاء اللہ مدینہ جائیں گے اور امیر المومنین ہمیں ہمارا وظیفہ دیں گے تو اس وقت ہمارے پاس آنا۔''

چنانچہ جب اُم معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ میں اُمہات المومنینؓ کے پاس گئیں تو حضرت میمونہ اور دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے اسے پچاس پچاس دینار دیئے۔

ہر ذی روح نے موت کا مزہ چکھنا ہے' وقت چلتے چلتے انسان کو اس مقام پر لے جاتا ہے جب اس نے اس دنیا کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر دائمی زندگی کی طرف جانا ہوتا ہے۔ ۵۱ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مسعود میں اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سفر حج پر تشریف لے گئیں اس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک ۸۰ سال تھی' حج سے فراغت کے بعد واپس تشریف لائیں جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچیں تو بارگاہِ خداوندی سے بُلاوا آ گیا' جان جان آفریں کے سپرد کرنے سے پہلے انہوں نے اپنے بھانجوں کو جو اس سفر میں ساتھ تھے' وصیت کی:

''بیٹا! مجھے سرف میں سپردِ خاک کرنا اور اس مقام پر کرنا جہاں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شادی کی رات ملاقات ہوئی تھی۔''

یہ وصیت فرمانے کے بعد انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور نہایت خاموشی کے ساتھ اس دنیا کی سرحدیں عبور کر کے اپنے آقا و مولا اور شوہر صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف لے گئیں۔

جب جنازہ اُٹھایا گیا تو اُم المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''مسلمانو! یہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقہ حیات اور اہلِ ایمان کی ماں ہیں' ان کا جنازہ آہستہ آہستہ ادب کے ساتھ لے چلو۔ دیکھو انہیں کوئی جھٹکا نہ لگنے پائے۔''

marfat.com

اُم المومنین حضرت ماریہ قبطیہ بنت شمعون المصری

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

marfat.com

حکمتِ نکاح

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بطن سے ایک فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عطا فرمانا تھا۔ علاوہ ازیں قبطیوں سے کیا ہوا عہد پورا ہونا اور نسب کا تعلق قائم ہونا تھا۔ تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت حاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم کی والدہ اسی قوم سے ہیں اور عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا تھا۔

marfat.com

نصف دیں اُن کے توسط سے ملا ہے دوستو
چاندنی دین متیں ہیں اُمہات المؤمنین

marfat.com

حالاتِ زندگی

ذیعقد ۶ ہجری میں جب معاہدہ حدیبیہ طے پایا تو مشرکین و کفارِ مکہ کی جانب سے حملوں کے خطرات ٹل گئے تھے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نواح عرب کے حکمرانوں اور رؤساء کو خطوط مبارک ارسال کیے جن میں ان کو دعوتِ اسلام دی گئی تھی۔ یکم محرم الحرام ۷ ہجری کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط شاہ مصر و سکندریہ جریج بن متی قبطی ملقب بہ مقوقس کو لکھا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب کیا جب انہیں پیغام ملا تو بھاگم بھاگ بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر مودب کھڑے ہو گئے اور حکم کا انتظار کرنے لگے۔

''شاہ مقوقس مصری کے پاس میرا یہ خط لے جاؤ۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بڑی محبت و عقیدت سے پکڑا اور مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے باہر نکل کر اپنے گھر کی سمت چل پڑے' راستے میں ان کے دل و دماغ میں خیالات کا ہجوم ہونے لگا:

''میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنا قاصد بنا کر بڑا اعزاز بخشا ہے' اللہ کرے میں اس ذمہ داری کو بطریق احسن سرانجام دے کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں سرخرو ہو جاؤں۔''

انہیں سوچوں میں مستغرق گھر پہنچ گئے۔ جلدی سے لباس تبدیل کیا' گھوڑے پر زین کسی اور پھر اس شاہراہ پر جو مدینہ منورہ سے مصر کی طرف جاتی تھی' گھوڑے کو سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا۔ انہیں اس بات کا کلی ادراک تھا کہ جب محبوب کوئی کام کرنے کو کہے

marfat.com

تو پھر محبت پر آرام حرام ہو جاتا ہے اور محبوب بھی کون جو رحمۃ للعالمین' باعث تخلیق کائنات اور راحت انس و جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں جن کی اطاعت و محبت اللہ تعالیٰ کی اطاعت و محبت ہے' جن کا فرمان اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے' جن کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور جن کے روبرو بلند آواز سے بولنے پر اعمال ضائع ہو جاتے ہیں لہٰذا حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انتہائی کوشش تھی کہ مہینوں کا سفر دنوں میں اور دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہوتا کہ جو فریضہ انہیں سونپا گیا ہے اس سے عہدہ برآ ہو سکیں۔

مصر کی تہذیب و تمدن و تاریخ بڑی قدیم ہے' یہ وہ شہر ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں ہے۔ دریائے نیل اہلِ مصر کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یہ وہی دریا ہے کہ جب اس میں خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط کو جو انہوں نے اس کے نام لکھا تھا' ڈالا گیا تو اس میں پہلے کی بہ نسبت سولہ گز پانی زیادہ چڑھ گیا اور اس قدیم جاہلانہ و قبیح رسم کا خاتمہ ہو گیا جس کے تحت ایک نوجوان خوبرو کنواری لڑکی کو اس کے والدین کی مرضی سے دریا کی بھینٹ چڑھایا جاتا تھا تو پھر اس میں پانی آتا تھا اگر کسی نے حضرت عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادب کا ڈھنگ سیکھنا ہو تو دریائے نیل سے سیکھے' وہ بتائے گا کہ ادب کیا ہوتا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں ان کی شان و مرتبہ کیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوتے۔''

حضرت خواجہ خواجگان خواجہ عبدالرحمٰن اپنی کتاب مجموعہ صلوات الرسول کے پارہ ۲۱ ص ۱۵ پر فرماتے ہیں:

''عرش اعظم کے گرد ۶۰ ہزار جہان ہیں جو سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے محبوں کے لیے استغفار کرتے ہیں اور ان سے بغض رکھنے والوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔''

marfat.com

مصر فن تعمیر میں لاجواب تھا اور ہے۔ اہرامِ مصر ہنوز اپنے اندر اَن گنت رموز و اسرار چھپائے ہوئے ہیں۔

قدیم مصر میں بادشاہ کو الہ یعنی دیوتا تصور کیا جاتا تھا' کسی میں اتنی جرأت و ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرے بلکہ کوئی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ فراعنہ مصر سے قبل لوگ تین خداؤں کو مانتے تھے جن کی مختلف مواقعوں اور تہواروں پر جداگانہ پرستش کی جاتی تھی لیکن جیسے جیسے وقت کا دھارا بہتا رہا اور مختلف تہذیبیں عروج وزوال سے دوچار ہوتی رہیں تو لوگ سانپ' نیولے' گوبر میں پیدا ہونے والے بھنورے' شیر' بلی' سانڈ' مینڈھے' مگرمچھ' شاہین اور سورج کی پوجا پاٹ کرنے لگے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مصر کے قبطیوں نے عیسائیت کو قبول کرلیا۔ شاہِ مقوقس قبطی بھی اسی مذہب کا پیروکار تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذہن میں مصر کے ماضی کی تاریخ کے موٹے موٹے خدوخال اُبھر رہے تھے اور گھوڑا برق رفتاری سے بھاگا جارہا تھا۔

کئی دنوں کی مسافت کے بعد جب دُور سے شہر مصر کے آثار نظر آئے تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھوڑے کی رفتار کو اور تیز کردیا۔ منزلِ مقصود سامنے نظر آرہی تھی لہٰذا جب آپ واردِ شہر ہوئے تو دن خاصا چڑھ آیا تھا' ہر طرف زندگی رواں دواں تھی' آپ کا چہرۂ مبارک اور لباس اگرچہ گردآلود تھا لیکن تھکن کا نام ونشان نظر نہ آتا تھا۔ مسرت اس بات کی تھی کہ جو ذمہ داری آپ کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے سونپی تھی' وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی۔

اہلِ مصر آپ کو اجنبی نظروں سے دیکھتے تھے اور گزر جاتے تھے۔ آخر ایک جگہ رُک کر آپ نے ایک شخص سے پوچھا:

''شاہِ مقوقس سے کہاں ملاقات ہوسکتی ہے؟''

اس شخص نے عجیب سی نظروں سے آپ کی طرف دیکھا اور بولا:

''اس وقت اپنے دربار میں ہوگا۔''

marfat.com

اور پھر ایک سمت اشارہ کر کے جانے کو کہا۔ آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور گھوڑے کا منہ اس طرف موڑ لیا جس طرف اس نے جانے کو کہا تھا۔

دربار کے باہر دو چوبدار نیزے پکڑے کھڑے تھے' آپ نے ایک کو مخاطب کر کے کہا:

''اپنے بادشاہ کو جا کر بتاؤ کہ مدینہ منورہ سے قاصد آیا ہے۔''

چوبدار نے آپ کے سراپا پر نظر ڈالی اور اندر چلا گیا' تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور آپ کو اندر جانے کو کہا۔

شاہ مقوقس زریں تخت پر بڑے رعب و دبدبہ سے بیٹھا تھا اور اس کے وزراء اراکین سلطنت ادب سے اپنی اپنی کرسیوں پر براجمان تھے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھا' بڑی شان و متانت اور پُر وقار انداز سے شاہ مقوقس کے قریب جا کر رُکے اور گویا ہوئے:

''اے مقوقس! تم سے پہلے اس ملک میں ایک شخص گزرا ہے جو گمان کرتا اور دعویٰ کرتا تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ یعنی میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا لہٰذا تم اپنے غیر سے عبرت حاصل کرو تاکہ تم سے کوئی دوسرا عبرت نہ لے۔''

اور پھر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک نکال کر اس کو دیا۔ مقوقس نے خط کو بڑے ادب سے لیا اور پھر اپنے کاتب کو دیا کہ اسے باآواز بلند پڑھے تاکہ سب حاضرین دربار سُن لیں۔ کاتب کی آواز فضا میں اُبھری:

یہ خط محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' مقوقس کی طرف جو قبطیوں کا سردار ہے۔''

سلامتی ہو ہر اس شخص پر جو ہدایت کا پیروکار ہے۔

اما بعد! میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں' اسلام لے آؤ' سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تجھے دوگنا اجر عطا فرمائے گا اگر تم روگردانی کرو گے تو سارے قبطیوں کی گمراہی کا گناہ تیری گردن پر ہوگا۔

marfat.com

اے اہلِ کتاب! آ جاؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے' وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب نہیں بنائیں گے اور اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو کہو اے منکرو! گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں۔

اللہ

رسول

محمد

خط پڑھنے کے بعد کاتب نے مقوقس کو پیش کر دیا اس نے ہاتھی دانت کی ایک خوب صورت ڈبیا لانے کو کہا اور پھر بڑے احترام سے اس نے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو اس میں رکھا ڈبیا کو سر بمہر کر دیا اور اپنی کنیز خاص کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

''اسے حفاظت سے سنبھال لو۔''

بعد ازاں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

''ہمارا ایک دین ہے اور ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے بجز اس صورت میں کہ کوئی اور دین اس سے بہتر ہو۔''

سماعت فرمایا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گویا ہوئے:

''میں تجھے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بُلاتا ہوں جو دینِ اسلام ہے۔ اللہ کریم اس دین کے ذریعے دوسرے دینوں سے بے نیاز کر دے گا۔ بلاشبہ اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دعوتِ اسلام دی مگر قریش سخت ترین لوگ تھے اور دشمن ترین لوگ یہود اور ان سے قریب ترین لوگ نصاریٰ ہیں۔ قسم ہے مجھے اپنی زندگی کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ایسی نہیں ہے جیسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت نبی آخرالزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور ہمارا تمہیں قرآن کی طرف بُلانا ایسا ہی ہے جیسے تم لوگ اہلِ تورات کو انجیل کی طرف بُلاتے ہو اور ہر

marfat.com

نبی نے جس قوم کو پایا تو وہ قوم ان کی اُمت بن گئی لہٰذا اس قوم پر حق اور ثابت ہے کہ وہ قوم اس نبی کی اطاعت کرے اور تو نے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہے لہٰذا ایمان لا کر ان کی اُمت میں داخل ہو جا۔ ہم تمہیں دین مسیح سے منع نہیں کرتے بلکہ دینِ مسیح کا حکم تجھے بتاتے ہیں (کہ اس کا حکم ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا)''

شاہ مقوقس خاموشی سے قاصد رسول حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتیں سنتا رہا اور پھر اپنی زبان کو جنبش دی۔

''میں نے اس نبی کے بارے میں غور و فکر کیا ہے' مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کسی قابلِ نفرت چیز کا حکم نہیں دیتے اور نہ کسی ایسی چیز سے روکتے ہیں جو رغبت و شوق سے متعلق ہو' میں اس سے بھی باخبر ہو گیا ہوں کہ وہ نہ ساحر قتال ہیں اور نہ کاہن کاذب ابھی میں اس پر مزید غور و فکر کر رہا ہوں۔''

اور پھر اپنے خاص غلام کو بُلا کر حکم دیا:

''(حضرت) حاطب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہمارے معزز مہمان ہیں' محل میں ان کے قیام کا بندوبست کرو' انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔''

اور پھر دربار برخاست ہو گیا۔

محل میں رہتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کئی دن بیت گئے' ایک دن سورج ڈھلے کافی دیر ہو گئی تھی کہ ایک خادم حاضر خدمت ہوا اور عرض کی:

''آپ کو بادشاہ سلامت یاد کرتے ہیں۔''

سنا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھ کر خادم کے ساتھ چلے گئے اور پھر وہ ایک کمرے کے سامنے جا کر رُکا اور شاہی مہمان سے مخاطب ہو کر کہا:

''آپ اندر تشریف لے جائیں۔''

اس وقت شاہ مقوقس تنہا بیٹھا تھا اس نے آپ کو خوش آمدید کہا اور اپنے قریب بیٹھنے کو کہا' تھوڑی دیر ماحول پر سکوت طاری رہا پھر وہ بولا:

''حاطب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جن کی طرف سے تم قاصد بن کر آئے ہو' کیا وہ

marfat.com

اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟''

''ہاں! لاریب وہ ربِ کریم کی طرف سے معبوث کیے ہوئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمانِ کامل سے پُرزور الفاظ میں جواب دیا۔

''پھر کیا بات ہے کہ انہوں نے اپنی اس قوم پر بددعا نہ کی جس نے انہیں اپنے شہر سے نکالا؟''

شاہِ مقوقس نے کہا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے:

''وہ کیا بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم نے پکڑا اور بقول نصاریٰ سولی پر چڑھا دیا اور بددعا نہ کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دیتا۔''

شاہِ مقوقس نے سنا تو بے اختیار اس کے ہونٹوں سے نکلا:

''تم ٹھیک کہتے ہو' حق تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہی حکم آیا تھا۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گفتگو نے شاہِ مقوقس پر روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا تھا کہ جو صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی گئی ہیں' وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کے مطابق ہیں اور پھر وہ ہم کلامی کے انداز میں بولنے لگے:

یہ وہی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جن کی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔ بلاشبہ وہ غالب ہوں گے اور ان ممالک میں ان کے صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا قبضہ ہوگا۔

اس کے بعد ماحول پر خاموشی طاری ہوگئی' دونوں اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے پھر شاہِ مقوقس نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے کہا:

''آپ جا کر آرام کریں' کل ملاقات ہوگی۔''

لہٰذا حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھ کر اپنی آرام گاہ کی طرف

marfat.com

تشریف لے گئے۔

دوسرے دن دربار میں سب اعیانِ سلطنت موجود تھے' شاہِ مقوقس کے قریب ہی خوب صورت کرسی پر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے۔ مقوقس نے اہلِ دربار پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر شاہی کاتب کو بُلایا اور اسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا جواب لکھانے لگا۔

محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور منجانب مقوقس عظیم القبط

امابعد! میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گرامی نامہ پڑھا اور جو کچھ اس میں تحریر تھا اور جس کی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعوت دی' میں نے سمجھا بلاشبہ میں جانتا ہوں ایک ایسا نبی باقی رہا ہے جو خاتم الانبیاء ہوگا۔ میرا خیال ہے اس کا ظہور ملک شام سے ہوگا اور میں نے آپ کے قاصد کی آمد کو گرامی جانا۔ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ماریہ اور سیرین کو بھیجتا ہوں جو کہ قبط میں عظیم المرتبت ہیں اور کچھ لباس و تحائف اور ایک اونٹ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سواری کے لیے بھی پیش خدمت کرتا ہوں۔

والسلام

مقوقس

ماریہ اور سیرین کا تعلق مصر کے ضلع انصا کے ایک گاؤں حفن سے تھا' ان میں سے اوّل الذکر خاتون نہایت حسین و جمیل' گوری رنگت' گھنگھریالے گھنے بالوں اور گٹھے ہوئے جسم کی مالک ہونے کے علاوہ قدرت نے انہیں حسن باطن سے بھی خوب نوازا تھا۔ ان کا پورا نام ماریہ قبطیہ بنت شمعون المصری تھا اور قبطیہ ان کی قومی نسبت تھی۔

ان خواتین کے ہمراہ ان کا بوڑھا ماموں زاد یا چچازاد بھائی مابور بھی تھا تاکہ وہ بہنوں کی ضروریات کا سامان بہم پہنچانے میں مدد دے۔ تحائف میں اونٹ کے علاوہ ایک سفید رنگ کا خچر جو دلدل کے نام سے مشہور تھا' ایک نیزہ بیس قد کا لباس' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک خلعت اور ہزار مثقال سونا شامل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

کے علاوہ شاہِ مقوقس نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تحفتاً سو مثقال سونا اور پانچ کپڑے دیئے تھے۔

اگلے روز چار نفوس پر مشتمل چھوٹا سا قافلہ سوئے مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انتہائی کوشش تھی کہ وہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی امانتیں جلد سے جلد حاضر خدمت ہو کر پہنچا دیں لیکن خواتین کی ہمراہی کی وجہ سے وہ اس برق رفتاری سے چل نہیں سکتے تھے جیسی انہوں نے مصر آتے ہوئے اختیار کی تھی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں خواتین کا بے حد ادب و احترام کرتے اور انہیں کسی نوع کی تکلیف نہ ہونے دیتے تھے۔ یہ مختصر سا قافلہ منزلوں پہ منزلیں طے کرتا ہوا روز افزوں مدینہ منورہ کے قریب تر ہوتا جا رہا تھا' دورانِ سفر جہاں کہیں قیام ہوتا تو موقع محل کی مناسبت سے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماریہ' سیرین اور ان کے بھائی مابود کے سامنے اسلام کی حقانیت اور محاسن بیان کرتے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی بتاتے تھے۔ بالخصوص دونوں خواتین بڑے غور سے باتیں سنتی تھیں اگر کسی مقام پر کوئی بات سمجھنے میں دشواری محسوس کرتیں تو استفسار کر لیتی تھیں۔ وہ رفتہ رفتہ سمجھنے لگی تھیں کہ دینِ اسلام ہی وہ دین ہے جو حق ہے اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے' اللہ تعالیٰ ہی صرف عبادت کے لائق ہے اور اس کے رسول اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے میں شبانہ روز سرگرم عمل ہیں۔

آخر کار کئی دنوں کی طویل مسافت کے بعد یہ چھوٹا سا قافلہ حدودِ مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ خواتین کو کہاں لے جا کر ٹھہرانا ہے لہٰذا آپ سیدھے حضرت اُم سلیم بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ معزز خواتین کو وہاں ٹھہرانے کے بعد آپ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اس وقت وہاں عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے چودھویں کا چاند ستاروں کے جھرمٹ میں ہو وہاں پر موجود حضرات نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راستہ

marfat.com

دے دیا۔ انہوں نے اپنے محبوب و آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر نہایت ادب و محبت سے سلام عرض کیا اور شاہِ مقوقس کا خط نکال کر پیشِ خدمت کیا اور کہا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خبیث مقوقس نے اپنی بادشاہت کی وجہ سے بخیلی کی حالانکہ بادشاہت باقی نہیں رہے گی۔''

محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کے خط کی طرف دیکھا اور اسے کھولے بغیر ہی بتا دیا کہ اس میں کیا لکھا ہے اور پھر حضرت اُم سلیم بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے جب ماریہ اور سیرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ادب سے کھڑی ہوگئیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے تو وہ بھی مودب بیٹھ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

دورانِ سفر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتوں سے دونوں بہنیں دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کی حقانیت کی مداح ہو چکی تھیں لہٰذا ماریہ نے نہایت ہی ادب سے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں' اللہ اور آپ پر برضا و رغبت ایمان لاتی اور مسلمان ہوتی ہوں۔''

اور یہی الفاظ ان کی بہن سیرین نے کہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرمایا تو بے حد مسرور و شاداں ہوئے' مسلمان ہونے کی دیر تھی کہ ماریہ' ماریہ سے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور صحابیہ رسول بن گئیں اور یہی مرتبہ ان کی بہن کو مل گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خداداد حسن و جمال میں ایمان کے نور نے شامل ہو کر اسے چار چاند لگا دیئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابی و شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت سیرین قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عطا فرما دی جن کو وہ اپنے حبالۂ عقد میں لے آئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت صابر و شاکر تھیں۔

جب مابور کو قبول اسلام کی دعوت دی گئی تو اس نے عرض کی:

marfat.com

''حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں چند دن مزید اس دعوت پر غور و پرداخت کرنا چاہتا ہوں۔''

اور دین نصرانیت پر ہی قائم رہا لیکن چند دنوں کے بعد از خود بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر خلعتِ اسلام سے سرفراز ہوا اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا شرف پایا۔

اس مقام پر پہنچ کر میرا قلم از خود رُک گیا' سوچوں کی زنجیروں نے میرے دل و دماغ کو جکڑ لیا' نظروں کے سامنے وہ مندرجات گردش کرنے لگے جو حضرت ماریہ قبطیہ المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حیثیت متعین کرنے کے سلسلہ میں مختلف کتب میں بکھرے پڑے ہیں۔

''خاندانِ نبوت'' میں ص ۲۸۳ اور ۵۱۶ پر حضرت ماریہ قبطیہ المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اُم المومنین لکھا ہے۔ ص ۵۱۹ پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے نکاح کا ذکر ہے لیکن باندیوں میں شمار کیا گیا ہے۔

''مدارج النبوت'' ج ۲ ص ۸۴۰ پر رقم ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک یمین کے تحت ان میں تصرف فرمایا۔

''طبقات ابن سعد'' ج ۱ ص ۱۹۱ پر ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملک یمین کی حیثیت سے اپنے پاس رکھا۔

''سیرۃ الرسول'' ص ۵۵۰ پر درج ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شمار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈیوں میں ہوتا تھا لیکن بیٹے کی ولادت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کا رُتبہ کنیزی سے بڑھ کر زوجیت کے درجے تک پہنچ گیا۔

''سیر الصحابہ'' ج ۶ حصہ ۱۲ ص ۲۹۴ پر ہے کہ گو وہ کنیز تھیں لیکن ازواج کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پردے میں رہنے کا حکم دیا اور ص ۲۸۷ پر مرقوم ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئیں جبکہ ان کی بہن حضرت سیرین قبطیہ المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت حسان بن ثابت رضی

marfat.com

اللہ تعالیٰ عنہ کے حبالہ عقد میں آئیں۔

''ضیاء النبی'' ج چہارم ص ۲۰۲ پر ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کاشانۂ نبوت کی زینت بننے کا شرف بخشا۔

''حیات اُم المومنین'' ص ۷۹-۸۰ پر ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے عنوان کے تحت آخر میں ۱۲ نمبر پر حضرت ماریہ قبطیہ المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر بحیثیت اُم المومنین کے ہے اور لکھا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو شرفِ زوجیت سے سرفراز فرمایا اور حضرت سیرین قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

''سیرت النبی'' ج ا ص ۴۴۳ پر لکھا ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئیں' یہ خواتین لونڈیاں نہ تھیں' اسلام قبول کر چکی تھیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا ہوگا نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں آئیں۔

میں سخت تذبذب کا شکار تھا کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی سمجھوں یا زوجہ' یہ فیصلہ کرنا مجھ جیسے بے بضاعت و کم علم شخص کے لیے جسے دین اسلام کے ابجد سے بھی واقفیت نہیں' بے حد دشوار و کٹھن مرحلہ تھا۔

مختلف النوع سوالات کے ہجوم نے مجھے اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں استمداد و رہنمائی کے لیے میری نظر انتخاب حضرت علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی پر پڑی جن کا میں غائبانہ طور پر بے حد مداح ہوں۔ میں نے انہیں نو سوالات پر مشتمل ایک خط ۳۱ مارچ ۲۰۰۳ء کو ارسال کیا لیکن شاید ان کی عدیم الفرصتی میرے خط کا جواب دینے میں آڑے آئی' بارگاہ خداوندی میں بھی بہ صمیم قلب دعا کی کہ وہ مجھ پر حق روشن فرمادے۔

بہرکیف اس حقیقت سے مفر نہیں کہ اسلام نے نہ صرف ہر اس برائی کو جس سے انفرادی و اجتماعی زندگی میں فساد برپا ہوتا اور آخرت برباد ہوتی ہو مٹانے کی تلقین کی ہے

marfat.com

بلکہ عملاً اس کی بیخ کنی کے اقدام کے لیے ترغیب دی ہے اور اس پر بے حد اجر وثواب کا مژدہ سنایا ہے۔

عرب معاشرے میں جہاں اور بے شمار بُرائیوں نے چہار اکناف پنجے گاڑ رکھے تھے' وہاں عورتوں اور مردوں کو لونڈی و غلام بنانے کی لعنت نے بھی ہر سو ڈیرے ڈال رکھے تھے اور دوسری اشیاء کی طرح ذی روح انسانوں کو بھی بازار میں لا کر فروخت کر دیا جاتا تھا۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو آزاد پیدا فرمایا ہے لیکن لوگوں نے انہیں غلام بنا لیا ہے۔''

لہٰذا دینِ اسلام نے دنیا سے غلامی کی لعنت کے خاتمہ کے لیے مرکزی کردار ادا کیا۔ بات بات پر غلام آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی' سیر و تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بے شمار غلاموں کو آزاد کیا اور یہ اسلام کی ہی مساعی و رحمت و برکت کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا میں غلامی کی لعنت کا وجود یکسر ختم ہو چکا ہے۔

اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اسلام میں جنگی قیدیوں کو لونڈی غلام بنانے کی عام اجازت نہیں ہے بلکہ اس کو ایک خاص ضرورت کے تحت بوجہ مجبوری جائز کیا گیا ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۵۱) دراصل جو کافر جہاد میں قید ہو کر مالِ غنیمت سے تقسیم کیے جائیں' صرف انہیں کو لونڈی یا غلام بنایا جاتا ہے اور یہ بھی اس صورت میں مباح کیا گیا ہے جب فریقین میں جنگی قیدیوں کے تبادلہ کا رواج نہ ہو۔ (شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۴۸)

لونڈی اور غلام کی اس تعریف کے ہم آہنگ اگر غلامی کے اسباب پر بھی طائرانہ نظر ڈال لی جائے تو حقیقت حال روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے اس کے درج ذیل پانچ اسباب ہیں:

(۱) کسی شخص کا نسلاً غلام ہونا

(۲) میدانِ جہاد میں جو کافر قید کیے گئے' ان کے مردوں کو غلام اور عورتوں کو

marfat.com

باندیاں بنانا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور غلامی سے باغی اور منحرف تھے اس لیے بطورِ سزا کے انہیں اللہ تعالیٰ کے بندوں کا غلام بنا دیا گیا پھر جب امیر لشکر انہیں مجاہدین میں تقسیم کرے گا تو جن مجاہدین کے حصہ میں آئیں گے' اس شخص کے غلام قرار پائیں گے اسی طرح میدانِ جنگ میں پکڑی جانے والی عورتیں جن کے حصہ میں آئیں گی' ان کی باندیاں ہوں گی یا مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال روانہ کیا جائے گا۔ اس حصہ میں سے سلطان جس شخص کو جو قیدی تقسیم کرے گا وہ اس کے غلام اور باندی ہوں گے۔

(۳) کسی شخص سے غلام یا باندی کو خرید لیا جائے۔

(۴) ان کا ہبہ اور

(۵) ان کی وراثت (شرح صحیح مسلم ج۴ ص ۴۷)

غلام و باندی کی تعریف اور اسباب غلامی کی روشنی میں دراصل حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر باندی کے لفظ کا اطلاق ہی نہیں ہوتا لیکن متذکرہ بالا کتب کے مصنفین کی نگارشات سے دو قسم کے مکاتب فکر کا اظہار ہوتا ہے۔ پہلے مکتبِ فکر کے خیال میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیثیت ایک باندی کی تھی اور دوسرے مکتب فکر کی رائے میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں شامل تھیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان پر دو مکاتب فکر کے خیالات پر مزید غور و پرداخت کر لیا جائے تاکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیثیت کے بارے میں کسی نوع کا ابہام و اشکال نہ رہے۔

فرض کریں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک باندی کی حیثیت سے رہیں تو اس ضمن میں درج ذیل نکات پر تعمق کی ضرورت ہے

اوّل محبوب کبریا' راحت انس و جاں' رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ' اسوۂ حسنہ اور مکارم اخلاق لعل و گوہر کی طرح چمک دار' اُجلے اور گلاب کے تازہ

marfat.com

پھولوں کی طرح مشک بار ہیں جن کی چمک دمک اور خوشبو تا قیامت بلکہ اس کے بعد تک برقرار رہے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی کہ غیر مسلم افراد کے ساتھ بھی ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق برتاؤ روا رکھتے تھے اگر کسی قبیلے کا سردار شرفِ ملاقات کے لیے حاضر خدمت ہوتا تو اس کو ایسی ہی عزت دی جاتی جس کا وہ اہل ہوتا تھا۔

حضرت صفیہ بنت حیی اور حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما غزوات میں مالِ غنیمت کے طور پر حاصل ہوئی تھیں' باندیوں کے زمرے میں آتی تھیں لیکن خاندانی لحاظ سے عالی مرتبت تھیں' ان سے سلوک بھی ویسا ہی روا رکھا گیا' ان پر کسی نوع کا جبر نہیں کیا گیا' ان کے سامنے دو باتیں رکھی گئیں ایک یہ کہ اگر وہ اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتی ہیں تو انہیں آزاد کر دیا جائے گا اور وہ واپس جا سکتی ہیں اور دوسری یہ کہ مسلمان ہو کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آ جائیں۔ ہر دو خواتین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی و زوجیت کو قبول کیا اور اُمہات المومنین کے زریں تاج کو اپنے سروں پر سجایا۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی قوم قبط میں عظیم المرتبت تھیں' شاہِ مصر نے انہیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں تحفتاً بھیجا تھا' وہ بجا طور پر توقع کرتی ہوں گی کہ ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک روا رکھا جائے گا جس کی وہ اہل ہیں۔ ان پر باندی کی تعریف لاگو نہیں ہوتی تھی اور اب جبکہ وہ نہ صرف مسلمان بلکہ صحابیات میں شامل تھیں تو ان کو شرفِ زوجیت بخش کر عملاً غلامی ختم کرنے کا نمونہ پیش کیا ہوگا۔

دوم: ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جن خواتین کا انتخاب فرمایا' وہ ہر لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل تھیں۔ ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ ربِ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب بھی عطا فرمایا تھا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو گا کہ شاہِ مصر نے جس قبطی خاتون کو میرے پاس بھیجا ہے اس کے بطن سے میرا بیٹا تولد ہو گا۔

عرب معاشرے میں ایک آزاد عورت اور باندی کے بیٹے میں فرق رکھا جاتا تھا

marfat.com

باندی کے بیٹے کو اتنی عزت کی نظر سے دیکھا نہیں جاتا تھا جتنا آزاد عورت کے بیٹے کو۔
حضرت اسمٰعیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

''کیا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تھا؟''

انہوں نے کہا:

''وہ بچپن میں فوت ہو گئے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا مقدر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے زندہ رہتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔'' (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۱۴/شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۷۲۶)

لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب زادہ ہو اور باندی کا بیٹا کہلاتا یہ ماورائے سوچ ہے۔

سوم: بنی اسمٰعیل کا آغاز ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زوجہ اطہر حضرت حاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہوا جن کا تعلق قوم قبط سے اور شاہ مصر کی بھیجی ہوئی تھیں اس کا اختتام سیدالانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہوا جن کی والدہ بھی قبطی اور شاہ مصر کی بھیجی ہوئی تھیں اور ان کی حیثیت ایک باندی کی ہو ممکن نہیں۔

چہارم: یہ انسانی فطرت ہے کہ اگر دو بہنوں میں سے ایک کسی بڑے آدمی اور دوسری کسی غریب مرد کے نکاح میں آئیں تو لامحالہ نفسیاتی طور پر دوسری پہلی کی نسبت مختلف اُلجھنوں اور پریشانیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں اور وہ خود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحیثیت باندی کے زندگی بسر کریں اس لیے یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح نہیں فرمایا ہوگا' ویسے تو ہر مسلمان مرد ہو یا عورت' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

کے غلاموں کے غلاموں کے غلام اور باندی بننے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

پنجم: شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۲۳۸ پر حدیث نمبر ۶۳۷۱ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم عنقریب مصر کو فتح کرو گے' یہ وہ سرزمین ہے جہاں قیراط بولا جاتا ہے جب تم اس سرزمین کو فتح کرو تو وہاں کے لوگوں سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ ان کا حق اور رشتہ ہے۔ یا فرمایا ان کا حق اور سسرالی رشتہ ہے۔ رشتہ سے مراد یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ حاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مصر سے تھیں اور سسرالی رشتہ سے مراد یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی مصر سے تھیں۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کی مجال ہے کہ کسی سے حسن سلوک کر سکے۔ درحقیقت تمام حسن سلوکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک سے جنم لیا ہے۔ لہٰذا یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زوجہ بنا کر رکھا ہوگا نہ کہ باندی۔

ان حقائق کی روشنی میں ہمارا عقیدہ' عقیدت' عقل اور عشقِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو تسلیم کرنے سے گریزاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زوجہ نہیں باندی بنا کر رکھا ہوگا۔

دوسرے مکتب فکر کا کہنا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور وہ اُم المومنین ہیں۔ لہٰذا اس پہلو پر بھی قدرے غور و تحقیق کرنے سے صورتِ حال آئینہ کی مانند شفاف ہو سکتی ہے۔

اسلام میں عورت نکاح مسنونہ سے مرد پر حلال اور بغیر نکاح کے حرام قرار پاتی ہے' اسلام نے عورت کو قعر مذلت سے نکال کر مسند عزت و توقیر پر بٹھایا اور بے حد حقوق دیئے ہیں لیکن اسے باندی بنا کر رکھنا جس سے بغیر نکاح کے جنسی تعلق قائم کرنا درست ہو' عورت کی عزت نہیں ہے۔ دشمنانِ اسلام تو اس کی مخالفت کرتے اور باتیں بناتے ہیں

marfat.com

لیکن اکثر مسلمانوں کے ذہنوں میں بھی یہ سوال اکثر کلبلاتا رہتا ہے کہ اسلام جو دین فطرت ہے کس طرح اجازت دے سکتا ہے کہ چار عورتیں نکاح سے رکھ لی جائیں اور بغیر نکاح کے جتنی مرضی عورتوں کو باندیاں بنا کر رکھ لیا جائے۔

حضرت فضل شاہ نور والے رحمۃ اللہ علیہ دنیائے تصوف کے عظیم تاجدار تھے' ان کا مقام قطب عالم تھا' علم لدنی میں آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے' بذاتِ خود اُمی تھے لیکن ان کی محفل میں بڑے بڑے جید علماء وفضلاء' محدث ومحقق اور دنیاوی علوم کے ماہرین طفل مکتب نظر آتے تھے۔ آپ کی علمی فضیلت کی وجہ سے کوئی ان کی طرف پشت نہیں کرتا تھا' راقم الحروف کو ان سے شرف بیعت حاصل ہے۔ میں صرف انہیں مہ وسال کو حاصل زندگی سمجھتا ہوں جو ان کے قدموں' قرب اور معیت میں گزرے تھے۔ محبت سے مجھے ''جان جانی'' فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا وصال ۳۰ جولائی ۱۹۷۸ء کو ہوا اس سے تقریباً تین سال قبل ایک خصوصی محفل کا **فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون** (اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہلِ ذکر سے سوال کرو) کے تحت ڈیرہ پاک کے اندر بغیر چھت کی مسجد میں بعداز نماز عشا اہتمام کیا گیا۔ دُور ونزدیک سے اہلِ علم افراد نے کثیر تعداد میں شرکت کی' ہر نوع کا سوال دریافت کرنے کا اذن عام تھا۔ یہ محفل جواڑھائی تین گھنٹوں تک جاری رہی' مختلف لوگوں نے اکہتر سوالات کیے' ان میں باندیوں کے بارے میں بھی سوالات تھے جو مع جوابات درج ذیل ہیں:

سوال: حضور! بدکاری سے کیا مراد ہے؟

جواب: بدکاری وہ عمل ہے جو مرد اور عورت سے بغیر نکاح کے مجامعت کی صورت میں ہوتا ہے۔

سوال: حضور! آقا پر باندی کے کیا حقوق ہیں؟''

جواب: صاحبو! آقا پر باندی کے وہی حقوق ہیں جو ایک نگران کے ماتحت پر ہیں یعنی اس کے کھانے پینے' لباس اور رہائش کا انتظام کرے اور امانت کی حیثیت سے اس کا خیال رکھے۔

marfat.com

سوال: حضور! جو وقت آقا کے آرام و تنہائی کا ہو' کیا اس وقت باندی کو اس کے کمرے میں جانے کی اجازت ہے؟''

جواب: بغیر اجازت کے وہ اندر جانے کی مجاز نہیں' شرم کے تین اوقات ہیں:

(الف) نمازِ فجر سے قبل

(ب) دو پہر کو جب تم کپڑے اُتار رکھتے ہو۔

(ج) نمازِ عشا کے بعد

سوال: حضور! کیا باندی سے بغیر نکاح کے ازدواجی تعلقات رکھنا درست ہے؟''

جواب: ہرگز' ہرگز نہیں! باندی غلاموں کو تو بغیر اذن اندر جانے کا حکم نہیں چہ جائیکہ ان سے خواہش نفسانی کو پورا کیا جائے۔ صاحبو! جان لو جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نکاح کے بغیر ہی لونڈی ان پر جائز ہے' وہ عین جاہل ہیں۔

سوال: حضور! اگر باندی آزاد عورت کی نسبت حسن و جمال میں یکتائے روزگار ہو تو کیا آزاد عورت پر باندی کو ترجیح دی جاسکتی ہے؟''

جواب: صاحبو! جان لو کہ باندی سے نکاح کرنے کا حکم اس کے لیے ہے جو آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

''اور جسے تم میں سے استطاعت نہ ہو بے مقدوری کے باعث آزاد مومنات سے نکاح کرنے کی تو وہ ان سے نکاح کرے جو اس کے ہاتھ کی مومن کنیزوں سے ہو۔''

سوال: حضور! غزوات میں ہاتھ آئی ہوئی باندیوں کی مومنین کے پاس کیا حیثیت ہوتی ہے؟

جواب: باندی مومنین کے پاس امانت ہوتی ہے جب تک اس سے نکاح نہ ہو۔

سوال: حضور! باندی سے نکاح کی کیا صورت ہے؟

جواب: اسوۂ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے سامنے ہے' حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی کو آزاد کیا پھر اس کی تمنا پر نکاح فرمایا جو باندی کو فی سبیل اللہ آزاد کرے' وہ برحق ہے۔ آزاد ہونے کے بعد باندی چاہے جس سے نکاح کرے۔ یاد رکھو!

marfat.com

باندی کا حق مہر بھی لازم ہے۔

سوال: حضور! مشرک لونڈی سے نکاح کی کیا صورت ہے؟

جواب: مشرکات سے نکاح منع فرمایا گیا ہے جب تک ایمان نہ لائیں۔

سوال: حضور! لونڈیوں کی تعداد کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ لونڈیوں کی تعداد پر پابندی نہیں ہے، انہیں جاننا چاہیے بفرمانِ ربی تو جوان دو کے سوا چاہیں، وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اگر لونڈیوں کی تعداد پر پابندی نہ ہو تو حد سے بڑھنے کا امکان ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ حد ہو تو اس کا احترام حق ہوتا ہے۔ معلوم ہوا حد موجود ہے اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ لونڈیوں کی تعداد پر پابندی ہے اور ان کے متعلق بھی نکاح کے احکامات وہی ہیں جو آزاد عورتوں کے ساتھ ہیں۔ (اخص الخواص ص ۷۷۔۷۸)

انہیں دنوں تفسیر فاضلی کے مطالعہ کا موقع ملا جو تفسیر بالقرآن ہے اس میں سورۂ احزاب آیت ۵۰ اور سورۂ مومنون آیت ۶ کی تفسیر نے باندیوں کے سلسلہ میں ہر نوع کے غبار کو مٹا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے حلال کیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج جن کے مہر آپ ادا کر چکے ہیں اور جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ کا مال ہو جو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ لگائے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور مومنہ اگر اپنی جان نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہبہ کر دے جبکہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے نکاح کرنا پسند کریں۔ یہ خالص آپ کے لیے ہے، مومنوں کے لیے نہیں ہے۔ ہمیں علم ہے جو ہم نے ان پر ان کی ازواج اور ان کی کنیزوں کے بارے میں فرض کیا ہے تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کوئی حرج نہ رہے اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ (الاحزاب آیت ۵۰)

marfat.com

اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں خواہش کے تحت نطق ہی نہیں فرمایا۔ عمل کا مقام تو بعد میں آتا ہے' ازدواجی زندگی کے حوالے سے جن طبقات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت رفعت ملی' ان کو یہ رفعت کسی اور صورت میں مل ہی نہیں سکتی تھی۔

حق کے مطابق نکاح میں آنا اور مہر کا ادا کیا جانا ضروری ہے۔ ملک یمین جو فے کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے' یہ اللہ کی عطا ہے اس کے ساتھ بھی حق کے مطابق تول سے نکاح ہوگا تو عمل کا مقام آئے گا۔ چچا کی بیٹیاں' پھوپھیوں کی بیٹیاں' ماموں کی بیٹیاں' خالاؤں کی بیٹیاں بشرط ہجرت حلال ہیں اگر کوئی مومنہ اپنی جان کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کرنے کا عزم رکھتی ہو اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نکاح کو پسند فرمائیں تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ ان کا یہ مقام ہے' مومنین سے کسی اور کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ ازدواجی زندگی کے بارے میں جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام لوگوں کے لیے فرمایا گیا ہے یقیناً علم سے فرمایا گیا ہے۔ منشا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسانی ہو' ان بہت سے مقامات سے گزرتے ہوئے کہیں بھول ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی عنایات مزید سے نوازے گا۔ (تفسیر فاضلی منزل پنجم ص ۳۰۸)

سورۂ المومنون آیت ۶ میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''سوائے اپنی ازواج پر یا باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی ملک ہوں تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔''

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں درج ہے:

''شرم گاہوں کے دو محل فرمائے گئے ہیں' بیویاں یا باندیاں۔ آزاد عورت کے ساتھ اسوۂ حسنہ کے مطابق نکاح کیا جائے تو وہ بیوی ہوگی اور امیر المومنین کی طرف سے جو عورت امانت کے طور پر خدمت کے لیے دی جائے' وہ باندی ہوگی۔ باندیوں کے ساتھ

marfat.com

نکاح اسی صورت میں ہوتا ہے جب ان کے اہلِ خانہ سے اس کی اجازت لی جائے۔ حکم الٰہی یہی ہے کہ جو مرد نکاح کا مقدور نہ رکھتے ہوں' وہ عفیف رہیں حتیٰ کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔ باندی سے بدکاری کرانا خلافِ حق ہے' باندی سے نکاح کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ مومن ہو' مشرکات سے نکاح منع فرمایا گیا ہے۔ باندی غلام تین اوقات میں بغیر اجازت کے خلوت گاہ میں نہیں آ سکتے۔ نمازِ فجر سے قبل' نمازِ ظہر کے بعد اور نمازِ عشا کے بعد۔ شرم گاہوں کی حفاظت کے لیے یہ حسن اہتمام ہے اگر بقائے نسل کا منشا پورا ہو چکا ہو تو پھر نکاح ثانی خواہشات کی پیروی کے لیے نہیں ہونا چاہیے۔ باندی سے نکاح بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو' اسے آزاد کر دیا جائے اور اسے اگر موجود جگہ اپنے لیے بہتر نظر آئے تو اس کی درخواست پر اس سے نکاح کیا جائے۔ شہوت کو سنبھالنا بہتر ہے جو آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو' اسے لونڈی سے نکاح کی اجازت ہے مگر اس کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ صبر کرے۔ مومن لونڈی مشرک لونڈی سے بہتر ہے' مومن غلام مشرک غلام سے بہتر ہے' یہ خدائی فیصلے ہیں جو باندیوں کے ساتھ بغیر نکاح کے جنسی تعلق کو جائز قرار دیتے ہیں' وہ اللہ سے ڈرتے نہیں' ان کی زندگی کبھی پاکیزہ نہیں ہوتی۔ وہ نام کوئی لے رہے ہوں' کر خلافِ حق رہے ہوتے ہیں۔ (تفسیر فاضلی منزل چہارم ص ۲۹۸)

متذکرہ بالا حقائق' قطب عالم حضرت فضل شاہ نور والے رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات اور تفسیر فاضلی کی روشنی میں اب کسی نوع کا دل و دماغ میں ابہام' شک و شبہ اور اشکال نہیں رہ جاتا کہ:

(الف) باندیاں کون تھیں

(ب) مسلمانوں کے پاس ان کی حیثیت کیا ہوتی تھی اور

(ج) ان کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔

لہٰذا جو مصنفین اس مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں کہ حضرت ماریہ قبطیہ بنت شمعون المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُم المومنین تھیں اور ان کے ساتھ محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

نے نکاح فرما کر شرفِ زوجیت بخشا تھا' ان کا نکتہ نظر درست وصائب دکھائی دیتا ہے۔

بمطابق سیر الصحابہ ج ۶ حصہ ۱۰ ص ۲۸۷ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حرم نبوی میں داخل فرما لیا۔ بقول مقوقس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبط میں عظیم المرتبت تھیں لیکن حقیقی معنوں میں اب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف عظیم المرتبت بلکہ اس سے بھی بلند و بالا مقام اُم المومنین پر فائز ہو گئی تھیں۔ بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے پڑوس میں حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں ٹھہرایا گیا اور دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرح انہیں پردہ میں رہنے کا حکم دیا اس وقت ان کی عمر مبارک ۲۰ سال کی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن' حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں آیا جایا کرتی تھیں' ایک دوسرے سے میل ملاقات تھی لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے ہاں آمد و رفت زیادہ ہونے لگی تو دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے ان کے ہاں آنا جانا قدرے کم کر دیا تاکہ ان کے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون و آرام میں ذرہ برابر خلل نہ پڑے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''مجھے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بڑا رشک آتا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت تھی۔''

ہر زوجۂ مطہرہ نورِ مجسم' راحت انس و جاں' رحمۃ للعالمین' محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی محب صادقہ تھی اور شرع محبت یہی ہے کہ محب اپنے محبوب کے بارے میں بڑا حساس اور غیرت مند ہوتا ہے جس دن جس زوجۂ مطہرہ کی باری ہوتی تھی تو وہ دن اس کے لیے دولت ہفت اقلم سے بھی زیادہ گرانمایہ ہوتا تھا اس دن کے ایک ایک لمحہ و ساعت کو وہ اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و خدمت گزاری کے لیے صرف اپنا سمجھتی

marfat.com

تھیں اور اس میں ایک لمحہ کے لیے بھی کسی دوسری زوجہ کی مداخلت اس پر برق تپاں کی مانند ہوتی تھی۔ یہ عورت کی نفسیات بھی ہے اور محبت تامہ کا تقاضا بھی جو اسے اپنے محبوب سے ہوتی ہے۔

ایک روز حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ سوئے اتفاق وہ اس وقت گھر میں موجود نہیں تھیں، اپنے والد گرامی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے گئیں تھیں اور بوجوہ واپس آنے میں قدرے دیر ہوگئی تھی۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے پڑوس میں مقیم تھیں، کسی کام سے وہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملنے کے لیے تشریف لائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا پا کر ان سے گفتگو کرنے لگیں۔ اسی اثناء میں وہ بھی تشریف لے آئیں۔ انہوں نے جب حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہاں دیکھا تو ان کے اندر وہ جذبات جو محبت کے محبوب کے بارے میں ہوتے ہیں کہ وہ آج صرف میرا ہے، اُبھر کر ان کے چہرے پر باعثِ رنج وخفگی بن گئے۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب ان کے تاثرات کا جائزہ لیا تو فوراً اُٹھ کر واپس اپنے گھر چلی گئیں۔

اس واقعہ کے بعد اطراف مدینہ میں العالیہ کے مقام پر ایک مکان تعمیر کرایا گیا جہاں حضرت ماریہ قبطیہ کو منتقل کر دیا گیا اس مکان کے گرد انگور کی بیلیں تھیں اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ قبولیتِ اسلام، عبادتِ الٰہی اور قرب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کایا پلٹ دی تھی۔ آپ بڑی دیانت دار، نہایت صالح، پاکیزہ اور نیک سیرت تھیں۔ محبوب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت خوش تھے۔

وقت کا دھارا بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مذہب رسالت کے فرائض کی تکمیل کے سلسلہ میں شبانہ روز مصروف رہتے تھے اور جہنم کے کنارے پہنچے ہوئے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک، مکارم اخلاق، بے مثل

marfat.com

کردار، اسوۂ حسنہ، قرآنی تعلیمات اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جوق در جوق مسلمان ہوکر جنت کے باغوں کی طرف آ رہے تھے۔

اسی دوران میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امید سے ہوگئیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد مسرور وشاداں تھے جب بچے کی ولادت کا وقت قریب آیا تو اس کی ذمہ داری حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سونپی۔ وہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں اکثر آتی جاتی تھیں اور پھر ذوالحجہ ۸ ہجری میں انہوں نے ایک نہایت خوب صورت اور صحت مند وتوانا بچے کو جنم دیا۔ حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے خاوند کو بچے کی خوش خبری دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔

محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عشاق کے درمیان تشریف فرما تھے کہ اسی اثناء میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح مخاطب ہوئے:

''السلام علیکم یا ابا ابراہیم!''

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹے کے تولد ہونے کا مژدہ سنایا بلکہ اس کا نام بھی بتا دیا لہٰذا جب حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بیٹے کی ولادت کی خبر دینے آئے ہو۔''

''جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو چاند سا بیٹا عطا فرمایا ہے۔''

حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشی سے پھولا نہیں سما رہے تھے، وہاں پر موجود اصحابِ رسول نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک باد دی۔ حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خوشی کے موقع پر ایک غلام بطورِ انعام عطا فرمایا گیا۔

اُم المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں بیٹے کی پیدائش کی خبر آنِ

marfat.com

واحد میں مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں پھیل گئی اور جب تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو پتہ چلا تو ان کے اندر جذبہ رشک نے جگہ بنالی۔ وہ جانتی تھیں کہ اب حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قدرومنزلت ان کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں اور بھی بہت بڑھ جائے گی' ادھر انصار کی خواتین میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بیٹے کو دودھ کون پلائے گی۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم چند اصحاب کے ہمراہ بیٹے کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے' بیٹے کو دیکھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے کہنے کے مطابق اس کا نام ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اسم پاک پر رکھا جو فطرتاً حنیف تھے۔ نام رکھنے کی دیر تھی کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت اُم ابراہیم ہوگئی اور جہاں ان کا قیام تھا اس جگہ کا نام مشربہ اُم ابراہیم پڑ گیا جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔

بیٹے کی پیدائش کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۶۰ سال تھی' بیٹے کی دایہ حضرت سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب بھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بڑی آؤ بھگت کیا کرتے تھے اسی عرصے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت سیرین قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی ایک بیٹا عطا فرمایا تھا جس کا نام عبدالرحمٰن بن حسان رکھا گیا۔

ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپس میں خالہ زاد بھائی تھے جو تقریباً ہم عمر تھے۔

عرب میں رواج کے مطابق بڑے گھرانے کے لوگ اپنے نوزائیدہ بچے کو دودھ پلانے کے لیے کسی آیا کے سپرد کر دیا کرتے تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دودھ پلانے کے لیے حضرت اُم بردہ جن کا نام خولہ بنت المنذر انصاری تھا' کے حوالے کر دیا۔ ان کے خاوند کا نام حضرت براء بن اوس تھا جن کا قیام محلہ بنی النجار میں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سات بکریاں بھی عطا فرمائیں' وہ اپنا اور بکریوں کا دودھ حضرت ابراہیم رضی اللہ

marfat.com

تعالیٰ عنہ کو پلاتی تھیں۔

ساتویں روز حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیقہ کیا گیا تو دو مینڈھے ذبح کیے گئے' ان کا سر منڈایا گیا اور سر کے بالوں کے برابر چاندی تول کر صدقہ کی گئی اور بالوں کو زمین میں دفنا دیا اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قبطیوں کے (مصر کے عیسائی) ساتھ حسن سلوک کرو اس لیے کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔ ان کے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی والدہ (حضرت حاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور میرے لڑکے ابراہیم دونوں کی ماں اسی قوم سے ہے اور عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے تھے' وہیں قیلولہ فرماتے تھے اس وقت حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی معصومانہ اداؤں سے بہت مسرور و شاد ہوتے تھے۔ سیرت الرسول کا مصنف ڈاکٹر محمد حسین ہیکل لکھتا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وابستگی فرائضِ رسالت کا جز نہ تھی بلکہ اس کا سبب وہ بشری جذبہ تھا جو قدرت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت سے ودیعت کیا تھا۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارک جب ایک سال سے قدرے زیادہ ہوئی تو ان میں اپنے والد محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت کے آثار نمودار ہونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹے سے بڑی شفقت سے پیش آتے تھے۔

ایک دن رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم کو بازوؤں میں لے کر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لائے' چہرۂ انور مسرت سے دمک رہا تھا' فرمایا:

''دیکھو تو سہی مجھ میں اور ابراہیم میں کتنی مشابہت ہے؟''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچے پر ایک نظر ڈالی اور بولیں:

marfat.com

''مجھے تو کوئی مشابہت نظر نہیں آتی۔''

اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم بچے کی نشوونما سے بہت خوش اور شاداں ہیں تو گویا ہوئیں:

''ہر وہ بچہ جو اتنا دودھ پیتا ہو جتنا ابراہیم پیتا ہے تو اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ تندرست ہوتا ہے۔''

ہر عورت کے اندر مامتا کا جذبہ قدرت نے فطری طور پر رکھا ہوتا ہے جب اس جذبے کی تسکین نہیں ہوتی تو زندگی میں ایک خلا سا محسوس کرتی ہے اور جب اس کے خاوند کی اولاد کسی دوسری عورت سے ہو تو یہ خلا قدرے گہرا ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ہونے کا شرف حاصل تھا لیکن ابراہیم کو دیکھ کر جو الفاظ ان کے لبوں سے نکلے تھے' وہ دراصل اس خلا کی آواز تھی جو ان کے ہاں بچہ نہ ہونے کی وجہ سے موجود تھا۔

وقت کا دریا تیزی سے بہہ رہا تھا اور پھر ایک دن حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار پڑ گئے۔ روز افزوں ان کی علالت میں اضافہ ہوتا گیا لہٰذا بحالی صحت کے لیے انہیں مشربہ اُم ابراہیم کے قریب ایک نخلستان میں لے جا کر رکھا گیا۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی بہن دن رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر کی تیمار داری میں مگن رہتی تھیں لیکن مرض میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

ایک روز حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت سے اندازہ لگ گیا کہ اس جہان رنگ و بو سے ان کی رُخصتی کا وقت قریب آ گیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تھامے نخلستان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ابراہیم اپنی والدہ کی گود میں دم توڑ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کو اپنے آغوش میں لے لیا' غم کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس سے نمایاں تھے۔ ارشاد فرمایا:

marfat.com

''اے ابراہیم! ہم تیرے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔''

اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے۔ ابراہیم کی ماں اور خالہ دونوں رو رہی تھیں لیکن لبوں پر کوئی لفظ شکایت نہ تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ابراہیم راہی ملک عدم ہوئے' ان کا جسد پاک بے حس و حرکت ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہو گئی' زبان دُرفشاں سے ارشاد فرمایا:

''اے ابراہیم! اگر موت امر حق اور سچا وعدہ نہ ہوتا اور ہم میں پیچھے رہ جانے والے آگے جانے والوں سے نہ جاملا کرتے تو ہم تجھ پر اس سے زیادہ اظہارِ غم کرتے۔''

وہاں پر موجود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جب اپنے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کو رنجیدہ وملول دیکھا تو بصد ادب عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو دوسروں کو اس چیز سے روکا کرتے تھے؟''

ارشاد فرمایا:

''میں نے کسی کو اس قسم کے غم سے منع نہیں کیا بلکہ میں نے بلند آواز سے رونے دھونے سے روکا ہے' تم اس وقت جو میری حالت دیکھ رہے ہو یہ تو محبت وشفقت کا نتیجہ ہے جو کسی پر مہربانی وشفقت نہیں کرتا' لوگ کبھی اس پر شفقت نہیں کرتے' بے اختیار رونا رحمت ہے اور چیخنا شیطان سے ہے۔''

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ اور حضرت سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نہایت لطف وکرم کی نظر سے دیکھا' انہیں حوصلہ دیا اور بقول شعبی رحمۃ اللہ علیہ' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابراہیم کو دودھ پلانے والی ایک دایہ بہشت میں ہے جو اس کی شیر خوارگی کی بقیہ مدت پوری کرے گی۔''

جب حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو وہ سہ شنبہ (منگل) کا دن' ربیع الاوّل کی ۱۱ تاریخ اور سن ۱۰ ہجری تھا اس وقت ان کی عمر مبارک بعض نے ۱۷ اور ۱۸ ماہ لکھی ہے لیکن قدیم ماخذ کے مطابق عمر ۱۶ ماہ تھی اور غالباً یہی صحیح ہے۔

marfat.com

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دیا اور ایک چھوٹے سے تختے پر اُٹھا کر بقیع کی طرف چل پڑے۔ میت کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت تھی۔ نمازِ جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھائی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کو کہاں دفن کریں؟''

ارشاد فرمایا:

''ہمارے سلف عثمان بن مظعون کے پاس۔''

یہ وہ ہستی تھی جو سب سے پہلے بقیع میں مدفون ہوئی تھی لہٰذا حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر وہاں کھودی گئی تو اس میں حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُترے۔

جب تدفین سے فراغت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کی درزوں اور شگافوں کو بند کرنے کا حکم دیا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے قبر کی مٹی ہموار کی اور فرمایا:

''پانی لاؤ۔''

چنانچہ ایک انصاری پانی کی مشک لے آیا جس کو قبر پر چھڑکا گیا اور شناخت کے لیے وہاں کوئی چیز نصب کر دی۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''علامتِ قبر سے میت کو نہ کوئی فائدہ پہنچتا ہے نہ نقصان البتہ زندوں کو اس سے ایک گونہ تسلی ہو جاتی ہے جب انسان کوئی کام کرتا ہے تو مناسب یہ ہے کہ اسے خوب صورتی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دے، اللہ تعالیٰ کو یہی بات پسند ہے۔ علاوہ ازیں مصیبت زدہ کی طبیعت کو اس سے تسلی ہوتی ہے۔''

حضرت ابن جابر نے حضرت مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ ابراہیم کی وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر (ابراہیم) وہ زندہ ہوتا تو اس کا کوئی ماموں غلام نہ ہوتا (یعنی قبطی قوم کے تمام لوگ ابراہیم کے طفیل آزاد ہو جاتے)''

marfat.com

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدت رضاعت پوری کیے بغیر ہی وصال پا گئے تھے لیکن حضرت اُم بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کی خدمت کے صلہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نخلستان میں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا جسے بعد میں منتقل کر کے انہوں نے حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال حاصل کر لیا تھا۔

عرب کے لوگوں میں یہ بات زبانِ زدعام وخاص تھی کہ جب کبھی سورج یا چاند گرہن لگتا ہے تو اس کا سبب کوئی عظیم حادثہ یا عظیم شخصیت کی موت ہوتا ہے۔ سوئے اتفاق جس روز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کے بیٹے کی وفات ہوئی اس دن سورج گرہن لگ گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو بعض لوگوں نے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سے منسوب کر دیا جب اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو لوگوں کو اکٹھا کیا گیا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو حق تعالیٰ کی قدرت و جبروت پر دلالت کرتی ہیں اور اہلِ بصیرت کے لیے عبرت کا موجب ہے کہ ایک ساعت میں ان دونوں کی نورانیت' ان کی چمک دمک کو (جن سے روئے زمین روشن ہوتی ہے) سلب کر کے تاریک وسیاہ کر دیتا ہے اسی طرح وہ قادر ہے کہ آدمیوں سے ان کے ایمان وعلم کے نور کو سلب کر لے اور انہیں تاریک کر دے۔ کسی کی موت و حیات کا اس میں دخل نہیں ہے جب دیکھو کہ یہ مسلوب ومنکسف ہو گئے ہیں تو اللہ کو یاد کرو' صدقہ وخیرات کرو اور غلاموں کو آزاد کرو۔''

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے ایک سال بعد اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے' کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی جلدی داغِ مفارقت دے جائیں گے' دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ ظاہری طور پر عاشقانِ رسولؐ اور ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہجر وفراق کا پردہ حائل ہو گیا تھا لیکن معنوی و روحانی لحاظ سے ان کے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تھے' ان کے حسن و محبت سے ان کے اذہان و قلوب اور روحیں

marfat.com

آباد و سرشار تھیں اب تک ہیں اور قیامت تک رہیں گی کیونکہ یہی اصل ایمان ہے اور جو اس نعمت غیر مترقبہ' عطیہ خداوندی اور سرمایہ بے مثل سے تہی دامن ہے' وہ مسلمان ہی نہیں ہے اور جو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا' وہ شیطان ہے اس نے بھی تو اللہ کے محبوب کی ماننے سے انکار کر دیا تھا اور رندۂ درگاہ ہو گیا تھا۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بیٹے کی موت کا غم پہاڑ بن کر ٹوٹا تھا لیکن اپنے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم سے تاقیامت تک کے لیے بچھڑ جانے کا تصور انہیں کبھی خواب میں بھی نہیں آیا تھا لہٰذ' یہ داغِ جدائی ان کے لیے بے حد گراں' ناقابلِ برداشت اور اَن مٹ تھا۔ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار سالہ رفاقت و قرب کا زمانہ یوں لگتا تھا جیسے چار سانسوں میں بیت گیا ہو۔ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادوں میں گم سم رہتی تھیں اب ان کا زیادہ تر وقت یادِ الٰہی میں بسر ہوتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت آیا' آپ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے محبِّ صادق تھے اور محبّ کو اپنے محبوب کے ہر آثار اور چیز سے والہانہ عقیدت و محبت ہوتی ہے اور اس کے پسماندگان کا بے حد خیال رکھتا اور احترام کرتا ہے۔ یہی عشق و محبت کا قاعدہ کلیہ ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرح حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بڑا احترام کرتے تھے اور ان کی ضروریاتِ زندگی کے تمام اخراجات اپنی زندگی کے آخری سانس تک اُٹھاتے رہے اور انہیں کسی نوع کی تکلیف ہونے نہیں دی کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کی والدہ تھیں۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریر آرائے مسند خلافت ہوئے تو وہ بھی اپنے پیشرو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بے حد خیال کرتے تھے اور ان کی زندگی تک کسی قسم کی تکلیف ہونے نہیں دی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے محبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے' ان کے لوحِ دل پر

marfat.com

اپنے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی جس کے بارے میں محمد بن عبداللہ بن سلم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو میں نے اپنے چچا یعنی زہری سے روایت کرتے سنا کہ وہ کہتے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر ابراہیم زندہ رہتے تو میں ہر ایک قبطی سے جزیہ ساقط کر دیتا۔''

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ عالیہ کی تکمیل کر دی۔

وقت بڑی تیز رفتاری سے گزرتا رہا جب سن ۱۶ ہجری کا پہلا مہینہ محرم الحرام آیا تو حضرت ماریہ قبطیہ المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وقتِ وصال آ گیا لہٰذا بستر مرگ پر دراز ہو گئیں' آثار بتاتے تھے کہ وہ اپنے بیٹے ابراہیم اور اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی بجا آوری کے لیے ان کے قدموں میں حاضر ہونے کے لیے بے قرار ہیں' ان کی بہن حضرت سیرین قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قریب بیٹھی آنسو بہا رہی تھیں اور ننھا عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب کھڑا خالہ کی طرف بڑی معصوم نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن نہیں جانتا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے اپنی خالہ سے جدا ہونے والا ہے۔ حضرت ماریہ قبطیہ المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھانجے کی طرف بڑی محبت سے دیکھا جس کے پس منظر میں وہ اپنے بیٹے ابراہیم کو دیکھ رہی تھیں اس کے سر اور گالوں پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرا' بہن کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ تڑپ اُٹھی اور پھر آخری سانس لے کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئیں۔ شاید آنکھیں بند ہوتے ہی انہیں بیٹا اور اپنی زندگی سے پیارا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نظر آ گئے تھے جس کی وجہ سے ان کا چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۹ سال تھی۔ حضرت سیرین قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آنسو تھمنے کا نام نہ لیتے تھے اور اس کا بیٹا عبدالرحمٰن ماں کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔

حضرت ماریہ قبطیہ المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کی خبر آن واحد میں مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں پھیل گئی۔

marfat.com

خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ملی تو فوراً باہر تشریف لے آئے اور پھر بزرگ نیلے آسمان نے دیکھا کہ وہ اُم المومنین حضرت ماریہ قبطیہ کے جنازہ میں شرکت کے لیے لوگوں کو جمع کر رہے ہیں اور جب تجہیز و تکفین کا سارا بندوبست ہو گیا تو ان کی نمازِ جنازہ خود پڑھائی اور پھر قیامت تک استراحت کے لیے ان کے جسد پاک کو جنت البقیع کی پاک زمین کے تخت پر لٹا کر اوپر منوں مٹی ڈال دی گئی۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ زمین کی حقیقت مٹی ہے اور انسان کی حقیقت مٹنا ہے لیکن جو اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عشق کرتا ہے اس کی مٹی روشن و تابندہ ہو جاتی ہے اور اُم المومنین حضرت ماریہ قبطیہ المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک زندہ روشن ہے۔

marfat.com

کتابیات

۱ قرآن حکیم

۲ تفسیر فاضلی منزل ۴

۳ تفسیر فاضلی منزل ۵

۴ تبیان القرآن ج ۲

۵ صحیح بخاری ج ۱

۶ صحیح بخاری ج ۲

۷ شرح صحیح مسلم ج ۴

۸ شرح صحیح مسلم ج ۶

۹ مشکوٰۃ المصابیح

۱۰ مسند احمد ج ۶

۱۱ رحمۃ اللعالمین ج ۲

۱۲ سیرت الرسول

۱۳ ضیاء النبی ج اوّل

۱۴ ضیاء النبی جلد چہارم

۱۵ ضیاء النبی جلد ششم

۱۶ ضیاء النبی ج ہفتم

۱۷ مدارج النبوت ج ۲

۱۸ السیرۃ النبی

۱۹ سیرت ابن ہشام ج ۱

۲۰ تجلیات سیرت

۲۱ مجموعہ صلوات الرسول پارہ ۲۱

۲۲ روضۃ الاحباب

۲۳ خاندانِ نبوت

۲۴ طبقات ابن سعد ج ۱

۲۵ طبقات ابن سعد ج ۸

۲۶ اسد الغابہ ج ۱

۲۷ اسد الغابہ ج ۵

۲۸ اسد الغابہ ج ۱۰

۲۹ سیر الصحابہ ج ۶ حصہ دہم

۳۰ اصابہ ج ۳

۳۱ اصابہ ج ۴

۳۲ خلفائے راشدین

۳۳ تاریخ الخلفاء

۳۴ امہات المؤمنین

۳۵ حیات اُم المؤمنین

۳۶ سیرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

۳۷ البدایۃ ج ۷

۳۸ البدایہ والنہایہ ج ۸

۳۹ کشف الاستاد للبزار ج ۲

۴۰ تاریخ عرب قبل از اسلام

marfat.com

This page devpled by MADNIBABA7242608